پنجاب و ہریانہ
کی
تاریخی مساجد

عطاء الرحمن قاسمی

پنجاب وقف بورڈ

پنجاب وہریانہ کی تاریخی مساجد

عطاء الرحمٰن قاسمی

پنجاب وقف بورڈ، انبالہ

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب	———	پنجاب و ہریانہ کی تاریخی مساجد
مصنف	———	مولانا مفتی عطاء الرحمٰن قاسمی
سن طباعت	———	۱۵/ مارچ ۲۰۰۰ء
صفحات	———	۵۴۰
قیمت	———	۲۰۰/
تعداد	———	ایک ہزار
کمپوزنگ	———	اردو عربی کمپیوٹر سنٹر ۸۰/ سی ابو الفضل انکلیو اوکھلا نئی دہلی ۲۵
مطبوعہ	———	جے کے آفسیٹ جامع مسجد دلی، ۶
ناشر	———	پنجاب وقف بورڈ ۵۰/ سردار پٹیل مارگ انبالہ کینٹ

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ
ایک حوصلہ افزاء اقدام	۱۶
[redacted]	[redacted]
تاثرات	۲۰
پنجاب وقف بورڈ	۲۷
اپنی بات	۳۷
مسجد مجددیہ سرہند	۴۴
درگاہ عالیہ مجددیہ سرہند کا	۴۷
صدر دروازہ	
حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی	۴۸
مسجد مجددیہ	۵۲
وفات	۵۵
خواجہ محمد معصوم سرہندی	۵۹
مدفن	۶۰
مسجد معصومیہ	۶۱
چھوٹی مسجد	۶۳
مسجد ناصر علی سرہندی	//
لال مسجد	۶۴
براس گاؤں	۶۵
مسجد حاجی بابا رتن ہندی	۶۷
قلعہ بھٹنڈہ	۷۰
حاجی رتن ہندی	۷۲
مقبرہ حاجی رتن	۷۴
مسجد رضیہ سلطان	//
زیر تعمیر مسجد	۷۵
عیدگاہ حاجی رتن	//
مسجد خالد بن ولید	۷۷
خالد بن ولید کی شخصیت	۷۸
مزار خالد بن ولید	۸۰
مسجد خالد بن ولید	۸۱
گور غریباں	۸۲

جامع مسجد محلہ شیخان سبزی منڈی	//
کتبہ	//
جامع مسجد بنوڑ	۸۴
مسجد بنگش	۸۶
تاریخ بنا اور بانی مسجد	۸۹
حضرت شیخ آدم بنوری کی شخصیت	۹۰
قصبہ بنور کی دوسری عظیم شخصیت	۹۱
مسجد سرائے مغل جرنیلی سڑک	۹۲
جی ٹی روڈ	//
سرائے شیر شاہ سوری	۹۴
مسجد مغل سرائے	۹۵
غیروں کی شہادت	//
مسجد کلانور گرداسپور	۹۷
اکبر کی تاجپوشی	//
ویران مسجد	۱۰۰
کتبہ اول	//
کتبہ ثانی	۱۰۱
شاہی مسجد لدھیانہ	۱۰۳
شاہی مسجد	۱۰۶
تکیہ شاہ شہداء	۱۰۷
جامع مسجد لدھیانہ	۱۰۹
مسجد ام المدارس	۱۱۰
مسجد ناصر الدین جالندھر	۱۱۲
مرکزی گیٹ	۱۱۴
حضرت امام ناصر الدینؒ	۱۱۵
مسجد	۱۱۶
[redacted] کا انخلاء	[redacted]
چلہ گاہ بابا فرید الدین گنج شکرؒ	//
درگاہ	۱۱۸
حضرت خواجہ امام ناصر الدینؒ کی شخصیت	//
مسجد خیر الدین امرتسر	۱۲۰
بانی مسجد	۱۲۷
فارسی کتبہ	۱۲۸
صحن	۱۲۹
در	۱۳۰
اندرون مسجد	//
گنبد	۱۳۱
مدرسہ عربیہ مسجد خیر الدین	//

مسجد خیر الدین اور تحریک آزادی وطن	۱۳۲
سرائے جدید	۱۳۳
سرائے آغا خاں	۱۳۴
جامع مسجد جان محمد امرتسر	۱۳۵
کتبہ اول	۱۳۶
کتبہ ثانی	۱۳۷
بام ودر	//
اندرون مسجد	۱۳۸
مولانا ثناء اللہ امرتسری کی امامت و خطابت	۱۳۸
مسجد نور، امرتسر	۱۴۰
کتبہ	۱۴۱
مسجد درگاہ مانکپور	۱۴۳
مرکزی دروازہ	//
درگاہ	۱۴۴
مسجد درگاہ	۱۴۵
تالاب	۱۴۶
مقبوضہ مسجد	۱۴۷
جامع مسجد کپورتھلہ	۱۴۸
جامع مسجد	۱۴۹
باب الداخلہ	۱۵۱
فارسی کتبہ	//
انگریزی کتبہ	۱۵۲
ماذنہ	۱۵۳
گنبد	۱۵۴
اندرون مسجد	//
جامع مسجد سیف آبادی	۱۵۶
جامع مسجد سیف آبادی	۱۶۲
مسلم کالونی پٹیالہ	//
جامع مسجد بٹالہ	۱۶۴
مقبوضہ جامع مسجد	۱۶۸
تاریخ ہند کا ایک سیاہ باب	۱۶۹
پنجاب وقف بورڈ کا سروے	۱۷۰
غیر مسلم پٹواری کی شہادت	//
مدرسہ	//
مسجد ضلع گرداسپور	۱۷۲
مسجد نبی پور (گاؤں)	۱۷۵
جامع مسجد ہوشیار پور	۱۷۷
جامع مسجد	۱۷۸
عیدگاہ	۱۷۹
اسلامیہ ہائی اسکول ہاسٹل	//

اردو کتبہ	١٨٠
انگریزی کتبہ	//
جامع مسجد پھگواڑہ	١٨٢
جامع مسجد	//
تقسیم ملک اور مسجد پر ناجائز قبضہ	١٨٣
مسجد میں جلسہ سیرۃ النبی	١٨٤
مولانا کی آخری آرام گاہ	//
مسجد خلیفہ بن عبدالعزیز	١٨٦
جلیانوالہ باغ	//
گولڈن ٹیمپل کے احاطہ میں مسجد	١٨٨
درگاہ شیخ فتاء تحصیل ترن تارن	١٨٩
مسجد دارالاسلام	١٩١
پٹھان کوٹ	
دار الاسلام پٹھانکوٹ	١٩٣
مسجد دار الاسلام	١٩٤
جامع مسجد مالیر کوٹلہ	١٩٦
جامع مسجد پر ایک نظر	١٩٨
مسجد بند والی	//
عید گاہ	٢٠٠
مقبرہ شیخ صدر الدینؒ	١٠٢
جامع مسجد چنڈی گڑھ	٢٠٣
جامع مسجد	٢٠٤
گنبد	٢٠٥
مینار	//
پارک	٢٠٦
معذرت	//
جامع مسجد مکتسر	٢٠٧
جامع مسجد	٢٠٨
تاریخی کتبہ	//
صحن	٢٠٩
بام و در	//
اندرون مسجد	٢١٠
مسجد میں گوردوارہ	//
قبرستان	٢١٢
مسجد بابا فرید کوٹ	٢١٣
مسجد	٢١٤
چلہ گاہ بابا فریدؒ	٢١٥
حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ	//
قلعہ	٢١٧
گدڑی صاحب	//
جامع مسجد فیروزپور	٢.١٩
مسجد چھاونی	٢٢٠

مسجد بستی ٹینکاوالی	۲۲۱
جامع مسجد	۲۲۲
مسجد بوعلی شاہ قلندرؒ پانی پت	۲۲۳
قلندری گیٹ	۲۲۴
مولانا حالی اور نیشنل لائبریری	۲۲۵
مزار مولانا حالی	۲۲۶
حوض	۲۲۸
صحن	۲۲۹
مسجد بوعلی شاہ قلندر	//
کتبہ ندارد	۲۳۰
گنبد اور مینار	۲۳۱
مقرب خاں کے مختصر حالات زندگی	//
مقبرہ، نواب مقرب خاں کا، طرز تعمیر	۲۳۲
موسمیات کی شناخت کیلئے قیمتی پتھر	//
زہر مہرہ	۲۳۳
مقبرہ بوعلی شاہ قلندر	//
کسوئی کا پتھر (ستون کسوٹی)	۲۳۴
حضرت بوعلی شاہ قلندرؒ کا مختصر تذکرہ	۲۳۶
حضرت بوعلی شاہ قلندرؒ اور علاء الدین خلجی	۲۳۷
وصال اور مزار	۲۴۰
حضرت مبارک علی شاہؒ کا مقبرہ	//
آخری بات	۲۴۱
مسجد درگاہ شمس الدین ترکؒ پانی پتیؒ	۲۴۲
حضرت شمس الدین ترک	//
وفات	۲۴۴
درگاہ پر ناجائز قبضہ	۲۴۵
مقبوضہ مسجد	۲۴۶
مسجد مخدوم صاحبؒ پانی پت	۲۴۷
مقبرہ مخدوم صاحب	//
مخدوم المشائخ کا مختصر تذکرہ	۲۴۸
مسجد مخدوم صاحب	۲۵۰
مرقد	۲۵۲
مسجد اور درگاہ کا انخلاء	۲۵۳
مدرسہ مخدوم	۲۵۴
مسجد مخدوم صاحب میں گاندھی جی کا خطاب	//

عنوان	صفحہ
مسجد درگاہ بو علی شاہ قلندرؒ کرنال	۲۵۶
کرنال کی وجہ تسمیہ	//
درگاہ بو علی شاہ قلندر	۲۵۸
مقبوضہ مسجد درگاہ بو علی شاہ قلندر	۲۵۹
بانی مسجد	//
مسجد میں گرنتھ صاحب	۲۶۰
قلندری دروازہ	۲۶۱
درگاہ قصوری	//
مسجد حصار فیروزہ	۲۶۲
حصار فیروزہ کے دروازہ پر نصب شدہ تختی	۲۶۵
حصار فیروزہ کی تاریخ تعمیر	۲۶۷
بانی مسجد حصار فیروزہ	۲۶۹
صحن میں مقبرہ	//
صحن میں مینارۂ زریں	۲۷۰
درودیوار کی دلآویزی	//
حوض کبیر	۲۷۱
سہ دری	۲۷۲
محل	//
مسجد داناشیر بہلول	//
گوروجمیشور یونیورسٹی کے احاطے میں مقبرے	۲۷۳
جامع مسجد حصار فیروزہ میں ہنومان مندر	//
مسجد قلعہ کہنہ ہانسی	۲۷۵
مسجد و درگاہ اندرون قلعہ	۲۷۸
قلعہ کی دوسری مسجد	۲۸۱
مسجد چہار قطب یا مسجد فیروز شاہی	//
مسجد چہار قطب کا تذکرہ	۲۸۲
مشائخ ہانسی	۲۸۳
اولیاء مسجد کی روحانی اہمیت وعظمت	۲۸۵
اردو کتبہ	//
احاطہ چہار قطب کے دوسرے آثار	۲۸۶
مسجد قلعہ فتح آباد	۲۸۸
فتح آباد	//
عیدگاہ	//
مسجد ہمایوں (قلعہ فتح آباد)	۲۹۰
مسجد کوٹلہ میوات	۲۹۲
شاہی مسجد عیدگاہ مالب	۲۹۴
مسجد بھونڈسی	۲۹۶
بھونڈسی میں حضرت معین الدین	//

چشتیؒ کی تشریف آوری		محکمہ آثار قدیمہ (ASI)	۳۱۲
مسجد کا فن تعمیر	۲۹۸	سے درد مندانہ اپیل	
تہہ خانہ	۲۹۹	مسجد مقبرہ ابراہیم سور نارنول	۳۱۴
منہدم دیوار	//	مسجد ابراہیم سور	۳۱۶
وقف زمین	۳۰۰	مسجد	۳۱۷
مقبرے	//	مقبرہ ابراہیم سور	۳۱۸
مسجد درگاہ شیخ موسیٰ پلہ	۳۰۱	مدرسہ	۳۱۹
مسجد کابلی باغ پانی پت	۳۰۴	مسجد درگاہ حضرت قادر قمیص اعظمؒ	۳۲۱
تاریخ تعمیر مسجد	۳۰۶		
مرکزی دروازہ	//	حضرت شاہ قادر قمیص اعظمؒ	۳۲۲
صحن	۳۰۷	کی شخصیت	
ناکارہ کنواں	۳۰۸	ساڈھورہ میں آمد	۳۲۳
مسجد میں نماز باجماعت	//	ہمایوں بادشاہ	۳۲۴
در کی تعمیری خصوصیت	۳۰۹	وفات	۳۲۵
تاریخی کتبہ	//	درگاہ قمیص اعظم	۳۲۶
شمالی دالان	۳۱۰	درگاہ کی مسجد	۳۲۷
جنوبی دالان	//	کتبہ	۳۲۸
گنبد	۳۱۱	صدر دروازہ	//
جنوبی شکستہ گنبد	//	برآمدہ	۳۲۹
مسجد کی وقف اراضی	//	اندرون مسجد	//

مسجد کی ناگفتہ بہ حالت	//
جامع مسجد فرید آباد	۳۳۱
فرید آباد	۳۳۴
تعمیرات کا ذوق	//
جامع مسجد فرید آباد	۳۳۶
فارسی کتبہ	۳۳۷
اندرون مسجد	۳۳۸
مقبوضہ وقف اراضی	۳۳۹
امامت و خطابت	۳۴۰
عید گاہ	//
تالاب	//
مسجد سیدواڑہ	۳۴۱
مسجد قاضیان ساڈھورہ	۳۴۲
مسجد قاضیان کا محل وقوع	//
بانی مسجد قاضیان	۳۴۳
کتبہ کی شہادت	//
باب الداخلہ	۳۴۴
صحن	//
کچے صحن میں مزارات	//
تین در	۳۴۵
اندرون مسجد	//
گنبد	۳۴۶
ارون شوری صاحب کا مبلغ علم	۳۴۷
مسجد قلعہ سیف خاں بہادر گڑھ	۳۴۹
سیف آباد	۳۵۰
مسجد اندرون قلعہ	//
سیف خاں کا مزار	۳۵۱
جامع مسجد تراوڑی	۳۵۲
اعظم آباد (تراوڑی)	۳۵۳
قلعہ	۳۵۴
مسجد قلعہ اعظم آباد	۳۵۵
شاہی تالاب	//
شاہی عید گاہ	//
جامع مسجد	۳۵۶
مسجد کا انخلاء	۳۵۷
شاہی جامع مسجد پنجور	۳۵۹
بانی شاہی مسجد	//
فدائی خاں کا مختصر تعارف	۳۶۲
فدائی خاں کی تعمیرات	۳۶۳
مہاراجہ پٹیالہ اور بانی مسجد کا وصیت نامہ	//

باب الداخلہ	۳۶۵
صحن	//
صحن میں وضو خانہ زیر تعمیر	۳۶۶
در	۳۶۷
بیت الصلوۃ	//
گنبد	۳۶۸
۱۹۴۷ء کا حادثہ	//
باؤلی	//
نالیاں	۳۶۹
مغل گارڈن پنجور	۳۷۰
مسجد شاہ نجم الحق سہنہ	۳۷۳
مسجد شاہ نجم الحق	//
مسجد نجم الحق میں سرکاری اسکول	۳۷۵
مسجد بارہ کھمبہ سہنہ	۳۷۶
گمنام مسجد	//
سید ناصر الدینؒ سونی پت	۳۷۷
درگاہ ماموں بھانجے	۳۷۸
مسجد سید ناصر الدین	۳۸۰
فارسی کتبہ	//
مسجد کا اندرونی حصہ	۳۸۱
قدیم قبرستان	۳۸۱
اسکول اور مدرسہ	۳۸۲
مقبوضہ جامع مسجد	//
عیدگاہ	//
مسجد شیخ چلی تھانیسر	۳۸۳
شیخ چلی	۳۸۵
مدرسہ شیخ چلی	۳۸۶
مقبرہ شیخ چلی	۳۸۷
مسجد شیخ چلی	۳۸۸
مقبرہ شیخ جلال الدین تھانیسریؒ	۳۸۹
کتبہ	۳۹۰
مسجد شیخ تھانیسری	۳۹۱
کھنڈرات	۳۹۲
مسجد لکھی شاہؒ شہر انبالہ	۳۹۳
مقبرہ لکھی شاہؒ	۳۹۷
مسجد لکھی شاہؒ	۳۹۸
جامع مسجد سائیں توکل شاہؒ	۳۹۹
مسجد کی فنی خصوصیت	//
مسجد حضرت سائیں توکل شاہ میں کیمپ	۴۰۱

پنجاب وقف بورڈ کی تشکیل	۴۰۲
حضرت سائیں توکل شاہ کی شخصیت	//
قطعۂ تاریخ	۴۰۳
ٹیکنیکل ادارے	۴۰۴
مسجد میراجی بھیکؒ	۴۰۵
میراجی بھیکؒ	۴۰۶
مقبرہ	۴۰۸
مقبوضہ مسجد	//
درگاہ محمد شاہ	۴۰۹
جامع مسجد کیتھل	۴۱۰
جامع مسجد	۴۱۱
درگاہ شاہ کمال کیتھلیؒ	۴۱۲
درگاہ شاہ سکندرؒ	۴۱۳
عیدگاہ	۴۱۴
گمنام مقبرہ	//
درگاہ مخدوم شاہ صاحبؒ	۴۱۵
شاہی مسجد بوڑیہ	۴۱۶
شاہی مسجد پیر والی	۴۱۷
جامع مسجد	۴۱۸
مسجد میں اصطبل اور انخلاء	۴۱۹
کنواں	//
مدرسہ	۴۲۰
جامع مسجد خضر آباد	۴۲۱
قتل عام	۴۲۲
مسجد رسول پور پلول	۴۲۴
مسجد رسول پور	۴۲۶
مقبرہ سید چراغ	//
لوح	۴۲۷
بی بیوں کی مسجد	//
قلعہ	۴۲۸
کربلا	۴۲۹
جامع مسجد میہم	۴۳۰
جامع مسجد میہم	۴۳۳
کتبہ	//
مسجد میں گوردوارہ	۴۳۴
باؤلی	۴۳۵
جامع مسجد روہتک	۴۳۶
جامع مسجد روہتک	۴۳۸
مسجد فردوس	۴۳۹
مسجد علی وردی خاں گوڑگانواں	۴۴۱

مسجد علی وردی خاں	۴۴۲	تاریخ بنا	//
مسجد موضع چومہ کھیڑہ	۴۴۴	فارسی کتبہ	//
مسجد بارہ ہزاری ریواڑی	۴۴۵	صدر دروازہ	۴۶۵
مسجد بارہ ہزاری	//	حوض اور در	۴۶۶
کتبہ	۴۴۶	گنبد	//
لال مسجد	۴۴۷	تقسیم وطن اور مسجد	۴۶۷
مسجد گاردہ	۴۴۸	**جامع مسجد کینٹ انبالہ**	۴۶۸
جامع مسجد لوہارو	۴۴۹	مسجد کی وسعت	۴۶۹
جامع مسجد	۴۵۱	کھڑکیاں	//
کتبہ	۴۵۲	باب الداخلہ	//
مسجد قلعہ نواب لوہارو	۴۵۳	مولانا مبین الدین صاحب کی	۴۷۰
کالی مسجد جھجر	۴۵۶	خطابت	
کالی مسجد	۴۵۸	مسجد کی واگزاری	//
مسجد باغ جہاں آرا جھجر	//	دینی ادارہ	۴۷۳
مسجد مقبرہ بہادر گڑھ	۴۵۹	**افتخار المساجد**	۴۷۴
جامع مسجد بلب گڑھ	۴۶۱	افتخار المساجد	۴۷۵
عیدگاہ بلب گڑھ	۴۶۲	**ہریانہ کی متفرق مسجدیں**	۴۸۱
قلعہ	۴۶۳	جامع مسجد مہندر گڑھ	//
مزارات	//	جامع مسجد بھوانی	//
جامع مسجد کرنال	۴۶۴	مسجد لاہالی	۴۸۲

جامع مسجد جند ۴۸۲

جامع مسجد کلانور ۴۸۳

جامع دوجانہ //

جامع مسجد فیروزپور جھرکہ ۴۸۵

جامع مسجد بیوان ۴۸۶

جامع مسجد موضع شاہ چوکھا ۴۸۷

جہانگیری مسجد قلعہ کانگڑہ ۴۹۰

قلعہ کانگڑہ ۴۹۱

قلعہ پر محمد شاہ تغلق کا قبضہ ۴۹۴

قلعہ پر فیروز شاہ تغلق کا قبضہ ۴۹۶

قلعہ پر جہانگیر بادشاہ کا قبضہ ۴۹۸

شکستہ مسجد اندرون قلعہ ۵۰۱

مسجد جہانگیری اندرون قلعہ ۵۰۲

مسجد قلعہ نورپور ۵۰۴

قلعہ نورپور ۵۰۵

مسجد قلعہ نورپور ۵۰۶

مسجد نورپور ۵۰۸

جامع مسجد بالوگنج شملہ ۵۰۹

قدیم مسجد بالوگنج ۵۱۲

موجودہ مسجد //

مسجد بالوگنج پر ناجائز قبضہ //

مسجد میں امام کا تقرر ۵۱۳

مدرسہ اصلاح الفکر //

جامع مسجد مڈل بازار شملہ ۵۱۴

جامع مسجد لوور بازار شملہ ۵۱۵

کتبہ //

عیدگاہ لکڑ بازار شملہ ۵۱۶

قطب مسجد (نزد تھانہ صدر) شملہ //

جامع مسجد سولن ۵۱۸

جامع مسجد ۵۱۹

مسجد بلاسپور ۵۲۰

جامع مسجد کلو ۵۲۲

جامع مسجد ۵۲۳

منالی ۵۲۴

مسجد الرحمٰن جگت سکھ //

مسجد مکلوڈ گنج دھرم شالہ ۵۲۶

مکلوڈ گنج ۵۲۸

مسجد مکلوڈ گنج میں ویلفیئر کا دفتر //

مسجد میں موجود تبتی ملازمین سے گفتگو ۵۲۹

تصویر کا قصہ //

ایک فوٹو فروش کی شہادت ۵۳۰

پھر صبح مسجد میں	۵۳۰	
مسجد مکلوڈ گنج کے متعلق آل انڈیا	۵۳۱	
مسلم مجلس مشاورت کی تجویز	//	
مسجد یول کینٹ	۵۳۱	
مسجد پالم پور	۵۳۲	
کتابیات	۵۳۳	
تصویریں	۵۳۸	
=	// ۵۴۰	

ایک حوصلہ افزاء اقدام

ہندوستان کے طول وعرض میں لاتعداد ایسے تاریخی مساجد ومقابر موجود ہیں جنھیں یا تو سلاطین وقت نے تعمیر کرایا ہے یا وہ معتقدین اور عوام الناس کی جانب سے صوفیاء کرام اور اولیاء اللہ کی یادگار کے طور پر تعمیر کئے گئے ہیں۔ ملک کے دیگر خطوں کی طرح تاریخی عمارات کا ایک قابل لحاظ حصہ پنجاب وہریانہ کی سرزمین پر بھی موجود ہے۔ مگر بدقسمتی سے اس خطہ میں ایسی اکثر عمارات کی شکلوں کو تقسیم کی کاری ضرب نے ایسا بگاڑ دیا ہے کہ وہ مسخ ہو کر رہ گئی ہیں، اور ان کا فطری حسن وجمال اپنی تابانی کھو بیٹھا ہے۔

تاہم پنجاب وقف بورڈ کے قیام ١٩٦٠ء کے بعد سے بورڈ کی جانب سے حتی المقدور ایسی تاریخی عمارات کی مرمت ودیکھ بھال کی جاتی رہی ہے، لیکن پھر بھی تقسیم کے تھپیڑوں نے بعض عمارات کو ایسا مخدوش ومضروب بنا کر رکھ دیا ہے کہ امروز انھیں سطح ارض سے زیادہ تاریخ کے اوراق میں پہچان لینا آسان ہے، آج ان عمارات کے نزدیک جب کوئی زائر پہونچتا ہے تو اسے ان عمارات سے، یہی صدا بلند ہوتی ہوئی سنائی دیتی ہے ؎

تاریخ نے قوموں کے وہ دور بھی دیکھے ہیں
لمحوں نے خطا کی تھی صدیوں نے سزا پائی

مذہبی نوعیت کی تاریخی عمارات کے لئے پنجاب وقف بورڈ کی یہ کوشش جو ایک کتاب کی شکل میں آپ کے ہاتھوں میں پہونچ رہی ہے تقسیم ملک کے بعد ان عمارات کی ایک مستند تاریخ ہے جو یقیناً تاریخ کی شکل میں آئندہ نسلوں کیلئے ایک دستاویز ثابت ہو گی۔

ڈاکٹر نعیم عثمان صدیقی
ایڈمنسٹریٹر،
پنجاب وقف بورڈ
انبالہ چھاونی
۱۰ر جنوری ۲۰۰۰ء

تاثرات

"پنجاب، ہریانہ اور ہماچل پردیش کی تاریخی مساجد"، پیش نظر اہم کتاب مولانا مفتی عطاء الرحمٰن صاحب قاسمی کی انتھک جدوجہد اور تصنیفی صلاحیت اور مہارت کا بہترین شاہ کار ہے۔

اسی کے ساتھ پنجاب وقف بورڈ کے فرض شناس اور وطن دوست ذمہ داران کی توجہ اور تعاون کا واضح ثبوت ہے۔

"دلی کی تاریخی مساجد" کتاب کی اشاعت کے بعد اس علاقہ کی مساجد اور مذہبی آثار کے تاریخی تحفظ کی ضرورت سامنے آرہی تھی، مگر اس مشکل ترین کام کی تکمیل کیسے ہو اور کون کرے؟

یہ سوال بہت پریشان کن تھا، اللہ تعالیٰ نے اس مشکل کام کیلئے دارالعلوم دیوبند کے ایک ہونہار فاضل، دینی علوم کے صاحب صلاحیت واہلیت اور دنیوی علوم کے گریجویٹ (ایم، اے) مولانا مفتی عطاء الرحمٰن صاحب قاسمی کو منتخب کیا اور ان کی محنت، تحقیقی ذوق اردو تحریر کی مہارت اور اس پر توفیق خداوندی نے یہ مشکل کام آسان کر دیا۔

میر تقی میر کہتے ہیں ؎

حسن کلام کھینچے کیونکر نہ دامن دل   اس کام کو ہم آخر محبوب کر چکے ہیں

مولانا عطاء الرحمٰن قاسمی علم و تحقیق کی بہترین صلاحیت کے ساتھ

"حب وطن" کے جذبہ سے بھی سرشار ہیں اور یہ قومی جذبہ انہیں تحریک آزادی کے مستحکم قلعہ اور تحریک آزادی کے عظیم قائد شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن اسیر مالٹا کے مرکز رشد وہدایت کی تربیت سے حاصل ہوا ہے، اور پیش نظر کتاب کی جاں گسل ترتیب و تحقیق میں انکے اس جذبہ نے بھی کام کیا ہے کہ ان کے وطن عزیز کی شان اونچی ہو اور دنیا دیکھے کہ ہندوستان کو مسلمانوں کے آثار واو قاف کی حفاظت کا پورا پورا خیال ہے۔

مولانا نے ہندوستان کے مشہور علمی ادارہ جامعہ رحیمیہ حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ میں میرے دور اہتمام میں کئی سال عربی کی اہم تفسیری حدیثی اور فقہی کتابوں کا درس دیا اور ایک اچھے استاد کی شہرت حاصل کی۔

مولانا قاسمی کی دوسری تصانیف بھی نہایت مقبول ہیں اور ملک کے ممتاز اہل علم و قلم نے ان کی تصنیفات کو پسند کیا ہے اور اچھے الفاظ میں ان کی حوصلہ افزائی کی ہے۔

۱. الواح الصنادید حصہ اول
۲. الواح الصنادید حصہ دوم
۳. نقوش خاطر
۴. دلی کی تاریخی مساجد حصہ اول
۵. دلی کی تاریخی مساجد حصہ دوم

یہ دلی ہمیشہ سے اہل علم کا گہوارہ رہی ہے اور انہی باکمال افراد سے دلی کی شان اونچی رہی ہے اور اس شہر کو بصرہ و بغداد کا ہم سر کہا گیا ہے۔

فتوح السلاطین کے مصنف عصامی نے عہد شمسی کی دلی، کی تعریف کر کے آخر میں یہ شعر لکھا ہے۔

یکے کعبہ ہفت اقلیم شد دیارش ہمہ دارا سلیم شد

(ص ۱۱۱)

اس ناچیز (اخلاق حسین قاسمی) نے ۱۹۴۷ء کے قیامت خیز حالات میں اس علاقہ کے بعض مقامات کا دورہ کیا تھا۔ اور اس وقت یہ حقیقت میرے سامنے آئی تھی کہ یہ علاقہ پیروں، فقیروں کا گہوارہ تھا، اور اس وجہ سے اس علاقہ میں ہندوستان کے دوسرے حصوں سے زیادہ مذہبی اوقاف واقع ہیں، اور یہ اوقاف اب ہندوستان کے سیکولر نظام حکومت کی حفاظت میں آگئے ہیں، اور ہندوستان کے سیکولرازم کی آزمائش بن گئے ہیں۔

خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہندوستان کا عوامی جمہوری نظام اس آزمائش میں بڑی حد تک کامیاب ہوا ہے۔ پنجاب کے بعض علاقوں میں میں نے دیکھا کہ مسلمانوں کے انخلاء کے بعد وہاں کے ہندو سکھ صاحبان نے درگاہوں کی حفاظت کی اور مسلمانوں کے دورے سے ان مقابر کی رونق زیادہ ہو گئی۔

درگاہوں کے مجاور پہلے سے زیادہ مزے اڑا رہے ہیں، پھگواڑہ (پنجاب) کی درگاہ اس کا واضح ثبوت ہے، بعض اوقاف کی ناجائز قبضوں سے واگذاری کے لئے ہماری عدالتوں نے جو منصفانہ فیصلے کئے وہ ہندوستان کی عدلیہ کے باوقار کردار کا اہم ثبوت ہے۔

پاکستان کے مشہور مذہبی اسکالر ڈاکٹر اسرار احمد صاحب صدر تنظیم اسلامی پاکستان حصار (ہریانہ) کے رہنے والے ہیں اور وہ اپنے آپ کو مہاراجہ اگروال کی نسل سے کہتے ہیں، ڈاکٹر صاحب نے حصار میں واقع اپنے آبائی گھر کو دیکھنے کی خواہش کی، اس کا انتظام ہوا اور ڈاکٹر صاحب اپنی جائے ولادت پر پہنچے، اس گھر میں ہندو خاندان آباد ہے، گھر والوں نے ڈاکٹر صاحب کی بہت مدارات کی، جس مسجد

میں یہ لوگ نماز ادا کرتے تھے، اس مسجد کو صاف ستھری حالت میں دیکھا، اور پاکستان واپس جاکر اپنے اخبار (نداء لاہور) میں ہندستان کے سیکولر انتظام کی بڑی تعریف کی۔

۱۹۵۳ء کا واقعہ ہے کہ حضرت بو علی شاہ قلندر پانی پتیؒ کے عرس کی تقریب میں مجھے شریک ہونے کا موقع ملا۔

اس خاص تقریب میں ہندو سکھ عوام کے علاوہ ہندوستان کے بعض سیاسی لیڈر اور خان عبد الغفار خان انبالوی (ایم، ایل، اے) اور مشہور مجاہد آزادی مولانا لقاء اللہ عثمانی پانی پتیؒ اور پاکستان سے آنے والے مہمان بھی شریک تھے۔

کانگریس اور جمیعۃ علماء ہند کے بڑے رہنماؤں مولانا احمد سعید صاحب دہلویؒ اور مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ ایم پی کو بھی تقریب میں شریک ہونا تھا، مگر راستے میں گاڑی خراب ہونے کی وجہ سے وہ حضرات شرکت کرنے سے رہ گئے تھے۔

اس تقریب میں اس ناچیز نے حضرت قلندر صاحب کی انسانیت نواز اور محبت بھری زندگی پر تقریر کرتے ہوئے ایک خاص بات یہ کہی کہ ہندوستان کی سرزمین ان اولیاء اللہ کی آرام گاہ ہے جنہوں نے بغداد و بصرہ کی تمدنی چمک دمک اور خوش حالیوں کو چھوڑ کر ہندوستان کے ریگستانی علاقوں اور غریب دیہاتوں کو اپنا مسکن بنایا، اور حضرت خواجہ اجمیریؒ، قلندر صاحبؒ، حضرت شاہ ولایت پانی پتیؒ حضرت کبیر الاولیاءؒ، حضرت قطب صاحب، اور حضرت امام ربانی سرہندیؒ اور ہزاروں صوفیاء کرام رحمھم اللہ نے اس سرزمین کو اپنی روحانیت سے فیض یاب کیا، اور سیکڑوں برس سے ان کے آستانے ہندو مسلم اور سکھ عوام کی عقیدت کا مرجع بنے ہوئے ہیں، سرزمین ہند کی عظمت کا یہ بڑا اہم پہلو ہے اس لئے اگر کوئی ملک محض

سیاسی رقابت کے جذبہ سے ایسے ملک کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا ہے تو وہ اپنے حق میں برا کرتا ہے۔

مسلمانوں کی بڑی تعداد اگرچہ اس سرزمین سے چلی گئی مگر وہ صوفیاء کرام اپنے ہندو سکھ عقیدت مندوں کے دلوں میں بسے ہوئے ہیں۔

پاکستان مہمانوں میں ایک صاحب صحافی بھی تھے، انہوں نے میری تقریر اور عرس کی اس تقریب کی رپورٹ جنگ کراچی میں بڑی سرخیوں کیساتھ شائع کی۔

۶۰ء کی بات ہے کہ میرے پاس فاضلکا (فیروزپور) کی شوگر فیکٹری کے ایک کارندے سردار صاحب آئے، اور مجھ سے کہا کہ ہماری شوگر فیکٹری کے ایک افسر کو کئی بار خواب میں باوا پیر نظر آچکے ہیں اور وہ یہ کہتے ہیں کہ اس مقام پر (جگہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) میرا مزار ہے، اسے توڑ دیا گیا ہے، اسے دوبارہ بنوا دو، فیکٹری والوں نے وہ مزار بنوا دیا، اور اس پر چراغ بتی کا انتظام کر دیا، ہماری فیکٹری میں صرف ایک مسلمان ملازم مصطفےٰ نام کا ہے، اسے مزار کی دیکھ بھال کیلئے مقرر کر دیا گیا، ویسے ہم سب ہندو سکھ ملازم اس مزار سے عقیدت رکھتے ہیں، انہوں نے بتایا کہ ہمارے قریب ابوہر قصبہ ہے جہاں پانچ پیروں کی درگاہ ہے، اس کا انتظام بھی ایک ہندو خادم کرتا ہے۔

وہ سردار صاحب چاہتے تھے کہ مزاروں پر مسلمان جو عرس اور ختم وغیرہ کرتے ہیں، اس کے انتظام کیلئے کچھ مسلمانوں کو ہمارے پاس بھیجا جائے سارا خرچہ ہم لوگ کریں گے میں نے چند حافظ اور کچھ نعت خواں میلاد پڑھنے والے وہاں بھیج دیئے۔

یہ ہے اس سرزمین کی شان، مسلمان نہیں تو ہندو سکھ صاحبان ہی سے یہ اللہ والے اپنی خدمت لے رہے ہیں۔

پیش نظر تاریخی کتاب مستند تاریخ نویسی کے تمام اصولوں کے مطابق پوری ذمہ داری کے ساتھ تحریر کی گئی ہے، محض کہانیوں اور افسانوں کے طور پر تحریر نہیں کی گئی۔

یہ تاریخی دستاویزی کتاب ہندوستان کے سیکولرازم اور ہندوستان میں مسلمانان ہند کی تہذیب و ثقافت کے تحفظ کی ضمانت کے تعلق سے بھی ایک اہم قدم ہے۔

ہندوستان پوری طرح سنجیدہ ہے کہ ہندوستان میں مسلمانان ہند کی عظیم ثقافت کے جو آثار قدم قدم پر قائم ہیں، انہیں قائم رہنا چاہئے۔

کیا میں یہ پوچھ سکتا ہوں کہ ہمارے پڑوسی ملک میں بھی اس معاملہ میں ایسی سنجیدگی موجود ہے، اور اس کے ثبوت میں کیا اس طرف سے اس قسم کا کوئی قدم اٹھایا گیا ہے؟، اگر نہیں تو کیا مرزا غالب نے غلط کہا ہے ؎

بے اعتدالیوں سے اپنی سبک سب میں ہم ہوئے
جتنے زیادہ ہوگئے اتنے ہی کم ہوئے

پانچ سو صفحات پر مشتمل یہ اہم تاریخی دستاویزی کتاب حسب ذیل خصوصیات کی حامل نظر آتی ہے۔

۱. مختلف مساجد و آثار کی پچاس تصاویر پر مشتمل ہے۔
۲. مساجد و آثار سے متعلق اہم قانونی دستاویزات شامل ہیں۔
۳. تاریخی مساجد کے حوالے، عربی، فارسی اور انگریزی کتابوں سے تحریر کئے گئے ہیں۔
۴. مساجد و آثار کے رقبے اور ان سے متعلق اوقاف کی نشاندھی کی گئی ہے۔

امید ہے کہ اس کتاب کا ہندی اور انگریزی زبانوں میں ترجمہ کرا کرا سے

شائع کیا جائے گا۔

مصنف نے اہم تاریخی آثار کا تعارف کراتے ہوئے ان آثار کے بانی بعض مسلم سلاطین اور مسلم امراء کا بھی تعارف کرایا ہے اور ان آثار کے دل فریب اور دل نواز محل وقوع کی بھی قارئین کو سیر کرائی ہے۔

مصنف نے بعض اہم تاریخی عبادت گاہوں کے سلسلہ میں مغل حکمرانوں کی غیر جانب داری اور سیکولر ذہنیت اور مساجد کی طرح مندروں اور گوردواروں کے لئے دی جانے والی جاگیروں سے بھی قارئین کو باخبر کیا ہے اور اس کتاب کا یہ پہلو خاص طور پر قابل مطالعہ ہے۔

بہر حال یہ کتاب ہر پہلو سے اپنے موضوع پر ایک جامع کتاب ہے، اور اس کو مرتب اور شائع کرانے والے پنجاب وقف بورڈ اور حکومتی افسران قابل تبریک وتشکر ہیں۔

(مولانا) اخلاق حسین قاسمی دہلوی،
لال کنواں، دہلی ۶
۲۱ر فروری ۲۰۰۰ء

پنجاب وقف بورڈ

۱۹۶۰ء تا ۲۰۰۰ء

تاریخ شاہد ہے کہ ہندوستان میں جتنے بھی فاتحین آئے وہ سب مغرب کی جانب سے آئے اور ان کے دہلی تک پہونچنے کی گذرگاہ ہریانہ و پنجاب کی سرزمین رہی، چنانچہ وہ علاقے میدان جنگ بنے جہاں کسی وقت میں ہندوستان کی تقدیر کے فیصلے لکھے جاتے تھے، ان حالات میں سرزمین پنجاب وہریانہ میں تاریخی یادگاروں کا پایا جانا ایک قدرتی امر ہے۔

مسلم سلاطین اور فرمانرواؤں نے ملک کے دوسرے علاقوں کی طرح یہاں بھی ایسی ایسی یادگار تعمیرات ثبت کی ہیں، جو تاریخی حیثیت کیساتھ ساتھ فن تعمیر کا بھی ایک نادر نمونہ ہیں۔

ملک کے تمام صوبوں میں ہریانہ و پنجاب ایک ایسا علاقہ ہے، جسے تقسیم وطن کی ہولناکیوں نے بری طرح متاثر کیا، پنجاب کا نام آتے ہی ذہن میں ایک ہیجان برپا ہو جاتا ہے، اور تقسیم کی پر آشوب یادیں سامنے آنے لگتی ہیں، جن کے نتیجہ میں مشرقی پنجاب (موجودہ ہریانہ، پنجاب وہماچل پردیش) مسلمانوں سے تقریباً خالی ہوگیا، اوقاف کا نظام بھی درہم برہم ہوگیا، ہمارے اسلاف کی بے پایاں کوششوں سے 1954ء میں پارلیمنٹ نے اوقاف کے انتظام کیلئے سنٹرل وقف ایکٹ پاس کیا جس کے تحت حکومت پنجاب کے نوٹیفیکشن نمبر

8413-3j-60/32801 مورخہ 2/ ستمبر 1960ء کے ذریعہ پنجاب وقف بورڈ کا قیام عمل میں آیا اور حسب ذیل ارکان پر اولین بورڈ تشکیل دیا گیا۔

۱. مولانا لقاء اللہ عثمانی (پانی پت)

۲. خان عبدالغفار خاں، ایم، ایل، اے، انبالہ شہر

۳. لفٹیننٹ کرنل خواجہ محمد سعید، مال روڈ، شملہ

۴. شیخ نیاز احمد ایڈوکیٹ، کپورتھلہ

۵. بابو محمد شفیع، صدر انجمن اہلحدیث، موتی بازار، محلّہ لوہاران، مالیر کوٹلہ

۶. خان عبدالصمد خاں، صدر مجلس احناف، مالیر کوٹلہ

۷. شیخ علی حسن، صدر شیعہ کانفرنس، مالیر کوٹلہ

۸. خلیفہ مقبول احمد، روضہ شریف سرہند

۹. چودھری محمد اشرف خاں، ہیڈ ماسٹر، نوح ضلع گوڑگانواں

۱۰. چودھری محمد عبدالرشید، موضع خضری، تحصیل جگادھری ضلع انبالہ

۱۱. مولانا خلیل الرحمٰن لدھیانوی، مسجد خیر الدین، امرتسر

پنجاب وقف بورڈ کے ادوار کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے، ایک چیئرمین شپ کا دور جو گیارہ ممبری بورڈ پر مشتمل تھا، اور 2/ اکتوبر 1960ء سے 11/ نومبر 1981ء تک رہا، دوسرا ایڈمنسٹریٹر شپ کا دور جو بورڈ کی معطلی 11/ نومبر 1981ء سے تا امروز ہے، گیارہ ممبری بورڈ کے حسب ذیل چیرمین رہے۔

۱. لفٹیننٹ کرنل خواجہ محمد سعید (شملہ)

2-10-1960 تا 15-4-1964

۲. چودھری طیب حسین خاں (گوڑگانواں)

15-9-1965 تا 10-8-1978

۳. حاجی انوار احمد خاں (مالیر کوٹلہ)

8-9-1978 تا 23-7-1980

۴. بیگم شمشاد ڈار (لدھیانہ)

31-8-1980 تا 10-11-1981

بورڈ کے 11/ نومبر 1981 کے معطل ہونے کے بعد حسب ذیل ایڈ منسٹریٹر رہے۔

۱. جناب ایس سی دھو سیوال آئی اے ایس ڈپٹی کمشنر (انبالہ)

11-11-1981 تا 9-3-1982

۲. جناب سید اختر حسین ریٹائرڈ ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج (مظفر نگر)

9-3-19 82 تا 12-4-1983

۳. جناب نسیم احمد آئی اے ایس (ہریانہ کیڈر)

12-4-1983 تا 30-6-1 988

۴. جناب منظور احمد آئی پی ایس (یوپی کیڈر)

1-7-1988 تا 31-1-1991

۵. جناب ڈاکٹر ایس وائی قریشی آئی اے ایس (ہریانہ کیڈر)

31-1-1991 تا 18-10-1996

۶. جناب اے اے صدیقی آئی اپی ایس (پنجاب کیڈر)

18-10-1996 تا 5-6-1998

۷. جناب فیروز خاں آئی آر ایس (دہلی)

5-6-1998 تا 21-9-1998

۸. جناب اے کے تھٹئے آئی آر ایس (دہلی) ڈپٹی سیکریٹری منسٹری آف سوشل جسٹس اینڈ ایمپاورمنٹ دہلی 22-9-1998 تا 24-12-1998

۹. جناب ڈاکٹر سید ظفر محمود آئی آر ایس (دہلی)

24-12-1998 تا 27-7-1999

۱۰. جناب ڈاکٹر فہیم عثمان صدیقی مولانا آزاد ایجوکیشن فاؤنڈیشن نئی دہلی

27-7-1999 تا

بورڈ کی ترقی کا دور بورڈ کے حکومت ہند کے براہ راست انتظام میں آنے یعنی بورڈ کی معطلی سے شروع ہوتا ہے، جس نے اس بورڈ کو آج ہندوستان کا سب سے بڑا خود کفیل وقف بورڈ بنادیا ہے، گیارہ ممبری بورڈ کے دور میں بورڈ کی سب سے زیادہ آمدنی 39.20/ لاکھ تھی جو معطلی کے بعد سال 99-1998 میں بتدریج بڑھ کر 9.68/ کڑور ہو گئی ہے۔

بورڈ کے قیام کے بعد حکومت ہند کی جانب سے مقرر کردہ بورڈ کے سکریٹری کی تفصیل اسطرح ہے:

۱. جناب امجد علی خاں پی سی ایس (ریٹائرڈ)

27-8-1962 تا 27-7-1964

۲. جناب محمد محب اللہ آئی اے ایس (ریٹائرڈ)

28-7-1964 تا 30-6-1969

۳. جناب صاحبزادہ اخلاق احمد خاں پراپرٹی آفیسر (پنجاب وقف بورڈ)

1-7-1969 تا 26-2-1970

۴. جناب غوث محی الدین آئی اے ایس (ریٹائرڈ)

27-2-1970 تا 26-8-1970

۵. جناب غضنفر علی خاں شیروانی (پراپرٹی آفیسر)

27-8-1970 تا 3-7-1973

۶. جلال الدین خاں (آر سی ایس)

4-7-1973 تا 2-9-1974

۷. غضنفر علی خاں شیروانی (پراپرٹی آفیسر)

3-9-1974 تا 27-1-1976

۸. اشرف علی خاں آئی اے ایس (ریٹائرڈ)

28-1-1976 تا 8-12-1976

۹. غضنفر علی خاں شیروانی (پراپرٹی آفیسر)

9-12-1976 تا 1-3-1977

۱۰. محمود علی (آئی اے ایس ریٹائرڈ)

2-3-1977 تا 16-8-1977

۱۱. غضنفر علی خاں شیروانی (پراپرٹی آفیسر)

17-8-1977 تا 2-10-1978

۱۲. اختر حسین (ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج ریٹائرڈ)

3-10-1978 تا 2-10-1979

۱۳. سید شاہد انیس (ایڈمنسٹریٹر آفیسر)

3-10-1979 تا 15-11-1981

۱۴. ظفر علی (آئی اے ایس ریٹائرڈ)

16-11-1981 تا 11-6-1982

۱۵. محمد سعید اللہ (آئی اے ایس ریٹائرڈ)

12-6-1982 تا 25-4-1983

۱۶. سید خلیق احمد (سیکشن آفیسر وزارت فلاح وبہبود حکومت ہند نئی دہلی)

26-4-1983 تا 23-8-1983

۱۷. جناب کے شیخ احمد (ریجنل آفیسر ایف، سی، آئی، ریٹائرڈ)

23-8-1983 تا 31-8-1988

۱۸. جناب محمد محمود الحسن صدیقی (ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج ریٹائرڈ لکھنؤ)

1-12-1989 تا 18-6-1991

۱۹. سید شاہد علی (اسسٹنٹ اکاؤنٹس آفیسر)

19-6-1991 تا 20-12-1991

۲۰. جناب عبدالستار (ایڈمنسٹریٹو آفیسر)

21-12-1991 تا 31-12-1991

۲۱. جناب فیضی عزیز ہاشمی (ڈی سی ایس)

1-1-1991 تا 10-11-1996

۲۲. جناب عبدالستار (ایڈمنسٹریٹو آفیسر)

11-11-1996 تا 29-11-1996

۲۳. سید شاہد علی (اکاؤنٹس آفیسر)

30-11-1996 تا 3-8-1997

۲۴. محمد رمضان فاروقی (اسٹیٹ آفیسر)

4-8-1997 تا 4-5-1998

۲۵. سید شاہد علی (اکاؤنٹس آفیسر)

4-5-1998 تا 19-9-1998

۲۶. جناب عبدالستار (ایڈمنسٹریٹو آفیسر)

20-9-1998 تا 30-9-1998

بعد ازاں ترمیم شدہ وقف ایکٹ 1995ء کے لاگو ہونے کے بعد سکریٹری کا عہدہ چیف اگزیکٹو آفیسر میں تبدیل کر دیا گیا اور حسب ذیل چیف اگزیٹیو آفیسران کا تقرر عمل میں آیا:

۱. جناب محمد خالد خاں انڈر سکریٹری راجیہ سبھا سکریٹری ایٹ نئی دلی

1-10-1998 تا 9-8-1999

۲. جناب سید شاہد علی اکاؤنٹس آفیسر پنجاب وقف بورڈ

10-8-1998 تا 4-3-2000

پنجاب وقف بورڈ کے قیام کے بعد اوقاف کا ریکارڈ بورڈ کو محکمہ کسٹوڈین سے حاصل ہوا جو غیر تسلی بخش تھا چنانچہ 1963ء میں گورنمنٹ کے مقرر کردہ سروے کمشنر کی نگرانی میں اوقاف کا سروے کرایا گیا جو 31/اکتوبر 1966ء تک جاری رہا، لیکن اس سروے ریکارڈ میں بھاری نقائص موجود تھے، خوش قسمتی سے اس دوران سرکار نے سکریٹری پنجاب وقف بورڈ، جناب محمد محبّ اللہ (آئی اے ایس ریٹائرڈ) کو سروے کی تکمیل کیلئے وقف کمشنر کے اختیارات تفویض کر دیئے جس سے اس کام میں کافی سہولت ہو گئی بعد ازاں تمام سروے ریکارڈ کی چھان بین کی گئی اور 26/جون 1969ء کو سروے رپورٹ گورنمنٹ آف انڈیا کو سونپ دیگئی جس کا بعد میں گورنمنٹ آف انڈیا نے نوٹیفکیشن کرایا، اب تک کے تمام نوٹیفکیشن کے مطابق پنجاب وقف بورڈ کے زیر انتظام اوقاف کی تعداد حسب ذیل ہے، جن کی مالیت کا اندازہ تقریباً ایک ہزار کڑور روپیہ ہے۔

۱. پنجاب 23,725

۲. ہریانہ 11,373
۳. ہماچل پردیش 641
۴. چنڈی گڑھ 11
35 750

آج بھی بورڈ کی جانب سے سروے کا کام جاری ہے جس کی بنا پر بہت سی وقف جائدادیں جو کسٹوڈین کے زمانے میں خرد برد ہو گئی تھیں بورڈ کے ریکارڈ میں آرہی ہیں۔

علاوہ ازیں مساجد و مقابر جو بورڈ کے زیر انتظام ہیں ان کی تعداد حسب ذیل ہے۔

۱.	پنجاب	7494 مساجد	1089 مقابر
۲.	ہریانہ	4272 //	346 //
۳.	ہماچل پردیش	74 //	7 //
		کل 11,840	1442 کل

میزان =13,282

ان میں ۱۱٫۴۶۶ر مساجد و مقابر ناجائز قبضہ جات (illegal occu-pation) میں ہیں، جن میں یا تو گوردوارے اور مندر بنے ہوئے ہیں، یا رہائش اور تجارتی مقاصد کے لئے استعمال میں لائی جارہی ہیں، اور ۱۸۱۶ر مسلمانوں کے زیر استعمال ہیں، اسکے علاوہ اس خطہ میں عرصہ ۵۰ر سال میں کچھ نئی مساجد بھی بورڈ کے مالی تعاون سے تعمیر ہوئی ہیں جن کی تعداد چند سو ہے۔

بورڈ کے زیر انتظام مساجد میں فی الوقت ۳۰۷ر ائمہ کرام و موذنین اقامت صلوۃ کے فرائض انجام دے رہے ہیں، نیز بورڈ ۴۲۲ر مساجد کو جن میں مکاتب بھی قائم ہیں جہاں دینی تعلیم کیساتھ پرائمری سطح تک تعلیم کا بندوبست

ہے ،ماہانہ امداد فراہم کر رہا ہے ،اس کے علاوہ بورڈ کے زیر انتظام ۱۰ر اسکول ۱۰ر صنعتی مراکز اور ۴ر کمپیوٹر سینٹر ہیں، نیز ۶۴ر اسکول، ۴ر صنعتی مراکز کو جو مقامی مسلمانوں کے زیر انتظام ہیں بورڈ ماہانہ امداد کی ادائیگی کر رہا ہے۔

مولانا عطاء الرحمٰن قاسمی کی کتاب ''دلی کی تاریخی مساجد'' کے منظر عام پر آنے کے بعد بورڈ کی اسوقت کی انتظامیہ نے مولانا سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ پنجاب وقف بورڈ کے دائرہ کار میں تاریخی نوعیت کی جو ایسی عمارات (مساجد ومقابر) موجود ہیں ان کی بھی تاریخ لکھی جائے، مولانا موصوف نے نہایت خوشدلی کیساتھ بورڈ کی اس آفر کو قبول فرماتے ہوئے پنجاب، ہریانہ وہماچل پردیش کی تاریخی مساجد ومقابر کے سروے کا کام شروع کیا جو 19 / اکتوبر 1996ء سے پنجاب کی مشہور ومعروف درگاہ ''روضہ شریف سرہند'' سے شروع کیا گیا، بورڈ نے اس سلسلے میں مولانا کے اسفار، قیام وطعام کا، بورڈ کے ان تمام سرکلوں میں بندوبست کیا جن کی مولانا نے تاریخی عمارات کیلئے نشاندہی فرمائی، علاوہ ازیں مولانا کو تعاون فراہم کئے جانے کے ضمن میں جو کمیٹی تشکیل دی گئی، اس میں راقم الحروف بھی شامل تھا۔

اس سلسلے میں پروگرام کے تحت مختلف مقامات کے دورے کئے گئے جس میں بورڈ کے فیلڈ اسٹاف نے ان علاقوں میں کمیٹی کی رہنمائی کی اس سلسلے میں آخری سروے 4 / فروری 2000ء کو کیا گیا جس میں پنجاب وہماچل پردیش کی تاریخی نوعیت کی اسلامی عمارات کو دیکھا گیا، زیر نظر کتاب ہریانہ وپنجاب کی تاریخی مساجد مولانا قاسمی کے مذکورہ بالا تحقیقاتی دوروں کی ایک تاریخی روئداد ہے جس کی تصدیق ملک کی مختلف لائبریریوں کی تاریخی کتب سے کی گئی ہے، کتاب پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ مذہبی نوعیت کی تاریخی عمارات کی تحقیقات کرتے ہوئے

مولانا قاسمی نے حیرت انگیز انکشافات کیے ہیں، جن سے ان عمارات کی تاریخ اور فن تعمیر سے قاری محظوظ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، پنجاب وقف بورڈ کی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے نیز اپنے خیر خواہوں کے لئے یہ ایک ادنی سی پیشکش ہے مجھے امید ہے کہ سند قبولیت سے سرفراز فرمایا جائیگا۔

عبدالسمیع انصاری
سیکشن آفیسر شعبہ رابطہ عامہ
پنجاب وقف بورڈ انبالہ چھاؤنی
31 جنوری 2000

اپنی بات

۲۰ / دسمبر ۱۹۹۵ء کو راقم الحروف کی حقیر کاوش "دلی کی تاریخی مساجد حصہ اول" کی رسم اجراء ہوئی تھی، اس تقریب رونمائی میں علماء ودانشوران کے علاوہ ڈاکٹر جگن ناتھ مشرا بھی شریک ہوئے تھے جو اس وقت زراعت کے مرکزی وزیر تھے، ڈاکٹر مشرا کے سکریٹری اور خصوصی مشیر جناب فیضی عزیز ہاشمی صاحب تھے، راقم الحروف ایک روز اتفاق سے کرشی بھون نئی دہلی گیا، جہاں ہاشمی صاحب سے ملاقات ہوئی، ان سے یہ پہلی ملاقات تھی، ان کی نگاہ سے "دلی کی تاریخی مساجد حصہ اول" گزر چکی تھی۔

ہاشمی صاحب سے تقریب کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی، کہ اچانک یہ اپنی کرسی سے اٹھ کر بڑی تیزی سے راقم الحروف کے پاس آکر بیٹھ گئے، اور کہنے لگے میں نے آپ کی تصنیف پڑھ لی ہے، بہت اچھی کتاب ہے۔

میں چاہتا ہوں کہ اسی طرز پر "پنجاب، ہریانہ اور ہماچل پردیش کی تاریخی مساجد" پر بھی کتاب تصنیف کردیں، میں پنجاب وقف بورڈ کا سکریٹری بھی ہوں، پنجاب وقف بورڈ آپ کا بھرپور تعاون کرے گا۔

راقم الحروف نے عرض کیا کہ یہ کتاب بڑی محنت اور عرق ریزی سے لکھی ہے، اور ذاتی طور پر شائع کی ہے، اس میں دلی وقف بورڈ کا کوئی تعاون نہیں رہا ہے، اور خاکسار ہمیشہ آزادانہ طور پر کام کرنے کا عادی رہا ہے۔

ہاشمی صاحب نے فرمایا کہ پنجاب وقف بورڈ ہندوستان کے تمام وقف بورڈوں سے مختلف ہے، آپ کو مکمل آزادی دی جائے گی، آپ ذمہ داری قبول کرلیں، بڑا اچھا کام ہو جائے گا، راقم الحروف نے کہا کہ اچھا دیکھا جائیگا، کچھ ہی دنوں کے بعد ہاشمی صاحب کا خط آیا کہ میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں، آپ انبالہ دفتر آجائیں یا میں دلی آجاؤں، راقم الحروف نے لکھا کہ آپ زحمت نہ کریں ناچیز خود ہی انبالہ آجائے گا، راقم الحروف ایک دن انبالہ حاضر ہوا، ہاشمی صاحب سے ملاقات ہوئی، ہاشمی صاحب نے اس کام کو آگے بڑھانے کے لئے ایک میٹنگ طلب کی، جس میں ذمہ داران بورڈ میں سے جناب اقبال یونس صاحب مولانا طیب حسین فلاحی صاحب، جناب مرغوب امین کاظمی صاحب، جناب امتیاز خضر صاحب اور جناب عبدالسمیع انصاری صاحب شریک ہوئے۔

ان ذمہ داران بورڈ کے باہمی مشورے سے ایک پروجیکٹ بنایا گیا، اور یہ پروجیکٹ جناب شہاب الدین یعقوب قریشی صاحب (آئی، اے، ایس،) ایڈ منسٹریٹر پنجاب وقف بورڈ کی خدمت میں پیش کیا گیا، جناب قریشی صاحب نے اس تحقیقی منصوبہ کو دیکھ کر بڑی خوشی ومسرت کا اظہار کیا، اور اسکی منظوری دیتے ہوئے کہا کہ یہ کام بہت پہلے ہونا چاہئے تھا، اور ساتھ ہی یہ بھی ہدایت کی کہ مساجد کے سروے کا کام فوری طور پر شروع کردیا جائے۔

چنانچہ ان کی ہدایت کے مطابق مساجد کے سروے کا کام شروع کیا جانا طے ہو گیا، مگر اب سوال یہ تھا کہ کہاں سے سروے کا آغاز کیا جائے، راقم الحروف نے کہا کہ یہ تاریخی نوعیت کا کام ہے، اور اس سروے کا آغاز تاریخی مقام سے ہونا چاہئے چنانچہ باہمی مشورے کے بعد سرہند شریف سے شروع کیا گیا، جہاں امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ آرام فرما ہیں، جن کا امت کے اوپر عظیم احسان ہے،

چنانچہ ایک تحقیقاتی کارواں سر ہند روانہ ہوا جس میں خاکسار کے علاوہ حافظ محمد عرفان صاحب دہلوی، اقبال یونس صاحب، مرغوب امین کاظمی صاحب اور جناب عبد السمیع انصاری صاحب شامل تھے۔

سر ہند کا سروے کرنے کے بعد روپڑ اور مانکپور وغیرہ کا سروے کیا گیا، غالباً ایک ہفتہ کا یہ ٹور تھا، سر ہند مانکپور اور روپڑ وغیرہ کے سروے کے دوران اندازہ ہوا کہ پنجاب کے چپے چپے پر امراء و سلاطین، صوفیاو مشائخ، اور عوام الناس کی تعمیر کردہ عالیشان مسجدیں ہیں، جو فن تعمیر کے اعتبار سے اپنے اپنے عہد کی، شاہکار نمونے ہیں، اور یہ بھی اندازہ ہوا یہ بڑا وقت طلب اور محنت طلب کام ہے، مگر کام کرنا تھا، چونکہ یہاں کی ویران و غیر آباد مسجدوں کا دردناک منظر نگاہوں کے سامنے تھا، اسی دوران فیضی عزیز ہاشمی صاحب کا تبادلہ ہو گیا، ان کے چلے جانے کے بعد یہ سلسلہ موقوف ہو گیا، لیکن کچھ دنوں کے بعد جناب عبد الاحد صدیقی صاحب (آئی، پی، ایس) ڈائرکٹر پنجاب پولیس اکیڈمی کو پنجاب وقف بورڈ کا ایڈ منسٹریٹر بنایا گیا، جب جناب صدیقی صاحب کے سامنے یہ منصوبہ آیا، تو انہوں نے بھی اس کی بھرپور تائید کی اور دفتر سے پنجاب و ہریانہ کی تاریخی مساجد و مقابر کی فہرست مرتب کرائی، غالباً بورڈ کی طرف سے ڈیڑھ دو سو تاریخی مساجد کی فہرست پیش کی گئی، مگر انہوں نے صرف چون (۵۴) تاریخی عمارتوں کے سروے کی منظوری دی، اس مجوزہ فہرست کے مطابق سروے کا کام دوبارہ شروع کیا گیا، اور ان کے دور میں کام تیزی سے ہو رہا تھا کہ اسی دوران صدیقی صاحب بورڈ سے الگ ہو گئے ان کے بعد جناب فیروز خاں صاحب (آئی، آر، ایس) ایڈ منسٹریٹر بنائے گئے انہوں نے بھی اس مفید سلسلے کو جاری رکھا، اگرچہ یہ بہت ہی مختصر عرصہ رہے، مگر جب تک رہے دلچسپی لیتے رہے ان کے بعد اے، کے، تھٹی صاحب (آئی، آر،

ایس) آئے مگر ان کی طرف سے کوئی خاص دلچسپی سامنے نہ آسکی، ان کا بھی بہت مختصر عرصہ رہا، ان کے بعد ڈاکٹر ظفر محمود صاحب (آئی، آر، ایس) ایڈمنسٹریٹر بنائے گئے، انہوں نے پنجاب، ہریانہ کی تاریخی مساجد کی فائل کو بغور پڑھا، اور اس کی اہمیت وافادیت سے متأثر ہوئے اور پنجاب و ہریانہ کے دوروں کی تکمیل کے بعد ہماچل پردیش کا بھی سروے کرایا، اور کتاب کی اشاعت پر بہت زور دیا، راقم الحروف سے کتاب کی اشاعت کے متعلق بار بار دریافت کرتے رہے، ڈاکٹر ظفر محمود صاحب ایک تعمیری ذہن و فکر کے آدمی ہیں، ان کے ذہن میں مساجد اوقاف کی تاریخ کے سلسلے میں ایک خاکہ تھا، جس میں رنگ بھرنا چاہتے تھے مگر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا، ان کے بعد ڈاکٹر فہیم عثمان صدیقی صاحب (سکریٹری مولانا آزاد ایجوکیشنل فاؤنڈیشن) کو ایڈمنسٹریٹر بنایا گیا، جو ایک مستعد و تجربہ کار اور اصول پسند انسان ہیں، علمی ذوق بھی رکھتے ہیں، انہوں نے بھی اس کتاب کی اشاعت کے سلسلے میں گہری دلچسپی لی، اور ان کی توجہ سے الحمد للہ یہ کتاب ان کے دور میں شائع کی جارہی ہے۔

واضح رہے کہ یہ کتاب بڑی محنت و عرق ریزی اور جگر کاوی کے بعد منصۂ شہود پر آئی ہے، گرداسپور، پٹھان کوٹ، فرید کوٹ اور فیروز پور جیسے حساس سرحدی علاقوں میں مساجد و اوقاف کا سروے کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا، بعض اوقات سروے کے دوران ایسے سنگین حالات رونما ہو جاتے تھے کہ، جن سے بڑا خوف لاحق ہوتا تھا، مگر الحمد للہ عزائم متزلزل نہیں ہوتے تھے۔

راقم الحروف نے پنجاب وقف بورڈ کی مجوزہ فہرست کے مطابق تاریخی مساجد کا سروے کیا ہے، البتہ دوران سروے بعض تاریخی مساجد کا علم ہوا تو ان مساجد کا بھی معائنہ کیا گیا، اور وہ مسجدیں بھی شامل کتاب کی گئیں، اس طرح اس میں ۴۰۱ر

مسجدوں کا تذکرہ ہے ، البتہ ۷۶ر مساجد کا ذکر، بسط و تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے اور ۷۳ر مساجد کا اجمالی ذکر ہے ، ان کے علاوہ ۸ر عید گاہوں اور ۱۵ر مقابر اور ۵ر قلعوں کا ذکر ہے ، اس کتاب میں جہاں ان مساجد و مقابر کی مستند تاریخ لکھی گئی ہے ، وہاں تقسیم ملک کے بعد ان مساجد و مقابر پر بیتے ہوئے حالات اور موجودہ صورت حال کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔

اس کتاب کی تصنیف میں محض سنی سنائی باتوں اور قصہ کہانیوں پر انحصار نہیں کیا گیا ہے ، بلکہ قدیم عربی و فارسی اور انگریزی کی کتابیں پیش نظر رہی ہیں۔

قابل ذکر بات یہ کہ پنجاب ، ہریانہ اور ہماچل پردیش کی مذکورہ بالا مساجد پر تحقیقی و معیاری کام کرنے کے باوجود راقم الحروف کو یہ احساس واعتراف ہے ، کہ ان مذکورہ بالا مساجد کے علاوہ پنجاب ، ہریانہ اور ہماچل پردیش میں کچھ تاریخی مسجدیں موجود ہیں ، جن کا سروے نہیں کیا جا سکا ہے ، جس کے نتیجے میں وہ کتاب میں شامل نہ ہو سکیں ہیں ، مثال کے طور پر۔

• جامع مسجد فتح آباد ، یہ امرتسر سے ۴۰ر کلو میٹر کی مسافت پر جنوب اور مشرق میں ہے ، یہ مسجد دراصل شیخ فرید بخاریؒ کی تعمیر کردہ ہے ، شیخ فرید بخاری نے شہزادہ خسرو کو دریائے بیاس کے کنارے شکست دی تھی ، اس خوشی میں جہانگیر بادشاہ کے حکم سے یہ مسجد تعمیر ہوئی ، یہ مسجد تین در اور تین گنبد کی ہے ، اور جس کی پیشانی پر اعلیٰ قسم کی نقاشی کی گئی ہے ، اب اس مسجد میں سرکاری اسکول قائم ہے ، یہ مسجد پنجاب آرکیالوجی کے ماتحت ہے۔

• دوسری مسجد سرائے نور محل ہے ، یہ نکودر سے ۲ر کلو میٹر مشرق میں ہے ، وہاں ایک عالیشان سرائے ہے ، یہ سرائے نور محل کے نام سے مشہور ہے۔ جس کے اندر ایک عالیشان مسجد ہے ، جس کا ایک گنبد اور تین در ہیں ، یہ مسجد

جہانگیر بادشاہ کی بنوائی ہوئی ہے، جس کی پیشانی پر فارسی کتبہ ہے، یہ مسجد محکمہ آثار قدیمہ کے تحت ہے، پہلے اس میں گودام تھا، اب مسجد خالی ہے۔

• تیسری مسجد، مسجد دکھنی سرائے ہے، یہ نکودر سے ۸ ر کلو میٹر دور کپور تھلہ روڈ پر ملیاں کلاں گاؤں میں واقع ہے، یہ سرائے، شاہجہاں کے وقت کی ہے، سرائے کے اندر مسجد ہے، جسکے تین در ہیں، اور کوئی کتبہ نہیں ہے، جس کا صدر دروازہ نہایت ہی عالیشان ہے، یہ مسجد محکمہ آثار قدیمہ کے زیر انتظام ہے۔

• چوتھی مسجد، سلطان پور، لودھلی ہے، یہ کپور تھلہ سے ۲۵ ر کلو میٹر جنوب میں ہے، مسجد کے تین در تین گنبد اور دو مینار ہیں، یہ مسجد عالمگیر اور نگزیبؒ کے دور کی ہے، یہاں ایک سرائے بھی ہے۔

• پانچویں مسجد بہر امپور ہے، یہ ضلع گرداسپور میں دینانگر سے ۸ ر کلو میٹر پچھم میں ہے، یہ مسجد عالمگیر اور نگزیب کے دور کی ہے، اس میں اسکول ہے۔

• اور چھٹی مسجد، مسجد سرائے دوراہا ہے، یہ سرائے لدھیانہ سے تقریبا ۲۰ ر کلو میٹر کے فاصلے پر جی ٹی روڈ کے کنارے واقع ہے، یہ سرائے جہانگیر کے دور کی ہے، جس کے اندر ایک مسجد بھی ہے، جس کے تین در اور تین گنبد ہیں، یہ مسجد آر کیالوجی پنجاب کے ماتحت ہے۔

راقم الحروف کو افسوس ہے کہ اس کتاب میں کچھ تاریخی مسجدیں شامل ہونے سے رہ گئی ہیں، اگر اللہ نے بورڈ کے ذمہ داروں کو ہمت و حوصلہ دیا تو باقی مساجد کا سروے کیا جاسکتا ہے، اور ان کی تاریخ مرتب کی جاسکتی ہے، یہ کوئی حتمی و آخری کام نہیں بلکہ بطور نمونہ چند منتخب مساجد کا تذکرہ ہے، اسی نہج پر باقی مساجد پر بھی تحقیقی کام کیا جاسکتا ہے، اور اس کی دوسری جلد شائع کی جاسکتی ہے۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر حضرت مولانا اظہر غوری صاحب کا شکریہ ادا نہ کیا

جائے کہ جنہوں نے مسودہ پر نظر ثانی کی اور اپنے مفید مشوروں سے نوازا، اسی طرح جناب وسیم احمد سعید صاحب کا بھی شکریہ ادا کرنا ضروری ہے، کہ جنہوں نے اپنی ذاتی لائبریری سے استفادہ حاصل کرنے کا موقع دیا۔

جناب شاہد علی خاں اور جناب عبدالسمیع انصاری صاحب کا بھی بے حد ممنون و مشکور ہے کہ ان دونوں حضرات نے کتاب کو پایہ تکمیل تک پہچانے میں اہم رول ادا کیا۔

آخر میں اپنے دوست حافظ محمد عرفان دہلوی صاحب کا صمیم قلب سے شکریہ ادا کرنا چاہتا ہے کہ یہ پنجاب ہریانہ اور ہماچل پردیش کے تمام سفروں میں خضر طریق کی طرح ساتھ ساتھ رہے، اللہ ان کو خوش رکھے!

عطاءالرحمٰن قاسمی
ڈی، ۴۳/ ابوالفضل انکلیو
اوکھلا، نئی دہلی، ۲۵

مسجد مجددیہ سرہند

سرہند مشرقی پنجاب کا مشہور و معروف تاریخی شہر ہے، جو دہلی سے ۲۵۵ر کلومیٹر شمال میں اور انبالہ سے ۵۵ر کلومیٹر کے فاصلے پر پچھّم میں واقع ہے۔
سرہند دراصل سہر ہند تھا۔ جس کے معنی شیروں کا جنگل ہیں، سرہند کا دوسرا نام فیروزپورہ بھی ہے، چونکہ سلطان فیروز شاہ تغلق نے اپنے پیرو مرشد حضرت سید جلال الدین بخاری معروف بہ مخدوم جہانیاں کے ایماں واشارہ پر بسایا تھا۔ اور دوسری شاہی تعمیرات کے علاوہ ایک قلعہ بھی تعمیر کیا تھا، جس کی تاریخ تعمیر بعض تاریخ کی کتابوں میں ۷۵۷ھ مطابق ۵۷-۱۳۵۶ء درج ہے۔
سلطان فیروز شاہ تغلق نے (جو فلاحی ورفاہی کاموں کے باب میں عہد وسطیٰ کے سلاطین میں امتیازی حیثیت رکھتا تھا) دریائے ستلج سے ایک نہر بھی نکالی تھی۔ جو اب بھی سرہند کے پاس سے بہتی ہے غالباً اب اس نہر کے علاوہ عہد فیروز شاہی کی کوئی محسوس یادگار سرزمین سرہند میں موجود نہیں ہے، خود قلعہ فیروز شاہی کے آثار و کھنڈرات کی نشان دہی مشکل ہے سرہند دفاعی نقطۂ نگاہ سے بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے، ہر دور میں خاص طور پر عہد وسطیٰ میں فوجی سرگرمیوں کا مرکز رہا ہے، یہی وجہ تھی کہ ہر عہد کے بادشاہ و حکمراں نے سرہند میں اپنا معتمد و وفادار نمائندہ رکھ کر سرہند اور اسکے اطراف وجوانب کے حالات پر کنٹرول کیا۔
سلطان خضر خاں (متوفی ۸۲۴ھ) نے (جو دلی کا سید حکمراں تھا) اپنے

صاحبزادے ملک مبارک کو سرہند کا گورنر نامزد کیا، اور جب سارنگ خاں نے بغاوت کی تو سلطان خضر خاں ہی نے سرہند کی سرزمین میں اسکی سرکوبی کی، اسی طرح ملک طغا نے قلعہ سرہند کا محاصرہ کر لیا تو سلطان خضر نے زیرک خاں اور خیر الدین کو اسکے مقابلے کے لئے بھیجا، ان امیروں نے اسکا سخت مقابلہ کیا، جسکے نتیجہ میں ملک طغا محاصرہ ختم کر کے راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہوا۔

ہمایوں بادشاہ نے سرہند ہی میں سکندر لودھی کو شکست فاش دی اور ہندوستان کے تخت و تاج کا مالک بن گیا۔

۹۶۷ھ مطابق ۱۵۶۰ء میں بیرم خاں نے اکبر کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تھا تو سرہند ہی میں اکبر بادشاہ نے اس کی سرزنش کی، اکبر بادشاہ نے سرہند میں فوجی اڈہ بھی قائم کیا تھا۔

عالمگیر اورنگزیب اور قبائلی راجاؤں خصوصاً گرو گوبند سنگھ کے مابین متعدد جنگیں سرہند میں ہوئی ہیں۔ اورنگزیب کا گورنر بایزید خاں تھا جسکو ۱۰۸ھ میں بندہ بیراگی نے اس شہر پر قبضہ کر کے بایزید خاں کو تہہ تیغ کر دیا تھا[1]۔

احمد شاہ درانی نے ہندوستان پر حملہ کیا تو اس نے ۱۷۶۱ء میں زین خاں کو سرہند کا گورنر بنایا لیکن کچھ ہی دنوں کے بعد زین خاں سکھوں کے ساتھ ایک معرکہ میں کام آگیا۔ پھر احمد شاہ درانی نے ہندوستان پر حملہ کیا اور تیس ہزار فوج کے ساتھ سرہند میں کروفر کے ساتھ داخل ہوا اور جس نے بھی اسکے خلاف تلوار اٹھائی اس کو قتل کر دیا گیا۔ یہ محمد شاہ بادشاہ کا دور حکومت تھا جس میں بابر اور تیمور کی حکومت پر زوال آرہا تھا[2]۔

سرہند، جہاں سلاطین وقت کی توجہات کا مرکز رہا ہے وہیں علماء و مشائخ

---

[1] سرہند میں فارسی ادب، ص ۲۸، [2] ایضاً، ص ۲۹،

اور شعراء و مورخین کا مسکن و ماویٰ بھی رہا ہے، یہاں ایسے ایسے علماء بھی گزرے ہیں جن سے نیاز حاصل کرنے کے لئے سلاطین و امراء بھی آیا کرتے تھے، حضرت مولانا مجد الدین محمد سرہندیؒ اس پائے کے عالم دین اور بزرگ تھے، کہ جب ظہیر الدین محمد بابر بادشاہ نے ہندوستان کو فتح کیا تو مولانا مجد الدین محمد سرہندی سے ملنے سرہند آیا تھا۔ خود حضرت مجدد الف ثانی سے نیاز و فیض حاصل کرنے کے لئے مغل شہزادے اور امراء آیا کرتے تھے۔ بعد میں جہانگیر بادشاہ بھی آپ کا معتقد ہو گیا تھا۔

انکے علاوہ شیخ الھداد بن صالح سرہندی، شیخ بہاء الدین جنیدی، مولانا بدر الدین سرہندی، مولانا علی شیر سرہندی، سید یٰسین سرہندی، مولانا عثمان سرہندی اور شیخ نور الدین سرہندی، وغیرہ سربر آوردہ علماء و فضلاء سرزمین سرہند سے تعلق رکھتے تھے۔

سرہند کے فاضل مورخین اور ادیبوں میں یحیٰ بن احمد سرہندیؒ مصنف تاریخ مبارک شاہی، اللہ داد فیض، حاجی ابراہیم سرہندی، اور ولی سرہندی، اکبر بادشاہ اور جہانگیر کے دور کے نامور مورخین میں تھے۔ اللہ داد فیض نے اکبر نامہ لکھا ہے، حاجی ابراہیم نے وید کا فارسی ترجمہ کیا ہے، اسکے علاوہ میاں عبداللہ نیازی سرہندی شیخ عبد الاحد سرہندی، مولانا امان اللہ سرہندی، مولانا عبد القادر سرہندی، سیف خاں فقیرا سرہندی، شیخ عبد الحق سجادل سرہندی، شیخ فضل اللہ سرہندی، حکیم محمد عابد سرہندی، شیخ غلام محی الدین سرہندی، اور شیخ قطب الدین سرہندی، جیسے بلند پایہ تاریخ نویس و وقائع نگار موجود تھے جو سرزمین سرہند سے وطنی تعلق رکھتے تھے۔

سرہند کے فارسی شاعروں و ادیبوں میں ناصر علی سرہندی کا نام سرفہرست

ہے۔ جو عالمگیرؒ کے دور کے مشہور شاعر اور خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ کے مرید تھے، آپ ہی نے شعر و شاعری کے ذریعہ سرہند کی ادبی عظمت کو چار چاند لگائے، آپ کی فارسی شاعری کی بھینی بھینی خوشبو نہ صرف ہندوستان بلکہ ایران و افغانستان میں بھی محسوس کی گئی، ناصر علی سرہندی کے علاوہ بھی راسخ سرہندی محمد افضل سرخوش، میر محمد احسن ایجاد، اور سعادت یار خاں رنگین جیسے باکمال شعراء موجود تھے۔ جو سرہند کی مردم خیز و مردم ساز زمین کے مایہ ناز سپوت تھے۔

ابوالفضل نے آئینِ اکبری میں لکھا ہے کہ سرہند دہلی کی ایک سرکار ہے، جس کے تحت ۳۱/ محل اور پرگنے ہیں، اب سرہند صوبہ پنجاب کی ایک تحصیل ہے، جس کا رقبہ ۳۴۳/ مربع میل ہے، اور جس میں بستی شہر اور دو سو سینتالیس (۲۴۷) گاؤں شامل ہیں [۱]۔

۱۹۴۷ء سے قبل سرہند میں مسلمانوں کی اکثریت تھی، ۴۷ء کے حوادث میں انتقال آبادی کی وجہ سے سرہند مسلمانوں سے خالی ہو گیا کہا جاتا ہے کہ سرہند میں سرائے مقبرے اور باغات کے علاوہ ۳۶۰/ مسجدیں ہیں، جن میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کی خانقاہ کی مسجد کے علاوہ تقریباً تمام غیر آباد و ویران ہیں، خود احاطہ درگاہ میں واقع دو مسجدیں بھی غیر آباد ہیں۔

درگاہ عالیہ مجددیہ کا صدر دروازہ

حضرت مجدد الف ثانی کی درگاہ سرہند روپڑ روڈ پر واقع ہے درگاہ کا صدر دروازہ نہایت ہی عالیشان اور پر جلال ہے، جس کی پیشانی پر جلی حروف میں لکھا ہوا یہ بورڈ آویزاں ہے۔

خانقاہ عالیہ مجددیہ

---

[۱] امپریل گزیٹیر، ج ۱۲، ص ۲۴۔

امام ربانی مجدد الف ثانی
ابوالبرکات سیدنا بدرالدین شیخ احمد فاروقی سرہندی
سرہند شریف

صدر دروازہ کے دائیں بائیں سہ دریاں ہیں، دائیں طرف کی سہ دری کے اختتام پر سید اختر حسین شاہ صاحب مرحوم کا خوبصورت رہائشی مکان ہے، اسکے بعد پھر ایک گیٹ آتا ہے جس کے بائیں طرف ایک اور سجادہ نشین صاحب کا شاندار دفتر ہے، بائیں طرف زائرین و مسافرین کیلئے حجرے ہیں کبھی ان حجروں میں طالبان علم نبوت، مقیم ہوتے تھے، اور ایک شاندار مدرسہ بھی ہوا کرتا تھا، جیسا کہ محمد صادق قصوری مصنف "تذکرۃ نقشبندیہ خیریہ" نے لکھا ہے۔ اب تو ان حجروں کا مصرف بھی بدل گیا ہے جو تقسیم وطن کا نتیجہ ہے، اسکے بعد پھر ایک دروازہ ہے جو کوئی خاص بڑا نہیں ہے اس میں سے ایک راستہ دائیں طرف مسجد مجددیہ کی طرف جاتا ہے، اور بائیں طرف مشرق میں ایک تنگ راستہ درگاہ عالیہ مجددیہ کی طرف جاتا ہے، اسی دروازہ کی روکار پر یہ کتبہ موجود ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یا اللہ.............یا محمد

چہ عالیشاں دربار امام دین ربانی

بلا ئک صف بہ صف ایستادہ اینجا بہر دربانی

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی

آپ کا نام نامی اسم گرامی احمد، کنیت ابوالبرکات، لقب بدرالدین، اور

خطاب امام ربانی مجدد الف ثانیؒ ہے۔ آپکی ولادت باسعادت ۱۴ر شوال ۹۷۱ھ مطابق ۵ر جون ۱۵۶۴ء میں سرہند میں ہوئی۔ آپ کے والد ماجد کا نام حضرت مخدوم شیخ عبد الاحد فاروقی صاحب تھا۔ آپ کا سلسلہ نسب اٹھائیس واسطوں سے حضرت امیر المومنین عمر بن الخطابؓ تک بلا انقطاع و انفصال پہنچتا ہے۔ آپ کو نسبت فاروقیت پر بڑا ناز تھا، طبیعت میں بڑا جوش و جلال تھا۔ چنانچہ حمیت و غیرت کے موقع پر اپنے اصلاحی و دعوتی مکتوبات میں تحریر فرمایا کرتے تھے۔

"بے اختیار رگ فاروقیم در حرکت آمد[1]"

آپ کو سلسلہ قادریہ میں حضرت سید شاہ سکندر قادری کیتھلیؒ اور سلسلہ نقشبندیہ میں حضرت خواجہ باقی باللہ نقشبندیؒ سے خلافت ملی تھی، حضرت خواجہ باقی باللہ نقشبندی سے اصلاحی و روحانی وابستگی کے بعد آپ پر سلسلہ نقشبندیہ ہی کا رنگ غالب رہا، اور اس سلسلہ کے مبلغ و ترجمان رہے، آپکا روحانی فیض ہندوستان اور ہندوستان سے باہر بھی جاری رہا ہے جیسا کہ آپکے متعلق میر غلام علی آزاد بلگرامی نے سبحۃ المرجان میں لکھا ہے کہ:

"ایک ابر باراں ہیں جسکی بارش نے عرب و عجم کو سیراب کر دیا
اور ایک خورشید تاباں ہیں جس کے انوار مشرق اور مغرب پر چھا گئے،
آپ کے فیض سے آسمان و زمین بھر گئی۔ آپ کا سلسلہ ہندوستان سے
ماوراء النہر، روم، شام، اور عرب تک پہنچ گیا[2]"

آپ اکبر بادشاہ اور جہانگیر بادشاہ کے دور کے سربر آوردہ عالم دین اور روحانی پیشوا تھے، اکبری دور کے ضال و مضل علماء ابو الفضل اور فیضی (جو اکبر بادشاہ کے ذھنی ارتداد و فکری الحاد کے ذمہ دار تھے) سے دوستانہ و بے تکلفانہ تعلقات

---

[1] مکتوبات، ج اول ص ۱۳۱ [2] ماہنامہ ضیاء وجیہ جولائی ۱۹۹۶ء بحوالہ سبحۃ المرجان

ومراسم تھے، یہ دونوں بھائی آپکے علم و فضل کے قائل تھے۔

آپ آگرہ میں اپنے قیام کے دوران بھی ابوالفضل اور فیضی کی مجلسوں میں شریک ہوا کرتے تھے اور انکی علمی بحثوں میں حصہ لیا کرتے تھے، بعض وقت ان دو بھائیوں کی مذہبی آزاد خیالی و فکری بے اعتدالی سے خفا بھی ہو جاتے تھے، لیکن یہ لوگ راضی کر لیتے تھے، آپ سے بڑی محبت کرتے تھے۔

آپ نے فیضی کی شہرۂ آفاق تفسیر سواطع الالہام مشہور بہ تفسیر بے نقطہ کی تصنیف میں ادبی امداد بھی کی ہے، فیضی آپ کی عربیت و زوربیانی کا قائل تھا۔

حضرت مجدد صاحب کو آگرہ ہی میں اکبر بادشاہ کے ذہنی ارتداد و فکری الحاد کا علم ہو چکا تھا، جو بعد میں دین الٰہی کی صورت میں عظیم فتنہ بن کر امت کے سامنے آیا، جسکے محرک ابوالفضل و فیضی تھے، دین الٰہی میں سود، متعہ، جوئے، اور شراب کی حلت کا فتویٰ صادر کر دیا گیا تھا، اور غسل جنابت، پردہ کا حکم منسوخ کر دیا گیا تھا، خنزیر اور کتوں کے احترام کا حکم شامل تھا، گائے، بھینس، بھیڑ، اور اونٹ کے گوشت کی حرمت اور شیر و بھیڑئے کے گوشت کی حلت کا فتویٰ داغ دیا گیا تھا۔

حضرت مجدد صاحبؒ اکبر اور اس کے دین الٰہی کے گمراہ کن نظریات و فاسد عقائد سے خوب واقف ہو چکے تھے، آپ نے اپنی آنکھوں سے شعائر اسلام کی بے حرمتی مساجد و مدارس کی تباہی اور علماء حق کی توہین و تذلیل کا دردناک منظر دیکھا تھا، آپ نے اپنے مکتوب میں مساجد کو منادر میں تبدیل کرنے کے واقعات بھی تحریر فرمائے ہیں، اور اکبر بادشاہ کی اسلام دشمنی کی وجہ سے اغیار کے حوصلوں کا بھی ذکر کیا چنانچہ مجدد صاحب لکھتے ہیں:

کفار ہند بے تحاشا ہدم مساجد می نمایند و در آنجا تعمیر معبد ہائے خود می سازند و نیز کفار بر ملا مراسم کفر بجامی آرند و مسلمانان در اجرائے اکثر

احکام اسلام عاجز اند [1]۔

(ہندو بے تحاشا مسجدوں کو ڈھاتے ہیں اور ان کی جگہ اپنے مندر بناتے ہیں اسی طرح اعلانیہ کفر کے رسوم انجام دیتے ہیں، لیکن اکثر مسلمان احکام اسلام بجالانے سے مجبور ہیں)

حضرت مجدد صاحب تھانیسر کی مسجد اور مقبرہ کی مسماری اور اسکی جگہ مندر کی تعمیر کے متعلق دوسرے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

کفار ہند بے تحاشا ہدم مساجد می نمایند و در آنجا تعمیر معبدہائے خود می سازند، در تھانیسر درون حوض کر کھیت مسجدے بودہ، مقبرہ، عزیز آں را ہدم کردہ بجائے آں دیرہ کلاں راس ساختہ است، و نیز کفار بر ملا مراسم کفر بجامی آرند و مسلمانان در اجراء اکثر احکام اسلام عاجز اند۔

(تھانیسر کر کھیت کے حوض میں مسجد اور مقبرہ تھا، ایک عزیز نے اسکو منہدم کر کے ایک بہت ہی بڑی چوٹی کا شوالہ بنایا ہے نیز کفار کھلم کھلا کفر کے مراسم ادا کرتے ہیں اور مسلمان اکثر احکام کے اجراء سے عاجز ہیں)

حضرت مجدد صاحبؒ کے علاوہ مشہور مورخ ملا عبد القادر بدایونی نے بھی مدارس و مساجد کی ویرانی اور علماء کی جلاوطنی کا ذکر کیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں۔

مساجد و مدارس و مدرس علماء اکثرے جلاوطن شدند و اولاد نا قابل ایشاں کہ بماند امروز بہ پاجی گیری نام بر آوردند۔

مدرسے اور مسجدیں سب ویران ہوئے اکثر اہل علم جلاوطن ہو گئے، ان کی اولاد نا قابل، جو اس ملک میں رہ گئی ہے پاجی گیری میں نام پیدا کررہی ہے۔

---

[1] مکتوبات ۹۲ ص ۱۶۲ جلد دوم،

ملا صاحب نے آخر میں دو شعر پیش کئے ہیں، جن میں قوم وملت کا درد پنہاں ہے، اور ان میں اسلامی معاشرہ کے اخلاقی زوال و پستی کے کرب کا اظہار ہے۔

مدارس از علماء آں چناں بود خالی — کہ ماہ روزہ زمے خوار خانہ خمار

برند تختۂ لوح ادیب از پئے نرو — کنند مصحف قاری گرو بوجہ قمار

(مدرسے علماء سے اسطرح خالی ہو گئے جیسے رمضان میں شراب خانہ شرابیوں سے خالی ہو جائے، جو تختی معلم کے پاس ادب کی تعلیم کیلئے مستعمل تھی اب وہ چوسر کا تختہ بن گئی قاری کا مصحف یعنی قرآن جوئے کے سلسلہ میں گروی ہے)

حضرت مجدد صاحب ان حالات میں کیونکر خاموش رہ سکتے تھے، انہوں نے اکبر اور جہانگیر کے مشرکانہ خیالات و نظریات کی کھل کر مخالفت کی، جس کی پاداش میں آپ کو گوالیار کے قلعہ میں قید وبند کی صعوبتیں برداشت کرنی پڑیں، لیکن آپ اسلام کی سربلندی شعائر اسلام کے تحفظ اور قوانین شریعت کے بقاو استحکام کے لئے کوشاں رہے، بالآخر آپ کی مساعی جمیلہ سے اسلام سربلند ہوا یہ آپ کا تجدیدی کارنامہ ہے۔

مولانا ابوالکلام آزادؒ نے تذکرہ میں لکھا ہے:

"شہنشاہ اکبر کے عہد اختتام اور عہد جہانگیری کے اوائل میں کیا ہندوستان علماء و مشائخ حق سے بالکل خالی ہو گیا تھا؟ کیسے کیسے اکابر موجود تھے؟ لیکن مفاسد وقت کی اصلاح و تجدید کا معاملہ کسی سے بھی بن نہ آیا، صرف مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کا وجود گرامی ہی "تن تنہا" اس کاروبار کا کفیل ہوا[1]"

مسجد مجددیہ

---

[1] تذکرہ، ص ۲۳۸،

جیسا کہ اوپر ذکر ہوا تھا کہ درگاہ کے آخری دروازے کے دائیں طرف مسجد مجددیہ ہے جسکے بانی و مؤسس حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ تھے، بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت مجدد صاحب اپنے والد صاحب کے ہمراہ آگرہ سے سرہند واپسی کے دوران جب تھانیسر پہونچے تو وہاں کے مشہور رئیس حاجی سلطان تھانیسریؒ (جو اکبر بادشاہ کے بڑے مقرب تھانیسر و کرنال کے کروڑی اور بڑے صاحب علم و فضل بزرگ تھے) کی صاحبزادی سے عقد ہوا۔ اس عقد مسنون سے آپکو غیر معمولی مال ملا جس سے آپ نے سرہند میں ایک حویلی اور مسجد تعمیر کرائی۔

شیخ محمد اکرام نے رود کوثر میں بعض تذکرہ نویسوں کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ:

"اس شادی کے بعد حضرت قیوم اول (حضرت مجدد الف ثانیؒ) کے پاس ظاہری مال و دولت بکثرت ہو گیا، اپنے والد بزرگوار کی حویلی چھوڑ کر ایک نئی حویلی بنوائی، جہاں پر آجکل آنجناب کا روضۂ مبارک اور آنجناب کی اولاد کا محلہ ہے، حویلی کے قریب ہی ایک مسجد بنوائی آپ کے دوسرے بھائی پرانی حویلی میں رہتے رہے، اسلئے ان کی اولاد کا لقب پرانی حویلی والے پڑ گیا[1]"

مولانا ابوالحسن زید فاروقی مجددی صاحب تحریر کرتے ہیں:

"پھر (آپ نے) اپنے گھر کے قریب "مسجدِ مردان خدا" ۱۰۰۸ھ تعمیر کی، یہی وہ مبارک مسجد ہے جس کا ہر ذرہ فلک ہدایت پر مہر درخشاں بن کر چمکا، یہی وہ مبارک مسجد ہے جہاں سے ہزاروں بندگان خدا اپنے سر پر تاج رضا رکھ کر مملکت قناعت و تسلیم کے بادشاہ بنے، یہی وہ مسجد مبارک

---

[1] رود کوثر، ص ۲۲۳۔

ہے جہاں سے طریقۂ مبارکہ نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کی ترویج اطراف عالم میں ہوئی، یہی وہ مبارک مسجد ہے، جہاں سے سلسلہ نقشبندیہ کی نہریں بدخشاں اور ماوراء النہر پہنچیں۔ اور یہی وہ مبارک مسجد ہے جس کی خاک پر بیٹھ کر ایک مرد خدا آگاہ نے اکبر کی طاغوتی طاقتوں کو شکست دی اور و للّٰہ العزۃ ولرسولہ وللمئومنین ولٰکنّ المنافقین لا یفقھون کا ظہور ہوا[۱]۔"

حضرت مجدد صاحبؒ کے خاندان کے ایک بزرگ جناب اختر حسین شاہ صاحب مرحوم سرہندی (جنکا حال ہی میں انتقال ہوا اللہ انکی مغفرت فرمائے) نے راقم الحروف سے بیان فرمایا کہ حضرت مجدد صاحب نے یہاں ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر کی تھی اور اس میں امامت بھی کی۔ آپ کے بعد اس میں توسیع بھی ہوئی ہے، مسجد کی موجودہ ہیئت وصورت توسیع شدہ ہے جو آپکے بعد ہوئی ہے، راقم السطور مرحوم اختر حسین شاہ صاحب کی عنایت کردہ کتاب "تذکرۂ نقشبندیہ خیریہ" دیکھ رہا تھا جس میں روضۃ القیومیہ کے حوالہ سے مرقوم ہے کہ حضرت مجدد صاحب کے صاحبزادے خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ کے عہد زریں میں اس مسجد میں توسیع ہوئی ہے چنانچہ فاضل مصنف لکھتے ہیں۔

"حضرت قیوم ثانی خواجہ معصوم زمانی قدس سرہ کے وقت میں اس مسجد کو وسیع کیا گیا[۲]۔"

گمان غالب ہے کہ حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی کے بعد بھی اس مسجد کی تزئین وآرائش ہوئی ہے۔ مسجد کے اندرونی حصہ میں نہایت ہی عمدہ نقاشی

---

[۱] حضرت مجدد اور انکے ناقدین، ص ۲۷، [۲] تذکرہ نقشبندیہ خیریہ، ص ۶۹۴، بحوالہ روضۃ القیومیہ،

وصناعی کی گئی ہے۔اور سنہرے حروف میں قرآنی آیات لکھی ہوئی ہیں، مسجد کے اندرونی حصہ میں یہ فارسی شعر بھی کندہ ہے۔

گر دریں عالم بجوئی منظر خلد بریں   مسجد حضرت مجدد را بچشم دل بہ بیں

اسکے بعد ایک حصہ میں آیۃ الکرسی بھی لکھی ہوئی ہے، یہ تمام نادرو نایاب تحریریں قدیمی حالت میں ہیں، مسجد مجددیہ ۴۶/ فٹ ۱۱/ انچ لمبی ۳۰/ فٹ چوڑی ہے، اندرونی محراب ۶/ فٹ ۹/ انچ لمبی ہے، تین زینوں کا خوشنما منبر ہے فرش پختہ مسجد کا صحن دو حصوں میں بٹا ہوا ہے، صحن ۶۲/ فٹ ۷/ انچ چوڑا اور ۴۶/ فٹ لمبا ہے، صحن کے جنوب میں زائرین ومعتقدین مقیم رہتے ہیں، صحن کے مشرق میں ''مقام نفل'' ہے جہاں زائرین ومعتقدین بطور تبرک نفلی نمازیں پڑھنے کا اہتمام کرتے ہیں چونکہ یہ مقام بزرگوں کی یادگار ہے لوگ بطور عقیدت اسی جگہ پر نفلی نمازیں پڑھتے   ہیں، اس سے متصل دو مقبرے ہیں جو کہ ایک مختصر احاطہ میں ہیں جنوب میں غسل خانہ بیت الخلاء اور کنواں وغیرہ ہے۔

مسجد کے تین عالیشان گنبد ہیں جن پر سفیدی کر دی گئی ہے، ان کے اوپر کلس ہیں اور دو شاندار مینار ہیں، یہ مسجد مغل فن تعمیر کا عمدہ نمونہ ہے، اور پنجاب کی مساجد سے قدرے مختلف ہے۔ خود اس احاطہ میں واقع دو مسجدیں بھی اس مسجد سے مختلف طرز وانداز پر بنی ہوئی ہیں حالانکہ اس مسجد کی توسیع خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ کے دور میں ہوئی ہے۔

وفات

حضرت شیخ احمد سرہندیؒ معروف بہ مجدد الف ثانیؒ کا وصال ۲۸/ صفر المظفر ۱۰۳۴ھ مطابق ۱۰/ دسمبر ۱۶۲۴ء ترسٹھ سال کی عمر میں ہوا، نماز جنازہ آپکے فرزند ثانی خواجہ محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھائی، آپ اپنی حویلی اور مسجد کے

قریب اپنے صاحبزادے حضرت محمد صادق سرہندی (متوفی ۱۰۲۵ھ مطابق ۱۶۱۶ء) کے گنبد میں دفن ہوئے۔

حضرت خواجہ محمد صادق صاحبؒ آپکے بڑے صاحبزادے تھے جو عین جوانی میں بعارضہ طاعون وفات پاگئے تھے۔ جب ۱۰۰۸ھ میں حضرت مجدد الفؒ ثانیؒ دہلی میں حضرت خواجہ باقی باللہ نقشبندی کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے تو آپ بھی ہمراہ تھے۔ آپ بھی حضرت خواجہ باقی باللہ نور اللہ مرقدہ کی نظر کرم سے فیض یاب ہوئے تھے۔ جب خواجہ صادقؒ کا انتقال ہوا تو آپ کے رشتہ داروں کی رائے تھی کہ آپ کو جدامجد حضرت خواجہ عبدالاحد سرہندیؒ کے مقبرہ میں دفن کیا جائے۔ حضرت مجدد صاحبؒ نے مراقبہ کیا تو اس جگہ کا حکم ہوا جہاں اب آپکا مزار ہے حضرت مجدد صاحبؒ نے اس جگہ کے متعلق فرمایا ہے کہ:

"شہر سرہند گویا میرے زندہ کرنے کی زمین ہے میرے واسطے تاریک کنویں کو بھر کر ایک بلند چبوترہ بنایا گیا ہے اور اکثر شہروں اور جگہوں پر اس کو رفعت دی گئی ہے۔ اور اس زمین میں ایک نور ودیعت رکھا گیا ہے۔ جو نور بے صنفی اور بے کیفی سے اقتباس کیا گیا ہے، اس نور کی مانند جو بیت اللہ کی پاک زمین سے نمودار ہوتا ہے [1]"

حضرت خواجہ محمد صادقؒ کی قبر پہلے کچی تھی پھر کچھ عرصہ کے بعد حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اس پر ایک گنبد تعمیر فرمایا، جب حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا تو انکو بھی اسی قبہ میں دفن کیا گیا [2]۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کی قبر مرجع خلائق ہے آپکے روضۂ مقدسہ کے

---

[1] تذکرہ نقشبندیہ خیریہ (ص ۲۷) [2] تذکرہ نقشبندیہ خیریہ (ص ۶۳۷)

متعلق حضرت شاہ عبدالغنی مہاجر مدنی (متوفی ۱۲۹۶ھ) نے یہ فارسی اشعار کہے ہیں۔

اے خاک پاک روضۂ عبیری و عنبری | کہ اہل جہاں زبوئے تو مدہوش گشتہ اند
ساقی فشاند بر تو خوش آبے کہ اہل دہر | عاقل بہ پشت آمدہ مخمور رفتہ اند
سر زخاک خلد تو داری کہ اہل ارض | یک نفحہ از تو یافتہ بر چرخ رفتہ اند،
نے نے تراز تربت یثرب سرشتہ اند | پنہاں ز روم و شام بہ سرہند ہشتہ اند،
ایں خاک احمدی است بذات احمد نگر | نے یک کہ صد ہزار ازیں خاک جستہ اند
اھلا و مرحبا پے زدار تو سے! | اقفال بعد بر رخ اعدات بستہ اند،
یارب مکن خلاص ازیں خاک در مرا | بدحال آں کساں کہ ازیں خاک رستہ اند
شیرے بخواب نازبہ پہلوئے دو شبل | یارب چہ رازہاست کہ اینجا نہفتہ اند

تنہا غنی نہ نغمہ مدح تو ساز کرد
کروبیانِ عرش ہمیں گونہ گفتہ اند

اس روضۂ مقدسہ کو سیٹھ حاجی ولی محمد صاحب اور حاجی ہاشم صاحب کاٹھیاواڑ نے ۱۹۲۵ء مطابق ۱۳۴۴ھ میں دوبارہ تعمیر کرایا تھا، اس کے اوپر سنگ مرمر کا ایسا عالیشان گنبد بنایا گیا ہے کہ دل کو سرور، آنکھوں کو نور بخشتا ہے اس جدید عمارت پر ایک لاکھ پینتالیس ہزار روپے صرف ہوئے تھے اور پانچ سال میں تیار ہوئی تھی، جنوبی دروازے پر یہ عبارت لکھی ہوئی ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم
لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ

مزار پر انوار حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد
فاروقی نقشبندی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ
ایں روضہ منورہ بتاریخ ۱۳۴۴ھ مطابق ۱۹۲۵ء تعمیر یافت،

مندرجہ ذیل قطعہ تاریخ کندہ ہے

سبحان اللہ ماشاء اللہ واہ چہ تعمیر نورانی
بعد از سہ صد سال بنا شد روضۂ محبوب ربانی
پر تو گنبد خضرا گویا کاخ مجدد الف ثانی
۱۳۴۴ھ

حکیم الامت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ حضرت مجدد صاحب کے روضہ پر حاضر ہوئے اور یہ اشعار کہے ہیں۔

حاضر ہوا میں شیخ مجدد کی لحد پر
وہ خاک کہ ہے زیر فلک مطلعِ انوار

اس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستارے
اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحب اسرار

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جسکے نفس گرم سے ہے گرمی احرار

وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہبان
اللہ نے بر وقت کیا جس کو خبر دار

خانقاہ حضرت مجدد الف ثانی ۸۰ / اسی بیگھے زمین پر محیط ہے جس کے کچھ حصہ میں کھیتی باڑی بھی ہوتی ہے۔ اس خانقاہ کی چہار دیواری میں بے مثال و بے نظیر یادگار ''مسجد معصومیہ'' ہے جو خانقاہ کے صدر دروازے سے چند قدم کے بعد اور حضرت مجدد صاحب کے روضہ سے کچھ پہلے بائیں ہاتھ پر (ایک پگڈنڈی شمال مغرب کی طرف جاتی ہے) اسی پگڈنڈی پر دو ڈھائی سو قدم چلنے کے بعد حضرت خواجہ محمد معصوم نور اللہ مرقدہ کا عظیم الشان مقبرہ آتا ہے، اور اس مقبرے سے

ملحق مغرب میں مسجد معصومیہ ہے، یہ حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی کی ذات سے منسوب ہے۔

خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ

العروۃ الوثقی حضرت محمد معصوم سرہندیؒ (متوفی ۱۰۷۹ھ) امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے تیسرے صاحبزادے اور آپ کے روحانی و فکری جانشین تھے، آپ نے بھی اپنے والد باکمال کی طرح اصلاحی و دعوتی مکتوبات کا گرانقدر ذخیرہ امت کیلئے چھوڑا ہے، جس کے تین حصے ہیں، جو "درۃ التاج جاوید و جمع کمالات نبوت، وسیلۃ السعادۃ، اور مکاتبات قطب زمن" کے ناموں سے مشہور عام و خاص ہیں۔

حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ کی روحانی و علمی شخصیت سے نہ صرف معاصر علماء و مشائخ متاثر تھے بلکہ سلاطین وقت بھی آپ کی روحانیت و علمیت کے قائل تھے۔ آپ سے بڑی عقیدت وارادت رکھتے تھے۔ شاہجہاں بادشاہ بھی آپ کا معتقد تھا۔ روضۃ القیومیہ کے بیان کے مطابق جب شاہجہاں بادشاہ نے لال قلعہ کی تعمیر کا ارادہ کیا تو بطور تبرک آپ ہی کے ہاتھوں سے قلعہ کی بنیاد رکھوائی [1]۔

خزینۃ الاصفیا کی روایت کے مطابق اورنگزیب بادشاہ بھی خواجہ محمد معصومؒ کا مرید تھا [2]۔ فرحت الناظرین کے بیان کے مطابق عالمگیر چند بار سرہند حاضر

---

[1] روضۃ القیومیہ، ج دوم ص ۱۸۰، اردو، [2] اورنگ زیب معتقد آنحضرت شد و ارادت آورد و دوام صحبت میخواست قبول نفرمود..... محمد دارا شکوہ مرید حضرت ملا شاہ قادری و عالمگیر مرید حضرت معصوم سرہندی و فیمابین دو برادر تنازع و عداوت واقع ازیں سبب دارا شکوہ باعزیزاں سرہند کدورتی بود چوں حضرت معصوم در مدینہ منورہ رسیدہ شنید کہ دارا شکوہ ولیعہد پدر خود شدہ است، تفکر در دل لاحق شد و بمراد حصول رخصت او بردی روضۃ منورہ نبوی تشریف بردہ متوجہ (باقی اگلے صفحہ پر)

ہوا تھا[۱] ایک دفعہ عالمگیر سرہند حاضر ہوا اور خواجہ محمد معصوم سے حصول تاج اور تخت کے لئے دعاء کی درخواست کی اور ۱۲ ہزار اشرفیوں کی تھیلی پیش کی۔

عالمگیرؒ کی بہن گوہر آرا، کہا کرتی تھیں کہ اورنگزیبؒ نے مغلیہ سلطنت کو بارہ ہزار اشرفیوں میں خریدا ہے، شاہزادی گوہر آرا اور روشن آرا بھی آپ کی مرید تھیں۔

مشہور قادر الکلام فارسی شاعر ناصر علی سرہندی بھی آپ کے معتقد و مرید تھے۔

مدفن

حضرت خواجہ محمد معصومؒ کا وصال ۱۰۷۹ھ مطابق ۶۹۔۱۶۶۸ء میں سرہند میں ہوا، احاطہ درگاہ کے ایک گوشہ میں مدفون ہوئے۔ مشہور شاعر ناصر علی سرہندی نے یہ قطعہ تاریخ لکھا۔

چراغ خاندان شرع اسلام	فروغ دین احمد خواجہ معصوم
بسوی گلشن جنت قدم زد	ازیں ویرانہ آباد کہن بوم

(بقیہ حاشیہ) شد کہ دارا شکوہ عداوتی بایں خاندان دارد مبادا تکلیفی بہ وابستگان ایں خاندان رساند، درین اثنا محسوس گشت کہ آنحضرت صلعم شمشیر بدست گرفتہ ظاہر شدہ فرمود کہ ہر کہ دشمن شما است برای او این شمشیر قہر الٰہی کافی ست چون از مراقبہ سر بر آوردہ فرمود کہ دارا شکوہ در ہند کشتہ شد، پس ہمچناں بو قوع آمد، سرہند میں فارسی ادب، ص ۲۶۹، بحوالہ خزینۃ الاصفیاء۔

[۱] مرید و خلیفہ والد بزرگوار خود شیخ احمد بود...... از تصانیف او سہ جلد مکتوبات است کہ بسی اسرار غریبہ و نکات عجیبہ دراں اندراج یافت..... بر استدعای پادشاہ دیں پناہ (عالمگیر) چندبار بہ بارگاہ عظمت جاہ رسید باقسام و انواع تکریم و توقیر و تعظیم مخصوص گشتہ بود، سرہند میں فارسی ادب ۲۶۹، بحوالہ فرحت الناظرین۔

دلم از گفتم از سال وصالش ندا آمد زعالم رفت معصومؒ،

عالمگیر اورنگزیبؒ نے تاریخی قطعہ کہا، نور عالم برفت، عالم تاریک شد، اس سے ۱۰۷۹ھ برآمد ہوتا ہے[1]۔ حضرت محمد معصوم سرہندیؒ کی جہاں آخری آرام گاہ ہے، وہ قطعہ اراضی آپ کے تیسرے صاحبزادے مروج الشریعت خواجہ محمد عبیداللہ سرہندیؒ کی ذاتی ملکیت تھی، جب حضرت خواجہ معصومؒ کا انتقال ہوا تو ان کو انہی کی زمین میں دفن کیا گیا، اور شاہجہاں کی صاحبزادی روشن آرا نے عالیشان مقبرہ تعمیر کیا، جو پچاس فٹ مربع ہے۔ اس کی تعمیر کے لئے روشن آرا نے ایران سے، ماہر فن معمار طلب کئے تھے۔ اور مقبرہ پر نہایت ہی نفیس عمدہ کام کیا گیا تھا۔ جو آئینہ کی طرح چمکتا تھا، اور سورج نکلنے پر جگمگا اٹھتا تھا، دروازے کے پردے شامیانے اور مزارپوش زربفت کے تھے، غرضیکہ یہ مقبرہ اسلامی وایرانی تعمیر کا عمدہ نمونہ ہے۔ اگرچہ اب انقلاب زمانہ کی وجہ سے مقبرہ کے سارے نقش ونگار اور بیل بوٹے مٹ گئے ہیں، لیکن یہاں بڑا قلبی وروحانی سکون حاصل ہوتا ہے، حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ کا روحانی فیض صدیوں گزرنے کے باوجود جاری وساری ہے، حضرت خواجہ معصومؒ کے سرہانے کتبہ نصب ہے۔

حضرت امام الهدی سراج الاولیاء العروۃالوثقی خواجہ معصومؒ قیوم ثانی فرزند ثالث وخلیفہ اکمل حضرت امام ربانیؒ

تاریخ وصال ۹/ ربیع الاول ۱۰۷۹ھ

مسجد معصومیہ

حضرت خواجہ محمد معصوم کے مقبرہ سے کوئی ۳۶/ فٹ کے فاصلے پر مغرب میں مسجد معصومیہ واقع ہے، جسکے بانی وموسس آپ کے تیسرے صاحبزادے

---

[1] سرہند میں فارسی ادب (ص ۲۷۰)

خواجہ عبید اللہ ملقب بہ مروج الشریعت تھے۔ جنہوں نے ۱۰۸۰ھ میں تعمیر کرائی
جس پر چالیس ہزار روپے صرف ہوئے تھے، حضرت مروج الشریعت نے
اپنے انتقال سے کوئی تین سال قبل یہ مسجد کی تعمیر کرائی تھی، چونکہ آپ کا انتقال
۱۰۸۳ھ مطابق ۱۶۷۲ء کو ہوا تھا۔ مسجد معصومیہ کا صحن ۶۳ / فٹ لمبا ہے اور
۳۳ / فٹ چوڑا ہے، صحن کی حد بندی ہوئی ہے جو ۳ / فٹ اونچی ہے، صحن میں
لکھوری اینٹوں کا نہایت ہی عمدہ فرش ہے آدھے صحن میں گھاس اگی ہوئی ہے اور
اندر سے مسجد (بیت الصلوٰۃ) ۳۹ / فٹ ۴ / انچ لمبی ہے اور ۲۹ / فٹ چوڑی ہے
اندرون مسجد کے شمال میں ۹ / فٹ ۴ / انچ چوڑا اور ۱۱ / فٹ لمبا ایک کمرہ ہے اس
میں دس سیڑھیاں نیچے اتر کر ایک اور کمرہ ہے اس کے لئے روشندان بھی ہے اس
کے برابر میں بھی ایک اور کمرہ ہے لیکن اس میں تالا لگا ہوا تھا۔ اس کے جنوب میں
بھی دو کمرے ہیں لیکن ان میں بھی تالے لگے ہوئے ہیں، مسجد کے اندرونی حصہ میں
ان حجروں کی تعمیر کا مقصد بظاہر یہی ہے کہ ان میں عباد و زہاد مجاہدہ نفس اور مشاہدہ
حق کرتے ہونگے، یہ پنجاب کی واحد مسجد ہے، جس میں اس طرز کے حجرے بنے
ہوئے ہیں، ان حجروں کو دیکھنے کے بعد انسان پر نفس کشی اور خلوت گزینی کا جذبہ
طاری ہوتا ہے۔ یہ تین در کی مسجد ہے، درمیانی در ۱۱ / فٹ لمبا ہے۔ دائیں بائیں
کے در ۸ / فٹ ۹ / انچ کے ہیں مگر دہرے در ہیں۔ ۵ / فٹ ۳ / انچ لمبے اور
۳ / فٹ ۲ / انچ کے عظیم الجثہ ۴ / ستون ہیں، دائیں بائیں چار چار طاق ہیں،
اندرون مسجد میں محرابیں بنی ہوئی ہیں درمیانی محراب ۱۱ / فٹ ۶ / انچ ہے اور
اس طرح کی محراب کا طرز پنجاب میں کم دیکھنے میں آیا ہے، دائیں بائیں کی محراب
۴ / فٹ ۶ / انچ چوڑی اور خاصی لمبی ہے، اس مسجد کے تین گنبد ہیں درمیانی گنبد
بڑا ہے مگر یہ مخصوص طرز تعمیر غالباً صرف پنجاب ہی میں دیکھنے میں آتا ہے۔

دائیں بائیں کے گنبد چھوٹے چھوٹے ہیں، ان تینوں پر کلس اچھی حالت میں ہیں، دو مینار ہیں ان کے کلس نہیں ہیں مگر نشانات موجود ہیں، مسجد کے جنوب میں لکھوری اینٹوں کا بنا ہوا کنواں ہے جس کے برابر استنجا خانہ ہے۔

چھوٹی مسجد

مسجد مجددیہ اور مسجد معصومیہ کے درمیان صدر دروازے کے ملحق ایک چھوٹی سی مسجد ہے، جو غیر آباد ہے جس کا صحن ۷۳ / فٹ ۴ / انچ لمبا اور ۱۹ / فٹ چوڑا ہے۔ جو تین در اور تین گنبد کی ہے۔ درمیانی گنبد قدرے بڑا اور دائیں بائیں کے گنبد کچھ چھوٹے ہیں لیکن ان کے کلس اب موجود نہیں ہیں، اصل مسجد ۳۱ / فٹ لمبی اور ۱۵ / فٹ چوڑی ہے اور اسی سے بالکل متصل دائیں طرف دو پختہ قبریں ہیں۔ یہ تینوں مسجدیں خانقاہ مجددیہ کے زیر انتظام ہیں لیکن ان میں صرف دو مسجدیں آباد ہیں اور ایک غیر آباد ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ اس مسجد کو بھی آباد کرنے کی کوشش کی جائے، اور حضرت مجدد صاحب کے عقید تمندوں کو اس مسجد میں نماز پڑھنے کی ترغیب دلائی جائے۔

مسجد ناصر علی سرہندی

سرہند کی تاریخی مساجد میں مسجد ناصر علی سرہندی بھی ہے جو اب پلوں والی مسجد کہلاتی ہے، یہ مسجد سرہند میں، پٹیالہ سے سرہند جانے والے روڈ کے کنارے جہانگیری پل سے کچھ پہلے واقع ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ مسجد مشہور قادرالکلام شاعر ناصر علی سرہندی کی تعمیر ہے جیسا کہ بیان کیا گیا ہے کہ ناصر علی سرہندی حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ کے مرید تھے۔ اور عبدالقادر بیدلؔ عظیم آبادی و محمد افضل سرخوش کے ہم عصر تھے۔

مسجد ناصر علی سرہندی تین در کی ہے جو تقریباً ۱۰ / فٹ چوڑی ہے اور اس

کی لمبائی کا علم نہ ہو سکا چونکہ صحن اور مسجد کا زیادہ حصہ روڈ میں ضم ہو گیا ہے، اسکی چھت شہید ہو چکی ہے، مسجد پنجاب وقف بورڈ کے زیر انتظام ہے، گوردوارہ فتح گڑھ کے قریب مسجد ناصر علی سرہندی کی وقف زمین بھی ہے جو پنجاب وقف بورڈ کے زیر انتظام ہے۔

کہا جاتا ہے ناصر علی سرہندی کا مزار جہانگیری پل سرہند کے شمال و مغرب میں کچھ فاصلہ پر واقع ہے۔ جو خلاف واقع ہے جیسا کہ ڈاکٹر محمد ادریس صاحب استاذ شعبۂ فارسی دلی یونیورسٹی نے لکھا ہے کہ:

"ناصر علی کا انتقال ۲۰؍رمضان ۱۱۰۸ھ مطابق ۲؍اپریل ۱۶۹۷ء کو ہوا انتقال کے وقت انکی عمر تقریباً ساٹھ سال تھی، مقبرہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے نواح میں ان کو دفن کیا گیا، بیدلؔ نے "رنگ ناز شکست" سے تاریخ نکالی[1]۔

ناصر علی سرہندی کا مزار دلی میں ہے، لیکن اس کی صحیح نشاندہی مشکل ہے البتہ اتنا ضرور ہے کہ آپ بستی حضرت نظام الدینؒ ہی میں مدفون ہیں۔

لال مسجد

لال مسجد اسم بامسمی ہے یعنی سراپا سرخ ہے، ریلوے اسٹیشن فتح گڑھ سے متصل واقع ہے، اور کافی اونچائی پر ہے کہا جاتا ہے کہ ۱۰۰؍سو سال سے زیادہ پرانی مسجد ہے، جو لکھوری اینٹوں کی بنی ہوئی ہے اور نہایت ہی عالیشان ہے۔ اس کے تین در تین گنبد اور دو مینار ہیں، بعض لوگوں کا بیان ہے کہ ۱۹۴۷ء کے بعد اس میں نماز ہوتی رہی لیکن خانقاہ سے دور ہونے کی وجہ سے اور قرب وجوار میں مسلم آبادی نہ ہونے کی وجہ سے یہ سلسلہ جاری نہ رہ سکا، مرحوم میاں اختر حسین صاحب نے

---

[1] سرہند میں فارسی ادب (ص ۴۴)

بیان فرمایا تھا کہ انہوں نے اس مسجد میں باضابطہ نماز شروع کرائی تھی لیکن کچھ دنوں کے بعد یہ سلسلہ منقطع ہو گیا، چنانچہ آج بھی مسجد غیر آباد ہے، خانقاہ مجددیہ کے ذمہ داروں کی ذمہ داری ہے کہ اس مسجد کو آباد کریں اور مسجد کے اطراف میں مسلمانوں کو بسائیں۔

براس (گاؤں)

سرہند سے تقریباً ۱۰،۱۱ر کلو میٹر کے فاصلے پر مشرق میں براس گاؤں ہے، یہاں ایک ٹیلے پر آٹھ مزارات ہیں، یہ مزارات تقریباً ۱۶ر فٹ لمبے ہیں کہا جاتا ہے کہ انبیاء علیہ الصلوۃ والسلام کے مزارات ہیں، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان مزارات پر حضرت مجدد الف ثانیؒ اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ آیا کرتے تھے، اور ان حضرات کو بذریعہ کشف معلوم ہوا تھا، کہ یہاں انبیاء مدفون ہیں، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بھی اس جگہ مراقبہ کیا ہے، انہوں نے بھی اپنے ملفوظات میں بیان کیا ہے کہ یہاں انبیاء مدفون ہیں، شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب بھی یہاں آیا کرتے تھے اور مراقب ہوا کرتے تھے، حضرت شیخؒ نے بھی اپنی آپ بیتی میں یہاں انبیاء علیہ الصلوۃ والسلام کے مدفون ہونے کا ذکر کیا ہے، حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ بھی آیا کرتے تھے، ڈاکٹر نظام الدین صاحب مالیر کوٹلہ نے ان مزارات مقدسہ کی احاطہ بندی کرادی ہے، اور یہی ان مزارات کی دیکھ ریکھ کرتے رہتے ہیں، کچھ دنوں پہلے اس ٹیلے کے نیچے میدان میں محکمہ آثار قدیمہ کی طرف سے کھدائی کی جارہی تھی، کھدائی کے دوران کچھ پرانے برتن اور دوسری چیزیں برآمد ہوئی تھیں، جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ اشیاء سیکڑوں سال پرانی ہیں، اتفاق سے راقم الحروف ۱۹ر اکتوبر ۱۹۹۶ء کو براس اس وقت حاضر ہوا تھا، جب کہ محکمہ آثار قدیمہ کی طرف سے یہاں کھدائی ہورہی تھی، اور

وہاں محکمہ آثار قدیمہ کے ذمہ داران موجود تھے، انہوں نے بتایا کہ یہاں پرانے دور کی نادر و نایاب چیزیں ملی ہیں، اور ان قدیم چیزوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہاں بہت پرانی آبادی رہی ہے۔

ان مزارات کے احاطے میں ایک چھوٹی مسجد بھی ہے جو بعد کی تعمیر ہے البتہ اس احاطے سے کچھ ہی فاصلے پر اس گاؤں ہے، جہاں چار مسجدیں ہیں، ایک مسجد تو بالکل منہدم ہو رہی ہے یہ لکھوری اینٹوں کی بنی ہوئی ہے، یہ مسجد احاطہ مزارات کے قریب ہے، دوسری مسجدیں گاؤں کے اندر ہیں، اور یہ تمام ناجائز قبضے میں ہیں، جن میں گوردوارہ، اسکول اور رہائش وغیرہ ہے۔

ے بحوالہ باغ انبیاء پنجاب (ص ۲۰)

مسجد حاجی رتن بھٹنڈہ

بھٹنڈہ صوبہ پنجاب کا مشہور تاریخی ضلع ہے، جو دلی سے تقریباً ۲۹۶/ کلو میٹر کے فاصلے پر مغرب میں (راجستھان کی سرحد) پر واقع ہے، جس کا قدیم نام بھاٹیا ہے، یہ کبھی راجپوتوں کا مسکن تھا، جو آگے چل کر بھٹنڈہ ہوا اور آج بھی یہی نام زبان زد خاص وعام ہے، تاریخ فرشتہ اور طبقات ناصری میں ''تبر ہندہ'' مرقوم ہے، تاج العروس میں بھی ''تبر ہندہ'' ہی اصل نام قرار پایا ہے۔

۱۹۴۷ء میں بھٹنڈہ میں بھی بھیانک فرقہ وارانہ فساد ہوا، جو دراصل مسلم کش فساد تھا، جس میں مسلمانوں کو بڑی بے رحمی وبے دردی سے قتل کیا گیا، ان کی عورتوں کو اغوا کیا گیا، بعض غیرت مند عورتوں نے اپنی عصمتوں کو بچانے کی خاطر کنوؤں میں چھلانگ لگا کر خودکشیاں کرلی تھیں، بعض غیرت مند عورتوں نے اپنے آپ کو اغوا کرنیوالوں کے خلاف عدالت میں مقدمہ بھی دائر کیا، اور ظلم وعدوان کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی، مسعودہ بیگم ایسی باکردار اور غیرت مند خاتون تھی، جس کو اغوا کیا گیا تھا، اور اسکی عصمت لوٹی گئی تھی، جب اللہ نے اس کو موقع دیا تو اپنے اغوا کرنیوالے کے خلاف عدالت میں مقدمہ دائر کیا، جس کا مقدمہ ایک عرصہ تک عدالت میں چلتا رہا، بالآخر عدالت نے اس کے حق میں فیصلہ دیا، جس کے نتیجے میں وہ ظالم کے شکنجے سے نجات پاسکی اور اپنے ناجائز بچوں کی ماں بننے سے صاف انکار کردیا تھا۔

مسعودہ کے ماموں حافظ عبد العلام صاحب کا بیان ہے کہ پہلی دفعہ جب وہ مغویہ عورتوں کے کیمپ سے لائے تو کپور سنگھ کے دونوں بچے اس کے ساتھ تھے، حافظ صاحب نے اسے اجازت دی کہ وہ اگر چاہے تو ان بچوں کو ساتھ لے سکتی ہے، لیکن اس نے جواب دیا کہ میں زبر دستی کے ان بچوں سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتی، میری ماں نے اپنے کئی بچوں کے لئے صبر کیا کیا میں ان دو بچوں کیلئے صبر نہیں کر سکتی[1]۔

۱۹۴۷ء میں مسعودہ بیگم کے والد بھٹنڈہ کے ریلوے اسٹیشن میں ملازم تھے جو اصلاً گنگوہ کے رہنے والے تھے، بھٹنڈہ میں دوران ملازمت ہی قیامت صغریٰ برپا ہوئی، آپکی آنکھوں کے سامنے دو بچیوں کو اغوا کیا گیا تھا، اس وقت ان کے دل پر کیا گزری ہوگی، اس کا احساس اسی شخص کو ہوگا جو صاحب اولاد ہو۔

مسعودہ بیگم کی آخری آرام گاہ "نانوتہ میں" ہے، جس کی تربت پر یہ شعر کندہ ہے۔

کہو کہ شورش عالم یہاں چلی آئے
بڑا سکون مرے گوشۂ مزار میں ہے

راقم الحروف جب بھٹنڈہ حاضر ہوا، پنجاب وقف بورڈ کے دفتر میں مقیم تھا، نہ جانے کیا سمجھ کر مسلمانان بھٹنڈہ کا ایک وفد آیا، وفد میں بھٹنڈہ کے ذمہ دار کاروباری مسلمان شامل تھے، جس میں ایک صاحب وہ بھی تھے، جو اپنی شکل وصورت کے اعتبار سے سکھ معلوم ہوتے تھے، ارکان وفد نے بھٹنڈہ کے اوقاف کی بربادی اور مساجد کی ویرانی کا ذکر کیا، اور ان لوگوں نے یہ بھی کہا کہ یہاں کئی قدیم قبرستان ہیں جن میں تدفین کی اجازت نہیں ہے، مسلمانان بھٹنڈہ کے لئے ایک قبرستان

---

[1] بحوالہ یادگار زمانہ ہیں یہ لوگ، ص ۱۱۴، ۱۱۳۔

کی سخت ضرورت ہے، جس میں تدفین ہو سکے۔

اس مطالبہ میں وہ صاحب بھی پیش پیش تھے جو اپنی شکل وصورت سے سکھ معلوم ہوتے تھے، راقم الحروف کو ان کی موجودگی کی وجہ سے مسلمانوں سے کھل کر بات کرنے میں تامل ہو رہا تھا، اسی دوران انہوں نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ میں بھٹنڈہ کا قدیم باشندہ ہوں، میرے آباء واجداد بھٹنڈہ کے رہنے والے تھے، ۴۷ء میں یہاں بڑا برا حال تھا، یہاں مسلمانوں کا قتل عام ہوا تھا، مسلم بچوں کو ماں کی گود سے چھین کر دیوار پر یا فضا میں پھینک کر تلوار کا نشانہ بنایا جاتا تھا، اور عورتوں کو اغوا کر کے لے جایا جاتا تھا، انہوں نے یہ بھی بیان کیا کہ۔

ہمارے گھر والوں نے ہم بچوں کو چھپا رکھا تھا، ہم بھوک پیاس سے بلبلاتے تھے تو ہمارے منھ کو بند کر دیا کرتے تھے، تاکہ ہماری آواز باہر سنائی نہ دے، اور کہیں ہمارے پڑوسیوں کو، جو، اب ہمارے دشمن ہو چکے تھے، خبر نہ ہو جائے، بعد میں ہم لوگوں نے اپنی شکل وہیت تبدیل کر لی، اور مقامی ہندوؤں و سکھوں میں گھل مل گئے، آج بھی ہماری یہی شکل وصورت ہے لیکن الحمد للہ ہم کلمہ گو ہیں، نماز پڑھتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں، اور ہمیں یہاں قبرستان کی سخت ضرورت ہے۔

۱۹۸۱ء کی مردم شماری کے مطابق بھٹنڈہ کے دیہی علاقوں کی آبادی ۳۷۷,۲۹۹ اور شہری آبادی ۵,۹۵,۱۸۴/ تھی، جس میں مسلمانوں کی تعداد بمشکل دو ڈھائی ہزار ہو گی، حالانکہ ۴۷ء میں یہاں مسلم آبادی پچاس فیصد سے زیادہ تھی، یہاں کی کثرت آبادی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ بھٹنڈہ میں ۱۱۰/ مسجدیں ہیں، جن میں سے ۱۵/ مسجدیں آباد ہیں، اور باقی مسجدوں پر ناجائز قبضے ہیں، زیادہ تر مسجدوں میں بت خانے بنے ہوئے ہیں، یہاں ۱۷۵/ وقف جائیدادیں ہیں۔

قلعہ بھٹنڈہ

شہر بھٹنڈہ کی سب سے مشہور یادگار، قلعہ ہے، جس کی تعمیر چھٹی صدی عیسوی میں ہوئی ہے، جس کے بانی کے بارے میں محکمہ آثار قدیمہ کی طرف سے بھی کوئی وضاحت نہیں کی گئی ہے، کہا جاتا ہے کہ راجہ وینے پال کے دور میں یہ قلعہ تعمیر ہوا ہے۔

قلعہ کا ایک آہنی گیٹ ہے، جسکے سو سو کیلوں کے دو دروازے ہیں، جو مست ہاتھیوں کے ٹکر مارنے پر بھی نہیں ٹوٹتے تھے، دروازے کے دائیں طرف قید خانہ ہے جس میں بیک وقت دو ڈھائی ہزار قیدی آسکتے ہیں، اور اسی جانب دربانوں کے لئے ۲۱/ ۲۲/ کمرے بنے ہوئے ہیں، دروازے کے اوپر سمن برج ہے، جہاں رضیہ سلطان کو قید کیا گیا تھا۔

الکزینڈر لنگھم نے جو محکمہ آثار قدیمہ کا ڈائریکٹر جنرل تھا، ۸۴-۱۸۸۳ء میں قلعہ بھٹنڈہ کا سروے کیا تھا، ڈائریکٹر جنرل نے سروے رپورٹ میں لکھا ہے کہ:

"اس قلعہ میں ۳۲/ چھوٹے برج ہیں، جو آٹھ فی دیوار کے حساب سے بنے ہوئے ہیں، اور چاروں کونوں میں چار بڑے برج ہیں"۔

قلعہ کے اندر ایک بڑا تالاب ہے، ۹۶/ میٹر لمبا ۹۶/ میٹر چوڑا اور آٹھ میٹر گہرا تھا، مگر اس وقت بھی یہ زیر استعمال نہ تھا۔

مسٹر لنگھم کے مطابق اس کے نزدیک ہی ایک گہرا کنواں ہے، جس میں مسلم عہد کی اینٹیں لگی ہوئی تھیں [1]۔

قلعہ لکھوری اینٹوں کا بڑا مستحکم بنا ہوا ہے، جس کو جنگی نقطۂ نگاہ سے بنایا گیا ہے اندرون قلعہ ڈھلوان طرز پر راستہ بنا ہوا ہے، تاکہ توپیں وغیرہ آسانی سے

---

[1] ہند سماچار ۱۵/ اگست ۱۹۸۰ء

اوپر لیجائی جا سکیں، اور قلعہ کی دیواروں کی بلندیوں سے دشمنوں کو نشانہ بنایا جا سکے۔

یہ قلعہ ایک سو اٹھارہ فٹ بلند ہے، سلطان محمود غزنوی کے عہد میں اس کے گرد ایک چھوٹی موٹی اور گہری خندق بھی تھی، جسے اس کے حکم سے درختوں اور پتھروں سے پاٹا گیا تھا، تب قلعہ فتح ہوا۔

یہ خندق آج بھی موجود ہے، مگر یہ خندق جگہ جگہ سے کوڑے کرکٹ سے بھر گئی ہے، خود قلعہ کی حالت تشویشناک ہے، قلعہ کی برجوں میں دراڑیں پڑ گئی ہیں، محکمہ آثار قدیمہ کی طرف سے مرمت کی جا رہی ہے مگر مرمت کی رفتار سست اور غیر اطمینان بخش ہے۔

واضح رہے کہ سلطان محمود غزنوی نے ۳۹۵ھ ۱۰۰۴ء میں قلعہ بھٹنڈہ کا محاصرہ کیا تھا بھٹنڈہ کا راجہ بجے رائے محاصرہ کرنیوالوں کا مقابلہ نہ کر سکا، قلعہ چھوڑ کر بھاگ گیا اور خود کشی کر لی تھی۔

اس کے بعد محمود غزنوی نے ۵۸۷ھ ۱۱۹۱ء میں راجہ منگل راؤ کو شکست دی، اور قلعہ کو فتح کیا، پھر کچھ دنوں کے بعد پرتھوی راج چوہان کا قبضہ ہو گیا، لیکن ۱۱۹۲ء میں پرتھوی راج چوہان کو شکست فاش ہو جانے کے بعد محمد غوری کا قلعہ پر پھر مکمل قبضہ ہو گیا[1]۔

قلعہ بھٹنڈہ پر قطب الدین ایبک کا بھی قبضہ رہا ہے، اسکی وفات کے بعد ناصر الدین قباچہ کے قبضہ میں آگیا، قلعہ بھٹنڈہ کی شہرت رضیہ سلطان کی وجہ سے ہے، جو سلطان شمس الدین التمش کی باہوش و بہادر بیٹی تھی، ۱۲۳۶ء میں تخت نشیں ہوئی تھی، مردانہ لباس پہن کر ہاتھی پر سوار ہو کر میدان جنگ میں اترتی تھی، ایک وقت وہ بھی آیا کہ اس نے اپنے وفادار غلام یاقوت کو فوج کا سپہ سالار

---

[1] اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ص ۱۹۲ ج ۱۰

نامزد کردیا، جس کی بنا پر پنجاب کے کئی امراء خفا ہو گئے، یاقوت کا اثر رسوخ برداشت نہیں کرپائے، پنجاب کے چند صوبہ داروں نے رضیہ سلطان کے خلاف شورش بھی کی، وہ رضیہ کو سبق سکھانا چاہتے تھے، بالآخر ان لوگوں نے بھٹنڈہ کے حاکم ملک اختیار الدین التونیہ کی سربراہی میں شورش برپا کردی، جس کی بنا پر ملک التونیہ نے رضیہ سلطان کو جنگ میں شکست دی، حبشی غلام قتل ہوا، ملک التونیہ نے رضیہ کو قلعہ بھٹنڈہ میں قید کردیا، بعد میں رضیہ سلطان کی دکھ بھری زندگی سے متاثر کر ملک التونیہ نے اس سے شادی کرلی، اور رضیہ کے خلاف ابھرنے والے فتنوں کا سدباب کرنیکا پختہ عزم کیا، دونوں میاں بیوی بغاوت کچلنے کی خاطر دلی جارہے تھے کہ کیتھل کے مقام پر دیہاتیوں نے ان دونوں کو قتل کردیا، جس کی تفصیل تاریخ ابن بطوطہ میں مذکور ہے، جو بہت دردناک ہے۔

حاجی رتن ہندی

ابوالرضا خواجہ جمال الدین مشہور بہ باباحاجی رتن ہندی ایک متنازع فیہ بزرگ تھے، جن کے بارے میں متضاد بیانات ملتے ہیں، بعض بیانات سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ صحابی رسول ﷺ تھے، آپ سے بعض روایات بھی منقول ہیں۔

کہاجاتا ہے کہ آپ نے حضرت رسول ﷺ کی زیارت کی ہے آپ غزوۂ خندق میں بھی موجود تھے، کہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے تین مرتبہ آپ کے لئے درازی عمر کی دعادی۔

حضرت سیدہ فاطمہ زہراءؓ کی شادی حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ہوئی، توان کی رخصتی کے وقت موجود تھے۔

آپ نے معجزہ شق القمر کو دیکھا تھا، اسی وجہ سے آپ نے عرب کا سفر کیا تھا، اور حضور اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تھے، حضور کی خدمت

میں تمر ہندی بطور ہدیہ پیش کی تھی، جس کو حضور نے تناول فرمایا تھا[1]۔

حاجی رتن کے متعلق علامہ عسقلانیؒ اور علامہ زیلعیؒ نے بڑی تفصیلی بحث کی ہے، مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے بھی بابا رتن ہندی نامی کتاب لکھی ہے، جو راقم الحروف کی نگاہ سے نہیں گزری ہے۔

واضح رہے کہ وہ احادیث جو حاجی رتن سے مروی ہیں "الرتنیات" کہلاتی ہیں صاحب تاج العروس نے ان احادیث کو موضوع قرار دیا ہے۔

یہ احادیث کتابی صورت میں جمع کی گئی تھیں، جس کا ایک نسخہ ابن حجرؒ نے بھی دیکھا تھا، اس میں سو احادیث تھیں، اور وہ ۷۰۱ھ کی لکھی ہوئی تھیں، ان احادیث کا راوی ابو الفتح موسیٰ بن محلی الصوفی تھا، امام ذہبی کی رائے تھی کہ ان احادیث کا وضع کرنیوالا ابو الفتح ہے یا کسی اور شخص نے ان احادیث کو وضع کر کے ابو الفتح موسیٰ سے منسوب کر دیا ہے، اور وہی بابا رتن کے افسانے کا خالق ہے[2]۔

مصنف تاج العروس لکھتے ہیں کہ:

"هو (ابن کربال بن رتن البترندی) اختلف فی شانه کثیرا فقیل إنه من المعمرین ادرک النبی صلی الله علیه وسلم، وحضر معه الخندق فدعاله بالبرکة فی العمر و انه حضر فی زفاف فاطمه الی علی رضی الله تعالیٰ عنهما وروی احادیث ومات ببلده وله مقام جلیل یزار و.

الصحیح انه (لیس بصحابی) وانماهو کذاب ظهر بالهند بعد ست مائة فادعی الصحبة وصدق[3]"۔

---

[1] حالات زندگی، بابا رتن، ص ۱، ۲، ۳، [2] الاصابہ فی تمیز الصحابہ، ۱۰۹۰،
[3] تاج العروس ج ۹ ص ۳۱۳،

مقبرہ حاجی رتن

حاجی رتن کا مقبرہ شہر سے مشرق میں تقریباً ڈیڑھ کلو میٹر کے فاصلے پر سڑک سے جنوب میں واقع ہے، اب تو مقبرہ کے اطراف وجوانب میں بھی اچھی خاصی آبادی ہو گئی ہے، جو زیادہ تر مقبرہ حضرت حاجی رتن کی وقف اراضی پر بسی ہوئی ہے۔

آپ کا مقبرہ پتھر کا بنا ہوا ہے، جو ۲۵ / فٹ ۵ / انچ مربع ہے، جو اب قدرے نشیب میں آگیا ہے، مقبرہ کے چاروں کونوں پر چھوٹے چھوٹے چار گنبد ہیں جو قبہ نما ہیں، اس کا درمیانی گنبد عالیشان ہے جنوبی جانب ایک جاڑ کا درخت ہے، جو اب خشک ہو گیا ہے، کہا جاتا ہے کہ اسی درخت پر حاجی رتن جھولے میں بیٹھ کر جھولتے تھے، لیکن جب کمزور و ضعیف ہو گئے تو روئی میں لپیٹ کر ڈولی میں رکھدیئے جاتے تھے، اس میں جھولتے رہتے تھے۔

مقبرہ کی تاریخ بنا کی صحیح اطلاع نہیں ہو سکی، لیکن اس کی مرمت ۱۱۳۱ھ میں بدست محمد افضل ہوئی ہے جیسا کہ کتبہ میں منقوش ہے کتبہ فارسی زبان میں ہے مقبرہ کے مشرق میں چلہ گاہ بھی ہے، جو ایک چھوٹی سی عمارت ہے اور قبہ نما ہے۔

مسجد رضیہ سلطان

مقبرہ حاجی رتن کے جنوب میں چند قدم کے فاصلے پر مسجد رضیہ سلطان ہے کہا جاتا ہے کہ رضیہ سلطان ایام اسیری میں اسی مسجد میں نماز پڑھتی تھی، جو قلعہ بھٹنڈہ سے کچھ ہی فاصلے پر واقع ہے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ قلعہ بھٹنڈہ سے ایک خفیہ سرنگ مقبرہ حاجی رتن بابا میں آتی تھی، اسی سرنگ سے رضیہ سلطان مسجد میں آتی تھی، اور نماز سے فراغت کے بعد لوٹ جاتی تھی، یہ مسجد مقبرہ حاجی بابا رتن کے دور کے معلوم ہوتی ہے، گرچہ اب مسجد رضیہ سلطان کے نام سے مشہور ہو گئی ہے۔

مسجد رضیہ سلطان پتھر کی بنی ہوئی ہے، جو ۹ / فٹ چوڑی اور ۲۵ / فٹ لمبی ہے، جس کا صحن ۲۵ / فٹ ۴ / انچ چوڑا اور ۲۴ / فٹ لمبا ہے اور تین در اور ایک گنبد کی ہے۔

مسجد کے صحن میں ایک مزار بھی ہے، کہا جاتا ہے کہ یہ کسی جن کا مزار ہے واللہ اعلم بالصواب، مسجد کی دیوار پر گوردوارہ کی دیوار تعمیر کردی گئی ہے، جو ایک افسوسناک معاملہ ہے، اور سکھوں کی رواداری کے خلاف ہے۔

زیر تعمیر مسجد

مقبرہ حاجی رتن بابا کے شمال میں ایک قدیم مسجد ہے، جس کی جدید تعمیر ہورہی ہے، جو اب کافی وسیع بنائی جارہی ہے یہی مسجد آباد ہے، مسجد رضیہ سلطان غیر آباد ہے یہ خود احاطہ درگاہ میں ہے۔

ان دونوں مسجدوں کے متعلق آپ کے تذکرہ نویس منشی زندہ حسن لکھتے ہیں:

"آپ کا مزار شریف اس وقت عمدہ ماربل سے مزین ہے اور آپکے روضہ شریف سے جانب غرب اسی اونٹنی کی قبر ہے جو آپ بطور تحفہ عرب سے لائے تھے، اور جانب جنوب ایک مسجد ہے جو دیکھنے سے تقریباً بارہ سو سال پہلے کی تعمیر معلوم ہوتی ہے، اچھی حالت میں ہے، اب غیر آباد ہے اور ایک مسجد جانب شمال ہے جس میں نماز بھی ہوتی ہے یہ مسجد بھی دیکھنے سے آٹھ سو سال پہلے کی معلوم ہوتی ہے"[لہ]۔

عیدگاہ حاجی رتن

مسجد رضیہ سلطان کے شمال مغرب میں عیدگاہ حاجی رتن ہے مگر اب صرف

لہ سلطان السالکین وبرہان العاشقین، دلیل العارفین صحابی رسول حضرت خواجہ بابا رتن کے حالات زندگی (ص ۱۶۷)

آدھی عید گاہ بچی رہ گئی ہے، آدھی عید گاہ پر گوردوارہ والوں نے ناجائز طور پر مکان تعمیر کر لیا ہے خود گوردوارہ مقبرہ کی وقف زمین میں تعمیر ہوا ہے۔

۱۹۶۴ء کے ریونیو ریکارڈ کے مطابق مقبرہ حاجی رتن کی آٹھ ہزار تین سو بتیس (۸,۳,۳۲) کنال وقف زمین تھی، جس میں سے گوردوارہ نے تین ایکڑ زمین پر ناجائز قبضہ کیا ہے، باقی زمین پر کسی نہ کسی عنوان سے بورڈ کا قبضہ ہے، درگاہ حاجی رتن کے احاطہ میں پنجاب وقف بورڈ کا ضلعی دفتر ہے۔

مسجد خالد بن ولید روپڑ

''روپڑ'' صوبہ پنجاب کا ایک ذرخیز زرعی ضلع ہے جسکا نام حال ہی میں تبدیل کر کے روپ نگر رکھا گیا ہے، روپ نگر (روپڑ) انبالہ سے ۱۰۵ ار کلومیٹر کے فاصلے پر مغرب میں دریائے ستلج کے کنارے واقع ہے، جس کا صاف شفاف پانی بڑا ہی دلفریب منظر پیش کرتے ہوئے بہتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ روپڑ کے علاقہ میں ظہیر الدین محمد بابر آیا تھا، اور یہاں کوئی باغ بھی لگوایا تھا بابر کو یہ علاقہ پسند آیا تھا، اب وہ باغ کہاں ہے، اس کا سراغ نہیں ملتا محکمہ آثار قدیمہ والوں کے پاس بھی اسکا کوئی علم نہیں ہے، روپڑ کا ذکر آئین اکبری میں ملتا ہے، دوسری تاریخ کی کتابوں میں بھی اس کا ذکر آیا ہے، یہ علاقہ اپنی زرخیزی و مردم خیزی کیلئے مشہور رہا ہے، سید محمد سالم ترمذی مشہور بزرگ گزرے ہیں آپ سید میراں جی بھیکؒ کے خلیفہ تھے، آپ کا مزار روپڑ میں ہے، آپ کے صاحبزادے سید محمد اعظم تھے، آپ اپنے والد کے خلیفہ تھے، آپ بھی یہیں مدفون ہیں۔

مشہور ادیب اور آئی سی ایس قدرت اللہ شہاب صاحب کی والدہ روپڑ ہی کی رہنے والی تھیں، جن کی گود میں پل کر شہاب جیسا انسان امت کے سامنے آیا، جو متعدد گورنر جرنلوں کے سکریٹری کی حیثیت سے پاکستان میں خاموش انقلاب لاتا رہا، اور سچائی و ایمانداری کے بھولے ہوئے سبق یاد دلاتا رہا!۔

۱۹۴۷ء سے قبل روپڑ کے مسلمان بڑے دولت مند، بڑے خوشحال اور بڑے اثرورسوخ والے تھے، ان مادی چیزوں کی وجہ سے ان میں رعونت و غرور پیدا ہو گیا تھا۔

اس وقت ان کی اخلاقی کمزوریوں کا برا حال تھا، اللہ تعالیٰ کو ایسی اخلاقی کمزوریاں قطعاً پسند نہیں ہیں، اس کا اصول ہے کہ بد عمل و بد کردار قوم کو تباہ و برباد کر دیا جاتا ہے، چنانچہ ۱۹۴۷ء میں یہاں مسلمانوں کا ایسا قتل عام ہوا کہ پورا روپڑ مسلمانوں سے خالی ہو گیا، یہاں ایک گھر بھی مسلمانوں کا باقی نہ رہا۔

اللہ تعالیٰ نے اس طرح انکے کبر و غرور کو خاک میں ملا دیا، اللہ تعالیٰ ایسی اخلاقی کمزوریوں سے امت کو محفوظ رکھے، روپڑ میں مسجدیں اور وقف جائیدادیں بکثرت ہیں، گزٹ دیکھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ یہاں کافی مسجدیں اور وقف املاک ہیں، ان میں کچھ مسجدیں اور وقف جائیدادیں پنجاب وقف بورڈ کی ملکیت میں آچکی ہیں، اور زیادہ تر اغیار کے ناجائز قبضے میں ہیں، مگر بتدریج ان ناجائز قابضین کی گرفت بھی کمزور ہوتی جارہی ہے، اور ایک وقت عنقریب آنے والا ہے کہ یہ ناجائز قابضین مقبوضہ املاک سے دست برداری کا اعلان کرنے پر مجبور ہونگے۔

خالد بن ولید کی شخصیت

روپڑ کی سب سے قدیم تاریخی عمارت خالد بن ولید ہے، جو شہر روپڑ سے تھوڑے فاصلے پر جنگل میں واقع ہے، جہاں اسلامیان روپڑ کا بہت بڑا قبرستان ہے، اور ایک مزار بھی ہے، جس کے بارے میں مشہور ہے کہ خالد بن ولید کا مزار ہے، تاریخ اسلام میں خالد بن ولیدؓ کا نام بہادر سپہ سالار کی حیثیت سے نمایاں نظر آتا ہے، جو حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی اور بڑے بہادر و جری انسان تھے، آپؓ نے مختلف جنگوں میں سپہ سالار کی حیثیت سے بڑی کامیابیاں حاصل

کیں ہیں، آپ کے بارے میں مشہور ہے کہ آپ نے ایام کفر اور ایام اسلام میں جب کبھی فوج کی قیادت کی تو اس میں فتحیاب ہوئے، آپ کی جنگی صلاحیتوں وخوبیوں کی بنا پر حضور ﷺ نے آپ کو "سیف اللہ" کے خطاب سے نوازا تھا، تقریب التہذیب کے مصنف لکھتے ہیں:

"خالد بن الوليد بن المغيرة بن عبد الله ابن عمر بن المخزومی سيف الله يكنى ابا سليمان من كبار الصحابة وكان اسلامه بين الحديبية والفتح وكان اميراً علىٰ قتال اهل الردة وغيرها من الفتوح الى ان مات سنة احدى او اثنتين و عشرين[۱]"

الاکمال فی اسماء الرجال کے مصنف رقم طراز ہیں:

"خالد بن الوليد هو خالد بن الوليد القرشی المخزومی وامه لبابة الصغرىٰ اخت ميمونة زوج النبی ﷺ كان احد اشراف قريش فی الجاهلية سماه رسول الله ﷺ سيف الله مات سنة احدى وعشرين[۲]"

بخاری شریف کے بین السطور میں حضرت خالد ابن ولید کے انتقال کی جگہ حمص بتائی گئی ہے جب کہ وہ ایک عام سپاہی کی حیثیت سے شریک جہاد تھے، چنانچہ مرقوم ہے کہ:

"خالد بن الوليدبن المغيرةالقرشی احد اشراف قريش فی الجاهليةمات مرابطاً بحمص ۲۱ھ[۳]"

---

[۱] تقریب التہذیب، ص ۵۱، [۲] مشکوۃ شریف الاکمال فی اسماء الرجال ۵۹۲، [۳] بخاری شریف جلد اول ص ۵۱۳،

آپ کو اپنے انتقال کے وقت یہ حسرت تھی، کہ میں میدان جنگ میں مرنے کے بجائے آج بستر پر ایڑیاں رگڑ کر مر رہا ہوں۔

آپ کا انتقال ۲۱ھ میں ہوا تھا، آپ کی تدفین حمص (دمشق) میں ہوئی ایسی صورت میں یہاں آپ کے مقبرہ ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ "خالد بن ولید" سے کونسی شخصیت مراد ہے جن کے بارے میں جناب سید مرغوب امین کاظمی صاحب (سابق ملازم پنجاب وقف بورڈ) کا بیان ہے کہ یہ عرب کے کوئی مجاہد تھے، جو بہت ہی تندرست و توانا تھے، اور بڑے خوبصورت تھے جب یہاں آئے تو انکو ایک بڑھیا نے اپنا بیٹا بنالیا، اور ان سے کہا کہ بیٹا! اس علاقہ میں ایک جادوگرنی ہے، اس سے بچ کر رہنا، کیونکہ وہ خوبصورت نوجوان کو اپنے چنگل میں پھنسا کر جانوروں میں تبدیل کر دیتی ہے، اور رات کو انسانی شکل میں لاکر اپنی شہوانی خواھشات پوری کر کے اسے قتل کر کے اس کا خون پی لیتی ہے۔

آپ نے فرمایا! ہم اسی کا کام کیلیئے نکلے ہیں، چنانچہ اس جادوگرنی کے پاس پہنچتے ہیں، اور وہ ان پر ہر طرح کا جادو کرتی ہے، لیکن آپ پر کوئی اثر نہیں ہوتا، بالآخر آپ اسکو قتل کر دیتے ہیں، اسی نسبت سے آپ کو خالد بن ولید بھی کہتے ہیں یہاں کے عوام الناس آپ کو شاہ خالد بن ولید بھی کہتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ ان کا زمانہ محمود غزنوی اور محمد غوری کا ہے۔

مزار خالد بن ولید

خالد بن ولید کے مزار کی تاریخ تعمیر اور اسکے بانی کا نام پردہ گمنامی میں ہے، مگر یہ مزار بڑے خلوص و نیک نیتی کے ساتھ بنایا گیا ہے، کتالی پتھر اور لکھوری اینٹوں کی آمیزش سے تعمیر ہوا ہے، جسکے دونوں کناروں پر دو چھوٹے

مینار ہیں، یہ مزار لمبا ۳۸ / فٹ لمبے اور لمبا ۱۵ / فٹ چوڑے احاطہ میں ہے، جس کی پختہ احاطہ بندی ہوئی ہے، اسکے دروازہ پر لمبا ۳ / فٹ کے لوہے کا گیٹ لگا ہوا ہے، یہ مزار مرجع خلائق ہے، خالد بن ولید کے مزار کے علاوہ مشرق میں ایک اور مقبرہ ہے، جو لکھوری اینٹوں کے مضبوط گنبد میں ہے، یہ ۱۵ / فٹ لمبا اور ۱۶ / فٹ چوڑا ہے، صاحب مقبرہ کا نام بھی پردۂ گمنامی میں ہے، یہ مقبرہ اللہ دتہ کے مکان کے عقب میں ہے، اور خستہ و شکستہ حالت میں ہے۔

مسجد خالد بن ولید

خالد بن ولید کے مزار سے ملحق جنوب میں یہ مسجد ہے، جو منقش و جاذب نظر کتائی پتھر اور لکھوری اینٹوں سے بنی ہے، اور بہت ہی خوبصورت و خوشنما ہے، یہ تین دری ہے، اور اسکے دو بڑے مینار ہیں۔

مسجد ۱۸ / فٹ لمبی اور ۷ / فٹ ۴ / انچ چوڑی ہے، اسکا صحن ۲۲ / فٹ ۳ / انچ لمبا اور ۱۱ / فٹ ۱۱ / انچ چوڑا ہے، صحن میں کوئی چھت نہیں ہے، مسجد کے پیچھے ایک چلہ گاہ بھی ہے، یہ مسجد قدیم فن تعمیر کا اعلیٰ نمونہ ہے، مسجد دراصل قناتی ہے، مزار خالد بن ولید میں ایک شخص ملا تھا، جس کا نام اللہ دتہ ہے، اس نے بتایا کہ آج سے تقریباً ۲۰ / سال پہلے اس جگہ آیا تھا، جب کہ یہ جگہ غیر آباد تھی یہاں جنگل تھا، اور جھاڑ جھنکار بہت تھے، میں رات کو تقریباً ایک بجے پہنچا تھا، میرے دل میں اچانک یہ خیال آیا کہ اس کی طرف چلنا چاہئے میں آدھی رات کو بلا کسی خوف و دہشت کے اس مزار پر پہونچ گیا، اور یہاں مجھے بڑا سکون ملا، اور میں نے اس جگہ کو اپنا مسکن بنالیا، آہستہ آہستہ مزار کی صفائی کی اور مسجد کی مرمت کرائی، اور مزار کی دیکھ بھال کرنے لگا، اس کے بعد یہاں سے کہیں نہیں گیا۔

مسجد کے مشرق میں تھوڑے فاصلے پر اللہ دتہ کا گھر ہے، اللہ دتہ شکل و

صورت سے سکھ اور زبان وبیان سے مسلمان معلوم ہوتا تھا، اس نے وقف زمین پر قبضہ بھی کرر کھا ہے، مگر اسی کی وجہ سے یہ مسجد آباد ہے۔

گور غریباں

مسجد اور مزار خالد بن ولید کا صدر دروازہ نہایت ہی عالیشان ہے، تقریباً ۲۵/ فٹ اونچا ہوگا، جس کے دو مینار ایسے بلند وبالا ہیں، جو روپڑ ہی سے خوب نظر آتے ہیں، ۳۳/ سیڑھیاں نیچے اترنے کے بعد گور غریباں میں داخل ہوتے ہیں اس گور غریباں میں ایک کنواں بھی ہے، جس میں فارسی کتبہ نصب ہے، کہا جاتا ہے کہ لکھی بنجارہ کا تعمیر کردہ کنواں ہے، یہ نہایت ہی عظیم قبرستان ہے شاید پورے مشرقی پنجاب میں اتنا بڑا قبرستان نہ ہوگا، قبرستان کے ۱۳۸/ بیگھے وقف زمین پر محکمۂ جنگلات نے قبضہ کرر کھا ہے، کچھ دنوں پہلے محکمۂ جنگلات سے پنجاب وقف بورڈ مقدمہ ہار گیا تھا، حالانکہ اس میں پختہ مزارات بکثرت ہیں، پنجاب وقف بورڈ کو دوبارہ مقدمہ کی تیاری کرنی چاہئے، اور محکمۂ جنگلات کے ناجائز قبضے کے خلاف اپیل کرنی چاہئے۔

علاوہ ازیں اس قبرستان میں شمشان گھاٹ بنایا جارہا ہے، اس کے خلاف بھی کاروائی ہونی چاہئے۔

جامع مسجد محلّہ شیخان سبزی منڈی

یہ روپڑ کی واحد مسجد ہے، جو تقسیم کے بعد بھی آباد رہی، یہ محلّہ شیخان سبزی منڈی میں واقع ہے، جس کی تاریخ تعمیر کا کتبہ نصب ہے۔

کتبہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

افضل الذکر لاالہ اللہ محمدرسول اللہ

آغاز تعمیر ۷/ شعبان المعظم ۱۳۵۳ھ ۱۵/ نومبر ۱۹۳۴ء
اختتام تعمیر ۲۸/ ربیع الاول ۱۳۵۴ھ مطابق ۳۰/ جون ۱۹۳۵ء

اس مسجد کے تین در، تین گنبد اور چار مینار ہیں، مسجد سے ملحق مسافروں کے لئے سرائے بھی تھی، اس میں ۱۸/ دکانیں ہیں، جن کا کرایہ پنجاب وقف بورڈ لیتا ہے۔

یہ مسجد پنجاب وقف بورڈ کی تولیت میں ہے، یہاں پنجاب وقف بورڈ کا ضلعی دفتر بھی ہے، یہاں کے مقامی باشندہ عبدالرشید صاحب ہیں، جو بورڈ کے ملازم ہیں، یہاں عظمت خان صاحب اسٹیٹ آفیسر ہیں، انہوں نے بڑی مستعدی وذمہ داری کے ساتھ تاریخی مساجد کا سروے کرایا، اور ان کی وجہ سے بہت سی معلومات حاصل ہوئیں، موصوف ایک مخلص انسان ہیں، ان کو بورڈ کے کاموں سے بڑی دلچسپی ہے۔

جامع مسجد بنوڑ

بنوڑ ضلع پٹیالہ (مشرقی پنجاب) میں راجپورہ کے نزدیک ہے جو انبالہ سے شمال میں تقریباً ۲۵ار کلومیٹر کے فاصلے پر دریائے گھاگھر کے نواح میں واقع ہے اور اس بنوڑ سے بہت سارے تاریخی واقعات وابستہ ہیں جو مستند و معتبر ہیں بابر بادشاہ (متوفی ۹۳۷ھ مطابق ۱۵۳۰ء) نے اپنی تصنیف تزک بابری میں بنوڑ کا ذکر کیا ہے جس سے اس کی تاریخی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔ جب ۹۳۴ھ میں بابر بادشاہ نے سلطان ابراہیم لودھی (متوفی ۹۳۲ھ مطابق ۱۵۲۶ء) کے تعاقب میں دریائے گھاگھر کی طرف رخ کیا تو بنوڑ کے مقام سے بابر نے اپنے شاہزادہ ہمایوں (متوفی ۹۳۶ھ مطابق ۱۵۵۶ء) کو کچھ تجربہ کار جنگجو فوجیوں کی رفاقت و معیت میں حمید خاں کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا جو بابر بادشاہ کی حملہ آوری کی خبر سن کر حصار فیروزہ سے کچھ دور نکل آیا تھا ہمایوں نے اس کو واپس ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔

ہمایوں، اکبر، جہانگیر اور عالمگیر کے دور اقتدار کے شاہی فرامین و دستاویزات میں بنوڑ اور مشاہیر بنوڑ کا ذکر ملتا ہے اور ان فرامین و دستاویزات سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہاں کے علماء، ائمہ، فقہاء، مفتیان اور ماہرین فنون لطیفہ سلطنت مغلیہ سے کسی نہ کسی حیثیت سے وابستہ رہے ہیں اور انعامات و اکرامات سے نوازے جاتے رہے ہیں اور انہیں وقتاً فوقتاً زرعی اراضی بھی بطور جاگیر ملتی رہی ہے ان

مغل سلاطین و امراء نے یہاں نہ صرف جاگیریں دی ہیں بلکہ تعمیرات کے بہترین تحفے بھی دیئے ہیں، جب ہمایوں، بادشاہ نے ہندوستان کو دوبارہ فتح کیا چونکہ اس فتح میں خان خاناں بیرم خاں کے حسن تدبیر و تدبر کا بڑا دخل تھا چنانچہ جوہر شناس بادشاہ ہمایوں نے بیرم خاں کو حسن خدمات کے صلہ میں ''سرکار سرہند'' دیا (عہد مغل میں سرہند کو سرکار سرہند کہا جاتا تھا) جس کے تحت قصبات وامصار تھے چونکہ بنوڑ کا علاقہ سرہند میں واقع تھا اس لئے اس کا نظم و نسق بیرم خاں کے حکم سے ہوتا تھا۔ چنانچہ بیرم خاں نے بنوڑ میں ایک عالیشان مسجد بھی تعمیر کرائی تھی جس میں سلطنت کی طرف سے امام و خطیب، موذن، سقہ اور جاروب کش مقرر تھے جو مسجد کے خدمت گار اور نگراں تھے۔

شیخ محمد ولی ۱۰۷۵ھ میں بقید حیات تھے، اور مسجد بیرم خاں کے امام و خطیب تھے اور سلطنت مغلیہ کی طرف سے تنخواہ پاتے تھے اور قاضی کرم اللہ بھی اسی مسجد میں موذن تھے۔ ان کو سلطنت کی طرف سے تنخواہ ملتی تھی۔ مسجد بیرم خاں کے متعلق ایک شاہی فرمان موجود ہے جس میں مسجد بیرم خاں واقع بنوڑ کا تفصیلی ذکر ہے، طوالت کے خوف سے اس فرمان کو شامل نہیں کیا گیا ہے لیکن اب یہ مسجد پنجاب کی بہت ساری تاریخی مسجدوں کی طرح روئے زمین پر موجود نہیں ہے، ایک عرصہ پہلے شہید ہو گئی تھی یا شہید کر دی گئی تھی اب تو اس کے محل و قوع کی نشاندہی بھی مشکل ہے چونکہ اس کے محل و قوع کی نشاندہی کرنے والے بڑے بوڑھے یا تو پاکستان چلے گئے یا اللہ میاں کے دربار میں پہنچ گئے ۱۹۴۷ء کے قریب اس کے جائے وقوع کی تحقیق ہوتی تو گمان غالب تھا کہ کچھ سراغ لگ جاتا لیکن اب تو بظاہر اس کی نشاندہی امر محال ہے الا یہ کہ غیب سے کوئی صورت پیدا ہو جائے۔

مسجد بنگش

مسجد بیرم خاں کے دردناک قصہ کے بعد مسجد بنگش کے مختصر حالات بیان کیئے جاتے ہیں چونکہ مسجد بنگش کا واقعہ، مسجد بیرم خاں سے کچھ کم اندوہ ناک نہیں ہے، اس مسجد کی حالت زار کا احساس اسے ہوگا جو مسجد کی تباہی کو ایک نظر دیکھ لے، راقم السطور نے اس دردناک منظر کو دیکھا ہے جس کا درد و کسک آج بھی دل محسوس کرتا ہے اور نہ جانے کب تک محسوس کرتا رہے گا۔

مسجد بنگش کی موجودہ حالت کو سامنے رکھتے ہوئے بلا تامل عرض کیا جاسکتا ہے کہ یہ مظلوم مسجد بھی مسجد بیرم خاں کی طرح چند سالوں میں بے نام و نشان ہو جائے گی اور اس کے محل وقوع کی نشاندہی بھی مشکل ہو جائے گی۔

راقم السطور نے عبدالسمیع انصاری صاحب اور جناب چودھری محمد صدیق صاحب کے ہمراہ مسجد کا معائنہ کرتے ہوئے چودھری محمد صدیق صاحب ممبر میونسپل کارپوریشن سے عرض کیا تھا کہ مسجد بنگش اور اس کی وقف اراضی پر جو ناجائز قبضہ ہوا ہے اس کے خلاف کارروائی ہونی چاہئے اور سردست مسجد اور موجودہ وقف اراضی کی چہار دیواری کرادینی چاہئے تاکہ مسجد اور اس کی باقی وقف اراضی محفوظ ہو جائے لیکن چودھری صاحب نے راقم السطور کی رائے کی تائید و توثیق نہیں کی...... راقم السطور کا خیال ہے کے اس مسجد کی تاریخی اہمیت اور وقف اراضی کے تحفظ کے پیش نظر پنجاب وقف بورڈ کو فوری طور پر اس کی چہار دیواری کرا دینی چاہئے اور اگر اس سلسلہ میں تھوڑی بھی بے توجہی برتی گئی تو ایک دو سال میں پھر کسی توجہ کی ضرورت نہ رہے گی۔

ہم نے مانا کہ تغافل نہ کروگے لیکن
خاک ہو جائینگے ہم تم کو خبر ہونے تک

بنوڑ کے مقامی لوگوں کا بیان ہے کہ بنوڑ میں تقسیم ملک سے پہلے ۳۶/ مسجدیں آباد تھیں لیکن اب ان میں سے صرف مسجد راجپوتان آباد ہے جو ایک چھوٹی سی مسجد ہے اور پنجاب وقف بورڈ کے زیر انتظام ہے اور اس کے علاوہ سب سے اہم و تاریخی مسجد بنگش ہے جو تقسیم ملک سے پہلے یہاں کی جامع مسجد تھی اس میں پنجوقتہ نمازوں کے علاوہ جمعہ کی نماز بھی ہوتی تھی جس میں کافی تعداد میں نمازی ہوتے تھے۔

یہ لکھوری اینٹوں کی بنی ہوئی تین در کی عالیشان مسجد ہے جس کے دو، در بالکل شہید ہو چکے ہیں لیکن درمیانی در محفوظ ہے جو بہت ہی مخدوش حالت میں ہے، دیوار اور چھت گر رہی ہے، مسجد اور صحن میں اینٹیں بکھری پڑی تھیں جو حال ہی میں دیوار اور چھت سے گری ہوئی تھیں۔

فی الحال کوئی مینار وغیرہ نظر نہیں آیا البتہ گنبد، بیضوی طرز پر بنا ہوا ہے، مسجد کا کنواں شمالی جانب میں ہے، اس کے برابر تہہ خانہ ہے جس میں لوگ گرمیوں میں آرام کرتے تھے۔ اب یہ تہہ خانہ منہدم ہو چکا ہے البتہ تہہ خانہ کا کھنڈر نظر آتا ہے، صحن کے چاروں طرف لاکھوری اینٹوں کی چہار دیواری تھی، آج بھی مسجد کے صحن کے بائیں طرف چہار دیواری کا تھوڑا سا حصہ محفوظ ہے، باقی حصے منہدم ہو گئے ہیں یا منہدم کر دیئے گئے ہیں۔

راقم الحروف مسجد بنگش کے متعلق ایک ایسے مصنف کی عینی شہادت پیش کرتا ہے جو خود قصبہ بنوڑ کے رہنے والے تھے انہوں نے ”تاریخ بنوڑ“ لکھی ہے، اگرچہ یہ کتاب طبع نہ ہو سکی ہے، مگر حسن اتفاق سے اس کا قلمی نسخہ چودھری محمد صدیق صاحب کے پاس موجود تھا۔ چودھری صاحب نے راقم الحروف کو مطالعہ و استفادہ کے لئے مرحمت فرمایا، راقم الحروف ان کا شکر گزار ہے۔

راقم الحروف نے دوران سفر مطالعہ و استفادہ کرنے کے بعد عبد السمیع انصاری صاحب کے حوالہ کر دیا تھا امید ہے کہ کتاب چودھری صاحب کی خدمت میں پہنچ گئی ہو گی۔

بہر حال تاریخ بنوڑ کے مصنف سید علمدار حسین واسطی صاحب رقمطراز ہیں کہ:

"بنوڑ میں جس قدر مسجدیں ہیں ان سب میں عمارتی حیثیت سے یہ مسجد وسیع اور بڑی ہے، اس لئے اکثر عوام الناس "بڑی مسجد" بھی کہتے ہیں، اہل سنت والجماعت نماز جمعہ اس میں پڑھتے ہیں اس واسطہ مسجد جامع بھی کہلاتی ہے، اس کے دو دالان ہیں، آگے وسیع چبوترہ ہے جس پر جانب جنوب ایک چھوٹا سا حجرہ اور زینہ بنا ہے، چبوترہ کے نیچے باقی صحن میں انارو کھجور وغیرہ کے درخت ہیں پہلے جہاں اولاد شیخ آدم کی، تہہ خانہ میں چند قبریں ہیں، صحن مسجد کے شمالی پہلو میں احاطہ کے باہر اتنے وسیع دائرہ کا کنواں ہے کہ قصبے بھر میں اتنا وسیع کنواں نہیں۔ بالکل بائیں جانب اسکے قریب ہی مسجد میں داخل ہونے کا چھوٹا سا دروازہ ہے، یہ کنواں شارع عام پر واقع ہے، اس کے شمالی پہلو پر ایک تہہ خانہ ہے جس کا دروازہ جانب جنوب مسجد کے سامنے ہے، چند سیڑھیاں اتر کر اس میں داخل ہوتے ہیں، اس کا ایک دروازہ کنواں کے محل میں سطح آب سے چند فٹ اوپر بنا ہے......

میاں بنگش کی یہ خوش نصیبی ہے کہ آج یہ مسجد انکے نام سے مشہور ہے ورنہ اس کی تعمیر انکی ولادت سے بھی دو ڈھائی برس پہلے ہوئی تھی کیونکہ میاں بنگش شیخ آدم کی نسل کا مقطع تھے، اور یہ مسجد ۱۰۵۵ھ سے پہلے بن چکی تھی۔ [1]"

---

[1] تاریخ بنوڑ، ص ۱۵۶ قلمی نسخہ،

مصنف تاریخ بنوڑ کی تحقیق و مشاہداتی رپورٹ کے مطابق دو دالان، ایک چبوترہ، ایک چھوٹا حجرہ، ایک وسیع کنواں اور دو تہہ خانے تھے لیکن اب ان میں سے صرف درمیانی در اور شکستہ چھت کا تھوڑا سا حصہ باقی رہ گیا ہے ورنہ سب کے سب شہید ہو چکے ہیں البتہ ان کے کچھ آثار موجود ہیں، مسجد کے صحن اور اس کی وقف اراضی پر Red road نام کے اسکول کی عمارت تعمیر کی جارہی تھی اور یہ پورا اسکول وقف زمین اور مسجد کے اندر بنایا جارہا ہے۔ جب ہم لوگ مسجد کو دیکھ رہے تھے تو اسکول کے مالک کی عورت بہت پریشان نظر آرہی تھی ہم لوگوں کے پاس آئی تو، بہت ہی گھبرائی ہوئی تھی، اس کا شوہر دہلی گیا ہوا تھا چونکہ اسکول کے ایک دو کمرے عین مسجد میں تعمیر کئے جارہے تھے اب ان زیر تعمیر کمروں کے اندر ایک فٹ گہری کھودائی ہو جائے تو اندر سے گنج مخفی کی طرح مسجد کے آثار نمایاں ہو جائیں گے۔

تاریخ بنا اور بانی مسجد

مسجد بنگش کی تاریخ تعمیر اور بانی مسجد کے نام کا علم نہیں ہو سکا ہے اور کوئی کتبہ بھی نہیں ملا جو تاریخ تعمیر اور بانی مسجد کے نام کے تعین میں مددگار ہوتا۔

وہاں کے لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ مسجد شاہی دور کی ہے، یہاں کے ایک بزرگ تھے جن کا نام معلوم نہیں ہے انہوں نے کسی کو تعویذ وغیرہ دیا اور اللہ کے فضل سے اس کی مراد پوری ہو گئی چونکہ وہ شاہی خاندان سے تھا اسلئے اس نے یہ مسجد تعمیر کرائی اور اس کی کفالت کے لئے زمین وقف کی۔

راقم الحروف کا خیال ہے کہ یہ مسجد حضرت شیخ آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے عہد کی تعمیر ہے اور کچھ بعید نہیں ہے کہ خود حضرت شیخ آدم بنوری کی تعمیر کردہ ہو چونکہ مصنف "تاریخ بنوڑ" نے بھی لکھا ہے کہ مسجد بنگش کے تہہ خانہ

میں حضرت شیخ آدم کی اولاد مدفون ہے چونکہ تاریخی طور پر یہ بات ثابت ہے کہ بنوڑ میں حضرت شیخ کی مسجد اور خانقاہ تھی۔

حضرت شیخ آدم بنوری کی شخصیت

حضرت شیخ آدم بنوریؒ پہلے شاہی لشکر میں ملازم تھے لیکن ایک واقعہ سے متاثر ہو کر ملازمت چھوڑ دی اور ظاہر و باطن کی تزکیہ و تطہیر کے لئے شیخ کی تلاش میں سرگرداں ہو گئے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے اور آپ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے، شروع میں آپ امی و ناخواندہ تھے پھر آپ نے قرآن مجید حفظ کیا اور علوم ظاہری سے بہرہ ور ہوئے اور ایک عالم کو سیراب کیا اور آپ کی خانقاہ میں ہمہ وقت ہزاروں کی تعداد میں متلاشیان حق و معرفت موجود رہتے تھے جن کے قیام و طعام کا پورا انتظام آپ کی طرف سے ہوتا تھا اور ہزاروں جاں نثار پٹھان، ہر وقت آپ کے ہمراہ ہوتے تھے ۱۶۴۲ء میں آپ لاہور گئے تو مریدین و معتقدین کا ایک قافلہ ساتھ تھا۔

بعض مخالفین نے شاہ جہاں بادشاہ کو خبر پہنچائی کہ شیخ صاحب کے ساتھ اتنی بڑی جمعیت ہے کہ کسی وقت بھی حکومت کا تختہ پلٹ سکتے ہیں۔ شاہجہاں نے اپنے وزیر اعظم نواب سعد اللہ خاںؒ اور عبد الحکیم سیالکوٹی (جنہوں نے سب سے پہلے شیخ احمد سرہندی کو مجدد الف ثانی کا خطاب دیا تھا) کو تفتیش حالات کے لئے بھیجا، آپ نے ان حضرات سے کوئی خاص دلچسپی سے بات چیت نہیں کی بلکہ ایک حد تک بے اعتنائی برتی، ان حضرات نے بادشاہ کو اطلاع دی کہ شیخ کے ہمراہ بے شمار پٹھان ہیں کسی وقت بھی کوئی خطرہ ہو سکتا ہے۔ چنانچہ بادشاہ نے یہ پیغام بھجوایا کہ شیخ حج کو چلے جائیں چنانچہ شیخ صاحب حج بیت اللہ کے لئے روانہ ہو گئے اور مدینہ منورہ ہی میں ۱۶۶۳ء میں اپنے مالک حقیقی سے جا ملے اور جوار رحمت

میں مدفون ہوئے۔

قصبہ بنوڑ کی دوسری عظیم شخصیت

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ ہندوپاک کے تبحر عالم دین اور صاحب طرز ادیب تھے، آپ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کے خصوصی شاگرد تھے، آپ کے متعلق حضرت مولانا انظر شاہ صاحب مسعودی لکھتے ہیں،

''وہ بنور کے اس خانوادہ کے فرد فرید ہیں، جس گھرانے میں سرہند کے آفتاب نے ضیاپاشیاں کیں یعنی حضرت سید آدم بنوری علیہ الرحمۃ، شیخ احمد سرہندی مجدد ہزارۂ دوم کے ان تیار کردہ افراد میں سے ہیں، جنہوں نے اپنے آتشیں نفوس سے کائنات روحانی میں ایسی سوز و تپش پیدا کی جس کی لو صبح قیامت ہی کو افسردگی سے آشنا ہوگی''۔[۱]

آپ نے ترمذی شریف کی عربی شرح ''معارف السنن'' کے نام سے ۴ر جلدیں لکھی ہیں، جن میں زیادہ تر علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے ارشادات و تحقیقات کو جمع کیا ہے، اسکے علاوہ آپ نے اپنے استاذ شیخ الاسلام علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی سوانح حیات عربی میں لکھی ہے، آپ کی دوسری اہم تصانیف بھی ہیں، آپ نے کراچی میں ایک اہم دینی ادارہ مدرسہ اسلامیہ عربیہ کے نام سے قائم کیا ہے، جس میں دورۂ حدیث تک کی تعلیم ہوتی ہے، آپکے مدرسہ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ آپ طلباء کیلئے زکوۃ نہیں لیتے تھے، بلکہ عطیات پر انحصار کرتے تھے، راقم الحروف کو بھی انکے مدرسہ میں حاضری کا شرف حاصل ہوا ہے! آپ نے کراچی ہی میں انتقال کیا، رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

---

[۱] بحوالہ نقش دوام، ص، ۶۶، ۶۷،

مسجد سرائے مغل جرنیلی سڑک

فرید خاں، مشہور بہ شیر شاہ سوری، صوبہ بہار کے ایک جاگیر دار کا، ہونہار بیٹا تھا، جس نے بہار اور بنگال کے علاوہ جونپور، آگرہ، دہلی اور پنجاب پر فتح حاصل کر کے ''شیر شاہ'' کے لقب سے دار السلطنت دلی کا حکمراں ہوا جس نے ایک مختصر عرصہ میں مالوہ اور راجپوتانہ کے متعدد قلعوں کو بھی فتح کر لیا تھا۔

آخر میں کالنجر کے قلعہ کا محاصرہ کئے ہوا تھا کہ بارود کے ذخیرے میں آگ لگ گئی، جس سے ایک شعلہ جوالہ بلند ہوا، جس کی زد میں خود شیر شاہ سوری آگیا، چنانچہ ۹۵۲ھ مطابق ۱۵۴۵ء میں ادھر قلعہ فتح ہوا ادھر شیر شاہ سوری راہی ملک عدم ہوا۔

قلعہ کی فتح کی خوشی بادشاہ کی موت کی غمی میں تبدیل ہو گئی۔

جی ٹی روڈ

شیر شاہ سوری جوانمرد و بہادر اور بڑا منتظم انسان تھا، ملک کی ترقی و خوشحالی کے لئے ہمہ وقت کوشاں رہتا تھا، ملکی حالات پر بھی اسکی گرفت مضبوط تھی۔

اگرچہ قدرت نے اسکو ملک کی خدمت کا موقع بہت کم دیا، اسکے باوجود ایسے حیرت العقول کارنامے انجام دیئے کہ مؤرخین رطب اللسان ہیں، مشہور ماہر آثار قدیمہ ڈاکٹر عتیق انور صدیقی صاحب رقمطراز ہیں کہ:

''صرف پانچ سال کے عرصہ میں اس نے ملک میں کئی نمایاں اور

قابل تعریف کام کیے، اس نے حکومت میں کئی شعبہ کھولے، اور ہر شعبہ کا ایک انچارج، منسٹر یا وزیر کو بنایا تاکہ حکومت کا کام آسانی سے چل سکے، پھر اس نے پوری حکومت کو ۴۷ر حصوں میں بانٹ دیا، اور اس کو ”سرکار“ کے نام سے موسوم کیا گیا، اسطرح وہ اپنے معتبر وزیروں کے ذریعہ ہر سرکار کی پوری خبر رکھتا تھا، اس نے ٹیکس کی ادائیگی کا بھی بہت اچھا انتظام کیا تھا، زمین کی صحیح پیائش اور لگان کی مناسب در آمدات کا بھی پورا حساب رکھا، اس کے زمانے میں جاسوسی کا بھی نہایت کارآمد محکمہ قائم تھا[۱]“

شیر شاہ سوری کا سب سے اھم کارنامہ یہ ہے کہ پشاور سے بنگال تک پندرہ سو میل لمبی سڑک بنوائی ہے، جو آج ”گرانٹ ٹرنک روڈ“ کے نام سے موسوم ہے۔

اس نے سڑک کے دونوں جانب سایہ دار درخت لگوائے تھے، لور ہر کوس پر پختہ سرائے، مسجد اور کنویں بنوائے تھے، شیر شاہی کوس مینار، تو مشہور ہی ہیں، جو آج بھی آگرہ، متھرا اور انبالہ کے اطراف میں، کہیں کہیں نظر آجاتے ہیں۔

پروفیسر حسین خاں، پشاور یونیورسٹی کا بیان ہے کہ:

”اس نے سترہ سو سرائیں بنائیں، ایک کوس کے فاصلے پر ایک سرائے ہوتی تھی، یہ اہتمام صرف جی ٹی روڈ پر نہیں بلکہ ملتان، خاندیش اور چتوڑ جانے والی سڑکوں پر بھی سرائیں تھیں، ان میں کھانے کے وقت ہر مسافر کو کھانا ملتا تھا، بیماروں اور زخمیوں کا مفت علاج ہوتا تھا، سرائے میں طبیب مقرر ہوتے تھے، وہاں آنے والے تمام مسافروں کے ناموں کا اندراج ہوتا تھا، دو کاتب ہوتے تھے، ایک ہندی میں لکھتا تھا اور دوسرا فارسی میں، مسافروں کے تمام کوائف لکھے جاتے تھے، انکے مویشی کو خوراک دی

---

[۱] تاریخ و ثقافت اور فنون لطیفہ، ص ۵۳،

جاتی تھی، جس طرح مسافروں کو خوراک دی جاتی تھی [1]"۔

موصوف نے سترہ سو سرایوں کا ذکر ضرور کیا ہے، مگر انہوں نے ان سرایوں سے ملحق مسجدوں اور خانقاہوں کے ذکر سے پہلو تہی کی ہے، حالانکہ شیر شاہ کا معمول تھا کہ جہاں جہاں سرائے تعمیر کرتا تھا وہاں کوئی نہ کوئی مسجد ضرور بنواتا تھا، اس بناپر کہا جاسکتا ہے کہ سترہ سو مسجدیں بھی رہی ہونگی، اب تو زیادہ تر سرائیں ختم ہو چکی ہیں، البتہ چند سرائیں ابھی اپنی اصلی حالت میں موجود ہیں ان موجود سرایوں میں مسجدوں کے وجود کو واضح طور پر محسوس کیا جاسکتا ہے۔

سرائے شیر شاہ سوری

انبالہ اور راجپورہ کے درمیان شیر شاہ سوری روڈ کے کنارے سرائے مغل شنبو (سرائے شیر شاہ سوری) جو ایک قلعہ نما عمارت ہے، جس کی بلند و بالا فصیلیں مسافروں کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہیں، ان فصیلوں کے چاروں کونوں پر چار خوبصورت برجیاں ہیں، اور چار ہی دروازے ہیں، جس میں مشرق اور مغرب کے دروازے بڑے ہیں، اور بانوے محرابی حجرے (کمرے بنے ہوئے ہیں) اگرچہ ریونیو ریکارڈ کے مطابق سرائے ہے، لیکن اگر سرائے ہے تو شیر شاہ سوری کی تعمیر کردہ تمام سرایوں میں سب سے بڑی سرائے ہے، غالباً پشاور سے بنگال تک اتنی بڑی سرائے کہیں اور نہیں ملتی، یہ عجیب بات ہے کہ شیر شاہ سوری کی تعمیر کردہ زیادہ تر سرائیں منہدم ہو گئیں، یا کھنڈرات کی شکل میں موجود ہیں، لیکن یہ سرائے صحیح و سالم حالت میں موجود ہے، اور فن تعمیر کا بہترین نمونہ ہے۔

راقم الحروف کا خیال ہے کہ عہد شیر شاہی میں یہ ایک مرکزی مقام رہا ہوگا، جہاں سے پنجاب کے حالات پر کنٹرول کیا جاتا تھا، یہ کوئی مستبعد نہیں

---

[1] جرنیلی سڑک (ص ۱۲۷)

کہ شیر شاہ سوری یہاں خود قیام کرتا ہوگا اور اگر وہ خود قیام نہ کرتا ہوگا تو اسکا کوئی نہ کوئی سپہ سالار ضرور رہتا ہوگا۔

مسجد مغل سرائے

سرائے کے مغربی دروازے کے ملحق (اندرونی سرائے) ایک چھوٹی سی خوبصورت و خوشنما مسجد بھی ہے، جو سرائے کی عمارت کی طرح لکھوری اینٹوں کی بنی ہوئی ہے، یہ مسجد تین در اور ایک گنبد کی ہے، گنبد تو کوئی خاص جاذب نظر نہیں ہے، مگر خوب مضبوط و مستحکم ہے، مغربی جانب کی دیوار میں تین محرابیں اور دو طاق ہیں، شمالی جانب بھی محراب نما روشندان ہے، جنوبی جانب بھی دو بڑے طاق ہیں، اور ایک چھوٹا روشندان ہے، مشرقی جانب کی دیوار میں بھی دو طاق ہیں۔

یہ مسجد کافی اونچائی پر بنی ہوئی ہے، بارہ سیڑھیوں کا زینہ طے کرنے کے بعد مسجد میں داخل ہوا جاتا ہے، مسجد اور اسکا گنبد روڈ ہی سے خوب نظر آتا ہے، مسجد تقریباً ۲۵ ر فٹ لمبی اور ۱۲ ر فٹ چوڑی ہے، جس کے تحتانی حصے میں محرابی حجرے بنے ہوئے ہیں، مسجد سے کچھ ہی دور کے فاصلے پر سرائے کے مغربی دروازے کے دائیں جانب ایک بند کنواں بھی ہے، اسی کنویں سے واردین و مسافرین وضو کیا کرتے تھے، یہ مسجد غیر آباد ہے، محکمہ آثار قدیمہ کے زیر انتظام ہے، سرائے کے کچھ فاصلے پر ایک چھوٹی سی بستی بھی ہے، جو بستی مغل سرائے کے نام سے جانی پہچانی جاتی ہے، جس میں غیر مسلم آباد ہیں۔

غیروں کی شہادت

راقم الحروف سرائے اور اس میں واقع عمارتوں کو دیکھ کر سرائے کے دروازہ کے باہر کھڑا تھا کہ اسی درمیان بستی کے چند نوجوان ہم لوگوں کو کھڑے ہوئے دیکھ کر کہنے لگے کہ یہ سرائے شیر شاہ سوری بادشاہ کی بنوائی ہوئی ہے، اور اس

سرائے کے اندر ایک مسجد بھی ہے، جو شیر شاہ سوری کی بنوائی ہوئی ہے، یہاں شیر شاہ سوری کبھی کبھار رہتا تھا، ہماری بستی بھی اسی مغل سرائے کے نام پر رکھی گئی ہے، جو ہمارے لئے فخر کی بات ہے۔

مسجد کلانور گرداسپور

قصبہ کلانور، ضلع گرداسپور کا مشہور تاریخی مقام ہے، جو گرداسپور سے ۲۶ر کلو میٹر پچھم میں اور پٹھان کوٹ سے ۶۰ر کلو میٹر مغرب میں واقع ہے، کلانور، عہد مغلیہ میں صوبہ لاہور کا اہم شہر تھا جس کو بیرم خاں نے بسایا تھا، جس کے متعلق کہاوت مشہور ہے جس نے نہیں دیکھا لاہور، وہ دیکھ لے کلانور، بیرم خاں، اسکو لاہور کے طرز پر بسانا چاہتا تھا، مگر اس کا نقشہ ادھورا رہ گیا، اب صوبہ پنجاب کا ایک قصبہ ہے۔

اکبر کی تاجپوشی

ماضی میں کلانور، کوئی خاص تاریخی عظمت کا حامل قصبہ نہیں رہا ہے، اس کی تمام تر عظمت و شہرت اکبر بادشاہ کی ذات سے وابستہ ہے، ۱۵۵۶ء میں جب ہمایوں بادشاہ کا انتقال ہوا اسوقت اکبر پنجاب میں کلانور کے مقام پر اپنے اتالیق بیرم خاں کی رفاقت میں افغان باغیوں کی سرکوبی کے لئے مقیم تھا اسوقت اس کی عمر ۱۳ر سال، چار ماہ کی تھی۔

جب اکبر کو ہمایوں کی وفات کی خبر ملی تو بیرم خاں نے دوراندیشی سے کام لیا، اور اس کی تاج پوشی کلانور کے ایک باغ میں کرادی[1]، اس موقع کیلئے لکھوری اینٹوں کا ایک چبوترہ بنایا گیا، جو ۱۸ر فٹ لمبا اور ۳ر فٹ اونچا تھا[2]۔

---

[1] طبقات اکبری، ج ۲ ص ۱۲۶، [2] اکبر بادشاہ کی تاجپوشی کا چبوترہ (باقی اگلے صفحہ پر) ۹۸

ایک طرف ہمایوں بادشاہ کے ایک وفادار سپہ سالار بیرم خاں کی نگرانی میں اکبر بادشاہ کی تاجپوشی ہو رہی تھی، دوسری طرف ہمایوں بادشاہ کے دوسرے وفادار و محترم اور لاہور کے صوبہ دار، شاہ ابو المعالی کی طرف سے اکبر کی تاج پوشی کی مخالفت کی جا رہی تھی، جو تاریخ انسانی کا ایک المناک حادثہ ہے۔

نقوش لاہور نمبر میں منقول ہے کہ:

"اکبر کی تخت نشینی پر کلانور، میں ایک جلسۂ عام کا انعقاد ہوا، اس میں شرکت کیلئے شاہ ابو المعالی کو بھی دعوت دی گئی، اس نے جواب میں کہلا بھیجا کہ ابھی میں مرحوم شہنشاہ کا سوگ منا رہا ہوں، لہذا کسی ایسی تقریب میں میری شرکت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، بالفرض اگر میں اس تقریب میں شرکت کروں تو بادشاہ سلامت میرے ساتھ کیسا سلوک روا رکھیں گے، مجھے اس اجتماع میں کہاں جگہ دی جائیگی اور میرے استقبال کیلئے کیا انتظام ہوں گے"۔

(بقیہ حاشیہ) جسے کلانور والے اکبر بادشاہ کا تخت کہتے ہیں، کلانور سے ڈھیر کلو میٹر کے فاصلے پر مشرق میں سبز و شاداب کھیتوں کے بیچ واقع ہے، جہاں اب کوئی باغ نہیں ہے، چبوترے کے چاروں طرف کھیت ہی کھیت ہیں، تاجپوشی کا چبوترہ ۸½ / فٹ لمبا اور ۵ / فٹ ۴ / انچ چوڑا ہے، چبوترہ تاجپوشی سے ملحق ۱۸×۱۸ / فٹ مربع حوض ہے، حوض کا چبوترہ ۳۷ / فٹ مربع ہے جو جدید طرز پر بنایا گیا ہے، چبوترہ تاجپوشی اور حوض وغیرہ کی بھی حد بندی کر دی گئی ہے جو ۹۰ + ۱۰۰ / فٹ کی ہے، یہ حد بندی محکمہ آثار قدیمہ کی طرف سے کی گئی ہے، اکبر کا تخت محکمہ آثار قدیمہ کے زیر انتظام ہے، جہاں محکمہ کی طرف سے ہدایتی بورڈ آویزاں ہے، مگر محکمہ کا چپراسی ہمہ وقت غائب رہتا ہے، (قاسمی)

بہر حال اسے دربار میں طلب کیا گیا، اور بیرم خاں نے تولک خاں قوچین کے ذریعہ اسے گرفتار کرالیا، بیرم خاں کا خیال یہ تھا کہ اس مغرور اور گستاخ انسان کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا جائے، مگر اکبر اس امر پہ رضامند نہ ہوا، بہر حال اسے آہنی سلاسل میں باندھ کر لاہور لایا گیا، اور پولیس کے افسر اعلی (کوتوال) پہلوان گل گز کے سپرد کر دیا گیا، کوتوال کی لاپرواہی کہیئے یا نمک حرامی شاہ ابو المعالی بندی خانے سے بھاگ نکلا، اس پر کوتوال کو زیر حراست لے لیا گیا، شاہی عتاب کے ڈر اور ذلت کے خوف سے کوتوال نے خودکشی کر لی[1]۔

کلانور، ایک چھوٹا سا قصبہ ہے، جو ٹیلہ پر آباد ہے، جس میں زیادہ تر عمار تیں پختہ اور لکھوری اینٹوں کی بنی ہوئی ہیں، خوش قسمتی سے اس قصبہ میں چار پانچ مسجدیں بھی موجود ہیں، لیکن بد قسمتی سے ان مسجدوں میں سے کوئی مسجد بھی آباد نہیں، البتہ ان مسجدوں کی موجودگی سے اندازہ ہوتا ہے کہ ۱۹۴۷ء سے قبل یہاں مسلمانوں کی اچھی آبادی رہی ہوگی، ۱۹۴۷ء کے پر آشوب دور میں یہاں کے مسلمانوں کے ساتھ کیا سلوک روا رکھا گیا ہوگا، اس کا علم رب علیم وخبیر ہی کو ہے، اندازہ یہ ہے کہ لوگ بخیر وعافیت پاکستان منتقل ہو گئے ہونگے، کیونکہ یہاں سے دو تین کلو میٹر کی دوری پر بارڈر ہے۔

قصبہ کلانور میں مسجدوں کی ہیئت وحالت سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہاں کی مسجدوں کو برادران وطن نے نقصان نہیں پہنچایا، اور انکے تقدس کو بحال رکھا، جو انکی شرافت کا واضح ثبوت ہے، آج بھی کلانور روڈ ہی سے ان مسجدوں کے گنبد ومینار نظر آتے ہیں، اور کچھ اس طرح نظر آتے ہیں کہ انہیں اللہ کے ایسے بندوں کا انتظار ہے، جو ان ویران وغیر آباد مسجدوں کو دوبارہ آباد کر سکیں، اور ان میں

---

[1] نقوش لاہور نمبر، ج اول ص ۴۸،

حی علی الصلوۃ اور حی علی الفلاح کی آواز بلند کر سکیں، پچاس سال سے یہ آواز خاموش ہو چکی ہے، اور کب تک خاموش رہے گی اس کا علم صرف اللہ رب العالمین ہی کو ہے، انسان قضاو قدر کے سامنے مجبور ہے۔

کلانور، میں ان مسجدوں کے علاوہ کوئی اور تاریخی عمارت نظر نہیں آتی، حیرت انگیز بات ہے کہ ملا عبد القادر بدایونی نے اپنی کتاب منتخب التواریخ میں لکھا ہے کہ:

"اکبر بادشاہ نے اپنی تاجپوشی کے بعد عالیشان عمارات تعمیر کرائیں مگر اب وہ تعمیرات روئے زمین پر موجود نہیں ہیں، صرف ایک سادہ چبوترہ اس کی یادگار ہے، اسکے علاوہ قصبہ کلانور سے مشرق میں ایک کلومیٹر کے فاصلے پر بھول بھلیاں کی خستہ و شکستہ عمارت ہے، جو لکھوری اینٹوں کی بنی ہوئی ہے، غالباً اکبر کی تعمیر ہو گی، کہا جاتا ہے کہ یہاں جہانگیر کھیلا کرتا تھا، گزٹ میں اس کا نام، مقام، درج ہے، مگر یہ محض قیاس و گمان ہے، اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا"۔

ویران مسجد

کلانور روڈ کے دائیں طرف قصبہ کی آبادی سے باہر لکھوری اینٹوں کی بنی ہوئی ایک عالیشان مسجد ہے، جس کا شمار ضلع گرداسپور کی اہم مساجد میں ہوتا ہے، اور دیکھنے سے شاہی دور کی تعمیر معلوم ہوتی ہے۔

کتبہ اول

اس مسجد کی تاریخ تعمیر ۱۲۵۷ھ ہے، جس کے بانی سید بدھن شاہ تھے، اس مسجد کے تین در ہیں، جنوبی جانب کے در میں یہ کتبہ عمدہ خط میں منقوش ہے،

بانی این مسجد حقانی فقیر احمدی مجددی سید بدھن شاہ ابن سید حیات علی ابن سید حسین ،

کتبہ ثانی

دوسرا کتبہ اندرون مسجد کی محرابی دیوار میں کندہ ہے، اور عمدہ لکھا گیا ہے، جو یہ ہے۔

سال ایں مسجد مبارک دل کشا (۱۲۵۷)
گشت بدھن شاہ بانی ایں بنا
چراغ مسجد ومحراب ومنبر
ابوبکر و عمرو عثمان و حیدر
چه خوش نورند ایں چهار گوہر

یہ مسجد ۴۶/ فٹ لمبی اور ۱۲/ فٹ چوڑی ہے، اس کا صحن ۴۶/ فٹ لمبا اور ۲۶/ فٹ چوڑا ہے اندرون مسجد، کا فرش دھنس رہا ہے، البتہ صحن کا فرش عمدہ ہے، جس میں لکھوری اینٹیں کھڑی کی گئیں ہیں، جو بہت ہی خوبصورت معلوم ہوتی ہیں۔

مسجد کے تین گنبد اور چار مینار ہیں، جو تقریباً ساٹھ فٹ بلند ہیں، ان میناروں کے کلس شہید ہو چکے ہیں اسکے باوجود یہ مینار مسلمانوں کی عظمت رفتہ کی نشانی کی حیثیت رکھتے ہیں، مشرقی جانب کے دونوں میناروں کو کچھ زیادہ ہی نقصان پہنچایا گیا ہے، مسجد کے مشرقی جانب میں بانی مسجد بدھن شاہ کا مقبرہ ہے، جہاں زائرین کی آمد ورفت رہتی ہے۔

اس مسجد کے جوار میں ایک سردار جی آباد ہیں، جنہوں نے مسجد کے جنوبی حصہ کو اینٹوں سے بند کر کے وہاں اپنا سامان تو رکھا ہے، مگر ان کے کردار وزبان سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اگر پنجاب وقف بورڈ، اس میں نماز شروع کرائے تو ضرور تعاون کریں گے، سردار جی نے راقم الحروف سے کہا کہ میں مسجد کی حفاظت کرتا

ہوں، اگر کوئی اس میں نماز شروع کراتا ہے، تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا، اور میں مسجد کو خالی کردوں گا، میں مسجد کے ساتھ مقبرہ کی بھی حفاظت کرتا ہوں۔

یہ مسجد کلانور روڈ کے کنارے ہونے کی وجہ سے بہت ہی اہم جائے وقوع پر ہے، پنجاب وقف بورڈ کو اس مسجد کو آباد کرنے کا منصوبہ بنانا چاہیئے! اس کے اطراف میں وقف زمین ہونے کا قوی امکان ہے۔

شاہی جامع مسجد لدھیانہ

لدھیانہ کا شمار پنجاب کے مشہور صنعتی و تجارتی شہروں میں ہوتا ہے، جو انبالہ سے ۱۱۳ ار کلو میٹر کے فاصلے پر شمال، مغرب میں واقع ہے، اس کا اصل نام لودیانہ تھا، جس کے بانی سلطان ابراہیم لودھی تھے، ان کے نام کی مناسبت سے اسکا نام لدھیانہ ہوا یہاں ابراہیم لودھی کا ایک قلعہ بھی تھا، جس میں آجکل سرکاری بجلی گھر بنا ہوا ہے۔

یہ شہر گرم سوئٹروں اور شالوں کے کارخانوں کے لئے ملک گیر شہرت رکھتا ہے، یہاں مزین کرسیاں اور چوبی سامان بھی بنتا ہے، اور اون وریشم کی رنگائی اور ھوزری کا کام بھی اعلیٰ پیمانے پر ہوتا ہے، غرضیکہ یہاں مختلف قسم کے صنعتی کارخانے اور فیکٹریاں ہیں، اس شہر میں داخل ہونے کے بعد آسمان میں کارخانوں اور فیکٹریوں کا دھواں ہی دھواں نظر آتا ہے، اور یہاں کی فضائی آلودگی اور کثافت کیوجہ سے انسان کا دم گھٹتا ہے۔

لدھیانہ تحریک آزادی کا مرکز رہا ہے، ۱۸۵۷ء میں اسلامیان لدھیانہ نے حکومت برطانیہ کا زبردست مقابلہ کیا تھا، اور انگریزوں کے خلاف بغاوت کی تھی، انگریز افواج نے جب ان کا تعاقب کیا تو وہ ہریانہ کی ریاست گڈی کوٹاھا میں پناہ گزیں ہوئے تو وہاں کے نواب باقر علی خاں نے ان کو پناہ دی تھی۔

مولانا شاہ عبد القادر لدھیانویؒ نے یہاں کی جیل توڑ دی تھی، وہ اس وقت آزاد فوج کے کمانڈر تھے، مولانا لدھیانوی کو تین مرتبہ انگریزوں نے گھیرا،

لیکن اسکے باوجود انکو گرفتار نہیں کر سکے، آپ نے موجپورہ بازار میں ایک مسجد اپنی جیب خاص سے تعمیر کی تھی، اس کو انگریزوں نے دو مرتبہ جلادیا تھا، آپ نے اس مسجد میں سب سے پہلے مرزا غلام احمد قادیانی کی تکفیر کا فتوی دیا تھا، اور اسی مسجد میں مولانا عبید اللہ سندھی نے ابتدائی تعلیم حاصل کی تھی، مولانا حبیب الرحمٰن ثانی لدھیانوی، مولانا شاہ عبد القادر لدھیانوی کے مجاہدانہ کارناموں پر روشنی ڈالتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

"مولانا شاہ عبد القادر لدھیانوی اپنے چار صاحبزادگان اور اہل خاندان کے ساتھ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں براستہ پٹیالہ، کرنال انگریز فوج سے لڑتے بھڑتے دہلی پہونچے، مسجد فتح پوری چاندنی چوک سے لیکر لال قلعہ تک انگریز فوجی دستوں کے ساتھ دست بدست جنگ کی، مولانا شاہ عبد القادرؒ کی اہلیہ کا انتقال دہلی میں ہو گیا، اور ان کی تدفین مسجد فتح پوری میں عمل میں آئی، مولانا اپنے بیٹوں اور اہل خاندان اور رفیقوں کے ساتھ پنجاب واپس چلے گئے، کمپنی بہادر نے مولانا اور انکے چار بیٹوں کی گرفتاری کے لئے ایک لاکھ روپے کا انعام مقرر کیا، لدھیانہ میں ان کی جائیداد جس میں ایک مسجد بھی شامل تھی، ضبط کر کے نیلام کر دی گئی، لیکن انگریز مولانا اور انکے بیٹوں کو گرفتار کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے، جب انگریزوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگ کو بری طرح سے کچل دیا اور بعد ازاں عام معافی کا اعلان کر دیا تو مجاہدین کا یہ قافلہ ستلانہ سے لدھیانہ روانہ ہوا، دوران سفر مولانا شاہ عبد القادر صاحب انتقال فرما گئے، صاحبزادگان نے قافلہ کی سربراہی انجام دی [۱]"۔

---

[۱] آل انڈیا مجلس احرار، ص ۶،

رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ اور آپ کے صاحبزادگان نے تحریک استخلاص وطن میں پرجوش حصہ لیا تھا، آپ اور آپ کے صاحبزادگان نے تحریک آزادی کے سلسلے میں قید وبند کی صعوبتیں وتکلیفیں برداشت کیں، اور جب ملک آزاد ہو گیا تو بعض شر پسندوں نے آپ کو قتل کرنے کی ناپاک سازش رچی آپ کے بڑے صاحبزادے مولانا خلیل الرحمٰن لدھیانویؒ (جو خود مجاہد آزادی تھے، اور تحریک آزادی کے سلسلے میں جالندھر جیل، گرداسپور جیل اور سنٹرل جیل سیالکوٹ میں قید رہ چکے ہیں) کا بیان ہے، کہ تقسیم کے وقت جب لدھیانہ کے حالات خراب سے خراب تر ہونے لگے تو مسٹر لو تھڑا، ڈپٹی کمشنر لدھیانہ نے مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کو کوتوالی میں بلوایا، آپ کے ہمراہ خاندان کے افراد کے ساتھ مولانا مفتی نعیم صاحب لدھیانویؒ بھی تھے، آپ سے کہا کہ آپ سرکاری گاڑی میں دہلی چلے جایئے، آپ کو دہلی لیجانے کیلئے مکمل انتظام کیا جارہا ہے، مگر اسی وقت سردار بلدیو سنگھ نے کہا کہ لو تھڑا نے آپکے قتل کا انتظام دوراہا نہر کے نزدیک کرر کھا ہے، اسلئے آپ یہاں سے بذریعہ ہوائی جہاز لاہور جایئے اور پھر وہاں سے دہلی آجایئے، چنانچہ لاہور پہونچنے کے بعد مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ نے پنڈت نہرو کو فون کیا، تو نہرو نے میر دولا سارہ بائی کو لاہور مولانا کو ہندوستان لانے کے لئے بھیجا، مولانا لدھیانویؒ میر دولا سارہ بائی کے ہمراہ دہلی آگئے، اس طرح مولانا لدھیانویؒ اور انکے افراد خاندان کی جانیں محفوظ رہ گئیں۔

لدھیانہ میں ۱۹۴۷ء سے قبل ۸۵ ر فیصد مسلمان تھے، اور بڑے اثرو رسوخ والے تھے، ۱۹۴۷ء کے بعد انتقال آبادی کی وجہ سے یہاں سے مسلمانوں کا نام ونشان مٹ گیا، ۱۹۸۱ء کی مردم شماری کے مطابق شہر کی آبادی ۰۷, ۰۶۰, ۷ تھی، اور دیہی آبادی ۰۵۰, ۳۴۴, ۱۰ ر تھی، جن میں بمشکل مسلمانوں کی تعداد ۲۰ ر

ہزار ہوگی، اور وہ بھی محنت کش لوگ ہیں جو فیکٹریوں اور کارخانوں میں ملازمت ومزدوری کرتے ہیں، یہاں کے قدیم باشندوں میں صرف مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کے خاندان کے کچھ افراد رہ گئے ہیں، جن میں مولانا حبیب الرحمٰن ثانی لدھیانوی ہیں، جو آل انڈیا مجلس احرار کے صدر ہیں، اور مدرسہ حبیبیہ کے مہتمم ہیں۔

دوسرے شہروں کی طرح لدھیانہ میں بھی بکثرت وقف جائیدادیں ہیں یہاں ۳۶۰ / مسجدیں ہیں، جن میں سے ۲۵ / مسجدیں آباد ہیں، اور باقی مسجدوں میں گوردوارے اور مینادر ہیں، اور بعض میں رہائش بھی ہے، سب سے زیادہ مسرت بخش بات یہ ہے کہ یہاں پانچ مسجدیں نئی بنی ہیں، جو نمازیوں سے بھر جاتی ہیں۔

شاہی مسجد

لدھیانہ کی شاہی مسجد احمد شاہ ابدالی کے پوتے شجاع الملک کی تعمیر تھی، جس نے اپنی جلاوطنی کے دور میں تعمیر کی تھی، یہ مسجد پرانی سبزی منڈی (نزد گھنٹہ گھر) میں تھی، اب جہاں ماسٹر تارا سنگھ میموریل کالج ہے، جیسا کہ مولانا عزیزالرحمٰن جامعی لدھیانویؒ لکھتے ہیں:

"یہ مسجد احمد شاہ ابدالی کے پوتے شجاع الملک نے بنوائی تھی، جو ۱۸۳۶ء میں انگریزی سیاست کا شکار ہو کر لدھیانہ میں قیام پذیر ہوئے تھے، اس چھوٹی سی مسجد کو جس کا صحن بہت بڑا ہے، شاہی مسجد کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، شاہ شجاع الملک کا مکان مسجد سے دو فرلانگ کے فاصلے پر تھا، جن میں آج کل جنرل پوسٹ آفس بنا ہوا ہے، اس پوسٹ آفس کی عمارت پر شاہ شجاع الملک کے نام کا ایک پتھر اب بھی لگا ہوا ہے۔

اس مسجد کی وسعت وکشادگی اور رفعت وبلندی کے بارے میں کچھ عرض

کرنا مشکل ہے، کیونکہ اس مسجد کے متعلق صحیح معلومات فراہم کرنیوالے افراد یہاں نہیں رہے، مگر اس کی تاریخی اہمیت سے انکار مشکل ہے، ۱۹۴۷ء سے پہلے اس میں تحریک استخلاص وطن کے سلسلے میں اہم سیاسی اجتماعات ہوا کرتے تھے، جن میں مجاہدین آزادی اور علماء لدھیانہ کی تقریریں ہوا کرتی تھیں، ۲۶ر جنوری ۱۹۲۹ء میں جب جواہر لال نہرو نے راوی ندی کے کنارے قومی جھنڈا لہرایا تو عین اسی دن رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے تین سو گوروں کے گھیرے میں، اس شاہی مسجد میں قومی جھنڈا لہرایا، جس کو روکنے کے لئے انگریز ڈپٹی کمشنر کارنر پورا انتظام کیا تھا، اور شہر میں دفعہ ۱۴۴ لگادی تھی، اس کے باوجود مولانا لدھیانوی نے قومی جھنڈا لہرانے سے باز نہیں آئے، مگر یہ زمانہ کی ستم ظریفی ہے، کہ آزادی وطن کے بعد ۵۸۔۱۹۵۷ء میں ماسٹر تارا سنگھ جیسے متعصب و تنگ نظر لیڈر کی شہ پر اس مسجد کو شہید کر دیا گیا، اب اس کی جگہ پر ماسٹر تارا سنگھ میموریل کالج اور گوردوارہ بنادیا گیا ہے، اس شاہی مسجد میں دارالعلوم دیوبند کے قیام سے ایک سال قبل مدرسہ اللہ والا کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا گیا تھا، جس میں دورۂ حدیث تک کی تعلیم ہوتی تھی، تقسیم کے وقت اس مدرسہ کے مہتمم اور مسجد کے امام وخطیب مولانا محمد یحیٰ لدھیانوی تھے، جو مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کے چھوٹے بھائی اور حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب کے ہم سبق تھے، جو تقسیم کے بعد پاکستان چلے گئے تھے، کچھ دنوں اس مدرسہ کے صدر مدرس مولانا مفتی محمود صاحب گنگوہیؒ بھی رہے ہیں، بعد میں اس مدرسہ کا نام مدرسہ انوریہ ہو گیا تھا۔

تکیہ شاہ شہداء

لدھیانہ کے اہم تاریخی مقامات میں سے تکیہ شاہ شہداء بھی ہے، جہاں

پہلے شہداء اور اکابر امت کے مزارات تھے، اور یہ مزارات حال کے چند سالوں تک جوں کے توں باقی تھے [1]، اور یہاں ایک مسجد بھی ہے، اس تکیہ شاہ شہداکی وقف اراضی ۴۸ ایکڑ تھی پنجاب گزٹ میں تکیہ شاہ شہداکی وقف اراضی کا ذکر، صفحہ ۷ ۹۹، پر ملتا ہے، بعض مقامی لوگوں کی مداہنت سے یہاں گوردوارہ اکال گڑھ کے نام سے ایک گوردوارہ تعمیر ہوا ہے، اور دوسرے ناجائز قابضین کی حوصلہ افزائی بھی ہوئی، جب یہاں ناجائز قبضوں کا سلسلہ شروع ہوا تو پنجاب وقف بورڈ نے ان ناجائز قابضین کے خلاف مقدمہ کیا، چنانچہ ۱۹۸۸،۸۹ء میں کورٹ کی طرف سے بورڈ کے حق میں فیصلہ ہوا، اور اس وقت گوردوارہ کمیٹی کے صدر، مقدمہ میں فریق تھے، فیصلہ ان کے خلاف ہوا تھا، چنانچہ گوردوارہ کمیٹی نے راتوں رات اپنے صدر کو تبدیل کر کے اور نیا صدر منتخب کر کے یہ دعویٰ پیش کیا کہ موجودہ کمیٹی کے صدر وہ نہیں ہیں یہ ہیں، اس طرح پھر مقدمہ کا سلسلہ چل پڑا، چونکہ وہ شاہ شہدا پنجاب وقف بورڈ کی ملکیت ہے، بورڈ کی طرف سے مقدمہ کی پیروی کی جاتی ہے، مگر صورت حال یہ ہے کہ تکیہ شاہ شہدا کے مزارات کو شہید کر کے نہ صرف ایک بلند وبالا گوردوارہ بنا ہوا ہے، بلکہ سات سو شاندار دکانوں پر مشتمل ایک مارکیٹ بھی تعمیر کر دی گئی ہے، اور یہ ساری دکانیں اور عمارتیں ہمارے اسلاف اور بزرگوں کی ہڈیوں پر کھڑی ہیں، یہ لدھیانہ کی ایک اہم اور پررونق مارکیٹ ہے جو چوڑا بازار

---

[1] مولانا حبیب الرحمٰن ثانی لدھیانوی کا بیان ہے کہ تین چار سال پہلے تک یہاں متعدد مزارات تھے، راقم الحروف کو وہاں کے ایک ضعیف العمر سکھ دکاندار نے بتایا کہ اس مارکیٹ کے اندر آج سے چند سالوں پہلے تک مزارات موجود تھے، حالانکہ خود میری دکان بھی مزار پر بنی ہوئی ہے، مگر جو سچائی ہے، اسکو اظہار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، (قاسمی)

میں، واقع ہے، اور یہاں کی دکانیں چاندنی چوک دلی جیسی شاندار دکانیں ہیں۔

جناب نصر اللہ خاں صاحب اسٹیٹ آفیسر پنجاب وقف بورڈ نے بتایا کہ ان سات سو دکانوں کے کرایہ کی آمدنی ۱۰ر لاکھ روپئے ماہانہ ہو سکتی ہے، ان دکانوں میں سے صرف ایک دکاندار بورڈ کا کرایہ دار ہے۔

جامع مسجد لدھیانہ

یہ جامع مسجد فیلڈ گنج چوک میں ہے، مسجد کے صدر دروازہ کی پیشانی پر کتبہ نصب ہے، جس کے مطابق ۱۳۴۴ھ مطابق ۱۹۲۳ء کی تعمیر ہے، یہ مسجد گھنی آبادی میں ہے، مگر خوبصورت ہے، جس میں پنجوقتہ نمازوں کے علاوہ جمعہ اور عیدین کی نمازیں بھی ہوتی ہیں، اسی مسجد میں جامعہ حبیبیہ کے نام سے ایک معیاری مدرسہ قائم ہے، جس کے مہتمم وروح رواں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب ثانی لدھیانوی ہیں، مدرسہ میں ۵ سے ۶ر غریب ونادار طلبا زیر تعلیم ہیں، اور اس وقت ۷ر باصلاحیت مدرسین تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

ناظرہ قرآن پاک، حفظ و تجوید، اور فارسی و عربی کے شعبے قائم ہیں، قابل ذکر بات یہ ہے کہ یہاں رئیس الاحرار لیٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ بھی ہے، جس میں جدید صنعت وحرفت کی تعلیم دی جاتی ہے، تقسیم ملک کے بعد مشرقی پنجاب میں اس طرح کا دینی ادارہ قائم ہونا ایک حیرت انگیز کارنامہ ہے، جس کا سہرا حضرت مولانا حبیب الرحمٰن ثانی لدھیانوی کے سر بندھتا ہے، مولانا حبیب الرحمٰن ثانی لدھیانوی اپنے اسلاف کی طرح مرزا غلام احمد قادیانی کے باطل عقائد و فاسد خیالات کے شدید مخالف ہیں، اور اس مسجد کے منبر و محراب سے اسکے گمراہ کن خیالات و نظریات کی تردید کرتے رہتے ہیں، اور پنجاب کے دیہاتوں میں رد قادیانیت کے سلسلے میں بہت ہی جانفشانی و جگر کاوی سے کام کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ انکو نیک

مقاصد میں کامیاب کرے!(آمین)

مسجد ام المدارس

جامع مسجد فیلڈ گنج چوک سے تھوڑے فاصلے پر دائیں ہاتھ کی طرف مسجد ام المدارس ہے جس کے بانی مولانا نور محمد لدھیانویؒ تھے، مولانا نور محمد لدھیانویؒ نے ہی نورانی قاعدہ مرتب کیا تھا، جو آج بر صغیر کے اکثر مدارس میں پڑھایا جارہا ہے، مولانا نور محمد لدھیانوی امام العارفین مولانا شاہ عبدالقادر لدھیانویؒ کے نواسے ہیں، ام المدارس کی سو سے زائد شاخیں قائم ہیں، اسی بنائ پر اسے ام المدارس کہا جانے لگا، تقسیم کے وقت مسجد ومدرسہ کو جلادیا گیا تھا، اور مسجد میں ایک غیر مسلم خاندان رہنے لگا تھا، مولانا مفتی محمد احمد رحمانیؒ نے جب مساجد کی آباد کاری شروع کی تو اس مسجد میں قابض غیر مسلم خاندان کو مسجد خالی کرنے کے لئے کہا، تو انہوں نے مسجد خالی کرنے سے انکار کردیا، چنانچہ مسجد پر قابض غیر مسلم کے دو بیٹے مسجد میں رہنے سے پاگل ہوگئے اور ایک مر گیا، جس سے سبق حاصل کر کے قابض جامع مسجد لدھیانہ میں آیا، اور اس نے مسجد کی چابیاں حضرت مفتی صاحب کو دیدیں، آج اس مسجد میں جامعہ حبیبیہ کی شاخ قائم ہے، مسجد کی از سرے نو تعمیر شروع ہے۔

راقم الحروف نے جناب نصر اللہ خاں صاحب اسٹیٹ آفیسر پنجاب وقف بورڈ اور عبدالشکور صاحب رینٹ کلکٹر پنجاب وقف بورڈ کے ہمراہ لدھیانہ کی تاریخی مساجد کا سروے کیا تھا، جناب نصر اللہ خاں صاحب ایک متین و سنجیدہ سینئر آفیسر ہیں، انہوں نے یہاں کی مساجد واوقاف کا سروے کرانے میں بھرپور تعاون دیا تھا، اور انہی کی وجہ سے باغ صوفیاں کا بھی معائنہ کیا تھا، ویسے تو لدھیانہ کے چپہ چپہ پر مساجد واوقاف ہیں، مگر یہاں کی مساجد واوقاف بھی پنجاب کے دوسرے

شہروں کی طرح محفوظ نہیں ہیں، کچھ اپنوں اور کچھ غیروں کیوجہ سے مساجد و اوقاف کو نقصان پہونچا ہے، اللہ تعالیٰ ان مساجد واوقاف کی حفاظت فرمائے، اور ہم کو بھی اپنے اسلاف کی میراث کی حفاظت کی توفیق عطا فرمائے۔

مسجد ناصرالدین جالندھر

جالندھر ...... صوبہ پنجاب کا مشہورو معروف صنعتی، تجارتی ضلع ہے جو صدیوں سے بادشاہوں کی توجہات کامرکزاور علم وفن کا گہوارہ رہاہے، فاضل مورخ ''تاریخ فرشتہ'' کابیان ہے کہ اودھ کے قدیم مہاراجہ کیشورراج کے صاحبزادے منیرراۓ نے جالندھر کو فتح کیا تھاجواس وقت ایران کے ماتحت تھااس کواپناپایہ تخت بھی بنایا[۱] یہاں ایک قلعہ بھی تھاجس کے بانی اور تاریخ بنا کا علم تونہ ہوسکا لیکن یہ قلعہ معزالدین ابوالفتح مبارک شاہ کے دور میں موجود تھاجس کا محاصرہ جیرت کھکھر نے کیاتھاجواپنے قبیلہ کاسردار تھااس کے مقابلے کے لئے حصار کا حاکم زیرک خاں آیاتھا، آئین اکبری میں بھی اس قلعہ کاذکر ملتاہے[۲] اب اس قلعہ کا نام ونشان بھی مٹ چکاہے اوراس کے محل وقوع کی نشاندہی بھی مشکل ہے۔

آئین اکبری میں جالندھر کو'' سرکار جالندھر'' کے عنوان سے ذکر کیاگیا ہے جس سے اس شہر کی تاریخی عظمت ظاہر ہوتی ہے مغل سلاطین نے جالندھر کوایک اہم فوجی مقام کی حیثیت سے دیکھاہے۔ امپریل گزیٹیر میں جالندھر پر حکومت کرنیوالے مسلم سلاطین کا مفصل تذکرہ کیاگیاہے جس کا مطالعہ جالندھر پر تحقیقی کام کرنے والے اسکالروں کے لئے ازحد مفید ہوگا۔

جالندھر علمی مرکز کی حیثیت سے بھی مشہوررہاہے یہاں حضرت مولانا

---

[۱] تاریخ فرشتہ، ص ۶۳ج اول، [۲] آئین اکبری، ج ۳ ص ۱۰۳۲،

خیر محمد جالندھریؒ نے ایک مثالی دینی ادارہ قائم کیا تھا جو خیر المدارس کے نام سے عوام و خواص میں جانا پہچانا جاتا تھا، اس کے سرپرست حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ تھے جس میں ان کے علاوہ دیگر علماء و مشائخ بھی تشریف لایا کرتے تھے حضرت مولانا خیر محمد جالندھری مرحوم، حضرت مولانا تھانویؒ کے خلیفہ و مجاز بیعت تھے۔ ان کا اور مدرسہ کا ذکر اشرف السوانح میں بھی آیا ہے، اب مدرسہ خیر المدارس کا کیا حال ہے، اس کا علم نہ ہو سکا، چونکہ اس مدرسہ کا معائنہ بورڈ کے مجوزہ پروگرام میں شامل نہیں تھا اس وجہ سے اس کے معائنہ و مشاہدہ کا شرف حاصل نہ ہو سکا جس کا افسوس ہے۔

پنجاب وقف بورڈ کے افسران کو اس تاریخی مدرسہ اور اس کی وقف جائیداد کے متعلق معلومات فراہم کرنی چاہئیں، چونکہ یہ مدرسہ سرزمین پنجاب میں فکر تھانوی کے مرکز کی حیثیت رکھتا تھا۔

حضرت مولانا خلیل الرحمٰن لدھیانویؒ نے ایک ملاقات میں فرمایا تھا کہ یہ مدرسہ برینڈتھ روڈ پر، ناز سینما (جالندھر) کے سامنے واقع تھا۔

جالندھر کو یہ افتخار و اعزاز حاصل ہے کہ اس کے ایک مایہ ناز سپوت اور مشہور عالم دین حضرت مولانا فتح محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن کریم کا اردو ترجمہ کیا ہے جو ترجمہ فتح محمد جالندھری کے نام سے موسوم ہے اور ہندوپاک کے علمی و مذہبی حلقوں میں مقبول ہے، جس کی زبان سادہ و شگفتہ ہے۔

مرحوم حفیظ جالندھری بھی یہیں کے رہنے والے تھے جو پاکستان میں شاعر اسلام کہلائے اور شاہنامہ اسلام کے عنوان سے اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ کو نظم کا جامہ پہنایا مرحوم کو ادب اطفال میں بلند مقام حاصل تھا۔

جنرل ضیاء الحق صدر پاکستان بھی جالندھر کے محلّہ قاضیان کے باشندہ

تھے جن کا آبائی مکان آج بھی جالندھر میں موجود ہے، جنرل ضیاء الحق مرحوم خیر سگالی دورے پر جب ہندوستان آئے تھے تو ان کو اپنے آبائی مکان دیکھنے کی بڑی آرزو تھی لیکن بعض مصالح کی بنا پر حکومت نے اجازت نہیں دی چنانچہ یہ حسرت لئے ہوئے صدر پاکستان، نہ صرف ہندوستان سے واپس گئے بلکہ اس جہاں آب و گل سے بھی رخصت ہو گئے، وکم من حسرات دفن فی بطون القبور، (بہت حسرتیں قبر میں دفن ہو جاتی ہیں)۔

ضیاء الحق صاحب کی ذاتی زمین ڈھوکری (جالندھر) میں تھی جس پر کسٹوڈین نے قبضہ کر لیا تھا۔

۱۹۴۷ء میں جالندھر مسلم اکثریتی علاقہ تھا، یہاں کے مسلمانوں کو یقین تھا کہ تقسیم ملک کے وقت ان کی اکثریت کی بنا پر یہ مسلم علاقہ پاکستان میں شامل ہو جائیگا لیکن ایسا نہ ہوا بلکہ یہاں مسلمانوں کا قتل عام ہوا جس کی تفصیل بہت ہی تکلیف دہ ہے۔ یہاں ۳۵۰/ مساجد اور متعدد عیدگاہیں ہیں جن میں سے بمشکل ۷/ مسجدیں آباد ہیں، باقی مساجد ناجائز قبضے میں ہیں، ۱۹۹۱ء کی مردم شماری کے اعداد و شمار کے اعتبار سے جالندھر کی دیہاتی آبادی ۷،۱۳،۱۵۰ اور شہری آبادی ۶،۱۰،۵۴۹ تھی جن میں ۱½ لاکھ مسلمانوں کی آبادی ہے جو زیادہ تر محنت کش طبقہ ہے۔

جالندھر سابق وزیر اعظم اندر کمار گجرال صاحب ایم پی کا حلقۂ انتخاب بھی رہ چکا ہے۔

مرکزی گیٹ

مسجد اور درگاہ کا مرکزی گیٹ پنجاب کی مساجد اور درگاہوں کے دروازوں میں (باستثناء مرکزی دروازہ مانکپور) سب سے بڑا اور بے نظیر ہے یہ یونانی و

ایرانی طرز پر بنا ہوا ہے دونوں طرف نیچے سے اوپر تک قرآنی آیات اور عربی و فارسی اشعار نہایت ہی خوشخط نستعلیق میں منقوش ہیں جس کے خطاط منشی سردار محمد تھے جو تقسیم وطن کے بعد جالندھر سے پاکستان چلے گئے تھے انہوں نے پاکستان میں ماہر خطاط کی حیثیت سے بڑا شہرہ حاصل کیا تھا اور دروازہ کے راج معمار، نور محمد تھے جو جالندھر ہی کے باشندہ تھے جنہوں نے فن تعمیر کا نکھرا ہوا نمونہ پیش کیا۔

مرکزی گیٹ ۱۰ ار فٹ ۳ ر انچ چوڑا ہے جس کی بلندی تقریباً ۱۵ ار فٹ ہے، اس کے اوپر قیمتی نقش و نگار بنائے گئے ہیں جو دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں، گیٹ کے چہرے پر نوع بنوع کے اردو و فارسی کتبات ہیں، ان میں یہ ایک کتبہ بھی ہے جس میں حضرت امام ناصر الدینؒ کی تاریخ پیدائش اور تاریخ وفات کا مختصر ذکر ہے۔

درگاہ امام ناصر الدینؒ

اللہ اکبر

سبحان اللہ یا رحمن یا رحیم سبحان اللہ

حضرت قدوۃ العارفین زبدۃ الکاملین خواجہ ابو یوسف امام ناصر الدین چشتی کی ولادت بمقام نخشب الحال مشہور بہ نقشب ۳۵۲ھ میں بتاریخ سترہ ماہ مبارک رمضان میں ہوئی اور حضرت موصوف الصدر نے مقام جالندھر میں بتاریخ پندرہ ماہ رجب ۴۳۳ھ میں وفات پائی، تعمیر دروازہ و اصلاح مقبرہ ہذا زیر نگرانی چودھری عبدالشکور ملک ۱۳۵۸ھ میں تکمیل کو پہونچی تعمیر کردہ متولیان درگاہ حضرت امام ناصر الدین۔

حضرت امام ناصر الدین۔

اسی گیٹ کے نیچے اور اوپر اور کناروں میں مرزا مظہر جان جاناں اور علامہ اقبالؔ کے اشعار لکھے ہوئے ہیں، جو حسب ذیل ہیں۔

دلوں کو مرکز مہر و وفا کر حریم کبریا سے آشنا کر
جسے نانِ جویں بخشی ہے تو نے اسے بازوئے حیدرؓ بھی عطا کر
عطا اسلاف کا جذبِ دروں کر زمرۂ لا یحزنوں کر
خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں مرے مولا مجھے صاحب جنوں کر
نگہ الجھی ہوئی ہے رنگ و بو میں خرد کھوئی گئی ہے چار سو میں
نہ چھوڑ اے دل فغانِ صبحگاہی اماں شاید ملے اللہ ہو میں

صدر دروازہ پر یہ بھی اشعار ہیں۔

محبت ہو اگر تو ڈھونڈ وہ فقر جس فقر کی اصل ہے حجازی
اس فقر سے آدمی میں پیدا اللہ کی شان بے نیازی
کنجشک و حمام کے لئے موت ہے اس کا مقام شہبازی
روشن اس سے خرد کی آنکھیں بے سرمۂ بوعلی و رازیؒ
یہ فقر غیور جس نے پایا بے تیغ و سنان ہے مرد غازی
مومن کی اسی میں ہے امیری اللہ سے مانگ یہ فقیری

گیٹ کے اوپر ایک خوبصورت ڈیوڑھی ہے (جس میں ایک خاندان آباد ہے) جس کے اوپر دو مینار ہیں اور میناروں کے بیچ میں گھنٹہ گھر ہے، تقسیم وطن سے قبل جالندھر میں اس سے بلند کوئی عمارت نہیں تھی۔

چنانچہ میونسپلٹی کی طرف ہی سے عمارت میں گھنٹہ نصب کیا گیا ہے جس کی گھڑی کی مشین تقسیم ملک کے وقت چوری ہو گئی تھی تب سے گھنٹہ اسی حالت میں موجود ہے، اب تو اس شہر میں اس سے اونچی عمارتیں بن گئی ہیں، مگر آج بھی شہر کی گلیاں تنگ اور سڑکیں خراب ہی ہیں۔

مسجد

صحن کے بائیں ہاتھ پر ایک چھوٹی لیکن لاجواب تین در کی مسجد ہے جس کے دو مینار اور ایک گنبد ہے۔ یہ مسجد اگرچہ بہت ہی سادہ ہے لیکن سادگی میں بھی بڑا حسن و جمال ہے۔ اس کی پیشانی پر بہت ہی سادہ انداز میں نقش و نگار بنے ہوئے ہیں اور انہیں نقش و نگار کے بیچ میں یہ کتبہ ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ

لاالہ الاانت سبحانک انی کنت من الظالمین

یہ مسجد ۳۳ / فٹ لمبی اور ۳۵ / فٹ چوڑی ہے اور چار ستونوں پر قائم ہے اس کا صحن ۴۲ / فٹ لمبا اور ۳۵ / فٹ چوڑا ہے صحن کے شروع میں چھوٹا سا حوض بھی ہے جو ۱۲ / فٹ لمبا اور ۷ / فٹ چوڑا ہے۔ مسجد اور صحن کا فرش جدید طرز پر حال ہی میں بنا ہے۔

مسجد کا انخلاء

۱۹۴۷ء میں مسجد امام ناصر الدین میں شرنارتھی آباد ہو گئے تھے، مسجد و درگاہ پران کا قبضہ ہو گیا تھا لیکن بعد میں بڑی مشکل سے سردار پرتاب سنگھ کیروں وزیر اعلیٰ پنجاب نے خالی کرایا تھا، اسکے بعد مسجد کے امام کو بھیجنے کے لئے خود انہوں نے ہی وزیر اعلیٰ کشمیر غلام محمد بخشی سے کہا تھا۔ غلام محمد بخشی مرحوم نے امام کا انتظام کرا دیا تھا اور اس وقت کے امام مولوی غلام الدین صاحب تھے جنہوں نے مسجد کو پر آشوب دور میں آباد کیا۔

چلہ گاہ بابا فرید الدین گنج شکرؒ

درگاہ کی مسجد کے بائیں طرف عمارت کے اندرونی حصہ سے مغرب میں درگاہ حضرت خواجہ امام ناصر الدینؒ کی طرف جاتے کیلئے ایک دروازہ ہے، اس

دروازہ کے ملحق بائیں ہاتھ پر ایک قبہ نما حجرہ ہے جو ۱۰ر فٹ مربع ہے، جس کے چھوٹے سے دروازے پر یہ مختصر کتبہ نصب ہے۔

''گنبد چلہ کشی بابا فرید الدین گنج شکرؒ''

کہا جاتا ہے کہ بابا فرید الدین گنج شکرؒ نے یہاں چالیس روز چلہ کشی کی تھی حجرے کے ساتھ ہی ایک بڑا سایہ دار نیم کا درخت ہے جسے بابا فرید الدین گنج شکرؒ نے اپنے دست مبارک سے لگایا تھا جو آج بھی موجود ہے، لوگ اس نیم کے درخت کی مسواک بطور تبرک استعمال کرتے ہیں۔

حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کی یہاں چلہ کشی سے حضرت امام ناصر الدینؒ کی روحانی عظمت سامنے آتی ہے۔

درگاہ

حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کی چلہ گاہ سے ملحق جنوب میں حضرت امام ناصر الدینؒ کا مقبرہ ہے جو ۲۵ر فٹ مربع ہے، چاروں کونوں پر مینار ہیں، یہ مقبرہ لکھوری اینٹوں کا بنا ہوا ہے جس پر سفیدی کردی گئی ہے جس کی وجہ سے اس کی قدامت نمایاں نہیں ہوتی ہے۔

حضرت خواجہ امام ناصرالدین کی شخصیت

حضرت امام ناصر الدین مشہور و معروف صاحب کشف و کرامت بزرگ تھے، آپ ۷ار رمضان المبارک ۲۴۲ھ میں نخشب میں پیدا ہوئے، آپ کا سلسلہ نسب حضرت ابو ایوب انصاریؓ سے جا ملتا ہے۔ آپ ہندوستان میں بسلسلۂ دعوت و تبلیغ تشریف لائے اور جالندھر میں مقیم ہو گئے تھے۔

جالندھر میں اس وقت جھیل کی مانند پانی ہی پانی تھا لیکن امام ناصر الدینؒ کی تشریف آوری سے اس شہر کے پانی کا رخ دریاؤں کی طرف ہو گیا تھا یہ آپ کی

کرامت تھی، جس سے آپ کی مقبولیت میں اضافہ ہوا۔

آپ کی دوسری کرامت یہ ظاہر ہوئی کہ اس زمانے میں ایک مشہور کفن چور تھا جو مردوں کا کفن چرا لیا کرتا تھا، امام صاحب نے اس کفن چور کو اس عمل شنیع سے پرہیز کرنے کی تلقین کی، چور کے دل میں کچھ اثر ہوا، اس نے اپنی حرکت ترک کر دی، لیکن جب امام صاحب نے وفات پائی تو کفن چور کے دل میں وہی پرانے خیالات آئے اور رات ہوتے ہی اس نے امام صاحب کی قبر کو کھود دیا مگر اسے اسوقت دہشت محسوس ہوئی جب اس نے امام صاحب کو قبر کے اندر عبادت میں مشغول پایا تو چور نے امام صاحب کی اصلی حالت دیکھ کر سر تسلیم خم کیا اور توبہ کر لی اور وعدہ کیا کہ آئندہ کبھی ایسی حرکت نہیں کرے گا، جب اس کفن چور کا انتقال ہوا تو اس کی قبر امام صاحبؒ کے مزار کے قریب ہی بنائی گئی، امام صاحبؒ کے ساتھ والی قبر اس کفن چور کی ہے، اس مقبرے کے باہری احاطے میں اور بھی کئی مزار ہیں، حضرت امام ناصر الدینؒ کی درگاہ مرجع خلائق ہے اور آج بھی یہ درگاہ بلا تفریق مذہب وملت تمام ہی لوگوں کے لئے مرکز عقیدت ہے۔

درگاہ امام ناصر الدینؒ پنجاب وقف بورڈ کے زیر انتظام وانصرام ہے یہاں ۱۴،۱۵ ار رجب میں ہر سال عرس بھی ہوتا ہے جس کا اہتمام بورڈ کرتا ہے۔ درگاہ امام ناصر الدینؒ کے احاطہ میں پنجاب وقف بورڈ کا ضلعی دفتر بھی ہے۔

مسجد خیرالدین امرتسر

امرتسر مشرقی پنجاب کا بڑا تاریخی ثقافتی اور صنعتی شہر رہا ہے، جو انبالہ سے ۲۵۵ر کلو میٹر شمال میں ہے، جس کے مغرب میں ۶۰ر کلو میٹر کے فاصلے پر لاہور، واقع ہے، جو پاکستان کا اہم تاریخی و ثقافتی شہر ہے۔

امرتسر اور لاہور کے درمیان صدیوں سے بڑا ثقافتی ولسانی اور جغرافیائی اشتراک رہا ہے، کہا جاتا ہے کہ امرتسر اور لاہور کے مابین اسقدر یکسانیت اور مشابہت ہے کہ امرتسر پر لاہور کا اور لاہور پر امرتسر کا گمان ہوتا ہے، ان دونوں شہروں کے باشندوں کے رہن سہن زبان و کلچر اور تہذیب و تمدن میں ایسی مشابہت و ہم آہنگی ہے کہ ایک کو دوسرے سے الگ کرنا محال ہے، مگر تقسیم ملک کی وجہ سے ان دونوں شہروں کے ثقافتی ولسانی رشتے منقطع ہو کر رہ گئے، اور پرانی قدریں وروایتیں ختم ہو کر رہ گئیں، جو ایک افسوسناک تاریخی حادثہ ہے۔

امرتسر دراصل امرتاسرس ہے، جس کے معنی ہیں چشمۂ آب حیات، امرتسر کے گولڈن ٹیمپل میں سکھوں کے لئے وہ مقدس تالاب ہے، جس کے پانی کو سکھ لوگ آب حیات، ذریعۂ بخشش اور وسیلۂ نجات تصور کرتے ہیں، اس کے علاوہ یہاں ۴۰ر کنویں اور ہیں، جن کا پانی نہایت لذیذ و شیریں ہوتا ہے، اور یہاں کی آب و ہوا بھی فرحت بخش ہے۔

امرتسر کی بنیاد، سکھوں کے چوتھے گرورام داس نے (۱۵۸۱،۱۵۷۴ء)

شہنشاہ اکبر کے عطا کردہ قطعہ زمین میں رکھی تھی، اہنی گرو نے قطعہ زمین میں وہ مقدس تالاب کھدوایا، جسکے نام سے شہر موسوم ہے۔ ۱؎

امرتسر میں بڑی بڑی علمی ادبی وسیاسی شخصیتیں پیدا ہوئی ہیں اور بڑی بڑی شخصیتیں یہاں آئی ہیں، ڈاکٹر سیف الدین کچلو امرتسر کے باشندہ تھے، آپ کا شمار چوٹی کے قومی قائدین میں ہوتا ہے، آپ مشہور قانون داں اور شعلہ بیان مقرر تھے، امرتسر میں آپ ہی کی گرفتاری پر احتجاج کے لئے جلیانوالہ باغ میں اجلاس ہورہا تھا جس میں اسلامیان امرتسر بھاری تعداد میں موجود تھے، ظالم وجابر جنرل ڈائر نے ان نہتے وبے گناہ مسلمانوں پر فائرنگ کا آرڈر دیدیا تھا، جس کے نتیجے میں بہت سے مسلمان شہید ہوگئے تھے۔

آپ کی رفیقۂ حیات سعادت بانو کچلو، مشہور مجاہد آزادی اور بلند پایہ شاعرہ تھیں، جب گاندھی جی سلسلۂ تحقیقات مظالم میں جلیانوالہ باغ امرتسر آئے، اور سعادت بانو سے ملاقات کی تو سعادت بانو کچلو نے مندرجہ ذیل اشعار انکی نذر کیے۔

بنا ہے سب کے دلوں میں تیرا مکاں گاندھی
ہے تیری مدح و ثنا ورد ہر زباں گاندھی
ہر اک طرف ہیں عقیدت کے تیرے، پھول کھلے
نہ آئے گی کبھی اس پھول میں خزاں گاندھی
پھنسے ہیں سخت مصیبت میں اہل امرتسر
عیاں ہے آپ پر ان کا غم نہاں گاندھی
یقیں ہے گوہر مقصود انکو مل جائے
اگر ہوں آپ حقیقت کے ترجماں گاندھی

---

[1] یادرفتگاں، ص ۳۰۷۔

کچھ ایسی بات کریں اپنی دست گیری سے
جو قید میں ہیں پڑے وہ چھٹیں، اسیری سے

ڈکٹر کچلو کے زمانہ اسیری میں پنڈت جواہر لال نہرو اور سوامی شردھانند وغیرہ جیسے قومی لیڈر تسکین دہی کی خاطر امرتسر میں محترمہ سعادت بانو کچلو سے ملے تھے اسی موقع پر مولانا ابوالکلام آزاد، مفتی کفایت اللہ، مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سبحان الہند مولانا احمد سعید دہلوی رحمہم اللہ امرتسر آئے تھے۔

مشہور صحافی مولانا مظہر علی اظہرؒ بھی امرتسر کے باشندہ تھے، جو مسلکاً شیعہ تھے، آپ کا تعلق مجلس احرار سے تھا، آپ مسلم لیگ کے سخت مخالف تھے۔

اہل قرآن کے سرخیل خواجہ احمد الدینؒ بھی امرتسر کے ساختہ پرداختہ تھے، ام الاحرار بی اماں (والدہ محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی) امرتسر کے اجلاس میں آئی تھیں، مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ ایڈیٹر اہل حدیث امرتسر نے انکی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا تھا جسکے جواب میں ام الاحرار نے حسب ذیل تقریر کی تھی:

''جو تعریف اس سپاسنامے میں میرے اور میرے بیٹوں سے متعلق، ظاہر کی ہے اس کا میں شکریہ ادا کرتے ہوئے عرض کرتی ہوں کہ یہ تعریف ہماری خدمات سے بہت بڑھی ہوئی ہے جو کچھ میں نے اور میرے بیٹوں نے کیا وہ ہمارا فرض ہے، مجھے امید ہے کہ میرے تمام ہندوستانی بچے اپنے فرض کو پہچانیں گے اور غلامی کی زنجیروں کو توڑ پھینکیں گے''۔

۱۹۱۹ء کے امرتسر اجلاس میں مولانا حسرت موہانیؒ بھی شریک ہوئے تھے، اور اسلامیہ ہائی اسکول امرتسر کی، دوسری منزل پر دوسرے سیاسی کارکنوں کی معیت میں مقیم تھے، اور نشاط النساء بیگم (بیگم مولانا حسرت موہانیؒ جو مشہور

مجاہدہ آزادی تھیں) انکے ہمراہ تھیں، ؎۱۔

سر سید احمد خاں صاحب بھی مدرسۃ العلوم (مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کا پرانا نام ہے) کے تعارف اور فراہمی چندہ کے لئے امر تسر آئے تھے، مسلمانان امر تسر نے انکا پر جوش استقبال کیا تھا، سر سید احمد خاں نے اسی موقع پر مسلمانان پنجاب کے جوش وخروش، دادودھش اور جودوسخا سے متاثر ہوکر "زندہ دلان پنجاب" کا خطاب دیا تھا، سر سید احمد خاں نے مسلم اداروں میں تقریریں کی تھیں۔

سید سلیمان ندویؒ بھی امر تسر آئے تھے، انہوں نے لکھا ہے "ڈاکٹر اقبال کی وفات کے بعد جب میرا لاہور جانا ہوا اور ان (مولانا ثناء اللہ امر تسریؒ) کو خبر ہوئی تو مجھے پیغام بھیجا کہ واپسی میں ان سے ملے بغیر نہ جاؤں چنانچہ واپسی میں امر تسر اترا اور انکے پاس دو دن ٹھہرا، اور بہت سی باتیں ہوئیں ؎۲"

امر تسر میں ادبی وثقافتی پروگرام اور مشاعرے بھی ہوتے تھے، یہاں کے گلی کوچوں میں علم وادب کے چرچے تھے، اور محفلیں سجتی تھیں، جہاں کی فضا میں شعر وشاعری کے نغمے گونجتے تھے، اور آزادی وطن کی حمایت ونصرت میں اشعار کہے جاتے تھے۔

۱۹۳۹ء میں امر تسر میں مشاعرہ ہوا تھا، یہ مشاعرہ جنگ میں، انگریزوں کی حمایت کے سلسلے میں رکھا گیا تھا، تاجور نجیب آبادی، جگر مرادآبادی، پنڈت ہری چند اختر، جوش ملسیانی، صوفی غلام مصطفےٰ تبسم، شوکت تھانوی، حفیظ جالندھری، جگن ناتھ آزاد اور جوش ملیح آبادی شریک تھے، جوش نے ڈنکے کی چوٹ پر آزادی کی خوشی میں اور غلامی کے خلاف کلام پڑھا، ابتداء ان دو شعروں سے کی:

؎۱ ہندوستان کی جنگ آزادی میں مسلم خواتین کا حصہ، ص ۵، ضمیمہ آجکل اگست ستمبر ۱۹۸۱ء، ص ۲۸، ؎۲ یادرفتگان، ص ۲۷۳۔

سنو اے ساکنان خاک پستی ندا کیا آ رہی ہے آسمان سے
کہ آزادی کا ایک لمحہ ہے بہتر غلامی کی حیات جاوداں سے

امرتسر کی تعلیمی درسگاہیں بھی قابل ذکر ہیں، یہاں کے ایم، اے، او کالج کا ذکر ضروری ہے، ۵؍جون ۱۹۳۳ء میں سر فیروز خاں لون، (وزیر تعلیم پنجاب) نے اس کا افتتاح کیا تھا۔

۱۹۳۶ء سے اس میں، بی، اے، اور بی ایس سی، کی تعلیم ہوتی تھی، قیام پاکستان تک یہ کالج امرتسر میں رہا، لاہور کے باہر مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کا یہ پہلا کالج تھا۔

مولانا ابو الاعلیٰ مودودی صاحب نے اس کالج میں اپنا مقالہ "اسلام کا نظام سیاسی" پیش کیا تھا۔

۱۹۴۷ء سے پہلے مسلمان امرتسر میں اکثریت میں تھے تقریباً ۶۵؍ فیصد مسلمان تھے، اور خوشحال وبااثر تھے ۴۷ء سے قبل یہاں مسلم لیگ کا غلبہ تھا، مسلم لیگ کے دو قومی نظریئے کی بنیاد پر ملک کا بٹوارا ہوا، تقسیم ملک کے بعد جب امرتسر فرقہ پرستی کی آگ میں جلنے لگا، اور انسانیت مر چکی تو مسلمانان امرتسر، اپنے گھروں سے خالی ہاتھوں نکل پڑے، اور یہ سوچ کر نکلے تھے کہ کچھ ہی دنوں میں حالات سدھر جائیں گے تو اپنے گھروں کو واپس لوٹ آئیں گے، اسی زعم و گمان میں اپنے گھروں کی کنجیاں بھی اپنے ساتھ لے گئے تھے، مگر ان کو کیا خبر تھی کہ انکے گھروں کی کنجیاں انکے پاس رہیں گی، اور ان کے گھروں و مکانوں پر غیروں کے قبضے ہو جائیں گے، اور جو مالکان زندہ و سلامت پاکستان پہنچ گئے تھے، وہ اپنے گھروں کے درودیوار اور اپنی مسجدوں کے بام و در، اور اپنے باغات کے رنگ برنگ پھولوں کی خوشبو کو ترستے رہیں گے، اور اپنے شہر کو دیکھنے کے لئے زندگی بھر تڑپتے

رہیں گے، یہ حقیقت ہے کہ پردیس میں وطن کی یاد بے ریا ہوا کرتی ہے، جب انسان وطن کی یاد میں کھو جاتا ہے، تو کچھ معصوم سا لگنے لگتا ہے، اور تصنع و تکلف کے خول سے یک لخت باہر آجاتا ہے، جس طرح ماں اپنے بچے سے سچی محبت کرتی ہے، اسی طرح غریب الدیار اپنے وطن کی مٹی سے سچا پیار کرتا ہے، اسوقت اسکی وطنی محبت میں ایسی پاکیزگی و خوشبو ہوتی ہے کہ جس پر فرشتوں کو بھی رشک آجاتا ہے، وہ اپنے اجنبی ملک میں اپنے وطن کو کن نگاہوں سے دیکھتے تھے، اس کا تھوڑا بہت اظہار مشہور قلمکار، اے حمید کے ان چند جملوں سے ہو سکتا ہے جو انہوں نے ایک موقع پر سپرد قلم کئے، موصوف امر تسر کے رہنے والے تھے اپنے وطن عزیز کے متعلق لکھتے ہیں کہ :

"امر تسر میرے لئے میرا بچھڑا ہوا یروشلم ہے اور میں اسکی دیوار گریہ ہوں، مجھے امر تسر کا کچھ بھی یاد نہیں آتا، یاد تو اسے آئے جو بھول گیا ہو، امر تسر تو میرے خون میں گردش کر رہا ہے، امر تسر کو دیکھ کر سوتا ہوں اور صبح اٹھ کر سب سے پہلے اسی کا منہ دیکھتا ہوں، چلتا ہوں تو کمپنی باغ میرے ساتھ ہوتا ہے، بیٹھتا ہوں تو سکتری باغ کے درخت مجھ پر سایہ کئے ہوتے ہیں، بولتا ہوں تو مجھے امر تسر کی مسجدوں کی اذانیں سنائی دیتی ہیں، خاموش ہوتا ہوں تو امر تسر کی نہروں کا پانی میرے کانوں کے قریب سے سرگوشیاں کرتے ہوئے گزرتا ہے، اپنے ایک ہاتھ کو دیکھتا ہوں تو اس پر سردراتوں میں اپنے محلے کی گلیاں خوابیدہ دکھائی دیتی ہیں، اپنے دوسرے ہاتھ کو دیکھتا ہوں تو اس پر کمپنی باغ کے سارے پھول، سارے درخت، بہار کی ہوائیں مسکراتے نظر آتے ہیں، پچھلے دنوں ایک دوست امر تسر جانے لگے تو مجھ سے پوچھا کہ تمہارے لئے امر تسر سے کیا لاؤں؟ میں نے کہا میرے لئے کمپنی باغ کا ایک

پھول لے آنا"۔

مشہور صحافی آغا شورش کاشمیری جیل خانہ میں بھی امرتسر کے گلی کوچوں کو یاد کرتے تھے، انہوں نے زنداں سے اپنے صحافی دوست عبداللہ ملک کو ایک دردناک خط لکھا تھا، جس میں ان سے التجا کی تھی کہ:

"جب امرتسر جاؤ تو وہاں کی شگفتہ راہوں اور جواں گلیوں کو میرا سلام کہنا"

۱۹۸۱ء کی مردم شماری کے مطابق امرتسر کی دیہی آبادی ۱۴,۵۳,۳۰۱ ر تھی، اور شہری آبادی ۷,۱۷,۱۳,۰۷۷ ر تھی، جس میں مسلمانوں کی تعداد بمشکل ۱۰ ر ہزار ہوگی، وہ بھی باہر سے آئے ہوئے ہیں، اور زیادہ تر محنت کش لوگ ہیں، البتہ بعض مسلم تاجر بھی ہیں، مثلاً جناب انوار الھدیٰ صاحب چمڑے کے مشہور تاجر ہیں، اور قومی وملی کاموں میں پیش پیش رہتے ہیں، راقم الحروف کے دورۂ امرتسر کے دوران موصوف نے بڑی رہنمائی کی تھی، اور یہاں کی مساجد واوقاف کے متعلق معلومات فراہم کی تھیں۔

امرتسر میں ۱۰۰ ر مسجدیں ہیں، جن میں سے اب صرف ۱۳ ر آباد ہیں، اور ۱۵ ر مسجدوں میں گوردوارے ہیں، ۱۰ ر مسجدوں میں مندر بنے ہیں، اور باقی مسجدیں بطور رہائشگاہ استعمال ہوتی ہیں۔

امرتسر کی مقبوضہ مساجد واوقاف کے سلسلے میں ۵۰ ر مقدمات عدالتوں میں زیر سماعت ہیں، جن میں قبرستان تکیئے وغیرہ شامل ہیں، ایک قبرستان "لوپوکے" میں ہے، جس میں سرکاری ہسپتال ہے، جس کے خلاف ۱۹۹۰ء میں ایک مقدمہ دائر کیا گیا تھا، ۱۹۹۱ء میں فیصلہ بورڈ کے حق میں ہوا، جس کے خلاف ہسپتال والوں نے ھائی کورٹ میں اپیل کی ہے۔

بانی مسجد

مسلمانان امرتسر کی سب سے بڑی سجدہ گاہ وعبادت گاہ مسجد خیر الدین ہے، جو ہال بازار میں واقع ہے، یہ مسجد ۱۲۹۴ء میں تعمیر ہوئی ہے، جس کے بانی شیخ خیر الدین تھے، جو امرتسر میں برطانوی دور حکومت میں ضلع مجسٹریٹ تھے، شیخ اصلاً ترن تارن کے باشندہ تھے، ان کے نام پر وہاں ایک گاؤں بھی ہے، جو "خیر دین" کے نام سے مشہور ہے، خود امرتسر میں مسجد خیر الدین کے جنوب دروازہ کی طرف ایک علاقہ ہے، جو محلّہ خیر الدین کہلاتا ہے، شیخ خیر الدین کے صاحبزادے شیخ عزالدین تھے، جو امرتسر میں سب جج کے منصب جلیلہ پر فائز رہے ہیں، مسجد خیر الدین کے صحن کے ایک گوشے میں آسودہ راحت ہیں۔

"سر سید احمد خاں کا سفر نامۂ پنجاب" میں مسجد خیر الدین اور اسکے بانی کے متعلق مرقوم ہے کہ:

"دوسری مسجد شیخ خیر الدین صاحب آنریری مجسٹریٹ امرتسر نے بنائی ہے، پہلی مسجد سے بھی عمدہ ہے، ۱۲۹۴ھ میں تیار ہوئی ہے اور چالیس پچاس ہزار روپے سے کم اس پر صرف نہ ہوا ہوگا اسکی تاریخ یہ ہے"

جزاك الله فى الدارين [1]

سر سید احمد خاں ۲۵/ جنوری ۱۸۸۴ء میں امرتسر آئے تھے، یہاں کی تاریخی عمارتوں کو خاص طور پر مسجد خیر الدین کو دیکھا، اس مسجد کی صناعی ومینا کاری اور اسکی وسعت وکشادگی سے متاثر ہوئے تھے۔

فارسی کتبہ

مسجد خیر الدین کا موجودہ دروازہ ہال بازار کی طرف ہے، جو قدیم طرز کا عکاس ہے، جس کی پیشانی پر۔

---

[1] سر سید احمد خاں پنجاب میں، ص ۸۲،

افضل الذکر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ
المومن فی المسجد کاالسمک فی الماء و المنافق
فی المسجد کا لطیر فی القفص

اسکے نیچے یہ فارسی قطعۂ تاریخ منقوش ہے۔

زہے مسجد کہ خیر الدین بنا کرد   بشارت ساجدان نیک پے را
شفیع از بہر تاریخش رقم زد   جزاک اللہ فی الدارین خیرا

۱۲۹۴ھ

قرآنی آیات اور احادیث اور فارسی کتبے مسجد کی پیشانی پر بھی بخط نستعلیق موجود ہیں، ان کتبوں کی رعنائی و دلاویزی بھی قابل دید ہے، صدر دروازہ کے ملحق اندرونی حصہ میں بائیں ہاتھ پر ایک حجرہ ہے حجرہ کے فوقانی حصہ میں موجودہ امام مولانا حامد حسین صاحب میواتی کا رہائشی حجرہ ہے، موصوف دار العلوم دیوبند کے فارغ التحصیل اور پنجاب وقف بورڈ کے امام ہیں، انہوں نے اس مسجد کے احاطہ میں ایک مدرسہ بھی قائم کیا ہے، جس میں کچھ مقامی اور کچھ بیرونی طلباء زیر تعلیم ہیں، مسجد کو آباد کرنے کے لئے مدرسہ کا قیام ضروری ہے، مولانا لائق تحسین کام کر رہے ہیں۔

صحن

مسجد خیر الدین کا صحن ۹۳/ فٹ لمبا اور ۵۵/ فٹ چوڑا ہے، جسکا فرش جدید طرز تعمیر کا عمدہ نمونہ ہے، صحن کے شروع میں ۲۲/ فٹ ۶/ انچ مربع، حوض ہے، جس میں صاف شفاف پانی بھرا رہتا ہے، جس سے مصلیان مسجد وضو کرتے ہیں، یہ حوض قدیمی معلوم ہوتا ہے، ۲۸/ فٹ ۶/ انچ کا وضو کرنے کے لئے چبوترہ ہے۔

در

مسجد خیر الدین کے ۵/ محرابی در ہیں، جن کے اوپر لکڑی کے شاندار دروازے لگے ہوئے ہیں، درمیانی دروازہ ۷/ فٹ اور ۸/ انچ ہے، ان ہی محرابی دروں کی روکار پر قرآنی آیات اور احادیث اور اسماء حسنٰی جلی حروف میں لکھے ہوئے ہیں، جو بڑے پرکشش وجاذب نظر ہیں کسی ماہر فن خطاط نے اپنے فن خطاطی کا بھرپور مظاہرہ کیا ہے، کاش کہ خطاط مذکور کا نام کندہ ہوتا، یہ سچ ہے کہ خطاط اور فنکار گمنام مرتا ہے، مگر اس کا فن سدا زندہ رہتا ہے، اور ہر آنے والے شخص سے خراج تحسین وصول کرتا ہے فن اور کمال اسی کو کہتے ہیں۔

اندرون مسجد

صحن اور محرابی دروں کے بعد اندرونی مسجد شروع ہوتی ہے، جس کو اصطلاح فن تعمیر میں "بیت الصلوٰۃ" کہا جاتا ہے، اندر سے مسجد ۲۶/ فٹ لمبی اور ۱۷ فٹ ۲/ انچ چوڑی ہے، اس کا فرش عمدہ ہے، تین زینوں کا خوشنما منبر ہے، مسجد کی دیواروں میں عمدہ نفیس نقاشی کی گئی ہے، جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے، بانی مسجد کو اللہ تعالیٰ جنت الفردوس میں داخل فرمائے، جس نے بڑے خلوص و جذبۂ صادق کے ساتھ تعمیر کی ہے، بانی مسجد کا خلوص ہی ہے کہ ۱۹۴۷ء کے حوادث کے تھوڑے عرصے کے بعد ۶۴-۱۹۶۵ء میں آباد ہو گئی تھی، اب انشاء اللہ صبح قیامت تک آباد رہے گی، بندگان خدا، رب العالمین کے سامنے سجدہ ریز ہوتے رہیں گے، اور اپنے اعمال صالحہ ودعاء مستجاب کے ذریعہ بانی مسجد کے درجات کو بھی بلند کرتے رہیں گے اللہ تعالیٰ موجودہ اور آنے والی نسل کو بھی بانی مسجد کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطاء فرمائے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ مسجد خیر الدین میں ۳۰۰۰/ ہزار نمازیوں کی گنجائش

ہے، یہ مسجد گزٹ ہے اور پنجاب وقف بورڈ کے زیر انتظام ہے، مسجد کی کچھ وقف دکانیں بھی ہیں۔

گنبد

مسجد خیر الدین کے تین گنبد ہیں، درمیانی گنبد نہایت ہی عالیشان ہے اور دائیں بائیں کے گنبد قدرے چھوٹے ہیں، ان تینوں گنبدوں کے کلس موجود ہیں انکے علاوہ چار مینار بھی ہیں، ان میں دو مینار بڑے اور دو چھوٹے ہیں، ان میناروں میں چھوٹی چھوٹی برجیاں ہیں جن میں محرابیں بنی ہوئی ہیں، اور یہ سب صحیح وسالم ہیں۔

مدرسہ عربیہ مسجد خیر الدین

مسجد خیر الدین میں مدرسہ عربیہ کے نام سے ایک دینی درسگاہ بھی قائم تھی، جس میں دینی تعلیم دی جاتی تھی، مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مدرسہ مسجد خیر الدین میں تعلیم حاصل کی تھی، اور ایک عرصہ تک بسلسلہ حصول علم یہاں مقیم رہے ہیں۔

آپ کے سوانح نگار لکھتے ہیں کہ :

"سید عطاء اللہ شاہ کے والد کا نام سید ضیاء الدین بخاری تھا، جو اپنے والد کے ہمراہ پٹنہ سے اپنے وطن موضع ناگڑیاں ضلع گجرات پنجاب آئے، ناگڑیا میں کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد امرتسر کی جامع مسجد خیر الدین کے مدرسہ میں دینی تعلیم کے حصول کے لئے آئے، اور ایک عرصہ تک تعلیم حاصل کرتے رہے"۔[۱]

اس مدرسہ کے دوسرے طلباء اور فارغین کے ناموں کا علم نہیں ہو سکا،

---

[۱] (سوانح حیات سید عطاء اللہ شاہ بخاری مولفہ حبیب الرحمٰن خاں) (کابلی) ۱۹۶۰ء ہندوستانی کتب خانہ ریلوے روڈ لاہور۔

البتہ یہ بات ضرور ہے کہ یہاں ایک قدیم مدرسہ تھا، ۱۹۴۷ء میں ختم ہو گیا تھا، اس وقت یہ مدرسہ مسلک حنفیت کا گڑھ تصور کیا جاتا تھا، یہاں بڑے علمأ و فضلا درس و تدریس کے فرائض انجام دیتے تھے، ویسے بھی کبھی امرتسر علمأ کا شہر تھا، اور لاہور صوفیا کا مرکز تھا۔

آجکل مسجد خیر الدین میں ایک دینی درسگاہ قائم ہے، جس کے روح رواں مولانا حامد حسین صاحب میواتی ہیں، جو دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل اور مخلص و محنتی نوجوان عالم ہیں، آپ پنجاب وقف بورڈ کی طرف سے امام و خطیب مقرر ہیں۔

مسجد خیر الدین اور تحریک آزادی وطن

دوسرے صوبوں اور ضلعوں کی طرح صوبہ پنجاب اور ضلع امرتسر میں بھی تحریک استخلاص وطن کا زور تھا، پنجاب میں خاص طور پر امرتسر میں بڑے بڑے مجاہد آزادی پیدا ہوئے ہیں، ان مجاہدین آزادی کا مرکز مسجد خیر الدین تھی، مسجد خیر الدین میں تحریک آزادی وطن کے سلسلے میں اجتماعات ہوا کرتے تھے، اسی مسجد سے انگریزوں کے مظالم کے خلاف آواز بلند کی جاتی تھی، مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، مولانا ظفر علی خاں ایڈیٹر زمیندار، شورش کاشمیری ایڈیٹر چٹان، مولا مظہر علی اظہر اور مولانا ثناء اللہ امرتسری کی تقریریں ہوا کرتی تھیں، اسکے علاوہ مفتی کفایت اللہ مفتی اعظم ہند، امام الہند مولانا ابو الکلام آزاد اور مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلوی اور شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمھم اللہ بھی تشریف لایا کرتے تھے، اور اسلامیان امرتسر سے خطاب کیا کرتے تھے، اور انہیں آزادی کیلئے قربانیاں دینے کی ترغیب دلایا کرتے تھے۔

مسجد خیر الدین میں
مسلم لیگ کے بھی اجتماعات ہوا کرتے تھے، اور اس میں مسلم لیگ کے قائدین تقریریں کرتے تھے، مسلم لیگ کے قائدین میں شیخ صادق حسن، مولوی سراج الدین پال، میر انور سعید محمود، ملک غلام نبی، شیخ عنایت اللہ پال، خواجہ غلام نبی لیڈر، خواجہ محمد رفیق شہید، میاں محمد امین پراچہ، غازی عبداللہ خاں اور خواجہ امیر الدین قابل ذکر ہیں، انہوں نے حصول آزادی وطن کے لئے بڑی قربانیاں دی ہیں۔

سرائے جدید

مسجد خیر الدین کے جوار میں سرائے جدید تھی، جسکے بانی خاں بہادر خاں محمد شاہ خاں صاحب مرحوم تھے، اس سرائے کے متعلق سر سید احمد خاں کے سفر نامۂ پنجاب میں حسب ذیل تفصیل مذکور ہے:

"امرتسر میں مسافروں کے ٹھہرنے اور آرام پانے کیلئے کوئی سرائے نہیں تھی، خان بہادر محمد شاہ خاں صاحب نے اپنی فیاضی سے ۱۲۹۴ھ میں شیخ خیر الدین کی مسجد کے قریب ایک عمدہ اور پختہ سرائے بنائی ہے، جس پر پچاس ہزار روپیہ صرف ہوا ہے، یہ تینوں عمارتیں [1] سوا لاکھ، ڈیڑھ لاکھ کے خرچ سے بنی ہیں، جنکے تین شخص بانی ہیں، اس تذکرے

---

[1] سر سید احمد خاں بانی مسلم یونیورسٹی علی گڈھ نے امرتسر کی مسجد خان بہادر میاں جان محمد، مسجد شیخ خیر الدین اور سرائے جدید (بانی خان بہادر خاں محمد شاہ مرحوم) کو دیکھا تھا، اور اسی موقع پر فرمایا تھا کہ یہ عمارتیں مسلمانوں کے مدرسے ہوتے تو کیا عمدہ بات ہوتی، سفر نامہ پنجاب، ص ۸۳، سر سید احمد خاں کی یہ رائے انتہا پسندی پر مبنی ہے، (قاسمی)

سے مقصد یہ ہے کہ مسلمان اب بھی بہت کچھ فیاضی کرتے ہیں، مگر اس بات پر کم خیال کرتے ہیں، کہ مسلمان کو در حقیقت کس امر کی ضرورت ہے لہ"

سرائے مذکور کے متعلق تحقیق کی ضرورت ہے کہ یہ سرائے آج کل کس پوزیشن میں ہے، راقم الحروف تنگی وقت کی بنا پر اس سرائے کا معائنہ نہیں کرسکا، جس کا افسوس ہے، مرتب "سفر نامۂ پنجاب" کے بیان کے مطابق یہ کوئی بہت بڑی سرائے ہے، جو قومی وملی سرمایہ کی حیثیت رکھتی ہے، اس کی تحقیق از حد ضروری ہے، امید ہے کہ پنجاب وقف بورڈ کے ذمہ داران اس امر کی طرف خصوصی توجہ کریں گے۔

سرائے آغاخان

پنجاب وقف بورڈ کے مقامی ذمہ داروں کے بیان کے مطابق یہ سرائے مال روڈ پر واقع ہے، Intelligence Bureau, (IB)، نواب آغا خاں نے سرائے کے لئے تقریباً ۶۰۰ / بیگھ زمین وقف کی تھی، اور وصیت نامہ میں بھی لکھ دیا تھا، جو وصیت نامہ پنجاب وقف بورڈ کے پاس موجود ہے، اسی وقف نامہ کی بنیاد پر ناجائز قابضین کے خلاف مقدمہ کیا گیا ہے، مذکورہ بالا وقف زمین میں سے ۵۰۰ / گز زمین پنجاب سرکار نے اکوائر کرلی ہے، جو افسوسناک معاملہ ہے، اوقاف کی تباہی وبربادی میں مرکزی حکومت اور صوبائی حکومتوں کا بھی دخل رہا ہے، اکثر وبیشتر وقف زمینوں پر سرکاری قبضے ہیں، جنکے خلاف منظم تحریک چلانے کی سخت ضرورت ہے۔

لہ سفر نامۂ پنجاب ص ۸۳

جامع مسجد جان محمد امرتسر

امرتسر کی سب سے قدیم و تاریخی یادگار جامع مسجد، جان محمد ہے، جو بال بازار میں واقع ہے، یہ مسجد ۱۲۸۹ء میں تعمیر ہوئی تھی، کہا جاتا ہے کہ یہ امرتسر کی سب سے پرانی مسجد ہے جس کے چھ سال بعد مسجد خیر الدین کی داغ بیل ڈالی گئی تھی، گو آج مسجد خیر الدین ہی زیادہ مشہور ہے، اس میں اس مسجد کی وسعت و کشادگی کا زیادہ دخل ہے۔

مسجد جان محمد کے مؤسس و بانی خاں بہادر میاں محمد جان مرحوم تھے، جو امرتسر کے بڑے رئیس اور کمشنر تھے، انگریزوں نے انکی صلاحیت و خدمت کے صلہ میں خان بہادر کا خطاب دیا تھا، جو عہد برطانوی میں بڑا اعزازی خطاب تھا۔

بعض لوگوں کا بیان ہے کہ آپ اصلا بٹالہ کے رہنے والے تھے، مگر امرتسر میں کمشنر ہونے کی وجہ سے یہیں مستقل طور پر رہائش پذیر ہو گئے تھے، امرتسر میں گلی جان محمد بھی ہے، جو آپ کے نام سے موسوم ہے، اس کے علاوہ یہاں کئی محلے آپ کے نام سے منسوب ہیں۔

سفر نامہ پنجاب میں مسجد مذکور کے بارے میں بہ تفصیل مذکور ہے کہ :

"پہلی مسجد خان بہادر میاں محمد جان مرحوم نے بنائی، جو امرتسر میں رئیس اور آنریری مجسٹریٹ تھے، مسجد عمدہ اور پختہ ہے، بیس تیس ہزار روپے کے خرچ میں بنی ہو گی، ۱۲۸۹ء میں تعمیر ہوئی ہے، اور اس کے بننے

کی تاریخ یہ ہے"

کتبہ اول

"عبادت خانۂ دین محمد[۱]"

مسجد جان محمد کی عمارت عالیشان وپر شکوہ ہے، مگر اس کا صدر دروازہ کوئی خاص جاذب نظر نہیں، دکانوں اور مکانوں سے ایک حد تک چھپ گیا ہے، البتہ اسکی پیشانی پر قطعہ تاریخ نصب ہے، جس میں بنا کے ساتھ ساتھ بانی مسجد کا ذکر بھی موجود ہے، لوح دیوار پڑھیئے :

جان محمد مسجد امرتسر

محمد جاں چوں ایں مسجد بنا کرد　　پئے تاریخ معمار خرد گفت
اساس دین و آئین محمد　　عبادت خانہ دین محمد

۱۲۸۹ھ

مسجد کی عمارت دو منزلہ ہے، جس کے بالائی حصہ میں داخل ہونے کیلئے ۱۹/ سیڑھیوں کا (۸/ فٹ ۷/ انچ کا کشادہ) راستہ طے کرنا پڑتا ہے، تب مسجد میں داخل ہونا ممکن ہوتا ہے، مسجد کے نچلے حصے کے کنارے ہی ۱۶/ وقف دکانیں ہیں، فوقانی حصہ میں مسجد ہے، اور کافی بلندی پر ہے، یہ مسجد لکھوری اینٹوں کی بنی ہوئی ہے، جس کی بنیاد نہایت ہی پختہ ہے، صحن مسجد میں پہلے اینٹوں کا کھرنجہ تھا، اب فرش صحن، سیمنٹ کا بنا ہوا ہے، اور عمدہ ہے، پنجاب وقف بورڈ کی طرف سے فرش کی مرمت و تزئین کی گئی ہے۔

صحن ۵۷/ فٹ ۳/ انچ لمبا اور ۴۰/ فٹ چوڑا ہے، صحن کے جنوبی حصہ میں کنواں ہے، اس کے شمالی جانب ایک احاطہ میں محمد جان مرحوم اور انکی اہلیہ کے

---

[۱] سرسید احمد خاں پنجاب میں، ص ۸۲،

دو مزار بھی ہیں، ان پر چھت نہیں ہے، اور دروازہ سے ملحق دائیں طرف امام کا حجرہ ہے۔ صحن کی قدیم پختہ چہار دیواری ہوئی ہے۔

کتبہ ثانی

مسجد جان محمد کی محرابی دیوار لاجواب ہے، جس پر اعلی درجہ کی نقاشی و منبت کاری اور صناعی کی گئی ہے، جس سے اسکے تعمیری حسن کی رعنائی نکھر آئی ہے، مسجد تو لکھوری اینٹوں کی بنی ہے مگر یہ محرابی دیوار سنگ سرخ کی ہے جس کی پیشانی پر دائیں بائیں طرف اسمائے حسنیٰ اور حسب ذیل کلمات طیبات، بخط نستعلیق منقوش ہیں۔

سبحان ربی العظیم سبحان ربی الاعلیٰ

افضل الذکر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

بانی مسجد ربانی بندہ درگاہ یزدانی محمد جان عفی عنہ ۱۲۸۹ھ

بام و در

اس مسجد کے تین محرابی در ہیں، وسطی در، قدرے کشادہ ہے، اور تین ہی عالیشان گنبد ہیں، وسطی گنبد بڑا اور دائیں بائیں کے قدرے چھوٹے ہیں، ان تینوں گنبدوں کے سنہرے کلس بڑے خوشنما و دلآویز ہیں، کہا جاتا ہے کہ یہ کلس سونے کے ہیں، راقم الحروف کا خیال ہے کہ ان پر سونے کی پالش کی گئی ہے، آج بھی ان میں سونے جیسی چمک دمک نظر آتی ہے۔

۱۹۴۷ء کے خوں آشام فسادات کے دوران اس تاریخی مسجد کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی گئی تھی، شر پسند عناصر نے دوران کشت و خون اس مسجد کے ایک گنبد سے سنہرا کلس نکال لیا تھا، اتفاق سے ایک افغانی نے کلس کو نکالتے ہوئے دیکھ لیا ، افغانی نے فوراً شر پسندوں پر گولی چلائی، جس کے نتیجہ میں کلس نکالنے

والا غیر مسلم موقع پر ہلاک ہو گیا، دوسرے فسادی کلس کو لیکر بھاگ گئے تھے۔

اس مسجد میں چار مینار ہیں، جن میں دو نہایت ہی بلند و مرتفع ہیں، مشرقی دیوار پر چھوٹے چھوٹے دو مینار بھی تھے، جو شہید ہو گئے ہیں۔

اندرون مسجد

مسجد جان محمد ۵۲/ فٹ ۵/ انچ لمبی اور ۱۷/ فٹ ۴/ انچ چوڑی ہے، جس میں چار روشندان ہیں، تین سیڑھیوں کا ایک خوشنما منبر ہے، مسجد کا فرش پختہ اور عمدہ ہے، اندورون مسجد بھی نقاشی کی گئی ہے جو بہت ہی بھلی معلوم ہوتی ہے، اور بانی مسجد کے تعمیری ذوق کی نشاندہی کرتی ہے۔

مولانا ثناء اللہ امرتسری کی امامت و خطابت

ابو الوفاء مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی مسجد میں نماز جمعہ پڑھاتے تھے، اس میں انکی اصلاحی ودعوتی تقریریں ہوتی تھیں، حضرت مولانا امرتسریؒ نے قادیانیوں سے اسی مسجد میں کئی مرتبہ مناظرہ کیا ہے۔

مولانا ثناء اللہ امرتسری کا کتب خانہ لاہوری گیٹ کٹرہ سفید میں تھا، آپ کا رہائشی مکان بھی اسی کٹرہ میں تھا، جو مسجد جان محمد سے ایک میل کے فاصلہ پر جنوب میں واقع ہے، اب وہاں غیر مسلموں کی دوکانیں ہیں۔

مسجد جان محمد میں ۱۹۴۷ء میں بھی نماز بند نہیں ہوئی تھی، کیونکہ اس میں کشمیری مسلمان رہتے تھے، ان کی وجہ سے مسجد آباد رہی، یہ مسجد گزٹ ہے، اور پنجاب وقف بورڈ کے زیر انتظام ہے۔

موجودہ امام بورڈ سے مقرر ہیں، امام صاحب کا نام راقم الحروف کی ڈائری میں درج نہ ہو سکا تھا، اور راقم الحروف کے حافظہ میں محفوظ نہیں ہے، جسکا افسوس ہے۔

امرتسر میں مسلم لیگ کا بڑا زور و غلبہ تھا، آئے دن جلوس نکلتے رہتے تھے

اور جلسے ہوتے تھے ،پاکستان کے حق وحمایت میں نعرے بلند کیئے جاتے تھے ، مظاہرین کے آئے دن احتجاج وجلوس سے حکومت بوکھلا گئی تھی ،ایک روزاسلامیان امر تسر کا جلوس منتشر کرنے کیلیے پولیس نے مظاہرین پر سنگدلانہ لاٹھی چارج کیا،جس کے نتیجے میں مسلمانان امر تسر بھاری تعداد میں زخمی ہوئے اور گرفتار کئے گئے ،اس ظلم اور تعدی کے خلاف شہر میں غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی ،اگلے روز امر تسر کی طالبات اور خواتین نے مشہور مسلم لیگی قائد شیخ صادق حسن مرحوم کے خاندان کی مستورات کی قیادت میں ایک زبردست احتجاجی جلوس نکالا ،یہ جلوس ایسا منظم اور مربوط تھا ،کہ امر تسر کی تاریخ میں طالبات وخواتین کا ایسا جلوس کبھی نہیں نکلا تھا ،یہ جلوس ہزاروں برقعہ پوش خواتین وطالبات پر مشتمل تھا۔

اس جلوس میں سب سے آگے برقعہ پوش خاتون نے مسلم لیگ کا جھنڈا اٹھار کھا تھا ،اس کے پیچھے کالی جھنڈیاں اٹھائے ہوئے طالبات ،پولیس راج مردہ باد ، وغیرہ فلک شگاف نعرے لگا رہی تھیں ،دوسری طرف ڈپٹی کمشنر ایڈیسن اور انگریز سپرنٹنڈنٹ پولیس رابنسن نے پورے حفاظتی انتظامات مکمل کرر کھے تھے ، جب خواتین کا جلوس مسجد جان محمد ہال بازار کے پاس پہنچ گیا تو ایس پی رابنسن مزاحم ہوااور جلوس کو منتشر کرنے اور روکنے کی پوری کوشش کی ایس پی رابنسن نے اپنی بغل سے ہنٹر نکالا اور عورت کے ہاتھ پر زور سے مارا تاکہ اس کے ہاتھ سے مسلم لیگ کا پرچم گر جائے ، مگر وہ عورت بھی بہت ہی بہادر تھی خود زخمی ہو گئی ، مگر پرچم کو سرنگوں ہونے نہیں دیا۔

پھر اسی دوران رابنسن جب دوبارہ حملہ کرنے والا تھا ایک مسلم لیگی کارکن ایاز محمود نے ایک پولیس والے سے لاٹھی چھین لی اور لاٹھی سے رابنسن

کے سر پر زور سے مارا جس سے اس کی کھوپڑی کی ہڈی ٹوٹ گئی، اور رابنسن ہمیشہ ہمیش کیلئے ناکارہ ہو کر رہ گیا۔

مسجد نور، امرتسر

امرتسر کی تیسری تاریخی مسجد نور ہے، جو محلہ سبزی منڈی کی گنجان و گھنی آبادی میں ہے، جس کی تاریخ تعمیر، ۱۳۴۸ھ ہے، مسجد کے بانی حضرت مولانا نور محمد صاحب، (مفتی امرتسر) تھے، آپ کے والد کا نام حبیب الرحمٰن تھا، حضرت مولانا مفتی نور محمد صاحبؒ کے متعلق مولانا عبدالحی الحسنی صاحب لکھنوی نے اپنی مشہور تصنیف نزھۃ الخواطر میں لکھتے ہیں:

"وھورجل صالح متین الدیانۃ، لم یزل مشتغلا بالتذکیر والتدریس، لقیتہ غیر مرۃ ببلدۃ أمرتسر [ومن مآثرہ طبع رسائل الامام الربانی الشیخ احمد بن عبد الاحد السرہندی بتصحیح وتنقیح وتخریج للأحادیث وحواش مفیدۃ وبخط واضح جمیل، مات لثلاث عشرۃ خلون من شعبان ستۃ ثمان واربعین وثلاث مأۃ والف فی امرتسر، ودفن بجوار "مسجد نور" ۱]

مولانا نور محمد صاحب، جید عالم دین اور بلند پایہ مفتی تھے، آپ ایک تجربہ کار مدرس بھی تھے، آپکے مایہ ناز تلامذہ میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مفتی نعیم الدین لدھیانوی، مولانا حفیظ اللہ رحمھم اللہ تھے، آپ مولانا داؤد غزنویؒ کے بھی استاد تھے، مولانا داؤد غزنویؒ مشہور مجاہد آزادی اور جمیعۃ علماء ہند کے ممتاز قائد تھے، آپ لاہور میں مقیم تھے آج بھی وہاں آپ کا خاندان آباد ہے۔

---

۱ الجز الثامن من نزہۃ الخواطر صفحہ ۵۰۳

کتبہ

مسجد نور پر حسب ذیل کتبہ نصب ہے۔

بناکردہ، حضرت مولانا نورمحمد الحاج مفتی امرتسر نوراللہ
مرقدہ الشریف

تاریخ بناء مسجد نور ۱۳۴۷ھ

سال اختتام مسجد نور وسال وفات حضرت مولانا مرحوم
بانئی مسجد ہذا

قد دخل الجنة مولانا یعنی ۱۳۴۸ھ

مسجد کا اصل دروازہ مشرق میں ہے، جو نہایت ہی مضبوط وپائیدار ہے، دوسرا دروازہ شمال میں ہے، اور ایک دروازہ اسی سے متصل ہے، اول الذکر دونوں دروازے کھلے رہتے ہیں، اور آخر الذکر دروازہ بند رہتا ہے، مسجد نور تین درکی ہے، اور درمیان میں کوہان نما مینار ہے، ۲۹/ سیڑھیوں کا زینہ مسجد کے اوپر جانے کا ہے یہ مسجد ۲۳/ فٹ لمبی اور تقریباً ۲۸/ فٹ چوڑی ہے، صحن، سنگ مرمر، کا نہایت مضبوط وشاندار ہے، جس کی پیمائش نہ ہو سکی، سنگ مرمر کا تین سیڑھیوں کا منبر، نہایت مضبوط وخوشنما ہے جس پر۔

"بناکردہ ! الیس محمد الدین" لکھا ہے،

مسجد نور سے ملحق وقف جائیداد ہے جو کرایہ پر ہے، بورڈ کرایہ وصول کرتا ہے۔

سنہ ۱۹۴۷ء کے بعد اس مسجد میں گوردوارہ تھا، جس کے انخلاء کے لئے مولانا ابو الکلام آزادؒ نے وزیر اعلی پنجاب کو خط لکھا تھا، مولانا آزادؒ کی کوششوں سے یہ مسجد خالی ہوئی تھی۔

پنجاب کے مشہور عالم دین اور مجاہد آزادی مولانا خلیل الرحمٰن لدھیانویؒ نے بھی اس مسجد میں امامت کی ہے، مولانا لدھیانویؒ کا بیان ہے کہ اس مسجد میں کوئی مدرسہ بھی تھا، راقم الحروف نے اس مسجد کا معائنہ کیا ہے، راقم الحروف کا بھی خیال ہے کہ یہاں کوئی مدرسہ ضرور رہا ہوگا، یہ مسجد گزٹ ہے اور پنجاب وقف بورڈ کے زیر انتظام ہے اور آباد ہے، اس میں زیادہ تر کشمیری لوگ نماز پڑھتے ہیں اور وہی اس کے حجروں پر قابض ہیں۔

مسجد درگاہ مانکپور

مانکپور صوبہ پنجاب کا ایک مشہور مذہبی مقام ہے، جو انبالہ سے ۷۵ ار کلو میٹر کے فاصلے پر جنوب شمال میں واقع ہے، ۱۹۴۷ء کے پر فتن دور میں یہاں مسلمانوں کی اکثریت تھی، ۱۹۴۷ء کے بعد انتقال آبادی کی وجہ سے مانکپور مسلمانوں سے خالی ہو گیا، اسکے بعد درگاہ کے تحفظ وبقاء کا مسئلہ، بڑا نازک ہو گیا تھا۔

مگر ۱۹۴۷ء کے پر آشوب دور میں اس پر کوئی آنچ نہیں آئی، حالانکہ یہاں دوسری مساجد واوقاف پر بے تحاشا ناجائز قبضے ہوئے ہیں، اس درگاہ کی اہمیت کے پیش نظر مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ بھی تشریف لائے تھے، اور یہاں کے مجاورین وخدام کی حوصلہ افزائی کی تھی۔

راقم الحروف جب مانکپور میں داخل ہوا تو دیکھا کہ ایک عمارت کی دیوار پر "محمد رمضان خاں" کا کتبہ نصب ہے، خیال ہوا کہ شاید کسی مسلمان کا مکان ہو گا، راقم الحروف کے رفیق سفر نے اس مکان کے دروازہ پر دستک دی، آواز سنکر ایک شخص گھر سے باہر آیا، اور کہنے لگا کہ شاید آپ نے اردو میں لکھا ہوا دیکھ کر کسی مسلمان کا گھر تصور کیا ہے، حالانکہ یہاں اب کوئی مسلمان نہیں رہتا، یہ جملہ سنکر قلبی رنج ہوا، اسکے بعد پھر دوسری عمارت کو دیکھنے کی ہمت نہ ہو سکی درگاہ کی طرف واپس آگیا۔

مرکزی دروازہ

درگاہ کا مرکزی دروازہ اتنا عظیم ہے، کہ عہد مغلیہ کے کسی قلعہ کا باب الداخلہ معلوم ہوتا ہے، یہ باب خالص مضبوط لکڑی کا بنا ہوا ہے، جس میں پیتل کی میخیں پھولدار لگی ہوئی ہیں، باب الداخلہ کی دیوار میں نیچے سے اوپر تک اعلیٰ قسم کی پھول پتیاں بنی ہوئی ہیں، اور اسکے دونوں طرف بواب (دربان) کے لئے حجرے موجود ہیں، اور انہی حجروں کے کناروں میں اوپر جانے کے لئے دونوں طرف زینے ہیں۔

یہ باب الداخلہ تین منزلہ ہے، اور ہر منزل میں دونوں جانب تین تین در کی ایک ایک ڈیوڑھی ہے، آخری منزل کی چھت پر سہ دری ہے، اور اس پر برج نما گنبد ہے، باب الداخلہ کی بلندی تقریباً ۸۰ / فٹ ہوگی۔

درگاہ

صدر دروازہ کے سامنے احاطہ میں ایک عظیم الشان مقبرہ ہے، جو ۴۱ / فٹ ۴ / انچ مربع ہے، جسکے چاروں طرف ۱۲ / محرابی در ہیں اور ۸ / مینار ہیں، اسکے اوپر ایک گنبد ہے، جو نہایت ہی مرصع ہے، چبوترہ کا فرش بھی نہایت ہی پختہ سنگ موسی اور کتالی پتھر کا بنا ہوا ہے، اور بہت ہی وسیع و عریض ہے۔

درگاہ کی دیوار پر ایک کتبہ ہے، جس میں "حضرت حافظ محمد موسیٰ صاحب چشتی صابریؒ محبوب الٰہی" لکھا ہوا ہے، اس کے برابر میں "حضرت پیرے شاہ پہلے خلیفہ صاحبؒ" لکھا ہوا ہے، درگاہ کی عمارت میں ہرے رنگ کا پینٹ ہے، اس مقبرہ کے علاوہ احاطہ درگاہ کے اندر اور بھی متعدد مزارات ہیں، درگاہ کی چہار دیواری کا اندرونی رقبہ ۲۵ / بیگھ ہے، اور درگاہ کے نام ۹۱۲ / بیگھ وقف اراضی ہے، درگاہ کے بانی محمد شاہ مرید خاص حافظ محمد موسیٰؒ تھے، اور یہ مقبرہ حافظ محمد موسیٰؒ کا ہے، جن کا ایک بہت بڑا حلقہ پاکستان میں ہے، حافظ صاحب کے حالات سے زیادہ

واقفیت نہ ہو سکی، البتہ "باغ انبیائے پنجاب" نامی کتاب میں آپکا ذکر کچھ اس طرح ملتا ہے حضرت حافظ جی محمد موسیٰ صاحب چشتی صابری قصبہ بہلول پور ضلع لدھیانہ میں پیدا ہوئے، آپ سید محمد اعظم صاحبؒ کے مرید اور خلیفہ تھے، آپ ہمیشہ عبادت الٰہی میں مشغول رہتے، ریاضت شاقہ اور مجاہدات کاملہ میں مصروف رہتے، پھر آپ کے مرشد نے آپ کو خرقہ خلافت عطا فرمایا، اور کہا کہ حافظ جیئو میرے تمام مرید تمہارے حوالے ہیں اور پھر انتقال فرمایا، آپ نے ہی اپنے پیر کا جنازہ پڑھایا، پھر کچھ دنوں بعد آپ اپنے چند مریدوں کے ساتھ روپڑ سے مانک پور گاؤں میں تشریف لے گئے اور وہیں قیام فرمایا اور آخر عمر تک اسی جگہ رہے جہاں آپ کا مزار ہے۔

علاقہ مانک پور ہی میں رہ کر آپ نے خلق خدا کی ہدایت پر کمر باندھی، آپ اپنی شہرت و نمود سے بہت بیزار تھے، آپ اس بات کو پسند نہ کرتے تھے کہ ہماری شہرت اور تعریف ہو، آپ بزرگوں، اللہ والوں اور دین کے طالب علموں کو دوست رکھتے تھے اور ان کے ساتھ نہایت اخلاق و محبت سے پیش آتے، جو کچھ آپ کے پاس نذرانے کے طور پر آتا وہ سب راہ خدا میں خیرات کر دیتے، آپ سے فیض حاصل کرنے کے لئے بہت دور دور سے لوگ آتے اور آپ کے حلقہ بگوش ہوتے۔

نظام حیدر آباد دکن، یوپی وغیرہ سبھی جگہ سے لوگ آتے، یہ آپ کی کشش اور تسخیر قلوب کا بہت ہی بڑا اثر تھا، اور اللہ پاک کا فضل شامل حال تھا۔ [1]

مسجد درگاہ

مقبرہ سے ملحق ایک عالیشان مسجد ہے، جو ۱۲۸۴ھ کی تعمیر ہے، مسجد کے بانی، معین الدین شاہ خاموش حیدر آبادیؒ تھے، جس کی پیشانی پر حسب ذیل غیر

[1] بحوالہ باغ انبیائے پنجاب، ص، ۱۹۳، ۱۹۴،

موزوں اشعار کندہ ہیں :ع

معین الدین شہ خاموش اس مسجد کا بانی ہے

سرور، اب تجھ کو بھی لازم ہے لکھ تاریخ یوں اسکی

دلہن بن بیٹھی بیٹی کی نہایت جانفشانی ہے

یہ کعبہ دوسرا ہے مسجد اقصیٰ ثانی ہے ۱۲۸۴ھ

اس مسجد کی محرابی دیوار پر یہ احادیث بھی منقوش ہیں :

دائیں طرف، قال النبی علیه السلام المؤمن فی المسجد کالسمك فی المأ والمنافق فی المسجد کالطیر فی القفص ☆

بائیں طرف، قال النبی علیه السلام مامن عبد قال لااله الا الله ثم مات علیٰ ذالك الادخل الجنة ☆

یہ مسجد ۴۶/ فٹ ۶/ انچ لمبی اور ۳۱/ فٹ چوڑی ہے، اس کا صحن ۱۲۱/ فٹ لمبا اور ۲۹/ فٹ چوڑا ہے، اس کے تین گنبد اور دو مینار ہیں، مسجد کے شمال میں حوض ہے، جو ۲۴/ فٹ ۶/ انچ چوڑا اور ۲۷/ فٹ ۶/ انچ لمبا ہے، اور اس کی گہرائی ۴/ فٹ ۲/ انچ ہے، اور اسی حوض کے ملحق کنواں ہے، اور وضو خانہ وغیرہ ہے، مسجد آباد ہے، مسجد اور درگاہ کی ایک کمیٹی ہے، یہ درگاہ پنجاب وقف بورڈ کے زیر انتظام نہیں ہے۔

تالاب

درگاہ کے صدر دروازہ کے سامنے ایک بہت بڑا تالاب ہے، جس کا رقبہ ۱½/ ایکڑ ہے، جسکے چاروں طرف پکی چہار دیواری ہے، یعنی یہ پختہ تالاب ہے، ۱۹۴۷ء سے پہلے تالاب اور درگاہ کے درمیان میلہ لگتا تھا، اور پہلے درگاہ کی ملکیت میں تھا، لیکن چکبندی کے وقت اسکو "شاملات دے" میں شامل کردیا گیا!۔

مقبوضہ مسجد

درگاہ کے احاطہ سے ملحق باہر ایک اور مسجد ہے، جس کے صحن میں نیم کا ایک درخت بھی ہے، یہ تین در تین گنبد کی ہے، مسجد کا اندرونی حصہ ۱۳/ فٹ چوڑا اور ۳۵/ فٹ لمبا ہے، یہ مسجد لکھوری اینٹوں کی بنی ہوئی ہے۔

مسجد کے صحن اور اسکی وقف اراضی پر ناجائز قبضہ ہے، مسجد میں ایک سکھ نے بھس بھر رکھا ہے، اور اسکے صحن میں اس کی گاڑی وغیرہ کھڑی رہتی ہے، اس مسجد کے ملحق دائیں طرف ایک قدیم عمارت ہے، جو کسی مدرسہ کی عمارت معلوم ہوتی ہے، اس عمارت پر بھی یہ سکھ قابض ہے!۔

راقم الحروف نے اس مقبوضہ مسجد اور اسکی اراضی کو دیکھا ہے، جس وقت محل وقوع کا سروے کرنے گیا تھا، اس وقت یہ سردار جی موجود تھے، انہوں نے کہا تھا کہ یہ مسجد ہے، آپ اس کو دیکھ لیں، جب ہم لوگ مسجد کے اندر داخل ہوئے تو ایک حصہ میں بھس بھرا ہوا تھا، اور دوسرے حصہ میں ان کے بعض ملازمین کھانا پکا رہے تھے، اور بعض لیٹے ہوئے تھے، جب ہم لوگوں نے مسجد کی پیمائش وغیرہ کرلی تو سردار جی نے چائے اور لسی کی پیشکش کی، راقم الحروف نے ان کا شکریہ ادا کیا، اور کہا کہ سردار جی اس وقت اشتہا نہیں ہے، پھر کسی وقت آپ کی فرمائش پوری کی جائے گی، ان کی طرف سے بار بار اصرار ہوتا رہا ہے، اور ہم لوگوں کی طرف سے انکار پر انکار ہوتا رہا، بالآخر ہماری غیرت وحمیت نے فتح پالی اور ہم لوگ واپس آگئے۔

جامع مسجد کپورتھلہ

کپورتھلہ، صوبہ پنجاب کا ایک ضلع ہے، جو انبالہ سے ۲۰۲ر کلو میٹر کے فاصلہ پر شمال میں واقع ہے، یہاں متحدہ پنجاب کی ایک سکھ ریاست تھی، جو اب مشرقی پنجاب میں شامل ہے، یہ ریاست عہد مغلیہ میں دار السلطنت دہلی کے زیر اثر رہی ہے، "آئین اکبری" کی تصریح کے مطابق یہ سرکار جالندھر میں شامل تھی ۱۹۴۷ء میں یہاں مسلمان ۴۰ر فیصد تھے، دوسری سرکاری ملازمتوں کے ساتھ، فوج میں بھی شامل تھے، کرنل اور کیپٹن کے درجے کے تھے، برما کی جنگ میں بھی شریک ہوئے تھے، ۱۹۴۷ء میں ریاست کپورتھلہ میں بھی شورش وفساد برپا ہوا، جس کے نتیجہ میں یہاں سے اجتماعی انتقال آبادی ہوئی، کیونکہ آج بھی یہاں کے گلی کوچوں میں داخل ہونے کے بعد جگہ جگہ مسلمانوں کی رہائشی عمارتیں، مسجدیں، خانقاہیں، اور درگاہیں نظر آتی ہیں، جن کے اوپر اللہ، محمد، کلمہ طیبہ اور قرآن واحادیث کے کتبے نظر آتے ہیں، حالانکہ اب ان مذہبی اور رہائشی مکانوں میں ناجائز قبضے ہیں، اور ان میں برادران وطن رہائش پذیر ہیں۔

۱۹۸۱ء کی مردم شماری کے مطابق یہاں کی شہری آبادی ۱,۵۹,۴۲۷ر اور دیہی آبادی ۶۸۶,۷۷,۳ر تھی جس میں مسلمانوں کی تعداد ۱۰ر ہزار ہے، اور زیادہ تر محنت کش طبقہ ہے، البتہ حسین پور گاؤں میں ریل کوچ فیکٹری میں تقریباً ۱۰۰ر مسلمان سرکاری ملازم ہیں، یہاں مسلم اوقاف خاص طور پر قبرستان، تکیے

اور مساجد بکثرت ہیں، یہاں کی مسجدوں کی وقف جائیدادیں بھی اچھی خاصی ہیں، مثلاً مسجد محلّہ ملکانہ اسکی وقف زمین ۵۴ر کنال ہے، اسی طرح مسجد بی بی پیر والی (۱۰۶ر کنال ۹ر مرلے) عید گاہ بس اسٹینڈ (۲۵۴ر کنال ۱۴ر مرلے زرعی وقف اراضی) مسجد حاجی والی (۱۳۵ر کنال ۱۱ر مرلے زرعی وقف اراضی) اور مسجد درویش والی نزد ہاتھی خانہ (۴ر کنال ۲ر مرلے زرعی اراضی) جامع مسجد کا رقبہ (۵۷ر کنال ۲ر مرلے) مسجد اڈہ خانہ جالندھر کپور تھلہ (رقبہ ۱۳ر مرلے) مسجد بندی والی (۱ر کنال ۲ر مرلے) مسجد ڈاکٹر صادق علی اور مسجد شیر گڑھ والی کی اراضی کو مہاراجہ جگت جیت سنگھ نے وقف کیا تھا، تقسیم کے بعد دھرماتمابورڈ ان کا انتظام کرتا تھا، اب پنجاب وقف بورڈ انتظام کرتا ہے، پنجاب وقف بورڈ نے دھرماتمابورڈ کے خلاف مقدمہ کیا تھا عدالت نے پنجاب وقف بورڈ کے حق میں فیصلہ دیا، جس میں ان تمام وقف جائیدادوں کو پنجاب وقف بورڈ کی تولیت میں دینے کا حکم تھا، ان کے علاوہ بے شمار اوقاف ہیں جن کا ریکارڈ پنجاب وقف بورڈ میں موجود ہے۔

جامع مسجد

جامع مسجد کپور تھلہ، سلطان پور روڈ (نزد ریلوے اسٹیشن روڈ) پر واقع ہے، اس کا سنگ بنیاد ۱۹۲۶ء میں رکھا گیا تھا، اور ۱۹۳۰ء میں اس کی تکمیل ہوئی تھی، اس کے بانی ومؤسس مہاراجہ ریاست کپور تھلہ جناب جگت جیت سنگھ صاحب بہادر تھے، جنہوں نے ۴ر لاکھ کی خطیر رقم صرف کر کے مراکش واندلس کی مساجد کی طرز پر اس کو تعمیر کرایا تھا، اور اس لافانی ولاثانی، مسجد عالی کا افتتاح نواب صادق محمد خاں صاحب بہادر حکمراں ریاست بہاولپور کے [1] ہاتھوں ہوا تھا، تقریب

---

[1] علامہ اقبالؒ کے ہم عصر نواب صادق محمد خاں عباسی ۳۰ر ستمبر ۱۹۰۴ء (باقی اگلے صفحہ پر)

افتتاح میں مسلمانان ریاست کپورتھلہ کے ساتھ مہاراجہ کپورتھلہ بھی خود بنفس نفیس شریک ہوئے تھے، جس سے مہاراجہ کی مذہبی رواداری بلند حوصلگی فراخ دلی اور مسلم نوازی کا ثبوت ملتا ہے۔

مہاراجہ کپورتھلہ نے سرزمین کپورتھلہ میں توحید پرستوں کی سجدہ گاہ کیلئے ایسی یادگار تعمیر کی ہے، جس کی نظیر و مثال ہندوپاک کی مسلم ریاستوں میں بھی

(بقیہ ۱۴۹ حاشیہ) میں پیدا ہوئے، اعلی تعلیم ایچی سن چیفس کالج لاہور (Itchison chief's college) میں حاصل کی، انتظامی معاملات میں ٹریننگ این، بولسٹر آئی، سی، ایس، (N. Bolster, I C S) سے لی، جوان کا اتالیق اور سرپرست تھا، ۱۹۲۲ء میں انکو محدود انتظامی اختیارات دیئے گئے، چھ ماہ بعد کونسل آف ریجنسی (Council of regency) کے سربراہ مقرر ہوئے ۸/مارچ ۱۹۲۴ء میں پورے اختیارات کے ساتھ ریاست بہاول پور کے فرماں رواں کی حیثیت سے تخت نشین ہوئے۔

نواب صاحب ۱۹۳۳ء سے ۱۹۴۷ء تک چیمبر آف پرنسز کی سٹینڈنگ کمیٹی کے رکن رہے، انہوں نے ۱۹۳۵ء میں حج کی سعادت حاصل کی۔

نواب صاحب کی قیادت میں ریاست بہاولپور نے حکومت پنجاب اور ریاست بیکانیر کی شرکت میں ستلج ویلی پروجیکٹ (Sutlej Valley Proj e ct) میں حصہ لیا جس سے ریاست کے ایک وسیع علاقے کو آبپاشی کی سہولتیں فراہم ہوئیں۔

پنجاب یونیورسٹی نے ۱۹۳۳ء میں نواب صاحب کو ایل، ایل، ڈی، کی اعزازی ڈگری دی۔

نواب صاحب ۱۹۶۶ء میں بغرض علاج لندن گئے وہیں، ۲۴/مئی ۱۹۶۶ء کو انتقال کیا، بحوالہ کلیات مکاتیب اقبال، ج ۳، ص ۱۰۰۷،

کہیں نظر نہیں آتی، نہ کسی نواب عالی مقام نے اتنے خلوص و محبت کے ساتھ خانۂ خدا کے لئے نقشۂ مساجد منگوانے کا اہتمام کیا ہے، آج مہاراجہ کپور تھلہ، دنیا میں نہیں ہیں، مگر انکے خلوص نیت اور ان کے تعمیری ذوق نے ان کو صدا کے لئے زندہ و تابندہ کر دیا ہے، اور جب تک مسجد روئے زمین پر باقی رہے گی اور (انشاء اللہ) صبح قیامت تک ضرور رہے گی، اسوقت تک مہاراجہ کپور تھلہ کا نام تاریخ سے جڑا رہیگا۔

باب الداخلہ

جامع مسجد کپور تھلہ کے چار عالیشان دروازے ہیں، اور یہ چاروں دروازے مہاراجہ کے دل و دماغ کی طرح کشادہ ہیں، اور ان کے بلند ذوق تعمیر و نفاست طبع کے آئینہ دار ہیں، مشرق میں صدر دروازہ ہے، جو سراپا حسن کا مظہر ہے، گو باقی دروازے بھی کچھ کم حسین و جمیل نہیں ہیں، ان کی تعمیر و تزئین میں فن تعمیر کے جمالیاتی پہلوؤں کو ملحوظ رکھا گیا ہے، صدر دروازہ کے آگے اندرون احاطہ مسجد میں ایک سجا سجایا پارک ہے، جس میں انواع واقسام کے پھول کھلے رہتے ہیں، جس سے مسجد کے حسن و رعنائی میں مزید اضافہ ہوتا ہے، صدر دروازہ کے ملحق دائیں بائیں حسب ذیل فارسی و انگریزی کے نادر و نایاب کتبے کندہ ہیں۔

فارسی کتبہ

ایں مسجد بطرز مساجد مراکش بحکم والا حضرت مہاراجہ جگت جیت سنگھ صاحب بہادر جی، سی، ایس، آئی، جی، سی، آئی، ای، حکمران کپور تھلہ تعمیر گشت تعمیر ایں مسجد از ماہ اکتوبر ۱۹۲۶ء مطابق چہل و نہم جلوس تا ماہ مارچ ۱۹۳۰ء مطابق پنجاہ و سوم جلوس مجری بود و برائے مصرف ایں تعمیر مبلغ چار صد ہزار روپیہ صرف شد بتاریخ یوم جمعہ چہار دھم مارچ ۱۹۳۰ء مطابق اول چیت پنجاہ و سوم جلوس و

حضور والا حضرت نواب صادق محمد خاں صاحب بہادر بالقابہم حکمران ریاست بہاولپور و جمع کثیر از مسلمانان کہ بالغ بر یکصد ہزار نفوس۔
بود، مراسم افتتاح بعمل آمد بنائے ایں مسجد دلیل قوی بر رعیت پروری حضرت والا ہست۔

انگریزی کتبہ

THIS MOORISH MOSQUE WAS CONSTRUCTED BY

ORDER OF HIS HIGHNESS

MAHARJA

JAGATJIT SINGH BAHADUR

.G.C.S.I, G.C.I.E, G.B.E,

THE BULDING OPERATIONS WERE IN PROGRESS FROM

OCTOBER 1926 TO MARCH 1930. THE TOTAL COST

AMOUNTED TO FOUR LAKH RUPEES

THE INAGURATION CEREMONY TOOK PLACE ON THE

14th MARCH 1930 IN THE PRESENCE OF HIS HIGHNESS

THE MAHARAJA WHO WAS ACCOMPANIED BY HIS HIGH-

NESS NAWAB

SADIQ MOHD KHAN BHADUR

RULER OF BHAWALPUR STATE

THE CONGREGATION NUMBERED OVER A LAKH

THE EXISTENCE

OF THIS MOSQUE WILL BEAR AN ENDURING TESTIMONY TO HIS HIGHNESS BROAD MINDED TOLERANCE AND SOLICITUDE FOR THE WELFARE OF HIS SUBJECTS.

ماذنہ

مہاراجہ کپور تھلہ کا فن تعمیر کے میدان میں ایک زبردست و بے نظیر کارنامہ مینار یا ماذنہ کی تعمیر ہے، جو صدر دروازہ کے دائیں طرف کونے پر استادہ ہے، یہ مینار یا ماذنہ اسپین کے مینار جیر الڈا کے طرز و انداز پر بنایا گیا ہے، جو ابو یوسف المنصور نے ۱۱۹۵ء میں اسپین میں تعمیر کرایا تھا، اور مسلمانوں کے "فردوس گم گشتہ اندلس" کی اہم تعمیری یادگاروں میں شامل ہے، اس کی بلندی تقریباً ۱۵۰ر فٹ ہوگی، جسکے اندر نیچے سے اوپر جانے کے لئے ۱۳۸ر سیڑھیوں کا ایک چکر دار زینہ ہے، منتہا پر گنبد نما برج ہے، جس کے اندر سے موذن اذان دیتا تھا، اور اس کی آواز پورے شہر میں پہونچتی اور پھیلتی تھی، یہ اور بات ہے، اتنی بلندی پر روزانہ پانچ دفعہ چڑھنا واترنا کوئی آسان کام نہیں، مینار پر ایک دفعہ چڑھنے کے بعد انسان تھک کر چور چور ہو جاتا ہے، پھر پانچ وقت چڑھنا واترنا بڑا ہی سخت کام ہے۔

مینار یا ماذنہ کی بلندی پر چڑھنے کے بعد پورے شہر کا منظر بڑا خوبصورت معلوم ہوتا ہے، اور شہر اور دیہات کی بڑی بڑی عمارتیں چھوٹی چھوٹی نظر آتی ہیں غرضیکہ یہ ماذنہ قطب مینار دلی، کے بعد ایک اہم اور قابل دید مینار ہے، جو سیاحوں کے لئے بھی دلچسپی کا سامان فراہم کر سکتا ہے، اور مسلمانوں کے لئے ایمانی حرارت کا باعث ہوتا ہے۔

گنبد

صدر دروازہ کے بعد کھلا صحن ہے، جو بہت ہی وسیع وکشادہ ہے، اس کے وسط میں مراکش واندلس کے طرز کا ایک ھشت پہلو گنبد ہے، جس کے شمال و جنوب میں بھی سہ دریوں کے برابر میں اسی طرز واسلوب کے ھشت پہلو گنبد ہیں، جن میں دو فوارے بھی ہیں، جو اب خستہ حالت میں ہیں، جب یہ فوارے صحیح وسالم حالت میں ہونگے تو بہت ہی خوشنما ہوں گے، ان دونوں فواروں کے علاوہ مسجد کے باہر بھی دو فوارے ہیں، یہاں متعدد ستون ہیں، جو بجلی کے قمقموں سے مزین ہیں۔

اندرون مسجد

برآمدہ حوض اور سہ دریوں کے بعد اندرون مسجد کا حصہ شروع ہوتا ہے، جو بڑا ہی حسین وجمیل ہے، اس کی دیواروں میں قرآنی آیات واحادیث کے نادر و بیش قیمت کتبے کندہ ہیں، مسجد کی چھت مضبوط حجری ستونوں پر قائم ہے، ان ستونوں پر چاروں طرف کلمہ طیبہ لاالہ الااللہ محمدرسول اللہ بڑے ہی البیلے ونرالے طرز وانداز پر لکھا ہوا ہے، اندر سے مسجد ۱۵۰ر فٹ لمبی اور ۷۵ر فٹ چوڑی ہے، اور محراب ½۵ر فٹ چوڑی اور ½۶ر فٹ لمبی ہے۔

مسجد کا منبر نہایت ہی عالیشان ہے، جو سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے، جس میں ایک درجن سیڑھیاں ہیں، جس کے دونوں جانب بہت مضبوط جالیاں ہیں، اس منبر کے اوپر ایک چھتری بنی ہوئی ہے، جس کے تینوں طرف محرابیں بنی ہیں، ان تینوں محرابوں کے اوپر مزید تین محرابیں چھوٹی چھوٹی نہایت ہی خوبصورت ہیں، ایسا منبر شاید ہی ہندوستان کی کسی مسجد کا ہو، راقم الحروف نے اپنی زندگی میں اس طرح کا منبر نہ دیکھا ہے نہ سنا ہے، مسجد کے موجودہ امام وخطیب حافظ شوکت علی مالیر کوٹلوی صاحب، ہیں، مسجد میں پنجوقتہ نماز کے علاوہ جمعہ وعیدین

کی نمازیں بھی ہوتی ہیں، جمعہ کی نماز میں تین سو نمازی ہوتے ہیں، اور رمضان المبارک میں ۷ر سو کے قریب نمازی ہو جاتے ہیں، باقی نمازوں میں ان کی تعداد کچھ کم ہوتی ہے، مسجد کے احاطہ میں ۱۸,۱۸ر غسل خانے اور وضو خانہ وغیرہ ہیں۔

راقم الحروف اتفاق سے جمعہ کے دن اس مسجد کا معائنہ کرنے گیا تھا، حافظ شوکت علی صاحب نے راقم الحروف سے کہا کہ ایک مختصر تقریر کر دیں راقم الحروف نے ان کے اصرار پر قبل جمعہ ایک مختصر تقریر کی جس میں مسجد کی اہمیت اور اسکی اجتماعیت پر روشنی ڈالی، اس مسجد میں امام کے علاوہ ۹ر ملازم ہیں، جو مسجد کے مختلف کام انجام دیتے ہیں۔

مسجد کپورتھلہ کے صدر دروازہ پر محکمہ آثار قدیمہ کا ہدایتی بورڈ لگا ہوا ہے مگر یہ مسجد پنجاب وقف بورڈ کے زیر انتظام وانصرام ہے، پنجاب وقف بورڈ کے حق میں عدالت کا فیصلہ ہو گیا ہے۔

جامع مسجد سیف آبادی

"پٹیالہ" صوبہ پنجاب کا ایک مشہور ضلع ہے، جو راجدھانی دلی سے ۲۵۵ر کلو میٹر شمال میں، اور انبالہ سے ۶۰ر کلو میٹر کی دوری پر مغرب میں واقع ہے، جہاں متحدہ پنجاب کی سکھ ریاست تھی، جو ریاستہائے متحدہ پنجاب میں ایک عظیم و مستحکم ریاست کی حیثیت سے مشہور تھی، جسکے پاس ہر قسم کے آلات حرب و جنگ تھے، اور توپیں اور فوجیں بھی تھیں، پہلے یہ ریاست مسلم سلاطین کے ماتحت رہی، آخر میں برطانوی حکومت کے زیر اثر رہی، ایک دفعہ مہاراجہ رنجیت سنگھ بھی پٹیالہ آیا تھا، اور ریاست پٹیالہ سے نذرانہ وصول کیا تھا۔

کنہیالال ہندی نے تاریخ پنجاب میں لکھا ہے کہ:

"مہاراجہ رنجیت سنگھ پٹیالہ میں رونق افروز ہوا، اور صاحب سنگھ والئ پٹیالہ نے بڑی خاطر، مہاراجہ کی، تمام فوج کو رسد اپنے پاس سے پہنچائی اور اسباب نقد و جنس بہت کچھ دیا، بڑی محفلیں کیں، اور رقص و سرود و نغمہ سے مہاراجہ کو خوش کیا، مہاراجہ نے راجہ پٹیالہ کی فوج بھی دیکھی اور توپ خانہ بھی ملاحظہ فرمایا، ان توپوں میں تین توپیں پسند کیں وہ بھی راجہ نے فی الفور دے دیں، کیونکہ راجہ نے مہاراجہ کو خود ہی طلب کیا تھا، اور مہمان کی خاطر ہر ایک بات سے مقدم تھی، اگرچہ توپوں کے دینے میں بہ دل راضی نہ تھا مگر جب مہاراجہ نے اپنی زبان سے ان توپوں کو دینے کیلئے کہا تو

بلا عذر دے دیں [1]"

پہلے ریاست پٹیالہ میں مسلمان بھی بڑے بڑے عہدوں و منصبوں پر مامور تھے، خلیفہ سید محمد حسن خاں بہادر وزیر الدولہ، مدبر الملک، اور خلیفہ سید محمد حسین خاں بہادر مشیر الدولہ، ممتاز الملک جیسے مناصب جلیلہ پر فائز تھے، اور اس وقت سید امداد علی صاحب چیف جسٹس ریاست پٹیالہ تھے، جو بہت بڑا عہدہ تھا۔

ان تینوں عظیم ہستیوں سے سر سید احمد خاں بانی مسلم یونیورسٹی کے دیرینہ مراسم وروابط تھے، ۵/ فروری ۱۸۸۴ء کو جب سر سید احمد خاں پٹیالہ آئے تو آپ کا استقبال کرنے والوں میں مذکورہ بالا شخصیتیں پیش پیش تھیں، سر سید احمد خاں صاحب وزیر الملک خلیفہ سید محمد حسن خاں بہادر کی کوٹھی میں ٹھہرے، سر سید احمد خاں کے ہمراہ سفر نامہ پنجاب کے مرتب مولوی سید اقبال علی صاحب بھی تھے۔

سر سید احمد خاں پٹیالہ چندے کی غرض سے نہیں گئے تھے، ان کا یہ سفر اول الذکر دونوں شخصیتوں سے ملاقات کی غرض سے ہوا تھا، جہاں چندہ اگانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا، اس کے باوجود یہاں کے لوگوں نے بھر پور تعاون کیا تھا، اور یہاں کے بعض علماء نے بھی بڑے خلوص و محبت کے ساتھ چندہ دیا تھا، جس سے سر سید احمد خاں مرحوم بھی متأثر ہوئے، مولوی محمود حسن خاں صاحب پٹیالہ کے باشندہ تھے، وہاں کے ایک دینی مدرسہ میں مدرس تھے، مولوی صاحب نے بھی سید صاحب کو حسب استطاعت چندہ دیا، جس کی دلچسپ تفصیل شیخ محمد اسماعیل پانی پتی کے لفظوں میں ملاحظ فرمائیں، اور سر سید احمد خاں کے تعلق سے علماء پر طعن و تشنیع کرنے والے روشن خیال دانشوران قوم کو اس سے سبق حاصل کرنا چاہیئے:

---

[1] تاریخ پنجاب، ص ۵۷۱۔

"چندے کے سلسلے میں یہاں ایک بہت پر لطف واقعہ پیش آیا جس کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا، حضرت مولوی محمود حسن خاں صاحب ایک بہت بڑے عالم اور فاضل بزرگ، پٹیالہ کے ایک مدرسے میں درس و تدریس کے فرائض انجام دیتے تھے، باوجود مولوی ہونے کے نہایت روشن خیال شخص تھے اسوقت جب کہ سرسید پر ہر طرف سے کفر کے فتووں کی بھرمار ہورہی تھی وہ سرسید کی تعلیمی تحریک کے نہایت موئید و حامی تھے، اور سرسید کو مسلمانوں کا حقیقی خیر خواہ اور ہمدرد سمجھتے تھے، جب پٹیالہ میں سرسید کے آنے کی خبر مشہور ہوئی اور یہ معلوم ہوا کہ وہ وزیر اعظم ریاست پٹیالہ کی کوٹھی میں ٹھہرے ہوئے ہیں، تو مولوی صاحب ان سے ملنے کیلئے ان کی جائے قیام پر گئے اور اطلاع کرائی تو ملازم نے جاکر سید صاحب سے کہا کہ پرانی وضع کے ایک مولوی صاحب باہر کھڑے ہیں، اور آپ سے ملنا چاہتے ہیں سید صاحب نے فوراً مولوی صاحب کو بلا لیا اور بہت خندہ پیشانی کے ساتھ ان سے پیش آئے اور کہنے لگے: "کیسے تشریف لانا ہوا؟" مولوی صاحب نے فرمایا کہ "میں نے سنا ہے کہ آپ اتفاق سے ہمارے شہر میں آئے ہوئے ہیں، تو چونکہ آپ کی قومی ہمدردی کی میرے دل میں نہایت قدر ہے، اور میں آپ کو مسلمانوں کا نہایت بہی خواہ اور مخلص خادم سمجھتا ہوں، اسلئے دل چاہا کہ آپ سے ملوں، یہ بھی خیال ہوا، کہ آپ بڑے آدمی ہیں، اور بڑے آدمی کے مہمان ہیں، اسلئے شاید مجھ غریب شخص سے ملنا گوارا نہ فرمائیں، مگر میرا دل نہ مانا اور میں حاضر ہو ہی گیا، میں ایک غریب آدمی ہوں اور بمشکل اپنا اور اپنے اہل و عیال کا گزارہ کرتا ہوں، بڑی مشکل سے میں نے روزانہ کے گھریلو اخراجات سے بچا کر کچھ رقم پس انداز کی تھی، میں اس سے زیادہ بہتر

مصرف اس رقم کا اور کوئی نہیں سمجھتا کہ یہ حقیر رقم مسلمان بچوں کی تعلیمی ضروریات میں خرچ کی جائے لہذا میں وہ پیسے آپ کو دینے کے لئے آیا ہوں۔

یہ کہہ کر مولوی محمود حسن صاحب نے پانچ روپے چار آنے سید صاحب کے ہاتھ پر رکھ دیئے، سید صاحب روپے لیکر کہنے لگے : "جناب مولوی صاحب! یہ سوا پانچ روپے کا کیا مطلب؟ پورے پانچ روپے آپ نے کیوں نہ دے دیئے؟"۔

مولوی صاحب نے بہت انکساری کے ساتھ جواب دیا "جناب سید صاحب! میں بہت ہی غریب شخص ہوں، میرا امکان بھی بہت معمولی سا ہے گھر میں نہ اعلیٰ درجے کے برتن ہیں اور نہ کچھ آرائش کا سامان ہے، دل بہت چاہتا تھا کہ آپ جیسے خیر خواہ کی دعوت کرتا لیکن اتنا مقدور نہیں، لہذا یہ پانچ روپے تو چندے کے ہیں، اور چار آنے آپ کی دعوت کے ہیں، براہ غریب نوازی ان چار آنوں کو قبول فرمائیں، جو آپ کے لئے ہیں، میں اپنے اور اپنے اہل و عیال کے کھانے پر بھی ایک دن میں چار آنے سے زیادہ خرچ نہیں کرتا، اور وہی رقم آپ کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے لایا ہوں :

گر قبول افتد زہے عزو شرف

مولوی صاحب کی یہ مخلصانہ تقریر سن کر سید صاحب فوراً کھڑے ہو گئے اور بڑے جوش کے ساتھ کہنے لگے : "مولوی صاحب! خدا کی قسم میں یہ چار آنے خاص اپنی ذات پر خرچ کروں گا، اور ایک ایک پیسہ احتیاط سے خرچ کروں گا، میرے نزدیک امراء کے پلاؤ اور زردے اور مرغن اور متنجن سے کہیں زیادہ قدر ان چار آنوں کی ہے، "یہ کہہ کر سید صاحب نے چار آنے تو اپنی جیب میں ڈال لیے اور پانچ روپے کالج کے چندے میں جمع کرا دیئے پھر

دیر تک بڑی محبت کے ساتھ مولوی صاحب سے باتیں کرتے رہے اور فرمایا "ہمیں در حقیقت ایسے ہی مخلص احباب کی ضرورت ہے، جیسے آپ ہیں، کاش سب کے دلوں میں ایسا ہی اخلاص ہوتا جیسا آپ کے دل میں ہے" مجھ سے یہ واقعہ حضرت مولوی صاحب مرحوم کے لائق اور قابل فرزند مسعود احمد صاحب، بی، اے، دھلوی ایڈیٹر روزنامہ "الفضل" نے بیان کیا[1]"

۱۹۴۷ء سے قبل ریاست پٹیالہ میں متحدہ پنجاب کی دوسری ریاستوں کی طرح مسلمانوں کی کثیر تعداد تھی، ۱۹۴۷ء میں ریاست پٹیالہ کا مطلق العنان حکمراں مہاراجہ یادوِندر سنگھ تھا، جو بڑا متعصب اور تنگ نظر تھا، اس کے ایماواشارہ پر ریاست پٹیالہ میں سب سے زیادہ بے قصور مسلمانوں کا قتل عام ہوا تھا، اور اس کے قلعہ کے نیچے ہزاروں مسلم عورتوں اور مسلم دوشیزاوں کے برہنہ جلوس نکالے گئے تھے، اور ظلم وبربریت کا عالم تھا کہ بے شمار بے گناہ وبے قصور مسلم عورتوں کی چھاتیاں کاٹ کر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا، اور ان کی تڑپتی ہوئی لاشوں کو کنووں میں ڈال دیا جاتا تھا، الامان و الحفیظ۔

۱۹۴۷ء میں اسلامیان مشرقی پنجاب یا تو قتل کر دیئے گئے تھے، یا پاکستان ہجرت کر گئے تھے، اور جو بچے کھچے رہ گئے تھے، وہ ارتداد کا شکار ہو گئے تھے، ان مرتدین کے دلوں میں اتنا خوف وہراس تھا کہ وہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے ہوئے ڈرتے تھے، یہ بڑا آزمائشی دور تھا، ایسے خوفناک ماحول میں سرزمین پنجاب کا ایک دردمند، مرد مجاہد، امت ہندیہ کے سامنے آتا ہے، اور ان مرتدین کے دلوں سے خوف ودہشت دور کرنے کی تدبیر پر غور کرتا ہے، اور ان کے حوصلوں اور ارادوں کو بلند کرنے کی فکر کرتا ہے، یہ شخصیت تھی حضرت مولانا خلیل الرحمٰن

---

[1] سر سید احمد خاں پنجاب میں، ص ۳۸۰،

لدھیانوی کی جوامت کے لئے ایک نعمت ثابت ہوئی۔

حضرت مولانا خلیل الرحمٰن لدھیانوی نے ۱۹۵۸ء میں پٹیالہ کے قلعہ مبارک (اور یہ وہ قلعہ مبارک ہے جہاں سے ۱۹۴۷ء میں مسلمانوں کے منظم قتل کے لئے ہتھیار سپلائی ہوئے تھے) میں سیرۃ النبی کانفرنس کا اہتمام کیا، اور اس میں ہندوستان کے بڑے بڑے قومی سیاست دانوں اور ملی قائدین کو مدعو کیا گیا، اس میں غلام محمد بخشی وزیر اعلیٰ جموں وکشمیر وسردار پرتاب سنگھ کیرون وزیر اعلیٰ پنجاب مہاراجہ پٹیالہ یاددوندر سنگھ، جنرل شاہنواز خاں، مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن، مولانا محمد میاں صاحب دیوبندی اور سید مجتبیٰ حسین ایڈوکیٹ وغیرہ شریک ہوئے تھے۔

۱۹۴۷ء کے بعد سرزمین پنجاب میں یہ پہلی ایک زبردست سیرۃ النبی کانفرنس تھی، جس سے متاثر ہوکر مہاراجہ پٹیالہ یاددوندر سنگھ نے کہا تھا کہ "ایسی کانفرنسیں ہر سال ہونی چاہئیں"۔

اس کانفرنس کا اس قدر اثر ہوا کہ پورے پنجاب خاص طور پر پٹیالہ اور اس کے اطراف وجوانب میں جو مسلمان مرتد ہو گئے تھے، وہ دوبارہ حلقہ بگوش اسلام ہونے لگے، اسی سیرۃ النبی کانفرنس سے حوصلہ پاکر پٹیالہ کے مشہور ملی رہنما میاں غلام صابر صاحب سابق ممبر پنجاب وقف بورڈ نے ارتداد سے تائب ہوکر دوبارہ اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا، جس سے دوسرے لوگوں کے بھی حوصلے بلند ہوئے، الحمد للہ جناب غلام صابر صاحب آج بھی بقید حیات ہیں اور ملی وقومی کاموں میں دلچسپی لیتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کا سایہ تادیر قائم رکھے۔

پنجاب کے دوسرے شہروں کی طرح پٹیالہ میں بھی عالیشان مسجدیں، عالیشان امام باڑے اور درگاہیں وخانقاہیں، اور دوسری وقف جائیدادیں بھی موجود ہیں

یہاں تقریباً ۲۵ر مسجدیں ہیں، جن میں سے صرف ۵ر مسجدیں آباد ہیں، یہاں بھی پنجاب کے دوسرے شہروں کے تناسب سے مسلمان رہتے ہیں، یعنی قدیم باشندے معدودے چند ہی ہیں، اور بیرون پنجاب سے آئے ہوئے، غیر معمولی تعداد میں، یہاں کے صنعتی وزراعتی کاموں سے منسلک ہیں۔

جامع مسجد سیف آبادی

یہ پٹیالہ کی جامع مسجد ہے، یہ سیف آبادی دروازہ پٹیالہ میں واقع ہے، جس کے سات در اور چار مینار ہیں، جس کے منبرو محراب وغیرہ شہید کردیئے گئے ہیں مسجد کے صدر دروازہ سے متصل دونوں طرف حجرے ہیں، اس مسجد میں گوردوارہ بنالیا گیا ہے، جس کے خلاف کورٹ میں مقدمہ کیا گیا تھا، گوردوارہ کمیٹی والوں نے دعوئی کیا ہے کہ گوردوارہ ہے، مسجد نہیں ہے۔

پنجاب وقف بورڈ کی طرف سے لکھا گیا کہ پہلے موقع دیکھا جائے پھر جو مناسب ہو، فیصلہ کیا جائے، چنانچہ خود جج صاحب دیکھنے آئے اور ان کے ہمراہ سرکاری وکلاء بھی تھے، محمد نذیر صاحب اسٹیٹ آفیسر پنجاب وقف بورڈ .... اور ..... محمد صدیق صاحب اور میاں غلام صابر صاحب سابق ممبر پنجاب وقف بورڈ نے جج صاحب کو مسجد کے مینار، گنبد، و قرآنی آیات کے کتبے اور محراب امام وغیرہ جب ان کو دکھلادیا تو اس کے جواب میں جج صاحب نے کہا کہ میں عربی سے واقف نہیں ہوں اور فیصلہ میں مسجد نما گوردوارہ کہا، چنانچہ آج بھی مسجد میں گوردوارہ قائم ہے، اور مقدمہ عدالت میں زیر سماعت ہے۔

مسلم کالونی پٹیالہ

پٹیالہ میں تکیہ جعفر شاہ بہت ہی مشہور ہے، جہاں بنک کالونی ہے، یہ تکیہ ۷۰,۸۰ ربیگھے وقف زمین پر محیط ہے، ۶۵-۱۹۶۴ء میں پنجاب وقف بورڈ نے

(مسلمانوں کی ترقی وبہبودی کے پیش نظر) ۷۰--۶۰ / بیگھہ وقف زمین کو یہاں کے ضرورت مند مسلمانوں کو پانچ پانچ سو گز زمین ایک روپیہ سالانہ کے حساب سے ۹۹ / سال کے لئے لیز پر دیدیا تھا، تاکہ مسلمان اس زمین میں اپنا گھر بنائیں، اور اپنے کاروبار کو فروغ دیں مگر بدقسمتی سے ان میں زیادہ تر مسلمانوں نے بورڈ کی دی ہوئی وقف زمین غیر مسلموں کو دیدی اور اب یہاں ان کی عالیشان کوٹھیاں بنی ہوئی ہیں، جو مسلمانوں کی بے شعوری وبے عقلی کا ثبوت فراہم کررہی ہیں۔

پھر پنجاب وقف بورڈ نے اپنی حکمت عملی سے کرایہ میں اضافہ کیا، اس مسلم کالونی میں بابا فرید اسلامک اسکول بھی ہے، اور ایک مسجد بھی ہے جو آباد ہے، یہ مسلم کالونی پنجاب وقف بورڈ کی تولیت وملکیت میں ہے۔

جامع مسجد بٹالہ

بٹالہ صوبہ پنجاب کے ایک مشہور و معروف قصبہ کا نام ہے جس کا ذکر آئین اکبری میں ''سرکار بٹالہ'' کے عنوان سے کیا گیا ہے، امر تسر سے ۳۵ ر کلو میٹر شمال میں راوی ندی (جو مشرقی پنجاب سے لاہور جاتی ہے) کے کنارے جغرافیائی حسن ورعنائی کے ساتھ آباد ہے، پہلے یہاں مسلمان امراء ورؤساء کا مسکن وماویٰ تھا، اور بڑے بڑے روساء واثریار رہتے تھے، جنھیں مسلمانوں کی تعلیم وتربیت اور انکی خوشحالی وترقی کی فکر تھی، اور تعلیمی دانشگاہوں کے ساتھ خصوصی تعاون بھی کرتے تھے، جنوری ۱۸۸۴ء کو سر سید احمد خاں گرداسپور وغیرہ کے دورے کر رہے تھے، جب بٹالہ ریلوے اسٹیشن پر پہنچے تو شیخ ناصر الدین، شیخ محمد بخش صاحب اور شیخ برکت علی صاحب رئیسان بٹالہ سر سید احمد خاں سے ملاقات کیلئے موجود تھے، ان رئیسان مذکور کی خواہش تھی کہ سید صاحب بٹالہ چلیں مگر سر سید احمد صاحب نے عدیم الفرصتی کیوجہ سے معذرت کردی تھی، اسکے باوجود ان رؤساء نے مالی تعاون کیا تھا، جس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے سر سید احمد خاں صاحب نے فرمایا تھا:

''حضرات! شاید ریل کی روانگی میں بہت تھوڑا عرصہ باقی ہے، اس سبب سے میں کچھ زیادہ شکریہ آپ کی عنایت کا ادا نہیں کر سکتا، لیکن آپ صاحبوں کا نہایت ممنون ہوں کہ آپ نے مہربانی کر کے میرے واسطے تکلیف فرمائی اور ایک قومی کام کی غرض سے چندہ بھی عطا کیا آپ صاحبوں کو

خیال کرنا چاہیئے کہ ہماری قوم کی حالت بہت خراب ہو گئی ہے، اور ہر قسم کی ترقی میں وہ سب سے پیچھے ہے، آپ صاحبوں کو کوشش کر کے اسکو آگے بڑھانا چاہیئے، آپ بہت سے مشہور کام کرتے ہیں، مسجد بنواتے ہیں، اور بھی نیک کام کرتے ہیں، لیکن وہ سب اسلیئے کیئے جاتے ہیں، کہ ان کاموں کی وجہ سے آپ کو آخرت میں کامیابی ہو آپ دنیا میں بھی ہیں، اور اس سے آپ کو کسی طرح چھٹکارا نہیں، تو اسکے فائدے کے واسطے بھی آپ کو کچھ کرنا چاہیئے [1]"۔

بٹالہ سے ۱۸ ر کلو میٹر کے فاصلے پر قادیان واقع ہے، جہاں مرزا غلام احمد قادیانی کے پیروکاروں کی نگری بسی ہوئی ہے۔

بٹالہ کے صحیح العقیدہ مسلمانوں اور قادیانیوں کے درمیان ہمیشہ مناظرے ہوتے رہتے تھے، مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا مظہر علی اظہر، قادیانیوں سے مناظرہ کرنے کے لئے بٹالہ آیا کرتے تھے، اور مشہور مناظر مولانا محمد حسین بٹالوی بھی یہیں کے رہنے والے تھے، جو آخری دور میں غلام احمد قادیانی کے گمراہ کن نظریات و خیالات کی تردید و مخالفت میں پیش پیش رہتے تھے، انہوں نے اس خطۂ پنجاب سے قادیانیوں کو کھدیڑنے میں اہم رول ادا کیا ہے، مولانا محمد حسین صاحب مسلک اہلحدیث سے تعلق رکھتے تھے، لیکن علماء دیوبند سے خاص تعلق رکھتے تھے، اور ان کی امانت و دیانت کے قائل تھے، چنانچہ مولانا شاہ عبد القادر رائے پوری نے بیان فرمایا کہ:

ایک دفعہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اہل حدیث نے ہمارے حضرتؒ کی خدمت میں (رائے پور) خط لکھا کہ ہمارے فلاں فلاں اشکالات کا جواب دیجئے،

---

[1] سرسید احمد خاں پنجاب میں، ص ۱۱۲،

حضرتؒ نے جواب میں لکھا کہ ان اشکالات کے حل کیلئے آپ دیوبند تشریف لائیں، کرایہ آمدورفت، ہم دیں گے، وہ تشریف نہیں لائے، لیکن ہمارے حضرتؒ کے معتقد ہو گئے، چنانچہ جب فوت ہونے لگے تو اپنی جائیداد کا منتظم ہمارے حضرت (حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری) اور حضرت سہارنپوری (حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری) اور حضرت تھانوی (حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ) کو بنایا، اس پر مولانا ثناء اللہ صاحب امر تسری کہتے تھے کہ ہماری انہوں نے ناک کاٹ دی، گویا اس کا معنی یہ ہوا کہ ہم اہل حدیث میں کوئی امین نہیں[1]۔

مشہور مورخ سوجان رائے کھتری بٹالہ کا رہنے والا تھا، جس نے خلاصۃ التواریخ کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے، جس میں ابتدائے عالم سے لیکر شہنشاہ عالمگیر کے عہد تک کی تاریخ درج ہے، اور عالمگیر کے نام سے معنون کی ہے[2]۔

مولانا عبدالمجید سالک مشہور صحافی تھے، روزنامہ ''زمیندار'' میں فکاہیہ کالم (افکار و حوادث) لکھا کرتے تھے، آپ بھی بٹالہ کے رہنے والے تھے، آپ کی ولادت ۱۸۹۳ء میں بٹالہ میں ہوئی تھی، آپ ایک دفعہ دہلی آئے خواجہ حسن نظامی صاحب سے ملنے کے لئے بستی نظام الدین گئے، خواجہ صاحب بڑے تپاک سے پیش آئے، اور درگاہ دکھانے کیلئے ان کو ساتھ لے کے چلے، ایک معمولی سے مکان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا ''یہ ایمان خانہ ہے'' سالک صاحب نے کہا ''اس پر کیا موقوف ہے، اس نواح کے تو سبھی مکان ایمان خانے ہیں، اور ہم جہاں سے اٹھ کر آئے ہیں، کیا وہ ''بے ایمان خانہ ہے'' خواجہ صاحب اس نکتہ سنجی پر خوب ہنسے اور فرمایا'' آپ افکار لکھتے ہی نہیں بولتے بھی ہیں''

---

[1] حیات طیبہ مصنفہ محمد حسین انصاری، ص ۱۱۲، [2] بزم تیموریہ، ص ۸۲،

بٹالہ کے سر فضل حسین مشہور آدمی تھے، آپ کے دو صاحبزادے تھے ایک نسیم حسین جو پنڈت جواہر لال نہرو کے سکریٹری تھے، اور دوسرے لیاقت علی خاں کے سکریٹری تھے۔

علامہ اقبال کے ایک مشہور شاگرد اسی بٹالہ کے رہنے والے تھے، ۱۹۴۷ء میں یہاں مسلمانوں کی اتنی بڑی اکثریت تھی، کہ یہاں کے مسلمانوں کو یقین تھا کہ جب ملک تقسیم ہوگا، تو بٹالہ پاکستان کے حصے میں آجائیگا، دوسری طرف مسلم لیگ کے قائدین بھی اسی خوش فہمی میں مبتلا تھے، کہ بٹالہ پاکستان کے حصے میں آرہا ہے، مگر بٹالہ پاکستان میں شامل نہ ہوا، اور یہاں بھی وہ سب کچھ ہوا جو دوسرے شہروں میں ۴۷ء کے پر آشوب دور میں ہو رہا تھا۔

قصبہ بٹالہ میں مسلمانوں اور انکی عبادت گاہوں کی کثیر تعداد کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے، کہ قصبہ کی کسی بھی اونچی جگہ پر کھڑا ہونے پر پورے قصبہ میں مسجدوں کے گنبد ہی گنبد اور مینار ہی مینار نظر آتے ہیں، قابل ذکر بات یہ ہے کہ یہاں جو بھی مسجد تعمیر ہوئی ہے، وہ بڑی ہے چھوٹی مسجد تعمیر نہیں ہوئی، جس میں روسائے بٹالہ کے ذہنی تفوق کا دخل ہے۔

راقم الحروف نے جامع مسجد کی چھت پر چڑھ کر قصبہ کے چاروں طرف کا نظارہ کیا تو جدھر بھی نگاہ جاتی تھی، ادھر کسی نہ کسی مسجد کا گنبد یا مینار ضرور نظر آتا تھا، پنجاب وقف بورڈ کے ذمہ داروں کے بیان کے مطابق بٹالہ میں ایک سو بیس یا ایکسو پچیس مسجدیں ہیں، جو بورڈ کی پالیسی کے مطابق لائیسنس پر دی گئی ہیں، ان کے علاوہ وقف جائیدادیں بھی بکثرت ہیں، پنجاب اور خاص کر بٹالہ کے مسلمانوں میں وقف کرنیکا عام رجحان تھا، یہی وجہ ہے کہ پنجاب میں اوقاف زیادہ ہیں۔

بٹالہ کی قابل ذکر مسجدوں میں مسجد مہر منیر لے، جامع مسجد قلعہ منڈی

۲؎ مسجد لوہاران ۳؎ مسجد پٹھان کوٹ ۴؎ مسجد جی ٹی روڈ وغیرہ سر فہرست ہیں۔

مقبوضہ جامع مسجد

بٹالہ کی سب سے عظیم الشان یادگار جامع مسجد ہے، جو جی ٹی روڈ کلانور پرانا بس اڈہ، گاندھی چوک، کے نزدیک واقع ہے، جس میں تقسیم ملک سے قبل مجاہدین آزادی کے تاریخ ساز جلسے ہوا کرتے تھے، اور جس میں حریت پسندوں اور آزادی کے متوالوں کا بڑا مجمع ہوا کرتا تھا، جس طرح امرتسر کی مسجد خیر الدین ہال بازار تحریک آزادی وطن کے سلسلے میں استعمال ہوئی ہے اسی طرح یہ مسجد بھی تحریک ولی اللہی کا مرکز تھی، جس میں ولی اللہی فکر کے علماء و مشائخ کی انقلابی تقریریں ہوا کرتی تھیں، اور انگریزوں کے خلاف ذھن سازیاں کی جاتی تھیں، علاوہ ازیں مولانا حسین احمد بٹالوی، مولا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا ثناء اللہ امرتسری، اور مولانا مظہر علی اظہر نے قادیانیوں کے

۱؎ یہ مقبوضہ جامع مسجد سے تھوڑے فاصلے پر جنوب میں ہے، جس کا اب ایک عظیم الشان مینار مرقع عبرت بنا ہوا کھڑا ہے، اس میں اب گردوارہ ہے، اس کے علاوہ بیس مکانات بنے ہوئے ہیں، اور نو دکانیں بھی ہیں۔ ۲؎ اس پر بھی ناجائز قبضہ ہے جس کے اندر اسکول قائم ہے۔ ۳؎ جو جی ٹی روڈ پر ہے، اور پانچ دری پانچ صفی مسجد ہے، بالکل صحیح و سالم حالت میں ہے، جس کی پیشانی پر یہ کتبہ نصب ہے:

لاالہ الااللہ محمدرسول اللہ

قل ھواللہ احد اللہ الصمد لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ

کفواً احد*

۴؎ جو پٹھان کوٹ جی ٹی روڈ پر واقع ہے، جس کی وقف زمین ۴۶/۷/۴ کنال ہے، (قاسمی)

خلاف جو محاذ آرائیاں کی تھیں، ان کی تاریخ بھی اسی مسجد سے وابستہ ہے۔

تاریخ ہند کا ایک سیاہ باب

یہ روئے زمین کا سب سے بڑا ظلم ہے کہ وہ تاریخی مسجد جس کا تحریک آزادیٔ وطن میں ایک اہم حصہ رہا ہے، اور کبھی تحریک آزادیٔ وطن کیلئے مرکز کی حیثیت رکھتی تھی، جب ملک آزاد ہوا تو اس مقدس مسجد کی عظمت کو داغدار کرنے کی مذموم کوشش کی گئی اور ان ارباب اقتدار کے ناپاک ہاتھوں سے کی گئی، جو آئین ہند کے محافظ کہلاتے ہیں، دیکھتے ہی دیکھتے اس مسجد کو شہید کر کے اس میں کانگریس کا باضابطہ دفتر قائم کر دیا گیا، اس شہید مسجد کے ایک حصہ میں جب کانگریس کا دفتر قائم ہو گیا تو اس کے افتتاح کیلئے گیانی ذیل سنگھ کو بلایا گیا، جو اسوقت ہندوستان کے صدر تھے، اور ملک کے سب سے بڑے ذمہ دار منصب پر فائز تھے۔

راقم الحروف کے پاس ایک گروپ تصویر ہے، جس میں سابق صدر جمہوریہ گیانی ذیل سنگھ اس مسجد میں کانگریس آئی کے دفتر کا افتتاح کرتے ہوئے نظر آرہے ہیں، جو ایک شرمناک بات ہے۔

بلاشبہ اس مسجد کو شہید کرنے میں شری رام رتن شرما کا ہاتھ ہے، جو اس وقت کانگریس پارٹی کے صدر تھے، یہ مسجد ۱۹۷۸ء میں دفتر اور رہائشی مکانوں میں تبدیل کی گئی تھی، جبکہ چودھری طیب حسین صاحب پنجاب وقف بورڈ کے چیئرمین تھے، انہوں نے مسجد کی واگزاری کیلئے ضرور کوشش کی ہوگی۔

جس وقت یہ مسجد شہید کی گئی تو حزب مخالف نے شدید احتجاج کیا، اور مسلمانوں نے بھی شور مچایا تو پنجاب وقف بورڈ اور کانگریس کے درمیان ایک معاہدہ ہوا جس کی رو سے بورڈ کو ایک کمرہ دیا گیا، اور باقی کمروں پر کانگریس پارٹی اور دوسرے لوگوں کے ناجائز قبضوں کو باقی رکھا گیا، اب اس کمرہ میں پنجوقتہ نمازوں کے علاوہ

جمعہ اور عیدین کی نمازیں ہوتی ہیں، پنجاب وقف بورڈ کی طرف سے امام مقرر ہے اس میں بمشکل ۵۰، ۶۰/ نمازیوں کی گنجائش ہے۔

پنجاب وقف بورڈ کا سروے

جناب عبدالسمیع انصاری صاحب نے ۶۳-۱۹۶۲ء میں پنجاب وقف بورڈ کی طرف سے اس مسجد کا سروے کیا تھا، تو اسوقت یہ مسجد بہت وسیع وعریض تھی، اور اس میں بہت بڑا حوض تھا جس میں فوارہ لگا ہوا تھا، اور اس وقت خشک پڑا تھا، اس حوض میں بھی کچھ خاندان آباد تھے، مسجد کی عمارتوں میں بھی بہت سے خاندان پہلے ہی آباد ہو چکے تھے۔

غیر مسلم پٹواری کی شہادت

پنجاب وقف بورڈ کے ضلعی دفتروں میں عموماً غیر مسلم پٹواری ہوا کرتے ہیں، بورڈ کے بٹالہ دفتر میں بھی غیر مسلم پٹواری تھے، جو راقم الحروف کو مساجد کا سروے کرانے کے دوران ساتھ تھے، راقم الحروف جب عبدالسمیع انصاری صاحب سے مذکورہ بالا مسجد کے بارے میں گفتگو کر رہا تھا، تو یہ غیر مسلم پٹواری بھی موجود تھے، انہوں نے بیان کیا کہ ہریانہ کے قیام سے پہلے اس مسجد میں تمام تحصیل کے پٹواری بیٹھ کر کام انجام دیتے تھے، اسوقت مسجد کی چہار دیواری بھی تھی، مسجد بہت بڑی تھی، جس کے تین گنبد تین مینار موجود تھے، اور پوری مسجد اپنی تعمیری ہیئت کے ساتھ موجود تھی، اس مسجد کو صدر کانگریس شری رام رتن شرما نے شہید کرا یا ہے۔

مدرسہ

جیسا کہ بیان ہوا کہ بٹالہ ایک علمی وادبی قصبہ تھا، جہاں بڑے بڑے علماء وادباء اور شعراء رہتے تھے، یہاں کئی اہم دینی ادارے بھی تھے، بٹالہ میں ایک مشہور

مدرسہ تھا، جسکے فتاویٰ پنجاب میں سکۂ رائج الوقت کی طرح مقبول تھے، اہل پنجاب اس مدرسہ کے فتاویٰ کو عزت کی نگاہوں سے دیکھتے تھے، یہ مدرسہ اندرون بازار ھنسلی کے پل کے دائیں جانب جی ٹی روڈ، پر عیدگاہ کے برابر میں واقع تھا، جس میں اب خالصہ اسکول قائم ہے۔

یہ مدرسہ تین چار کیلہ وقف زمین پر محیط تھا، پنجاب وقف بورڈ نے خالصہ اسکول والوں کے خلاف مقدمہ دائر کیا تھا، حال ہی میں عدالت نے بورڈ کے حق میں فیصلہ دیا ہے، اسکے بعد ناجائز قابضین نے ہائی کورٹ میں اپیل کی ہے، جو زیر سماعت ہے۔

مسجد ضلع گرداسپور

گرداسپور صوبہ پنجاب کا ایک مشہور و معروف ضلع ہے، جوامر تسر سے ۶۵ ر کلومیٹر پورب میں واقع ہے، گرداسپور انگریزوں کے دور کا ایک قدیم ضلع ہے، جس کا شمار متحدہ پنجاب کے ان اضلاع میں ہوتا ہے، جہاں مسلمانوں کی اکثریت تھی، اور یہاں کے مسلمان زیادہ تر زمیندار اور رئیس تھے، شہر اور دیہات میں مسلمانوں ہی کا بول بالا تھا، مسلمانان گرداسپور کا تعلیم کی طرف خاص رجحان تھا، اور یہاں کے مسلمان تعلیمی اداروں کی معاونت و مدد بھی کرتے تھے، جنوری ۱۸۴۸ء میں سر سید احمد خاں گرداسپور، مدرسۃ العلوم (جو علیگڑھ مسلم یونیورسٹی کا پرانا نام ہے) کے چندے کیلئے آئے تھے، اسلامیان گرداسپور نے ان کا شاندار استقبال کیا تھا، سر سید احمد کے استقبال کرنے والوں میں نجم الہند سردار محمد حیات خاں بہادر سی، ایس، آئی، شیخ احمد علی صاحب، اور مولوی محمد شفیع صاحب صدر منصف اور عنایت علی صاحب منصف، شیخ نبی بخش صاحب شیخ سبحان علی صاحب رئیس اور منشی گورچرن داس صاحب پیش پیش تھے، سر سید احمد خاں صاحب نے اسی موقع پر جوابی تقریر میں فرمایا تھا کہ :

"مدرسۃ العلوم، جس کا آپ نے بہت تعریف کے ساتھ ذکر کیا ہے، واقعی ہماری قوم کیلئے جس میں ہندو اور مسلمان سب شامل ہیں، ایسا ہی ہوگا جیسا آپ نے اسکو خیال کیا، مگر خدا اسکو پورا کرے، اسکے بانی ہونے کا

خطاب جو آپ نے مجھے دیا ہے، اصل میں اس کا استحقاق انہی لوگوں کو حاصل ہے، جنھوں نے روپے اور محنت سے اس میں مدد کی اور مدد دیتے جاتے ہیں، قومی کام میں واقعی اسوقت تک مدد نہیں ہو سکتی جب تک کہ لوگوں کے دلوں میں ملک کی بھلائی، قومی ہمدردی، اپنے ملک کے تمام بچوں کی تربیت کا جوش نہ آجائے[۱]"

اسی موقع پر سر سید احمد خاں کا لیکچر مدرسہ گرداسپور میں ہوا تھا، جس میں مختلف مقامات پر تعلیم گاہیں قائم کرنے پر زور دیتے ہوئے سر سید نے کہا تھا کہ:

"کیمبرج یونیورسٹی میں ابھی ایک لیڈی نے ایک نیا کالج قائم کیا ہے اس فیاض لیڈی نے اس کالج کے لئے اپنے پاس سے اٹھارہ لاکھ دیئے ہیں، جو یہاں کے حساب سے بیس لاکھ ہوتے ہیں، میرے خیال میں ہمارے ملک کے ہر ضلع اور ہر قصبہ کے لوگ مدرسہ قائم کر سکتے ہیں، یہاں کی مردم شماری کچھ ہی ہو مگر دو دو روپے اوسط فی کس دینے سے یہاں کے لوگ لاہور کالج سے زیادہ عمدہ کالج گرداسپور میں تیار کر سکتے ہیں، لیکن ہمت اور ارادے کی کمی ہے[۲]"۔

سر سید نے اسی لکچر میں تربیت کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے فرمایا تھا:

"دوستو! تربیت اور تعلیم دو چیزیں ہیں، صرف تعلیم سے آدمی انسان نہیں بنتا ہے بلکہ تربیت سے بنتا ہے، بولنے میں تو یوں آتا ہے تعلیم اور تربیت مگر تربیت میری سمجھ میں تعلیم پر مقدم ہے، ہماری قوم کے لوگوں کو اس پر خیال کرنا چاہیئے کہ اگر لڑکوں کی تعلیم کا گورنمنٹ کے اسکول پر بھروسا کرتے ہیں، تو کیا وہ سمجھتے ہیں کہ وہ تربیت بھی پا سکتے ہیں؟ ہرگز

---

[۱] سر سید احمد خاں پنجاب میں، ص ۱۱۹، ۱۱۸، [۲] سر سید احمد خاں پنجاب میں، ص ۱۲۹،

نہیں، تعلیم کا اصلی مقصد مورل کی درستی ہے، بہت سے تعلیم یافتہ ہیں جن کا طرز اخلاق ایسا خراب ہے، جس کو دیکھ کر افسوس ہوتا ہے، اور کہا جا سکتا ہے کہ کاش وہ بے تعلیم رہتے تو اچھا ہوتا۔ ؎۱"

یہاں کے مسلمانوں نے بھی تحریک آزادی میں پر جوش حصہ لیا، اور جان ومال کی قربانیاں پیش کیں، ان کی بے مثال قربانیوں کی وجہ سے ملک آزاد ہوا، اور ملک کے اندرونی حالات کی بنا پر وطن عزیز کا بٹوارہ ہوا، چنانچہ ۳/ جون ۱۹۴۷ء کے اعلان کے مطابق ہندوستان کے نقشے پر ایک نئے ملک کا وجود سامنے آیا، جو کبھی امن وامان کا گہوارہ تھا، جہاں کے باشندوں میں رواداری، بھائی چارگی اور باہمی میل ملاپ کی پرانی قدریں زندہ تھیں، اچانک یہ قدریں اور روایتیں بدلتی ہوئی نظر آئیں، اور دیکھتے ہی دیکھتے ہندوستان کے دوسرے شہروں قصبوں اور دیہاتوں کی طرح گرداسپور بھی فرقہ وارانہ فسادات کی زد میں آگیا اور یہاں بھی مسلمانوں کا قتل عام ہوا اور یہاں کی مسجدیں ویران اور شہید ہوئیں۔

۴۷ء کے بعد گرداسپور مسلمانوں سے خالی ہو گیا، آج گرداسپور میں بمشکل دو تین سو مسلمان ہونگے، حالانکہ یہاں کی آبادی، ستر، اسی ہزار کی ہے، وہ بھی مزدور پیشہ لوگ ہیں، البتہ آج کل بعض مسلمان کالجوں میں لکچرار بھی ہیں، مگر وہ باہر کے ہیں، مقامی لوگوں کی تعداد کوئی زیادہ نہیں ہے، دیہاتوں اور جنگلوں میں آباد ہیں، اور بھینسوں اور بکریوں کے دودھ پر ان کی معیشت کا دارومدار ہے، یہ لوگ گرمیوں میں ٹھنڈے علاقوں میں چلے جاتے ہیں، اور سردیوں کے موسم میں اپنے گھروں کو لوٹ آتے ہیں۔

گرداسپور شہر میں سات مسجدیں ہیں، سب سے قدیم مسجد پرانا بس اسٹینڈ

؎۱ سر سید احمد خاں، ص ۱۳۰۔

جی ٹی روڈ پر ہے، جس میں سات آٹھ خاندان آباد ہیں جنکے انخلاء کیلئے بورڈ نے مقدمہ دائر کرر کھا ہے، دوسری مسجد اسلام آباد میں ہے، جس میں سلائی وغیرہ کا کام ہوتا ہے، تیسری مسجد ٹریمو روڈیا کالج روڈ پر ہے، جس میں گوردوارہ ہے، باقی مسجدوں میں بھی رہائشیں ہیں، غرضیکہ شہر میں کوئی مسجد آباد نہیں ہے، حالانکہ شہر میں پنجاب وقف بورڈ کا دفتر موجود ہے، ذمہ داران بورڈ کی کوششوں کے باوجود شہر میں کوئی مسجد آباد نہیں ہو سکی ہے، شہر اور اطراف شہر میں کافی وقف جائیدادیں اور مسجدیں بھی ہیں، ضلع گرداسپور میں شمشیر خاں کا مقبرہ بہت مشہور ہے جس کی پیشانی پر فارسی میں کتبہ موجود ہے۔

مسجد نبی پور (گاؤں)

شہر گرداسپور سے ۲/ کلو میٹر دور کلانور روڈ پر نبی پور نامی ایک گاؤں ہے، یہ گاؤں پرانا ہے، جس کے نام سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں کبھی مسلمانوں کی آبادی تھی، یہ گاؤں اب شہر کا ایک حصہ ہو گیا ہے، چونکہ شہر کی نئی آبادی گاؤں تک پہنچ چکی ہے، اسی گاؤں میں ایک قدیم مسجد ہے، جو لکھوری اینٹوں کی بنی ہوئی ہے، جس کے تین گنبد دو بڑے مینار اور کچھ چھوٹے مینار ہیں، مسجد کی چھت پر جانے کے لئے زینہ بنا ہوا ہے، یہ مسجد ۲۳/ فٹ ۴/ انچ لمبی اور ۱۱/ فٹ ۵/ انچ چوڑی ہے، برآمدہ ۳۶/ فٹ ۳/ انچ لمبا ۹/ فٹ ۹/ انچ چوڑا ہے صحن ۴۸/ فٹ لمبا اور ۲۳/ فٹ ۷/ انچ چوڑا ہے، جس کی حد بندی کی دیوار ۵/ فٹ بلند ہے، یہ مسجد جناب محمد یعقوب صاحب کی مساعی کی وجہ سے کھلی ہے اور آباد ہے، جس میں پنجوقتہ نمازوں کے علاوہ جمعہ و عیدین کی نمازیں بھی ہوتی ہیں، نماز جمعہ میں شہر اور اطراف شہر سے ۸۰,۹۰/ مسلمان شریک ہو جاتے ہیں، ضلع گرداسپور کے سروے کے دوران راقم الحروف کو اس مسجد میں جمعہ کی

نماز پڑھنے کا موقع نصیب ہوا، اس مسجد میں پنجاب وقف بورڈ کی طرف سے امام مقرر ہے، اسی مسجد میں پنجاب وقف بورڈ کے ذمہ دار ان نماز پڑھتے ہیں۔

جامع مسجد ہوشیار پور

ہوشیار پور، صوبہ پنجاب کا ایک اہم شہر ہے جو جالندھر سے ۴۰ر کلو میٹر مشرق میں اور امرتسر سے ۱۰۰ر کلو میٹر جنوب میں واقع ہے، اس شہر میں ہریجنوں کی اکثریت ہے، ہریجن (I. A.S) آئی، اے، ایس، افسران یہاں کافی ہوئے ہیں، مشہور ہریجن لیڈر کانشی رام کا یہ حلقہ انتخاب رہا ہے۔ ۱۹۴۷ء میں یہاں مسلمانوں کی اکثریت تھی ۴۷ء کے حوادث کے بعد یہاں سے مسلمان پاکستان ہجرت کر گئے، اور اپنی مساجد اور قبرستانوں کو برادران وطن کے رحم وکرم پر چھوڑ گئے آج بھی انکی عبادت گاہوں اور وقف اراضی کے تنازعات ومقدمات عدالتوں میں زیر التواء ہیں۔ ہوشیار پور کا قدیم تاریخوں میں ذکر نہیں ملتا ہے، البتہ جدید شاعروں اور صحافیوں میں، ساحر ہوشیار پوری، اور محمد طفیل ہوشیار پوری ممتاز ادبی مقام رکھتے ہیں، اول الذکر اردو زبان وادب کے مشہور غیر مسلم شاعر تھے، اور آخر الذکر پاکستان کے عظیم صحافی تھے، جو "نقوش" جیسا معیاری رسالہ نکالتے تھے، نقوش اپنے خصوصی شماروں اور نمبروں کی بنا پر ہندوپاک کے علمی ومذہبی حلقوں میں بیحد مقبول ہے، ان دونوں کو اپنے وطن مالوف سے اتنا عشق تھا کہ ہوشیار پور ان کے ناموں کا جزو لاینفک ہو گیا، اس شہر میں قدیم وجدید عمارات ہیں اور تنگ وکشادہ گلیاں بھی ہیں، یہاں آج بھی بعض علاقے ایسے گنجان وغیر مرتب ہیں کہ ان کے اندر داخل ہونے کے بعد مسلم آبادیوں کی یاد تازہ ہو جاتی

ہے، اور بعض عمارتوں کی پیشانی پر بسم اللہ، اللہ، محمد، اور کلمہ طیبہ لکھا ہوا دیکھ کر جی بے قرار ہو جاتا ہے اور ماضی کے دردناک حالات اور خونیں مناظر آنکھوں کے سامنے پھر جاتے ہیں۔

اب یہاں مسلمانوں کی تعداد برائے نام ہے، مشکل سے دس پندرہ مکانات ہوں گے، تقریباً ۱۰۰/ نفوس ہوں گے اور یہ سبھی پیشہ ور مسلمان ہیں، یہاں، پنجاب وقف بورڈ کے ریکارڈ کے مطابق تقریباً ۳۵/ مساجد ہیں، جن میں سے صرف ۵/ پانچ مساجد آباد ہیں۔ باقی میں مندر و گوردوارے اور رہائشیں ہیں۔

جامع مسجد

جامع مسجد جالندھر روڈ کے کنارے واقع ہے جو لکھوری اینٹوں کی بنی ہوئی ایک شاندار مسجد ہے، اس کے اوپر کوئی کتبہ نہیں ہے جس سے تاریخ و تعمیر اور بانی کا نام معلوم ہوتا، البتہ مسجد کا پنجاب گزٹ میں اندراج ہے اور ایک پیمائش کے مطابق اس کا صحن ۵۵/ فٹ لمبا اور ۵۳/ فٹ چوڑا ہے۔ برآمدہ ۵۲/ فٹ لمبا ہے اور اسکے چار در، اینٹوں سے بند ہیں، صحن کی پختہ چہار دیواری ہے یہ پانچ در کی مسجد ہے، مغربی جانب بھی پانچ بلند محرابیں بنی ہوئی ہیں، درمیانی محراب میں تین روشندان بہت خوبصورت ہیں۔

مسجد کی دیوار ۵۵/ فٹ لمبی اور ½ ۴/ فٹ چوڑی ہے، منبر نیا تعمیر ہوا ہے فرش بھی جدید اور دائیں بائیں کے گنبد قدرے چھوٹے اور ٹوٹے ہوئے ہیں گنبدوں میں ٹائلس لگے ہوئے ہیں جس کی وجہ سے گنبد بڑے ہی دلفریب نظر آتے ہیں اور یہ گنبد برآمدے کے اوپر بنے ہیں۔

اس مسجد میں دو بلند و بالا مینار دو چھوٹے مینار اور دو بالکل چھوٹے مینار ہیں انکے درمیان میں ایک کوہان نما مینار ہے اور دو کوہان نما مینار چھوٹے میناروں کے

برابر میں بھی ہیں یہ کل ۹/ مینار ہیں۔ ان میں سے سات میناروں پر سنہری کلس ہیں جو سونے کے معلوم ہوتے ہیں کیونکہ پیتل کے کلس آدھی صدی میں بدنما ہو جاتے ہیں، باقی کوہان نما میناروں کے کلس غالباً سونے کے ہونے کی وجہ سے کسی نے اتار لئے ہیں، بائیں طرف چھت پر جانے کے لئے ۱۶/ سیڑھیوں کا ایک تنگ زینہ ہے، اوپر جانے کے بعد تمام شہر کا نظارہ کیا جا سکتا ہے اور دو مینار جو تعمیر مسجد کے وقت کے ہیں، ادھورے رہ گئے تھے اور آج بھی اسی حالت میں ہیں، اسلئے پنجاب وقف بورڈ کو ان کی تعمیر کی طرف فوری توجہ کرنے کی ضرورت ہے، مسجد کے جنوب میں بالکل متصل ایک سکھ نے معمولی سا گوردوارہ بھی بنا لیا ہے، مسجد الحمد للہ آباد ہے اور پنجاب وقف بورڈ کے زیر انتظام ہے بورڈ کے مقرر کردہ امام مولوی سید اطہر حسن مفتاحی صاحب ہیں۔

عید گاہ

مسجد کے ملحق شمال اور مغرب کے کونے میں ایک وسیع و عریض عید گاہ ہے جو ۲۵۰/ فٹ لمبی اور ۱۰۰/ فٹ چوڑی ہے۔ جس کی محرابیں خستہ حالت میں ہیں، تین کوہان نما مینار ہیں، ان کے علاوہ دو اور مینار ہیں، صحن میں آم اور بیل کے ایک درجن سے زائد درخت ہیں اور سبزہ اگا ہوا ہے، صحن میں ایک حوض بھی ہے جو اب قابل استعمال نہیں ہے عید گاہ اور اس کے قریب کم از کم ۵۰/ بیگھہ زمین وقف ہے جو پنجاب وقف بورڈ کے قبضہ میں ہے، عید گاہ آباد ہے، اور پنجاب وقف بورڈ کے اهتمام میں عیدین کی نمازیں ہوتی ہیں۔

اسلامیہ ہائی اسکول ہاسٹل

جالندھر روڈ ہی پر جامع مسجد ہوشیار پور سے ملحق اسلامیہ ہائی اسکول کی عظیم الشان عمارت ہے اس کا سنگ بنیاد ۲۴/ دسمبر ۱۹۰۸ء میں نواب وقار الملک

جناب مولوی محمد مشتاق حسین نے رکھا تھا۔ جو سر سید احمد خاں بانی مسلم علیگڑھ مسلم یونیورسٹی کے دست راست اور تحریک علیگڑھ کے پرجوش حامی و مبلغ تھے، اس سنگ بنیاد کی تقریب کے موقع پر علامہ اقبال بھی موجود تھے، علامہ اقبالؒ ہوشیارپور میں متعدد بار آچکے ہیں، اسلامیہ ہائی اسکول کی عمارت کے صدر دروازے کے اوپر اردو اور انگریزی میں یہ کتبات ہیں۔

اردو کتبہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رب زدنی علما

اسلامیہ ہائی اسکول ہوشیارپور کے اس بنیادی پتھر کو نواب وقارالملک بہادر، جناب مولوی مشتاق حسین صاحب انتصار جنگ آنریری سکریٹری محمڈن اینگلو اورنٹیل کالج علیگڑھ بروز پنجشنبہ بتاریخ ۲۹/ ذی الحجہ ۱۳۲۶ھ مطابق ۲۴/ دسمبر ۱۹۰۸ء کو اپنے دست مبارک سے نصب فرمایا ہے۔

انگریزی کتبہ

This foundation stone of Islamia High School Hoshiarpur was Laid by Nawab Waqarul Mulk Bahadur, Maulvi Muhammad Mushtaq Hussain Intisar Jung

honouraryy Secretary M.A.O. College Aligarh on the 24th December 1908

یہ دو منزلہ عمارت ہے جس میں ۲۸/ کمرے ہیں۔ دو کوٹھیاں وارڈن کی ہیں وہ بھی اسی سے ملحق ہیں، ڈائننگ ہال کے متصل ہاسٹل ہے، اور ہاسٹل کے

درمیان ایک نودرہ بھی ہے۔

جناب عبدالسلام صاحب Rent collector نے بتایا کہ کسٹوڈین نے تقسیم ملک کے بعد ۳۵۰ روپے مہینہ پر گورنمنٹ کالج کو ہاسٹل کیلئے کرایہ پر دیدیا تھا، یہ کالج پھگواڑہ روڈ پر واقع ہے (جس کی کرایہ داری پنجاب وقف بورڈ نے ۱۹۹۰ء میں ختم کردی، اور سر سیدؒ کی یادگار کو خالی کرانے کے لئے مقدمہ دائر کردیا، جو زیر سماعت ہے۔ اس عمارت کی شان و شوکت کو دیکھنے کے بعد سر سید خاںؒ نے پنجاب کے مسلمانوں کو ''زندہ دلان پنجاب'' کا جو خطاب دیا تھا، اس کی حقیقت واصلیت سمجھ میں آجاتی ہے کہ مسلمانان پنجاب نے ہوشیار پور جیسے افتادہ علاقہ میں سر سید احمد خاںؒ کی تحریک کو تقویت پہنچانے کیلئے ایسی شاندار عمارت تعمیر کرائی۔

سر سید احمد خاںؒ کے عشاق اور تحریک علیگڑھ سے وابستہ اور سر سید ڈے منانے والوں کو اس یادگار عمارت کو ضرور دیکھنا چاہیئے۔ اور سر سید احمدؒ اور ان کے رفقاء کار کے عزائم واثرات کا جائزہ لینا چاہیئے۔

جامع مسجد پھگواڑہ

پھگواڑہ صوبہ پنجاب کا ایک صنعتی و تجارتی شہر ہے جو جالندھر سے ۷ار کلو میٹر کے فاصلے پر جنوب میں واقع ہے۔ ایک زمانے میں پھگواڑہ مل کا (لٹھا) کپڑا بہت مشہور تھا آج بھی یہ کپڑا مل موجود ہے، یہاں کی شوگر فیکٹری بھی کافی شہرت رکھتی ہے، دوسری فیکٹریاں بھی بہت ہیں Jagjit Cotton Textile میں مسلمان افسروں اور مزدوروں کی خاصی تعداد ہے وہ عید ملن کا(Function) جلسہ بھی کرتے ہیں، یہاں ستر فیصد ہندو اور باقی سکھ وغیرہ ہیں ۱۹۴۷ء میں یہاں مسلمانوں کی اچھی خاصی آبادی تھی تقسیم ملک کے بعد مسلم آبادی پاکستان منتقل ہو گئی، اور ان کی عبادت گاہیں ویران ہو گئیں۔

یہاں کی مجموعی آبادی دولاکھ کی ہے جس میں ۱۵۰ر گھر مسلمانوں کے ہونگے، پھگواڑہ کے قرب وجوار میں گوجر مسلمان آباد ہیں، اور یہاں پر ۶۰ر مسجدیں ہیں، ان میں سے صرف دو مسجدیں آباد ہیں باقی پر اغیار یعنی غیر مسلموں کے، مختلف شکلوں میں ناجائز قبضے ہیں کچھ میں مندر اور کچھ میں گوردوارے اور کچھ میں رہائشیں ہیں پھگوڑہ میں شاہراہ کے کنارے عیسائیوں کا مشہور چرچ ہے جو وقف زمین پر بنا ہوا ہے، جس کے خلاف عدالت میں کیس چل رہا ہے۔

جامع مسجد

اس شہر کی سب سے خوبصورت مسجد، جامع مسجد پھگواڑہ ہے جو قلب

شہر، محلّہ آتش بازاں میں واقع ہے، یہ ۱۳۶۴ھ مطابق ۱۹۴۵ء میں تعمیر ہوئی تھی، جس کے بانی مختار احمد زمیندار تھے جو بعد میں سرگودہا پاکستان منتقل ہو گئے، اس مسجد کے دو خوبصورت و منقش دروازے ہیں، ایک مشرقی جانب اور دوسرا جنوبی جانب ہے جو بہت ہی شاندار ہے جس کے اوپر ایک کتبہ ہے جس میں ایک فارسی کا مشہور شعر بھی ہے۔

جامع مسجد پھگواڑہ

۱۳۶۴ھ مطابق ۱۹۴۵ء

روز محشر کہ جانگداز بود　　اولین پرسش نماز بود

یہ مسجد ۶۰/ فٹ لمبی اور ۳۰/ فٹ چوڑی ہے اور پانچ در کی ہے، ۴۵/ فٹ مربع صحن ہے، جس کے شمالی جانب وضوخانہ اور برآمدہ ہے ماربل کا فرش نہایت ہی خوشنما ہے، اس مسجد کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس کا صرف ایک ہی گنبد ہے لیکن یہ بہت ہی عالیشان ہے جو شلغمی طرز کا بنا ہوا ہے اور مسلمانوں کی عظمت رفتہ کی دلیل ہے اس کے نقش و نگار دلکش و دلآویز ہیں۔

اس مسجد میں سات مینار ہیں اذان دینے کے لئے ایک زبردست مینار ہے جسکو عرف میں ماذنہ کہتے ہیں، جو شاید ہی پنجاب کی کسی بڑی مسجد میں ہو، (باستثناء مسجد کپور تھلہ) مگر یہ منفرد طرز کا ہے، مسجد کے اندرونی حصہ میں محرابی دیواروں پر خوشخط حروف میں قرآنی آیات لکھی گئی ہیں کسی ماہر خطاط و فنکار نے اپنے فن خطاطی کا دلکش نمونہ پیش کیا ہے، یہ مسجد کوئی خاص قدیم نہیں ہے لیکن مغل طرز تعمیر پر بنائی گئی ہے، اور اسکا شمار پنجاب کی خوبصورت مساجد میں ہوتا ہے۔

تقسیم ملک اور مسجد پر ناجائز قبضہ

پنجاب کے دوسرے شہروں کی طرح اس شہر کی مساجد پر بھی ناجائز قبضے

ہوئے خود اس زیر بحث مسجد پر بھی ناجائز قبضہ ہو گیا تھا۔ جس میں ۳۶ / خاندان آباد تھے۔ مسجد کے امام و خطیب اور مشہور عالم دین حضرت مولانا خلیل الرحمٰن لدھیانویؒ نے ایک ملاقات میں بیان فرمایا کہ :

''اس مسجد کو جناب پرتاب سنگھ کیروں (وزیر اعلیٰ پنجاب) نے ۲/ اکتوبر ۱۹۵۹ء کو بذریعہ تحصیلدار پھگواڑہ خالی کرایا تھا۔ جناب کیروں برطانوی دور استبداد میں میرے جیل کے ساتھی تھے۔ مولانا نے مزید کہا کہ جب مسجد خالی ہو گئی تو مغرب کی پہلی نماز ہوئی تھی۔ اور اذان مینار کے بالکل اوپر سے دلوائی کہ (گربہ کشتن روز اول) اسکے بعد کیروں کا معمول ہو گیا تھا کہ چنڈی گڑھ اور امرتسر سے آتے جاتے مسجد میں ضرور آتے اور چائے وغیرہ پینے کے بعد جاتے تھے۔ جس کی وجہ سے پھگواڑہ کے غیر مسلم حکام و آفیسران مجھ سے خائف رہتے تھے''

مسجد میں جلسہ سیرت النبی

مولانا خلیل الرحمٰن لدھیانویؒ نے ۱۹۴۷ء کے خوفناک حالات کے بعد پھگواڑہ اور اس کے نواح کے مسلمانوں کے اندر سے خوف و ہراس کو دور کرانے کیلئے ایک عظیم الشان جلسہ سیرت النبی منعقد کرایا جس میں قاری عبد الرحمٰن سہارنپوری صاحب مولانا سلمان صاحب (شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر العلوم) اور مولانا اخلاق حسین صاحب قاسمی کو مدعو کیا جلسہ میں ان کی تقریریں ہوئیں، جس کا بڑا اچھا اثر ہوا، دور دراز کے دیہاتوں میں آباد مسلمانوں کے اندر سے خوف دور ہوا اور ان کے حوصلے بلند ہوئے۔

مولانا کی آخری آرام گاہ

مولانا خلیل الرحمٰن لدھیانویؒ، مشہور مجاہد آزادی اور نامور عالم دین

مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے اور خود بھی مجاہد آزادی تھے، آپ کے سینے میں بڑے بڑے سیاسی و تاریخی راز پوشیدہ تھے، مشہور مجاہد آزادی سبھاش چندربوس جب ہندوستان سے جاپان گئے تو تین دن تک لدھیانہ میں آپ کے گھر پر ٹھہرے رہے، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ سے نیتاجی کے قدیم مراسم تھے، اسی موقع پر حضرت مولانا خلیل الرحمٰن لدھیانویؒ سبھاش چندربوس کو افغانستان چھوڑ کر آئے جہاں سے وہ جاپان چلے گئے اور اس جرم میں مولانا خلیل الرحمٰن لدھیانویؒ کو ایک سال تک قید وبند کی صعوبتیں واذیتیں برداشت کرنی پڑیں، آپ ہی نے اپنے ذاتی اثرورسوخ کی بناپر اس مسجد کو خالی کرایا تھااور تاحیات اس میں امام وخطیب کی حیثیت سے خدمتہائے جلیلہ انجام دیتے رہے، آپ پنجاب وقف بورڈ کے بانی ممبران میں تھے۔بلکہ پنجاب وقف بورڈ کے قیام کے محرک بھی تھے، مولانامرحوم کی انہی خدمات کی بناپر بورڈ نے انہیں ایک موقرایوارڈ بھی دیا تھابالآخر مولانا۱۸؍رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ مطابق ۱۸؍جنوری ۱۹۹۸ء کواپنے مولائے حقیقی سے جاملے اور جامع مسجد کے صحن کے ایک گوشہ میں محواستراحت ہوگئے، رحمه الله رحمة واسعة۔

مسجد خلیفہ بن عبد العزیز

جلیانوالہ باغ امر تسر کے، مغربی جانب کے دروازے سے متصل عقب میں مسجد خلیفہ ابن عبد العزیز ہے، جو ماتا سنگھ روڈ پر واقع ہے، جہاں سے گولڈن ٹیمپل تھوڑے ہی فاصلہ پر ہے، گولڈن ٹیمپل میں فوجی کاروائی کے موقع پر جلیانوالہ باغ ہی میں فوج نے محاذ بنایا تھا۔

یہ مسجد تین در اور تین صف کی ہے، ٹین شیڈ کی چھت ہے، مسجد خستہ حالت میں ہے، ۱۹۴۷ء میں مسجد خلیفہ بن عبد العزیز پر ناجائز قبضہ ہو گیا تھا، جناب بشیر احمد خاں ریجنل آفیسر پنجاب وقف بورڈ، پھگواڑہ نے بیان کیا کہ:

"جب میں امر تسر میں تھا تو بڑی محنت و مشقت کے بعد اس مسجد کو خالی کرا لیا تھا، اور بورڈ نے جلیانوالہ باغ (جو بین الاقوامی شہرت رکھتا ہے) کے شایان شان اس مسجد کا نقشہ پاس کیا تھا، آج بھی بورڈ کے سامنے اس مسجد کی جدید تعمیر کا منصوبہ ہے، اگر بورڈ کے منصوبہ کے مطابق یہ مسجد تعمیر ہو گئی تو ایک شاندار مسجد ہو گی"

اس مسجد کے شمالی جانب کے حصہ پر ناجائز قبضہ ہے، مسجد آباد ہے، پنجوقتہ نمازیں ہوتی ہیں، اس مسجد میں راقم الحروف کو بھی نماز پڑھنے کا شرف حاصل ہے۔

جلیانوالہ باغ

امر تسر کا مشہور تاریخی مقام جلیانوالہ باغ ہے، جو بین الاقوامی شہرت کا

حامل ہے، جہاں ۱۳/ اپریل **۱۹۱۹ء** کو رولٹ ایکٹ کے خلاف باشندگان امر تسر کا پر امن احتجاجی جلسہ ہو رہا تھا، جس میں بلا تفریق مذہب و ملت باشندگان امر تسر شریک تھے، ان بے گناہ اور نہتے حریت پسندوں پر ظالم و جابر جنرل ڈائر نے گولیاں چلوائیں، جس کے نتیجے میں تقریباً ۲۰۰۰/ ہزار محبّ وطن ہندوستانی مارے گئے، جن میں زیادہ تر اسلامیان امر تسر تھے، جو اپنے محبوب لیڈر ڈاکٹر سیف الدین کچلو مرحوم کی گرفتاری کے خلاف پر امن احتجاج کرنے کیلئے جمع ہوئے تھے۔

راقم السطور نے امر تسر کے جلیانوالہ باغ کو دیکھا ہے، جو آج امر تسر کا خوبصورت پارک بنا ہوا ہے، مگر اس کے چپے چپے پر حریت پسند و سر فروش مجاہدین کے خون کے دھبے ہیں، جن میں آج انواع و اقسام کے پھول کھلے ہیں۔

جلیانوالہ باغ در اصل کوئی باغ نہیں تھا، بلکہ ایک کھلا میدان تھا، جو ۴/ ایکڑ ۲۰، ۳۲/ کنال زمین پر محیط تھا، قد آدم چہار دیواری تھی، چہار دیواری کے ملحق چاروں طرف مسلمانوں کے رہائشی مکانات تھے، جلیانوالہ باغ کے صرف دو دروازے (مشرق و مغرب میں) تھے، اور تین گلیاں تھیں، شمال و جنوب میں اور کوئی دروازہ نکلنے کے لئے نہیں تھا۔

ظالم انگریزوں نے مشرق و مغرب کے دروازوں کو بند کر رکھا تھا، بمشکل نکلنے کے لئے دو تنگ گلیاں تھیں، اور بس!

جلیانوالہ باغ میں ایک وسیع و عمیق کنواں ہے، جو شہیدی کنواں کہلاتا ہے، یہ کنواں ۲۷/ فٹ گول اور سطح پانی تک ۳۸/ فٹ گہرا ہے، پانی کی گہرائی کا کوئی علم نہیں ہے، جب جلیانوالہ باغ میں اچانک گولیاں چلنے لگیں تو مجمع میں خوف و ہراس کا یہ عالم ہو گیا کہ لوگ جان بچانے کی خاطر بھاگتے بھاگتے کنویں میں پے در پے گر پڑے، اور تھوڑی دیر میں لاشوں سے کنواں بھر گیا، جس سے بعد میں

ایک سو بیس لاشیں نکالیں گئیں، پہلے کنواں پر کوئی چھت نہیں تھی، اب چھت تعمیر ہو گئی ہے۔

راقم الحروف نے جلیانوالہ باغ کی دیواروں کو دیکھا ہے، جن میں انگریزوں کی گولیوں کے نشانات ہیں جو ۲/ انچ گہرے ہیں، ان گولیوں کے نشانات کی احاطہ بندی کردی گئی ہے، سیاح وزائرین مرنے والوں کی روحوں کو سلام کرتے ہیں۔

گولڈن ٹیمپل کے احاطے میں مسجد

راقم الحروف ۲۵/ نومبر ۱۹۹۷ء کو مجوزہ پروگرام کے مطابق امرتسر حاضر ہوا، پنجاب وقف بورڈ کے ضلعی دفتر میں عبداللطیف خاں اسٹیٹ آفیسر اور عبدالباسط خاں رینٹ کلکٹر موجود تھے، ان حضرات نے ہمارا شاندار استقبال کیا، اور امرتسر کے تاریخی مقامات کے سروے کا پروگرام مرتب کیا، اسی دوران عبدالباسط خاں صاحب نے انوارالہدیٰ صاحب کو فون کردیا تھا، تھوڑے ہی دیر میں انوارالہدیٰ صاحب بھی دفتر آگئے، اور باہمی مشورہ سے طے ہوا کہ سب سے پہلے جلیانوالہ باغ اور گولڈن ٹیمپل دیکھنے چلا جائے، ہم لوگ جلیانوالہ باغ گئے، اس کو دیکھنے کے بعد گولڈن ٹیمپل گئے، جو قلعہ نما شاندار عمارت ہے، جس میں گولڈن ٹیمپل، اکال تخت اور دوسری مذہبی عمارتیں ہیں، یہ سکھوں کا سب سے بڑا گوردوارہ ہے، جس کی بنیاد حضرت میاں میرؒ نے رکھی تھی، آپ داراشکوہ کے پیر ملا شاہ بدخشانیؒ کے پیر ومرشد تھے، جب شاہجہاں بادشاہ لاہور گئے تو حضرت میاں میرؒ سے ملاقات کی، جو سلسلۂ قادریہ کے ایک مقتدر بزرگ تھے، بادشاہ نے ان کی خدمت میں ایک تسبیح اور ایک سفید پگڑی بطور نذرانہ پیش کی [1]۔

راقم الحروف اپنے رفقاء کے ساتھ گولڈن ٹیمپل کے اندر تالاب کے

---

[1] نقوش لاہور نمبر جلد اول ص ۶۶

کنارے گھوم رہا تھا کہ، جناب انوار الہدیٰ صاحب امرتسری نے گولڈن ٹیمپل کے لنگر خانے کے قریب ایک عالیشان عمارت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ مسجد ہے، اور اسکو گولڈن ٹیمپل والوں نے لنگر خانے کی عمارت میں شامل کر لیا ہے انوار الہدیٰ صاحب نے مسجد کی محراب، مینار اور برجیوں کی طرف بھی راہنمائی کی، ان تمام کو بغور دیکھنے کے بعد پتہ چلا کہ واقعی یہ مسجد ہے، جس کی باہری ہیئت میں تھوڑی تبدیلی کر دی گئی ہے، اور اندرونی حصہ جوں کا توں موجود ہے، انوار الہدیٰ صاحب نے بتایا کہ کچھ دنوں پہلے یہ باہر سے بھی صاف مسجد دکھائی دیتی تھی، حال ہی میں باہر سے تبدیلی کی گئی ہے، انہوں نے بتایا کہ اس کا باضابطہ خسرہ نمبر وغیرہ بھی ہے۔

درگاہ شیخ ابو الفتاحؒ

راقم الحروف جب امرتسر کی مساجد و آثار کے سروے سے فارغ ہو گیا تو جناب عبد الباسط خاں صاحب نے کہا کہ یہاں سے کوئی ۳۰/۳۵ کیلو میٹر کے فاصلے پر مغرب میں تحصیل ترن تارن ہے، جہاں شیخ فتاءؒ (جن کا اصل نام شیخ ابو الفتاحؒ ہے) کی درگاہ مقبول خاص و عام ہے، اس کا سروے بھی ضروری ہے۔

راقم الحروف نے عبد الباسط خاں صاحب کے مخلصانہ و ہمدردانہ مشورہ پر عمل کرتے ہوئے سفر کا ارادہ کر لیا، اور ہم لوگ صبح ہی صبح تحصیل ترن تارن روانہ ہو گئے، ہماری ماروتی وین برق رفتاری کے ساتھ چل رہی تھی، پنجاب کا روڈ ہندوستان کے دوسرے صوبوں کے مقابلے میں نہایت ہی عمدہ ہوتا ہے، روڈ کے دونوں طرف ہرے بھرے کھیت تھے، کھیتوں کی ہریالی بڑی بھلی لگتی تھی، تھوڑی دیر میں شیخ ابو الفتاحؒ کے احاطے میں پہونچ گئے، جہاں میلہ لگا ہوا تھا بڑا مجمع تھا، جس میں زیادہ تر سکھ عورتیں اور مرد تھے، بلا تفریق مذہب و ملت سبھی

درگاہ پر گلہائے عقیدت پیش کر رہے تھے۔

جناب عبدالباسط صاحب نے راقم الحروف کو بتایا کہ "درگاہ شیخ ابو لفتاحؒ کا رقبہ ۲۹ر کنال ۱۱ر مرلے ہے، جس کا خسرہ ۶۱۰ر ہے، پنجاب وقف بورڈ ہر سال ۲۳ لاکھ روپئے سالانہ ٹھیکہ پر دیتا ہے، بورڈ کے موجودہ لائسنسی ڈاکٹر سکھ ویندر سنگھ صاحب ہیں۔

ڈاکٹر سکھ ویندر سنگھ نے بتایا کہ یہاں جہانگیر بادشاہ کے دور کی ایک عبادت گاہ ہے، جو قبہ نما ہے، اور ایک کنواں بھی تھا، جو اب کہیں کسی کھیت میں چھپ گیا ہے، کچھ دنوں پہلے تک موجود تھا، وہاں کے مقامی لوگوں کا بیان ہے کہ حضرت شیخ (ابو الفتاحؒ) کی درگاہ سے سکھوں اور ہندوؤں کے اعتقاد واحترام کا یہ عالم ہے کہ جس جس گاؤں وبستی میں سے یہ درگاہ حضرت شیخ ابو لفتاحؒ نظر آتی ہے، اس گاؤں اور بستی میں کوئی ایسی دومنزلہ عمارت نہیں ملے گی جو درگاہ سے اونچی ہو، اور جس گاؤں اور بستی سے درگاہ نظر نہیں آتی ہے، اس میں دومنزلہ تین منزلہ عمارتیں خوب نظر آتی ہیں۔

راقم الحروف نے ان کے بیان کے مطابق درگاہ کے اطراف واکناف کی بستیوں میں دیکھا تو کوئی عمارت درگاہ سے اونچی نہ تھی، اور جہاں سے یہ درگاہ اوجھل ہوگئی، ان بستیوں میں دومنزلہ تین منزلہ عمارتیں خوب نظر آتی تھیں۔

واضح رہے کہ اس تحصیل میں خالص سکھ اور غیر مسلم آباد ہیں، چند گھر بھی مسلمانوں کے نہیں ہوں گے، اس درگاہ پر آنے والے سبھی غیر مسلم ہیں جن میں سکھ حضرات زیادہ ہوتے ہیں، اور یہ سبھی حضرت ابو الفتاحؒ کی کرامتوں اور روحانی تصرفات کے قائل ہیں، اور ان لوگوں کا معمول ہے کہ جب انکے یہاں کوئی بھینس، یا گائے بچہ دیتی ہے تو اسکے پہلے دودھ کی کھیر بناکر درگاہ کی نذر کرتے ہیں۔

مسجد دارالاسلام پٹھانکوٹ

پٹھانکوٹ، صوبہ پنجاب کا ایک ایسا ضلع ہے، جو نقشہء پنجاب میں غیر علمی و غیر تاریخی حیثیت کا حامل رہا ہے، یہ انبالہ سے ۲۸۰ر کلو میٹر سمت شمال میں اور جموں سے ۱۰۰ر کلو میٹر سمت شرق میں ہرے بھرے پہاڑوں کے درمیان واقع ہے، جہاں چاول، گندم اور چنے کی پیداوار کے علاوہ سیب، کشمش، ناریل اور آلو بخارا کی اچھی فصلیں بھی ہوتی ہیں، پنجاب کے برعکس یہاں انواع واقسام کے آموں کے لمبے لمبے درخت بھی ہیں، جن میں اعلیٰ قسم کے پھل آتے ہیں، یہاں بہت بڑی فوجی چھاونی بھی ہے، جموں سے ملحق ہونے کی وجہ سے بہت ہی حساس علاقہ ہے۔

راقم الحروف کے محدود علم کے مطابق پٹھانکوٹ کی سرزمین میں نہ کوئی قابل ذکر شخصیت پیدا ہوئی ہے، اور نہ یہاں سے کوئی خاص تاریخی واقعہ وابستہ ہے البتہ جہانگیر بادشاہ کے دور میں ایک حادثہ ضرور ہوا تھا، جب جہانگیر بادشاہ نے ہماچل پردیش کے قلعہ کانگڑہ کو فتح کرنیکا عزم وارادہ کیا تو شیخ فرید بخاریؒ کو تسخیر قلعہ کے لئے مامور کیا، جو اس وقت پنجاب کے گورنر تھے، جب شیخ فرید بخاریؒ، قلعہ کانگڑہ سے واپس ہو رہے تھے، تو پٹھانکوٹ ہی میں آپ کا اچانک انتقال ہو گیا اور آپ کی وصیت کے مطابق آپ کی لاش دلی لائی گئی، اور آپ کے خاندانی قبرستان سرائے شاہ جی (مالویہ نگر نئی دلی) میں دفن کیا گیا، آپکے انتقال پر جہانگیر بادشاہ بڑا غمگین ہوا تھا، اپنی تزک جہانگیری میں انکی موت پر بڑے دردانگیز تعزیتی

کلمات لکھے ہیں، اور انکی غیر معمولی صلاحیتوں و قابلیتوں اور انکی خدمات جلیلہ کا بھر پور اعتراف کیا ہے۔

پٹھانکوٹ میں، ۱۹۴۷ء سے قبل اور ۱۹۴۷ء کے بعد ہندوؤں کی اکثریت رہی ہے ۱۹۴۷ء میں یہاں بھی فرقہ وارانہ فساد ہوا تھا، اور کثیر تعداد میں مسلمانوں کو تہ تیغ کیا گیا تھا، البتہ پہاڑی علاقہ ہونے کی وجہ سے بہت سے مسلمان پہاڑوں اور جنگلوں میں روپوش ہو گئے تھے، پھر جب یہاں کے حالات کچھ بہتر ہوئے تو اپنے گھروں کو واپس آگئے تھے، روپوش ہونیوالوں میں گوجر، جولاہے، لوہار، بڑھئی اور تیلی زیادہ تھے، (آج بھی یہی برادریاں یہاں آباد ہیں)

پنجاب وقف بورڈ کے، ایک صالح مستعد نوجوان ملازم، عبد الغنی ۱؎ نے بیان کیا کہ ستین نامی گاؤں میں تقسیم کیوقت سات آٹھ ہزار مسلمان تھے، جنہوں نے اس وقت چوٹیاں رکھ لی تھیں، مولانا نیک محمد صاحبؒ نے بڑی جدوجہد کر کے انہیں دوبارہ کلمہ گو بنایا تھا، مولانا نے انکی اور انکے بچوں کی تعلیم و تربیت پر پوری توجہ دی، اور اس گاؤں میں ایک مسجد بھی تعمیر کرائی، اب اللہ کے فضل و کرم سے پٹھانکوٹ اور اسکے اطراف میں تیرہ چودہ ہزار مسلمان ووٹرس ہیں، شہر میں ۲۵/ مسجدیں ہیں، ان میں سے دو آباد مسجدیں بھی ہیں، جن میں نماز باجماعت ہوتی ہے،

۱؎ جن کے والد کا نام مولانا نیک محمدؒ تھا، جو گوجر برادری سے تعلق رکھتے تھے، اور پٹھانکوٹ کے رہنے والے تھے، انہوں نے ۱۹۴۷ء کے دہشت ناک حالات کو دیکھا تھا، اور جب ۱۹۴۷ء کے کھولتے ہوئے ماحول میں پٹھانکوٹ اور اسکے اطراف و اکناف میں ارتداد کا سیلاب آیا، تو انہوں نے ان مرتدین کو دوبارہ مشرف بہ اسلام کرانے میں اہم رول ادا کیا، مولانا نیک محمد صاحب کا ۲۰/۱۰/۹۷ کو ایک سو دو سال کی عمر میں انتقال ہوا، اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں داخل فرمائے، (قاسمی)

ان میں سے ایک جامع مسجد محلہ راجڑیاں ہے، اور دوسری مسجد وہ ہے، جو ڈلہوزی روڈ پر واقع ہے، جسکا اصل نام ہیرا مسجد ہے، اور یہ بھی جامع مسجد کہلاتی ہے لہ باقی مسجدیں ناجائز قبضے میں ہیں اور یہاں کی زیادہ تر مسجدوں کو شہید کردیا گیا ہے، کیونکہ پٹھانکوٹ میں زیادہ تر جموں سے آئے ہوئے پنڈت ہیں، جو بہت ہی متعصب اور تنگ نظر ہیں، حالانکہ یہ لوگ ذبیحہ کھاتے ہیں مگر اسلام اور مسلمانوں کے معاملے میں بہت ہی تنگ نظر واقع ہوئے ہیں، یہاں کے اوقاف کی سالانہ آمدنی سات لاکھ ہوتی ہے۔

دارالاسلام پٹھانکوٹ

شہر پٹھانکوٹ سے آٹھ کلو میٹر کے فاصلے پر جنوب میں امرتسر روڈ پر (ریلوے لائن کے کنارے) جمالپور گاؤں ہے، اسی گاؤں میں محلہ دارالاسلام ہے، جہاں مرحوم چودھری نیاز علی کی دعوت و تحریک پر مولانا سید ابوالاعلی مودودی تشریف لے گئے تھے، اور وہاں اصلاح ودعوت کا ایک اہم مرکز قائم کیا تھا، وہاں کی مسجد ٢ میں ہر جمعہ کو اصلاحی ودعوتی خطبہ کا مفید سلسلہ شروع کیا، آپکے فصیح وبلیغ خطبہ کو سننے کیلئے اسلامیان پٹھانکوٹ دور دراز علاقوں سے جوق درجوق آتے تھے، آپکے خطبوں کا یہ سلسلہ عرصہ تک قائم رہا جو بعد میں کتابی صورت میں "خطبات" کے نام سے شائع ہوا، آپ کی تصانیف میں یہ خطبات غیر متنازع ہیں، مولانا مودودی نے دارالاسلام سے ماہنامہ "ترجمان القرآن" بھی نکالا تھا اور

لہ ان دونوں مسجدوں کے علاوہ تیسری آباد مسجد جو نئی تعمیر ہوئی ہے، وہ منوال گاؤں میں ہے، ٢ مسجد دارالاسلام جمالپور میں، جہاں کبھی اللہ کا نام لیا جاتا تھا، اور توحید کا غلغلہ بلند ہوتا تھا، آج وہاں بت پرستی ہورہی ہے، اب اسمیں "روی داس کا مندر" بنا ہوا ہے، اور اسکے دروازہ پر اسی نام کی تختی لگی ہوئی ہے، (قاسمی)

دوسرے علمی وتصنیفی کام بھی کئے۔

غالباً ۱۹۴۳ء میں جب چودھری نیاز علی مرحوم سے مولانا مودودی کا اختلاف ہوگیا، مولانا مودودی، چودھری صاحب سے ناراض ہو کر لاہور چلے گئے، اسوقت اس ادارہ کے لئے ایک ایسے عالم دین اور مفسر قرآن کریم کی ضرورت محسوس ہوئی، جو مولانا مودودی کی کمی کو پوری کر سکے، چودھری نیاز علی نے اس سلسلہ میں مولانا منظور احمد نعمانی صاحب سے رابطہ قائم کیا، مولانا نعمانی نے حضرت مولانا محفوظ الرحمٰن نامی صاحب (سابق پارلیامنٹری سکریٹری حکومت یوپی) کے نام کی نشاندہی کی، بالآخر مولانا نامی مرحوم چودھری صاحب کی دعوت و تحریک پر جمالپور گئے، اور وہاں کی مسجد میں درس قرآن اور خطابت کا سلسلہ شروع کیا، مولانا نامی یہاں دوسال تک مقیم رہے، آپ نے یہاں سورۂ عم کی تفسیر بھی لکھی تھی، آپ کے بعض خطبات پر جمالپور درج ہے، مولانا نامی کے ہمراہ بہرائچ سے ۷، ۸/ طلبا بھی گئے تھے، جو یہاں کے مدرسہ میں داخل ہوئے، مولانا ان طلبا کو مدرسہ میں درس بھی دیتے تھے، مولانا جمالپور سے واپسی کے بعد فرمایا کرتے تھے، کہ یہاں کے عوام اور طلبا، اساتذہ کی بڑی عزت کرتے تھے،

۱۹۴۷ء کے حوادث میں چودھری نیاز علی مرحوم پاکستان ہجرت کر گئے اور یہاں کے مدرسہ، مسجد اور وقف جائیدادوں پر اغیار کا قبضہ ہو گیا،

مسجد دارالاسلام

دارالاسلام پٹھانکوٹ کی مسجد کوئی خاص قدیم اور خوبصورت نہیں ہے، بلکہ بڑی اینٹوں کی بنی ہوئی ایک سادہ اور چھوٹی سی عمارت ہے، جس پر کوئی گنبد و مینار بھی نہیں ہے ۳۰/ فٹ لمبی اور ۱۵/ فٹ چوڑی ہے، اور اسکا صحن ۴۰/ فٹ لمبا اور ۳۰/ فٹ چوڑا ہے، جو پختہ ہے، جسکی ۴/ فٹ اونچی حدبندی کی گئی ہے،

مسجد کے تین در ہیں، جس کے دائیں بائیں دروں کو اینٹوں سے بند کر دیا گیا ہے، درمیانی دروازہ لکڑی کا بنا ہوا ہے، جس کے اوپر تالا لگا رہتا ہے، اور مسجد کے اندر محرابیں بنی ہوئی ہیں اور یہ محرابیں صحیح وسالم حالت میں ہیں منبر بھی موجود ہے اندرون مسجد بتوں کی تصویریں لٹکائی گئی ہیں، مسجد کے دروازہ پر بھگت روی داس نام کی تختی لگی ہوئی ہے، اس گاؤں میں تقریباً سارے ہی غیر مسلم آباد ہیں، اس گاؤں میں مسجد کے قریب ہی کامریڈ جھجو رام کا مکان بھی ہے، جو تقسیم کے وقت سے یہاں رہتے ہیں، انہوں نے بتایا کہ :

"یہ مسجد ہے، اس میں کچھ لوگوں نے بتوں کی تصویریں لٹکا دی ہیں، انکی تصویروں کو لٹکانے سے مسجد کی حیثیت ختم نہیں ہو سکتی، اور میں مسجد کی حفاظت کا پورا خیال رکھتا ہوں"

مسجد کے شمالی و جنوبی جانب دو دو روشندان کھڑکیوں کے اوپر بنے ہوئے ہیں، مسجد کا مرکزی دروازہ مشرق میں ہے، جس میں لوہے کا جالیدار، دروازہ نہایت ہی مضبوط، نصب ہے، اور اسی طرف وضو خانہ اور پانی گرم کرنیکی ٹنکی اور کنواں وغیرہ ہے، دارالاسلام کے ایک طرف دو قطار میں بیس پچیس کمرے ہیں، جن میں اب کسی انسٹی ٹیوٹ کے سرکاری ملازمین رہتے ہیں، دارالاسلام کی ۵۲ / ایکڑ زمین وقف ہے جو پنجاب وقف بورڈ کے زیر انتظام ہے، الفلاح سوسائٹی دلی کے بعض ذمہ داروں نے تقریباً بارہ سال قبل دارالاسلام کو اپنے ادارہ کے نام الاٹ کرالیا تھا، الفلاح سوسائٹی کے ذمہ دار انظار نعیم صاحب ہیں، اور آج بھی اسی سوسائٹی کے نام الاٹ ہے، مگر سوسائٹی اب تک قبضہ نہیں لے سکی ہے الفلاح کے ذمہ داروں کو قبضہ لینے کے مسئلے پر غور کرنا چاہیئے اس تاریخی مقام کی عظمت وحرمت قائم کرنے کی جدوجہد کرنی چاہیئے۔

جامع مسجد مالیر کوٹلہ

مالیر کوٹلہ صوبہ پنجاب کا مشہور و معروف شہر ہے، جو دلی سے ۳۲۰ ر کلو میٹر شمال میں اور انبالہ سے ۱۲۰ ر کلو میٹر کے فاصلے پر مغرب میں واقع ہے، جہاں غیر منقسم پنجاب میں مسلم ریاست ہوا کرتی تھی، یہاں کے نوابین کا بڑا رعب و دبدبہ تھا، ریاست کے پاس اپنی سریع الحرکت فوج تھی، جو برما کی جنگ میں شریک ہو چکی تھی، ۱۹۴۷ء میں ریاست مالیر کوٹلہ کے نواب احمد علی خاں صاحب مرحوم تھے لیکن تقسیم کے اندوہ ناک حالات کی بنا پر دل کا دورہ پڑا اسی میں انتقال ہوا، ان کے بعد نواب افتخار علی خاں مرحوم ان کے جانشین ہوئے۔

پنجاب میں یہ ایک واحد شہر تھا، جہاں ۱۹۴۷ء کے پر آشوب دور میں امن رہا، یہاں نہ کوئی شورش و فساد برپا ہوا، اور نہ یہاں سے انتقال آبادی ہوئی، بلکہ ریاست مالیر کوٹلہ کی حدود میں جو بھی داخل ہو گیا، وہ مامون و محفوظ ہو گیا تھا۔

۱۹۴۷ء میں عیدگاہ مالیر کوٹلہ میں پناہ گزینوں کے لئے راحتی کیمپ لگائے گئے تھے، جہاں مالیر کوٹلہ کے نواح و اطراف کے مظلومین و منکوبین پناہ لیتے تھے، یہاں کے مسلمانوں نے بھی انکی بڑی فراخدلی و کشادہ قلبی کے ساتھ مدد کی تھی، اور مسلم ریاست کی طرف سے بھی ممکنہ تعاون کیا جاتا تھا۔

مالیر کوٹلہ میں ایک قلعہ تھا، جو امتداد زمانہ سے اب منہدم ہو گیا ہے، کہا جاتا ہے کہ یہ ایک فصیل بند شہر تھا، جس کے متعدد دروازے تھے، جو آج بھی

سرہندی گیٹ، ڈھابی گیٹ، سنامی گیٹ، دھلی گیٹ، کیلوں گیٹ، اور شیروانی گیٹ کے ناموں سے مشہور ہیں، جن میں سے اکثر و بیشتر منہدم ہو گئے صرف دو دیکھنے کے لائق رہ گئے ہیں، فصیل اور قلعہ کے آثار و کھنڈرات بھی کہیں کہیں دیکھنے میں آجاتے ہیں۔

مالیر کوٹلہ کی ایک امتیازی شان یہ رہی ہے کہ اندرون شہر اور اسکے نواح میں کوئی خنزیر نظر نہیں آتا ہے، یہاں کے بیشتر غیر مسلم بھی سور نہیں کھاتے، اور مسلمان گائے ذبح نہیں کرتے، ہندو رام لیلا اذانِ عشاء کے بعد شروع کرتے ہیں، اور اذان کیوقت مندر میں گھنٹی نہیں بجتی، اور یہ اس شہر کی قدیم روایت ہے، جس کی پاسداری ہر طبقہ کی طرف سے کی جاتی ہے۔

مالیر کوٹلہ میں تقریباً ۲۰۰/ مسجدیں ہیں، جو سبھی آباد ہیں ۵/ سال قبل مساجد کا سروے ہوا تھا، اسوقت ۱۲۵/ مسجدیں تھیں، کچھ مسجدیں بعد میں تعمیر ہوئی ہیں، اور یہاں پر متعدد عصری و دینی درسگاہیں ہیں، یہاں کا مشہور دینی ادارہ جامعہ دارالسلام ہے جس کے سرپرست حضرت مولانا مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی صاحب مفتی پنجاب ہیں، حضرت مفتی صاحب جید عالم دین، مستند فقیہ اور باکمال خطیب ہیں، آپ مسلم پرسنل لابورڈ اور آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت کے ممبر بھی ہیں، یہاں کی مشہور عصری درسگاہوں میں اسلامیہ اسکول اور گورنمنٹ کالج وغیرہ ہیں۔

مالیر کوٹلہ کی شہری آبادی تقریباً ۶۸/ ہزار اور دیہات کی آبادی ۲۵/ ہزار ہے، جس میں اکثریت مسلمانوں کی ہے، مالیر کوٹلہ کے مسلمانوں میں بڑا حوصلہ وامنگ ہے، یہاں کے مسلمان بڑے مرفۃ الحال ہیں، اور شاہانہ زندگی گزارتے ہیں ۱۹۴۷ء سے قبل پورے پنجاب میں اسطرح مسلمانوں کی آبادی تھی، آج بھی اس

شہر میں داخل ہونے کے بعد محسوس ہوتا ہے کہ کسی مسلم ریاست میں آگئے ہیں، یہاں انکی عالیشان عمارتیں ہیں، کاروبار پر بھی انکا کنٹرول ہے، یہاں کے مشہور شعراء میں کمال الدین کمالؔ اور منظور حسن نامیؔ وغیرہ تھے، یہاں ۱۹۴۷ء سے قبل معیاری مشاعرے ہوتے تھے، بعض مشاعروں میں علامہ اقبال بھی شریک ہوئے ہیں، علامہ مالیر کوٹلہ کی ثقافتی عظمت کے قائل تھے۔

جامع مسجد

مالیر کوٹلہ میں اگرچہ ایک عرصہ تک مسلم ریاست رہی ہے مگر یہاں کوئی قابل ذکر تاریخی مسجد نہیں ہے، جس سے نوابین مالیر کوٹلہ کے ذوق تعمیر کا اظہار ہوتا ہو، اور جو مسلم ریاست کے شایان شان ہو، جیسا کہ دوسری مسلم ریاستوں میں عموماً نظر آتی ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ یہاں کی جامع مسجد کوئی تین سو سال پرانی ہے، اور نواب خاندان کی بنوائی ہوئی ہے، جس کے پانچ در اور تین گنبد ہیں، انکے برابر میں دو کوہان نما گنبد ہیں، جن کے کلس بالکل صحیح وسالم ہیں۔

دو مینار بلند وبالا ہیں، اور دو مینار قدرے چھوٹے ہیں، جن میں محرابیں بنی ہوئی ہیں، جو بہت ہی خوبصورت معلوم ہوتی ہیں، انکے درمیان ایک کوہان نما مینار اور ہے، جو بڑا خوشنما معلوم ہوتا ہے، اس میں تین تین محرابیں ہیں۔

شمالی وجنوبی جانب کی محرابیں جدید تعمیر کردہ ہیں، اصل دروازہ مشرقی جانب ہے، جس کے اوپر ایک ڈیوڑھی بھی ہے، مسجد کے امام و موذن کی تنخواہیں حکومت پنجاب کی طرف سے ملتی ہیں۔

مسجد بند والی

مالیر کوٹلہ کی تاریخی مسجد بند والی ہے، جو کافی اونچائی پر ہے، اور لکھوری

اینٹوں کی بنی ہوئی ہے، جس کے تین در اور ایک گنبد ہے، گنبد کا کلس صحیح ہے، تینوں دروں میں لکڑی کے کواڑ ہیں، مسجد کا فرش ماربل سے مرصع و مزین ہے اور اس کا صحن بھی عمدہ ماربل کا بنا ہوا ہے۔

مغربی جانب چار طاق ہیں، شمالی جانب تین اور جنوبی جانب دو طاق ہیں، مشرقی جانب بند کا درخت ہے، اور اسی طرف ایک پیپل کا درخت بھی ہے، مشرقی جانب ہی وضو خانہ ہے جس پر سیمنٹ کی چادر کا سائبان ہے۔

مقامی لوگوں کا بیان ہے کہ مشہور فارسی شاعر اور مصلح امت شیخ سعدیؒ مسجد بند والی میں تشریف لائے تھے، اور اس مسجد میں نماز پڑھی تھی شیخ سعدی نے بوستاں میں سومنات کے مندر میں اپنی آمد کا ذکر کیا ہے، چنانچہ بوستان کے صفحہ ۲۰۳ر پر ایک مستقل عنوان ہے۔

"حکایت سفر ہندوستان و ضلالت بت پرستان"

جسکے تحت شیخ سعدی نے تقریباً ۹۹ر اشعار کہے ہیں، جن میں سے چند ابتدائی اشعار ملاحظہ فرمائیں :ع

بتے دیدم از عاج در سومنات — مرصع چو در جاہلیت منات
چناں صورتش بستہ تمثال گر — کہ صورت نہ بند دازاں خوبتر
زہر ناحیت کاروانہا رواں — بدیدار آں صورت بے رواں
طمع کردہ رایان چین وچگل — چو سعدی وفازاں بت سنگدل
زباں آوراں رفتہ از ہر مکاں — تضرع کناں پیش آں بے زباں [1]

شیخ سعدی نے سومنات کے مندر میں ایک عرصہ قیام کر کے یہاں کے برہمنوں اور انکے عجیب و غریب بتوں سے واقفیت حاصل کی، اور اس کا ذکر

---

[1] بوستاں، ص ۲۰۳،

تفصیل سے کیا ہے، جس کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

شیخ نے سومنات کے بعد لاہور اور دھلی کا سفر کیا تھا[1]، جس کا ذکر بوستاں میں ملتا ہے، کوئی بعید نہیں کہ لاہور جاتے ہوئے مالیر کوٹلہ میں بھی قیام کیا ہو جیسا کہ مشہور ہے کہ شیخ سعدی نے مسجد بندوالی میں وضو بھی کیا تھا اور نماز بھی پڑھی تھی، پہلے زمانہ میں عموماً قافلہ بھٹک جایا کرتا تھا، اور کہیں سے کہیں چلا جایا کرتا تھا، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شیخ کا قافلہ بھٹک گیا ہو اور آپ سومنات سے لاہور اور دہلی جاتے ہوئے مالیر کوٹلہ پہونچ گئے ہوں۔

عیدگاہ

مالیر کوٹلہ کی جدید و قدیم عمارتوں میں سب سے حسین و جمیل عمارت عیدگاہ کی ہے، یہ کسی ماہر فن انجینئر کے ذہن کا شاہکار ہے، جس نے بڑی طباعی و مشاقی کا ثبوت فراہم کیا ہے اور حسن و رعنائی کا نکھرا ہوا نمونہ پیش کیا ہے۔

اگرچہ یہ عیدگاہ ۱۹۶۶ء کی تعمیر ہے، لیکن اپنے طرز تعمیر کے اعتبار سے عہد مغل کی یادگار معلوم ہوتی ہے، اور قابل دید ہے۔

یہ عیدگاہ محلّہ چوھٹہ میں ہے، جو قدیم شہر سے باہر ہے، عیدگاہ کے بانی محمد جمیل صاحب ہیں، جن کے حالات زندگی کا علم نہ ہو سکا، جس کا افسوس ہے۔ عیدگاہ کا صدر دروازہ عالیشان ہے جس کے نزدیک ہی یہ کتبہ منقوش ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عیدگاہ

سنگ بنیاد

نئی مسجد عیدگاہ شہر مالیر کوٹلہ

---

[1] برحاشیہ بوستان، ص ۲۰۷۔

۱۰/ رمضان المبارک بروز جمعة المبارک
۱۳۸۶ھ مطابق دسمبر ۱۹۶۶ء بدست
عزت مآب نواب افتخار علی خاں صاحب
آف مالیر کوٹلہ رکھا گیا ،
تعمیر کردہ انتظامیہ کمیٹی عیدگاہ

اسی صدر دروازہ کے ملحق اندرون عیدگاہ دو منزلہ عمارت ہے، جس میں سے عید کے موقع پر وزیر اعلیٰ پنجاب یا پنجاب کا کوئی اعلیٰ عہدہ دار اسلامیان مالیر کوٹلہ سے تہنیتی خطاب کرتا ہے۔

عیدگاہ چار ایکڑ زمین پر محیط ہے، جس کے چاروں کونوں پر چار مینار ہیں، جن کو نہایت ہی اعلیٰ و نفیس ٹائیلوں سے مزین کیا گیا ہے، درمیان میں ایک گنبد اور ایک مینار ہے، اور تین سیڑھیوں کا پر شکوہ منبر ہے۔

مغربی جانب ۹، ۹/ محرابیں بے حد خوبصورت بنائی گئی ہیں، جو دلکش نظر آتی ہیں، عیدگاہ میں دو برجیاں ہیں ان میں ایک مکمل، اور دوسری برجی زیر تعمیر ہے۔

اندرون عیدگاہ رنگ برنگ کے پھولوں کی کیاریاں ہیں، جو بہت ہی خوبصورت معلوم ہوتی ہیں، غرضیکہ ایک خوشنما پارک ہے جہاں کا ماحول بڑا پر فضا ہے۔

درمیان میں تین چھتریاں ہیں، جن میں سے ہر ایک میں کم از کم ۳۰، ۴۰ آدمی بارش، دھوپ وغیرہ میں بہت ہی آرام سے آسکتے ہیں، وضو وغیرہ کرنے کیلئے ایک شاندار حوض ہے۔

عیدگاہ کے دو دروازے ہیں، ایک مشرقی جانب اور دوسرا جنوبی جانب

ہے، اس عید گاہ کا شمار ہندوستان کی خوبصورت عید گاہوں میں ہو سکتا ہے، ابھی عید گاہ کی تعمیر مکمل نہیں ہو سکی ہے، جب کبھی عید گاہ کی تعمیر مکمل ہو جائے گی، تو یہ عید گاہ بے نظیر ہو گی، اور اسلامیان مالیر کوٹلہ کے شایان شان ہو گی، اللہ تعالیٰ اسکی تکمیل کے مراحل طے کرائے! آمین

مقبرہ شیخ صدر الدینؒ

شیخ صدر الدین جہاںؒ اپنے عہد کے مشہور بزرگ تھے، سلاطین وامراء بھی آپ کے معتقد وارادت مند تھے، سلطان بہلول لودھی نے اپنی شاہزادی کا عقد ان سے کر دیا تھا، اور اپنے داماد کو لدھیانہ کے اطراف میں ۶۸ / گاؤں بھی دیئے تھے۔

آپ اصلاً افغانستان کے رہنے والے تھے، مالیر کوٹلہ کے نوابین آپ ہی کی نسل سے ہیں، آپ کا انتقال ۱۵۱۵ء میں ہوا تھا، مالیر کوٹلہ میں آپکا شاندار مقبرہ محلّہ مالیر میں ہے، جس کے چاروں کونوں پر چار مینار ہیں، اور دو دو ستون دائیں بائیں بہت ہی مضبوط ہیں، لوہے اور سنگ خارا کی جالیوں کی حد بندی ہوئی ہے، اور بڑا خوبصورت مقبرہ ہے، لیکن یہاں بھی بدعات وخرافات کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

آپکے مزار پر یہ کتبہ نصب ہے جو نہایت ہی خوشخط ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لاالہ الااللہ محمدرسول اللہ

مزار اقدس حضرت شیخ صدر الدین صدر جہاں وفات ۱۵۱۵ء

اے صدر جہاں شیخ زماں صاحب عرفاں

مرقد ہے تیرا مہبط انوار الٰہی

سایہ تری تربت پہ ہے افضال خدا کا

اس خاک کے ذروں پر فدا سطوت شاہی

جامع مسجد چنڈی گڑھ

چنڈی گڑھ، صوبہ پنجاب کا ایک موڈرن اور جدید طرز پر بنا ہوا شہر ہے، جو دلی سے ۲۵۰ر کلو میٹر شمال میں اور انبالہ سے ۵۰ر کلو میٹر کے فاصلے پر شمال میں واقع ہے، اسے اب ایک مستقل ریاست کا درجہ حاصل ہے، جہاں صوبہ پنجاب اور صوبہ ہریانہ کی اسمبلیاں بالکل آمنے سامنے ہیں، اور یہاں ان دونوں صوبوں کے سرکاری دفاتر بھی ہیں۔

چنڈی گڑھ کی سڑکیں کشادہ اور صاف ستھری ہیں، جن کے دونوں طرف ایک منزلہ دو منزلہ سہ منزلہ عمارتیں ہیں، اور ان عمارتوں کے دونوں طرف ہرے بھرے پیڑ پودے لگائے گئے ہیں، جن کی وجہ سے ان عمارتوں کا حسن مزید دوبالا ہو جاتا ہے۔

چنڈی گڑھ میں سیکٹروں کا ایک سلسلۂ لامتناہی ہے، اور ان سیکٹروں کی عمارتوں میں ایسی یکسانیت و موزونیت ہوتی ہے، کہ اگر آدمی کو ان کا صحیح نمبر ذہن نشین نہ ہو تو بھول بھلیوں کی طرح دن بھر ان سیکٹروں میں بھٹکتا ہی رہ جائیگا، اور اس کو اپنی منزل کا سراغ نہیں مل پائیگا، یہاں کی عمارتوں کے نقشوں کو پاس کرانے میں اس علاقہ کی موجود عمارتوں کی بناوٹ و سجاوٹ اور فن تعمیر کی پوری رعایت کرنی ہوتی ہے، تب کہیں جاکر زیر خاکہ اور زیر تعمیر عمارت کا نقشہ پاس ہو پاتا ہے، ہندوستان میں دو تین شہر ایسے ہیں جن میں علاقائی عمارتوں کی رعایت

سے مکانات تعمیر ہوتے ہیں، ان میں جے پور، بنگلور اور چنڈی گڑھ شامل ہیں، یہ تینوں شہر تعمیری حیثیت سے پورے ملک میں شہرت رکھتے ہیں۔

جامع مسجد

چنڈی گڑھ کی جامع مسجد سیکٹر ۲۰؍ میں روڈ کے کنارے واقع ہے، جو جدید طرز پر اس علاقہ کی عمارتوں کے شایان شان بنائی گئی ہے، بلکہ اس علاقہ کی عمارتوں میں سب سے زیادہ خوبصورت اور حسین عمارت ہے، جس کی داغ بیل پنجاب وقف بورڈ کی طرف سے زمین خرید کر ۱۹۶۹ء میں ڈالی گئی تھی، اور ۱۹۷۳ء میں پایۂ تکمیل کو پہونچی تھی، جناب عبد الرشید صاحب بٹ ممبر بورڈ اور محمد حسین انجنیئر کی دیکھ ریکھ اور ان کی نگرانی میں تعمیر ہوئی تھی، اسوقت بورڈ کے چیئر مین چودھری طیب حسین صاحب تھے، تعمیر مسجد پر ۱۰؍ لاکھ روپے صرف ہوئے تھے اور بورڈ نے اتنی خطیر رقم خرچ کر کے یہ مسجد تعمیر کرائی تھی، یہ بورڈ کا ایک اہم کارنامہ ہے۔

مسجد کا پتھر مکرانہ (راجستھان) سے آیا تھا، جس میں مختلف رنگوں کے احجار استعمال ہوئے ہیں، یہ مسجد ۱۸؍ حجری عمود (ستونوں) پر قائم ہے، جس کے زیریں حصہ میں تقریباً ایک ہزار نمازیوں کی گنجائش ہے، اور اس کی محراب میں اعلیٰ قسم کے بیل بوٹے ہیں، محراب کے اوپر دائیں بائیں سنگ مرمر میں اللہ، اور محمد، بخط نستعلیق کندہ، ہیں، اور بہت ہی اچھی منبت کاری ہوئی ہے، اور درمیان میں کلمہ طیبہ سیاہ رنگ میں کندہ ہے، جو دیکھنے میں بڑا ہی حسین معلوم ہوتا ہے، تین زینوں کا منبر ہے، جو خالص سنگ مرمر کا ہے، شمالی و جنوبی جانب شیشے کے روشندان ہیں، جو نہایت ہی خوبصورت معلوم ہوتے ہیں۔

مسجد کے دروازے بھی بہت ہی کشادہ ہیں، جن میں لکڑیوں اور شیشوں کے کواڑ ہیں، جن کی وجہ سے مسجد کے حسن وجمال میں اضافہ ہوتا ہے، مسجد کے

کناروں میں حجرے بھی ہیں، ان ہی حجروں میں سے کچھ میں بورڈ کا ضلعی دفتر بھی ہے، اس مسجد میں پنجوقتہ نمازوں کے علاوہ عیدین کی بھی نمازیں ہوتی ہیں، یہاں کئی ہزار کا مجمع ہوتا ہے، چنڈی گڑھ میں مسلمانوں کی اچھی خاصی تعداد ہے۔

گنبد

یہ گنبد جدید طرز کا ایک شاندار نمونہ ہے، لیکن بہت ہی خستہ و شکستہ حالت میں ہوتا جارہا ہے، خاص طور پر مغربی جانب کے پتھر گر رہے ہیں، جس کی وجہ سے برسات میں پانی، مسجد میں ٹپکتا ہے، اور ہمہ وقت اس میں بھرا رہتا ہے پانی کے بھرنے کی وجہ سے زیریں حصہ میں نماز نہیں ہو پاتی ہے، مسجد کے امام و خطیب مولانا محمد اجمل صاحب میواتی نے راقم الحروف کو بتایا کہ چند سالوں سے یہ پتھر گرنے لگے ہیں، بار بار چپکانے کے باوجود پتھر جم نہیں پاتے، انہوں نے یہ بھی بتایا کہ چار سال سے مسلسل اس کی مرمت کے سلسلے میں لکھا جا تارہا ہے، لیکن بورڈ کی طرف سے کوئی پیش رفت نہیں ہوتی، جناب عبدالاحد صدیقی صاحب اپنے دور میں دو تین دفعہ مرمت کرانے کے لئے دیکھنے آئے تھے، مگر ان کے دور میں بھی کچھ نہیں ہو سکا، انہوں نے یہ بھی بتایا کہ مرمت کا پورا تخمینہ وزارت فلاح وبہبود کو بھیجا گیا ہے مگر وہاں سے منظوری کب آئیگی اسکے بارے میں کچھ کہنا قبل از وقت ہوگا۔

راقم الحروف نے اس گنبد کی تشویشناک حالت کو دیکھا ہے، اگر فوری طور پر اس کی مرمت نہیں کی گئی تو گنبد کے پتھر آہستہ آہستہ گرتے چلے جائیں گے، جس سے گنبد کا پورا ڈھانچہ متأثر ہوگا، اور مسجد کے دوسرے حصوں پر بھی ضرب پڑ سکتی ہے، لہذا اسکی مرمت کی طرف فوری توجہ کرنی چاہیئے۔

مینار

اس گنبد کے پہلو میں دو عالیشان مینار بھی ہیں، ایک مینار مغربی جانب میں ہے، اور دوسرا مینار جنوبی و مشرقی جانب میں ہے، یہ مینار بھی پہلے کی طرح مرصع و مزین ہے، مگر اس مسجد کی خوبصورتی و رعنائی دراصل اسکے بے مثال گنبد کی وجہ سے ہے۔

پارک

مسجد کے احاطہ میں ایک خوشنما پارک بھی ہے، جس میں پیڑ پودے ہیں، مسجد کی احاطہ بندی کی ہوئی ہے، یہ مسجد کپور تھلہ کے بعد پنجاب کی دوسری مسجد ہے جس میں اتنا خوبصورت پارک موجود ہے، جس میں سبزہ زاروں اور مرغزاروں کا اہتمام کیا گیا ہے، مسجد کے بغل میں پارکنگ بھی ہے، جہاں نمازیوں کی گاڑیاں کھڑی ہو سکتی ہیں۔

معذرت

جامع مسجد چنڈی گڑھ کوئی تاریخی مسجد نہیں ہے، لیکن ۱۹۴۷ء کے بعد پنجاب میں اتنی بڑی مسجد کی تعمیر کرانا بورڈ کا ایک اہم کارنامہ ہے، بالفاظ دیگر ایک مستقل تاریخ ہے، اس کا تقاضا ہے کہ اس کے متعلق بھی چند سطور لکھ دی جائیں تاکہ یہ سند رہیں، اس مسجد کے علاوہ پنجاب اور ہریانہ میں بورڈ کی تعمیر کردہ اور مسجدیں بھی ہیں، مگر یہ مسجد اپنی وسعت اور فن تعمیر کے اعتبار سے سب پر فائق ہے۔

جامع مسجد مکتسر

مکتسر صوبہ پنجاب کا، ایک نیا ضلع ہے، جو پہلے فرید کوٹ میں شامل تھا، یہ انبالہ سے ۳۰۰ / کلو میٹر کے فاصلے پر مغرب میں اور فرید کوٹ سے ۴۵ / کلو میٹر دور، مشرق میں واقع ہے، اس شہر میں کوئی زیادہ ترقی نہیں ہوئی ہے، پرانے طرز کے مکانات ہیں، سڑکیں بھی خراب ہیں، مگر یہ شہر اب وسیع ہونے لگا ہے، اور نئی عمارتیں بھی بننے لگی ہیں، ۱۹۴۷ء سے قبل ۴۰ / فیصد مسلمان تھے، مگر ۴۷ء کے حوادث میں یہاں کی آبادی پاکستان منتقل ہونے پر مجبور ہو گئی تھی، محمد حسین کھوکھر پنجاب کے بزرگ آدمی ہیں، کھورنج گاؤں کے رہنے والے ہیں آپ عرصہ سے مکتسر میں مقیم ہیں، تقسیم کے وقت آپ کی عمر ۱۲ / سال کی تھی اب آپ کی عمر ۶۲ / سال کی ہے، آپ کے والد سکندر خاں صاحب کو ۴۷ء کے وحشیانہ فسادات میں ضلع فیروز پور میں شہید کر دیا گیا تھا، اور آپ کا باقی ماندہ خاندان پاکستان چلا گیا تھا، مگر آپ ہندوستان ہی میں رہے، آپ نے ۴۷ء کے دردناک حالات کو بیان کرتے ہوئے کہا کہ اس تحصیل میں بہت ہی قتل عام ہوا تھا، نہروں میں ایک دوسرے سے ملی ہوئی لاشیں بہتی تھیں، نوجوان لڑکیاں چوڑیاں پہنے ہوئے اور مہندی لگائے ہوئے تھیں، (کیونکہ یہ عید کا موقع بھی تھا) اور انکی لاشیں نہروں میں بہتی تھیں، اور ان کا جرم یہ تھا کہ انہوں نے دشمنوں کے گھروں میں جانے سے انکار کر دیا تھا، اور اسی وجہ سے انکو بے رحمی و بے دردی کے

ساتھ قتل کیا گیا تھا، محمد حسین کھوکھر نے آبدیدہ ہو کر یہ بھی بیان کیا کہ بہت سی عورتیں مری ہوئی تھیں، اور ان کے چھوٹے چھوٹے معصوم بچے زندہ رہ گئے تھے، وہ ان کے سینوں پر رینگتے ہوئے دودھ پیتے رہتے تھے، اور یہاں کے بعض شرپسند سکھ چھوٹے چھوٹے بچوں کو نیزوں پر اٹھائے ہوئے بازاروں میں پھرتے تھے، اور بڑی سنگدلی و بربریت کا مظاہرہ کرتے تھے۔

اس شہر میں بھی بڑی تعداد میں مسجدیں تھیں، آج بھی ۵۶/ مسجدیں ہیں، یہاں عیدگاہ اور قبرستان بھی ہے، جو غیر مسلموں کے قبضے میں ہیں، ان میں سے صرف ایک مسجد آباد ہے، اس شہر میں اس وقت تقریباً ۷/ ہزار مسلمان رہتے ہیں، یہاں پانچ، سات گھر ۱۹۴۷ء کے پہلے کے بھی ہیں، اور باقی زیادہ تر دوسرے شہروں سے آئے ہوئے ہیں۔

جامع مسجد

جامع مسجد مکتسر قلب شہر میں ہے، اور نہایت ہی عالیشان اور بے مثال ہے، شاید پنجاب میں اتنی عالیشان و سیع مسجد (باستثناء مسجد کپورتھلہ) کوئی اور مسجد نہیں ہے، جناب محمد مصطفٰے صاحب ڈی، آئی، جی (فرید کوٹ) نے راقم الحروف سے کہا تھا کہ جامع مسجد مکتسر کو ضرور دیکھئے یہ پنجاب کی سب سے بڑی مسجد ہے، راقم الحروف ان کے کہنے کے مطابق مکتسر گیا اور اس مسجد کو دیکھنے کے بعد اندازہ ہوا کہ واقعی یہ بے مثال مسجد ہے، اور اسلامیان مکتسر کی عظمت رفتہ کی نشانی ہے۔

تاریخی کتبہ

اس جامع مسجد کے صدر دروازہ کی روکار پر یہ فارسی کتبہ منقوش ہے۔

بنیاد این مسجد مقدس بے نظیر بتاریخ ۱۷/ جمادی الاول ۱۳۱۲ھ مطابق ۱۶/ نومبر ۱۸۹۴ء یوم جمعہ بوقت نواخت شش ساعت

صبح بدست مبارک جناب مولوی رجب علی صاحب تحصیلدار مکتسر بساعت سعید نہادہ شد بانیان مسجد میاں بدرالدین مرحوم وجناب نواب محمد نظام الدین خاں صاحب بہادر مغفور والی ریاست جلال آباد ممدوٹ، مربی مسجد جنابفیضماب حضور مسٹر ای ،بی فرانسس صاحب بہادرڈپٹی کمشنر، ضلع فیروز پور۔

صدر دروازہ مشرق میں ہے، اس کے اوپر ڈیوڑھی ہے، جسکے دائیں بائیں حجرے ہیں، جن کی جدید مرمت اور پلاسٹر کیا ہوا ہے، دونوں جانب تین تین محرابیں بھی ہیں، مغربی جانب بھی تین محرابیں ہیں، جنوبی جانب اس ڈیوڑھی کے اوپر جانے کے لئے ۱۶/ سیڑھیوں کا زینہ ہے، شمالی جانب وضوخانہ اور بیت الخلا ہے، صحن کے شروع میں صدر دروازہ کے بالکل ملحق کنواں ہے، جسکو بند کردیا گیا ہے۔

صحن

مسجد کا صحن بہت ہی وسیع وعریض ہے، جن میں چوکے بچھے ہوئے ہیں، صحن میں ۱۶/ صفیں ہوتی ہیں، اور ایک صف میں ۲۹/ چوکے ہیں، کل ۴۰۶/ چوکے ہوئے، غرضیکہ صحن ۵۵/ فٹ چوڑا ہے اور ۷۰/ فٹ لمبا ہے، جس کی حدبندی تقریباً ۵/ فٹ اونچی جدید اینٹوں کی ہے۔

بام ودر

مسجد کے تینوں محرابی دروں کے اوپر اعلیٰ قسم کی نقاشی کی گئی ہے، درمیانی در کے اوپر افضل الذکر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا ہے، ان تینوں دروں کے اوپر لکڑی کے دروازے ہیں، اور یہ دروازے انگریزوں کے بنائے ہوئے دروازوں کے اسٹائل کے ہیں اور اعلیٰ قسم کی صناعی ونفاست کے آئینہ دار

ہیں، لکڑی کے دروازے جو آدھے جالی دار ہیں، ان کو موسم کے لحاظ سے کھولا اور بند کیا جا سکتا ہے۔

مسجد کے تین گنبد ہیں، وسطی گنبد بڑا اور دائیں بائیں کے گنبد قدرے چھوٹے ہیں اور ان کے اوپر کلس ہیں، یہ تینوں گنبد شلغمی طرز پر بنائے گئے ہیں، محرابی در کے اگلے حصہ میں چار مینار ہیں، اور پچھلے حصہ میں دو مینار ہیں، اور یہ چاروں مینار بلند وبالا ہیں۔

اندرون مسجد

اندر مسجد ۵۵ / فٹ لمبی اور ۲۷ / فٹ چوڑی ہے، اور اس کا فرش پختہ مگر نہایت ہی مخدوش حالت میں ہے، پوری چھت بیٹھ رہی ہے، چھت میں جگہ جگہ دراڑیں پڑی ہوئی ہیں، چھت کی مرمت فوری طور پر نہ کی گئی تو اندیشہ ہے کہ کہیں چھت گر نہ جائے، مسجد دو منزلہ ہے، جس کے تحتانی حصہ میں مختلف لوگوں کے ناجائز قبضے ہیں، مسجد کی انتظامیہ کمیٹی، کی کوششوں کے باوجود مسجد کا تحتانی حصہ خالی نہیں ہو سکا ہے، چاروں طرف کا پانی مسجد کے تحتانی حصہ میں داخل ہوتا ہے اور جذب ہوتا ہے، جس کی وجہ سے اسکے چاروں طرف کی دیواریں کمزور ہوتی چلی جارہی ہیں۔

مسجد میں منبر تین سیڑھیوں کا ہے، اور اسی منبر کے قریب مسجد کے اوپر جانے کا راستہ ہے، جس کو لکڑی کے کواڑ سے بند کیا گیا ہے، تالا بند ہونے کی وجہ سے اوپر جانے کا موقع نہیں ملا، محراب بھی کافی بلند ہے، شمالی وجنوبی جانب تقریباً ۵۔۵ / فٹ کے بلند، دو روشندان ہیں، لیکن جنوبی جانب صرف ایک روشندان ہے، جسکو مخدوش حالت میں ہونے کی وجہ سے بند کر دیا گیا ہے۔

مسجد میں گوردوارہ

تقسیم ملک کے بعد یہ مسجد ویران ہو گئی تھی اور عرصہ تک خالی رہی، ۱۹۷۲ء میں سکھوں نے اس میں گرنتھ صاحب رکھدیا تھا، اور اپنا قومی جھنڈ اگاڑ دیا تھا، جس کو نشان صاحب کہتے ہیں، جب محمد حسین صاحب گاؤں سے، مکتسر شہر میں آئے تو ان کو مسجد کی ضرورت محسوس ہوئی، تو انہوں نے مرکزی حکومت کے بعض ذمہ داروں خاص طور پر فخر الدین علی احمد صاحب سابق صدر جمہوریہ ہند، اندرا گاندھی، اور مولانا عبداللہ بخاری صاحبان کو خطوط لکھے، مگر ان کی طرف سے کوئی حوصلہ افزا کاروائی نہیں ہوئی، اور مسجد خالی نہیں ہو سکی تو ان لیڈروں سے مایوس ہونے کے بعد ۹۲۔۱۹۹۱ء میں سکھ لیڈروں سے رابطہ قائم کیا، اور ان سے کہا کہ یہاں مسلمانوں کو مسجد کی سخت ضرورت ہے، اس علاقہ میں مسلمانوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے، کوئی ایسا آدمی نہیں ہے، جو ہماری نمازیں پڑھا سکے یہاں پر لڑکے و لڑکیاں گلے میں ہار ڈال کر اور گرنتھ صاحب کے سامنے پھیرے لگا کر شادی کرتے ہیں، اور بغیر نماز جنازہ کے ہماری میتیں دفن ہوتی ہیں، جو شرعی اعتبار سے ناجائز ہے۔

ان سکھ لیڈروں میں سے سمرن جیت سنگھ مان، ایم، پی، اور بابا ٹھاکر سنگھ نے یقین دلایا کہ مسجد جلد ہی خالی کرادی جائے گی، چنانچہ ۵/جون ۱۹۹۴ء کو سکھوں نے مسجد کو مسلمانوں کے حوالے کر دیا، اور اپنا گرنتھ صاحب اٹھا کر لے گئے، اسوقت سے یہ مسجد مسلم انتظامیہ کمیٹی جامع مسجد کے زیر انتظام ہے، جس کے صدر محمد حسین صاحب کھوکھر ہی ہیں، چیئرمین حاجی محمد اشرف، منیجر سعید احمد صاحب اور سکریٹری محمد یامین صاحب ہیں، ان لوگوں نے باہمی تعاون سے تقریباً تین لاکھ روپئے صرف کر کے مسجد کے گنبد اور اس کے صدر دروازہ کی مرمت کرائی ہے، اور مسجد کے فرش اور اس کی دیواروں پر مزید دو لاکھ روپئے صرف

ہونے کا تخمینہ ہے۔

اس مسجد میں پنجوقتہ نمازوں کے علاوہ جمعہ اور عیدین کی نمازیں ہوتی ہیں، عیدین کی نمازوں میں مسجد اور اس کی چھت اور اس کے گیٹ میں بھی نمازی ہوتے ہیں، جمعہ میں بھی مسجد بھر جاتی ہے، عام دنوں میں نمازیوں کی تعداد کچھ کم ہوتی ہے، مسجد میں باضابطہ امام کا تقرر ہے، پنجاب وقف بورڈ کی طرف سے بھی تعاون کیا جاتا ہے، مسجد کی مرمت میں مزید تعاون کی ضرورت ہے، بورڈ کو اس طرف بھی توجہ کرنی چاہئے، مسجد کی ۲۸ر دکانیں ہیں جن میں ۲، ۳ر دکاندار کرایہ دیتے ہیں، اس مسجد کی ۲۷ر کنال وقف زمین کوٹ کپورہ روڈ پر ہے، جو کسی غیر مسلم کو لیز پر دی گئی ہے، بانیان مسجد کا خاندان پاک پٹن شریف میں موجود ہے۔

قبرستان

مکھنتر میں ایک قبرستان بھی ہے، جو ۷۔۸ر ایکڑ وقف زمین پر محیط ہے جہاں اب کھیتی ہوتی ہے، اس میں نماز جنازہ کیلئے ایک مخصوص حصہ ہے، جو آج بھی موجود ہے، لیکن اس میں تدفین نہیں ہوتی، یہاں کے مسلمانوں کیلئے ایک قبرستان کی سخت ضرورت ہے، جہاں مسلمانوں کی میتوں کو دفن کیا جاسکے۔

مسجد بابا فرید کوٹ

فرید کوٹ صوبہ پنجاب کا معروف ضلع ہے، جو کبھی بھٹی راجپوتوں کا علاقہ تھا، یہ انبالہ سے ۲۷۰ر کلو میٹر مغرب میں اور فیروز پور سے ۳۵ر کلو میٹر جنوب میں واقع ہے، فرید کوٹ کا پرانا نام موکل ہر ہے، کہا جاتا ہے کہ فرید کوٹ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جب مہاراجہ موکل ہر نے قلعہ کی تعمیر شروع کی تو اس کے اہلکاروں نے مختلف مزدوروں کو پکڑ پکڑ قلعہ کی تعمیر میں لگادیا اتفاق سے اسی زمانہ میں بابا فرید الدین گنج شکرؒ بھی یہاں چلہ کشی کررہے تھے، انہیں بھی پکڑ کر لائے اور مٹی ڈھونے پر لگادیا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ جب بابا فرید الدین گنج شکرؒ مٹی ڈھو رہے تھے، تو مٹی کی ٹوکری از خود بھر جاتی تھی، اور خود بخود سر پر پہونچ جاتی تھی، اور سر سے تقریباً ایک بالشت اوپر رہتی تھی، اور جہاں ڈالنی ہوتی تھی از خود گر جاتی تھی، جب یہ ماجرا اہل کاروں نے دیکھا تب انہوں نے یہ قصہ مہاراجہ کو بتلایا، مہاراجہ از خود پیدل چل کر بابا فریدؒ کو دیکھنے آیا، اور بچشم خود حقیقت حال کا مشاہدہ کیا تو بابا فریدؒ سے معافی مانگی اور موکل ہر میں قیام کرنے کی درخواست کی، بابا فریدؒ نے کہا کہ میں فقیر آدمی ہوں میرے قیام کا کوئی ٹھکانہ نہیں، البتہ ایک مسجد تعمیر کرادو، چنانچہ مہاراجہ نے آپ کی ہدایت کے مطابق مسجد تعمیر کرائی، اور موکل ہر کا نام تبدیل کر کے فرید کوٹ رکھدیا۔

بابا فریدؒ نے یہاں چالیس روز چلہ کشی کی اسوقت یہ تمام علاقہ جنگل تھا، یہاں تقریباً ۲۵ر مسجدیں ہیں، جن میں سے کچھ میں مندر بن گئے ہیں، اور کچھ میں رہائشیں ہیں، اور کچھ میں گوردوارے ہیں، اور دو تین شہید بھی ہیں، صرف ایک ہی مسجد کھلی ہے، یہاں تقریباً ایک لاکھ کی آبادی ہے، جس میں ۲۰ر ۲۵ مسلمان ہیں، جو باہر کے ہیں، تقسیم سے پہلے یہاں مسلمانوں کی اکثریت تھی، ۱۹۴۷ء میں ضلع فرید کوٹ میں کوئی فساد نہیں ہوا تھا، مہاراجہ فرید کوٹ نے ریاست میں امن بر قرار رکھا تھا، البتہ جب یہاں کی آبادی ریاست فرید کوٹ سے باہر ہوئی تو پھر ان کا قتل عام شروع ہو گیا، مہاراجہ فرید کوٹ نے اپنی ریاست میں مسلمانوں کو قتل کرنے سے منع ضرور کر دیا تھا، مگر جب یہاں کے مسلمانوں نے پاکستان جانے کیلئے اجتماعی ہجرت کی تو فیروز پور کے راستے میں بھیجنے کے بجائے لمبے راستے کی طرف رخ پھیر دیا گیا، اور راستے میں ان کو قتل کیا گیا، فرید کوٹ سے جنوب میں، کوٹ کپورہ روڈ پر، ۱۰ر کلو میٹر دور گیانی ذیل سنگھ سابق صدر جمہوریہ ہند کا بھی آبائی مکان ہے، اور اس بستی میں بیشتر عمارتیں کچی ہیں، خود گیانی ذیل سنگھ کا مکان بھی کچا ہے۔

مسجد

مسجد بابا فریدؒ تین در کی ہے، مشرقی جانب کی دیوار پر چار مینار ہیں، اور دو کوہان نما برجیاں ہیں، اور اسکے دائیں بائیں دو، دو اور چھوٹی چھوٹی برجیاں ہیں جابجا قرآنی آیات و احادیث لکھی ہیں، منبر تین سیڑھیوں کا ہے، بہت سادہ ہے لیکن مضبوط ہے، مغربی جانب منبر کے دائیں جانب اوپر جانے کیلئے ۱۹ر سیڑھیوں کا زینہ ہے، یہ مسجد ۳۶ر فٹ لمبی اور ۱۳ر فٹ چوڑی ہے، اور اسکا صحن ۳۶ر فٹ لمبا اور ۲۰ر فٹ چوڑا ہے، درمیانی محراب پر کلمہ، نعتیہ اشعار کندہ ہیں،

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

بلغ العلی بکمالہ کشف الدجی بجمالہ

حسنت جمیع خصالہ صلوا علیہ و آلہ

اس مسجد میں وضوخانہ اور استنجاء خانہ وغیرہ کا بہترین انتظام ہے، یہ مسجد پنجاب وقف بورڈ کے زیر انتظام ہے، بورڈ کی طرف سے امام مقرر ہے۔

چلہ گاہ بابا فریدؒ

مسجد بابا فریدؒ کے ملحق دائیں طرف ایک بہت ہی مضبوط و شاندار گنبد ہے جس پر ہرا رنگ کیا گیا ہے، اس کا فرش سنگ مرمر کا ہے، اسی گنبد کے نزدیک جند کے درخت کے نیچے بابا فریدؒ نے چلہ کشی کی تھی، اس جگہ جہاں بابا فرید نے چلہ کشی کی تھی اس گنبد کے علاوہ گوردوارہ بھی بنادیا گیا ہے، اس چلہ گاہ کے نام ۵۶ / کنال وقف زمین ہے، جو چلہ گاہ سے کچھ دوری پر ہے، اس کے اوپر بابا فریدؒ کے نام سے اسکول بنایا جارہا ہے، جسکے خلاف بورڈ نے مقدمہ دائر کیا ہے، جو زیر سماعت ہے۔

حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ

آپ کا اسم گرامی مسعود، اور لقب فرید الدین تھا، مگر گنج شکر کے لقب سے مشہور ہوئے، گنج شکر کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ۔

حضرت فرید الدین گنج شکرؒ، جب جنگلوں اور پہاڑوں میں ریاضت کر رہے تھے، تو ایک دن انکو بہت پیاس معلوم ہوئی، ایک کنویں کے پاس پہنچے، لیکن وہاں ڈول اور ڈوری نہ تھی، ناامید ہو کر کنویں کے پاس کھڑے ہو گئے، تھوڑی دیر میں دو جنگلی ہرن کنویں کے پاس آئے، کنویں کا پانی ابل کر کنارہ تک آگیا دونوں ہرنوں نے اپنی پیاس بجھائی، شیخ فرید الدینؒ بھی پانی پینا چاہتے تھے کہ پانی گہرائی

میں اتر گیا شیخ فرید الدینؒ متحیر ہوئے، آسمان کی طرف منہ اٹھا کر کہا ''الٰہی ہرنوں کو تو تو نے پانی پلایا، اور بندے کو کیوں محروم کردیا'' آواز آئی تو نے ڈول اور ڈوری پر اعتماد کیا، اور ان جانوروں نے مجھ پر بھروسہ کیا، اسلئے تم محروم رہے، اور وہ دونوں ہرن سیراب ہوئے، یہ سن کر شیخ فرید الدینؒ بہت متاسف ہوئے، اور نفس کشی کیلئے چالیس روز تک چلہ معکوس کیا، اس مدت میں پانی کا ایک قطرہ بھی منہ میں نہ ڈالا، چلہ ختم ہونے کے بعد ایک مٹھی خاک منہ میں ڈالی جو فوراً شکر ہوگئی، غیب سے آواز آئی اے فرید! تیرے چلہ کو ہم نے قبول کیا، اور تجھ کو اپنے لئے چن لیا، اور شیریں سخنوں کے گروہ میں تجھ کو گنج شکر بنایا[1]۔

حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ سلسلۂ چشتیہ کے مشہور بزرگ تھے، آپ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے اجل خلفاء میں تھے، آپ ہمہ وقت عشق الٰہی میں ڈوبے ہوئے رہتے تھے، آپ کے ملفوظات بڑے حکیمانہ وعارفانہ ہیں، آپ جہاں مسلمانوں میں مقبول تھے، وہاں آپ سکھوں میں بھی ہردلعزیز تھے، آپ کے عارفانہ کلام کو گرنتھ صاحب میں شامل کیا گیا ہے، چنانچہ بعض مورخین لکھتے ہیں کہ:

> ''حضرت بابا فرید گنج شکرؒ نے پنجابی زبان کے ملتانی محاورہ میں جو اشلوک کہے ہیں، وہ عوام میں بے حد مقبول ہوئے، جب بابا گورونانک صاحب پاک پٹن تشریف لے گئے تھے، تو حضرت بابا گنج شکرؒ کے جانشین شیخ ابراہیم فرید ثانیؒ نے بابا صاحب کا پنجابی کلام بابا گورونانک صاحب کو پیش کیا تھا، انہوں نے اس کلام کو بے حد پسند فرمایا، اور اپنے ساتھ لے گئے، یہ اشلوک فارسی رسم الخط میں تھے، بعد میں ان کو سکھ

---

[1] بزم صوفیہ، ص ۱۴۸،۴۹، بحوالہ خزینۃ الاصفیاء

مذھب کے گُر مکھی رسم الخط میں لکھا گیا، سکھ مذھب کے پانچویں پیشوا گوروارجن دیو نے سکھ مذھب کی مقدس کتاب گرنتھ صاحب میں اس کلام کو درج کیا، سکھ مذھب کے ماننے والے اس کو بڑی عقیدت کیساتھ پڑھتے ہیں، اور اس کا بڑا احترام کرتے ہیں [۱] ''

قلعہ

مسجد بابا فرید کوٹ، کے چند قدم کے فاصلے پر، مہاراجہ فرید کوٹ، کا لکھوری اینٹوں کا بنا ہوا قلعہ ہے، جس کا دروازہ بہت ہی عظیم الشان ہے، دروازہ میں لوہے کی کیلیں ہیں، اندر مکانات اور محلات ہیں، اسی قلعہ میں موتی محل اور گدڑی محل بھی ہے، اسی قلعہ کی تعمیر کے وقت بابا فریدؒ کو مزدوری کرنے پر مجبور کیا گیا تھا۔

گدڑی صاحب

فرید کوٹ شہر سے تقریباً ۵ ر کلو میٹر جنوب میں کوٹ کپورہ روڈ پر گدڑی صاحب ہے، جہاں بابا فرید صاحبؒ نے عبادت وریاضت کی تھی، اور چلہ کشی کی تھی، پہلے ''لیر صاحب'' کے نام سے یہ مقام جانا جاتا تھا، اب گدڑی صاحب کے نام سے مشہور ہے، کہا جاتا ہے، بابا فریدؒ کسی کام کی وجہ سے کہیں گئے تھے، اور اپنی گدڑی یہیں چھوڑ گئے تھے، بچے ان کی گدڑی کو پھاڑ پھاڑ کر گیند بنا کر کھیلنے لگے تھے، اسی بنا پر اسکو گدڑی صاحب کہتے ہیں، یہاں بھی سکھوں نے گوردوارہ بنا دیا ہے، اور یہ گوردوارہ گیانی ذیل سنگھ نے اپنے دور صدارت میں بنوایا تھا، یہاں سکھوں کے پاس بابا صاحبؒ کی گدڑی کے کچھ پھٹے اور بوسیدہ ٹکڑے بھی ہیں، جو سکھوں کی تحویل میں ہیں، سکھ لوگ اس کو تبرک خیال کرتے ہیں، یہاں قرآن کریم کا ایک قدیم نسخہ

[۱] بحوالہ ماہنامہ منادی بابا فریدؒ نمبر نئی دہلی

بھی تھا، جس کو کوئی چرا لے گیا، اب صرف چند اوراق ہی محفوظ رہ گئے ہیں، جو سنہرے حروف میں لکھے ہوئے ہیں، کہا جاتا ہے کہ چلہ گاہ کے نزدیک کھدائی کے وقت یہ قرآن کریم برآمد ہوا تھا، غالباً یہ قرآن کریم باباصاحبؒ کے زیر تلاوت رہا تھا۔

جامع مسجد فیروزپور

فیروزپور مشرقی پنجاب کا ایک سرحدی ضلع ہے، جو انبالہ سے ۲۳۰ر کلو میٹر مغرب میں اور دلی سے تقریباً ۵۰۰ر کلو میٹر مغرب میں واقع ہے، یہاں سے ۹ر کلو میٹر کے فاصلے پر حسینی والا بارڈر ہے، اس کے بعد مغربی پنجاب کا ضلع قصور شروع ہو جاتا ہے، کچھ دنوں پہلے تک اسی بارڈر (حسینی والا) سے پاکستان میں جاتے تھے۔

فیروزپور سلطان فیروز شاہ تغلق کا بسایا ہوا شہر ہے، یہاں اب اسکے عہد کی کوئی تاریخی عمارت موجود نہیں ہے، لیکن اس شہر کے بانی ہونے کا اسے شرف حاصل ہے، یہاں مہاراجہ رنجیت سنگھ کا قلعہ ہے، یہ قلعہ تقریباً ۲۵ر ہزار مربع گز پر محیط ہے، اور لکھوری اینٹوں کا بنا ہوا ہے، جس کا صرف ایک ہی دروازہ ہے، جو کوئی خاص بڑا نہیں ہے، قلعہ کے ہر چہار جانب تالاب نما کھائی ہے، جو دفاعی نقطہ نگاہ سے تیار کی گئی ہے، اندرون قلعہ برطانوی دور کی اونچی اونچی عمارتیں ہیں، اب یہ قلعہ فوجیوں کے کنٹرول میں ہے۔

تقسیم سے قبل یہاں ۸۰ر فیصد مسلمان تھے، جن میں زیادہ تر سید اور کچھ شیعہ تھے، اسی وجہ سے یہاں دو امام باڑے بھی ہیں، ۱۹۴۷ء میں یہاں زبردست قتل عام ہوا تھا، تقسیم کے پانچ سات سال بعد تک انسانوں کی کھوپڑیاں سڑکوں کے کنارے ملتی تھیں، اب یہاں تقریباً پانچ سو مسلمان رہتے ہیں، مگر یہ سب تقسیم کے بعد کے آئے ہوئے ہیں، تقسیم سے قبل کا یہاں کوئی بھی مسلمان نہیں

ہے، یہاں کی مجموعی آبادی ایک لاکھ کی ہے، یہاں ہندوؤں کے بعد سب سے بڑی آبادی عیسائیوں کی ہے، یہاں ۳/ ہزار عیسائی ہیں، انکابڑا قبرستان ہے، جس میں مسلمان بھی دفن ہوتے ہیں، مسلمانوں کا یہاں علیحدہ کوئی قبرستان نہیں ہے۔

فیروزپور میں تقریباً تیں وقف جائیدادیں ہیں، اور شہر میں ۵۱/ مسجدیں ہیں، جن میں سے صرف دو کھلی ہیں، باقی میں مندر، گوردوارہ اور رہائشیں ہیں، یہاں عیدگاہ بھی ہے، مگر اس پر ناجائز قبضہ ہے، فیروزپور سرحدی علاقہ ہونے کی وجہ سے بہت ہی حساس ہے، یہاں لوگوں کی نقل وحرکت پر پوری نگاہ رکھی جاتی ہے، اور یہاں کی فوجی چھاونی بہت مشہور ہے۔

مسجد چھاونی

یہ مسجد فوجی چھاونی کے اندر ہے، جس کی پیشانی پر یہ کتبہ نصب ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ والمنۃ کہ یہ مسجد حرام

باھتمام پلٹن ۱۸/ بتاریخ ۱۵/ شعبان ۱۳۳۷ھ کو مرتب ومکمل ہوئی

نہ مرد آنکہ ماند پس ازوے بجائے

پل ومسجد وچاہ ومہمان سرائے

یہ مسجد تین در کی ہے، جس کے دو در بند کردیے گئے ہیں، مشرقی دیوار میں دو ۷-۷/ فٹ بلند طاق ہیں، اور مغربی جانب بھی اسی طرح کے اتنے ہی بلند چھ طاق ہیں، اوران طاقوں کے اوپر محراب کے دونوں طرف دو، دوروشندان ہیں مسجد کی چھت عجیب انداز کی ڈاٹ کی بنی ہوئی ہے، مسجد ۱۱×۵/ فٹ لمبی ہے، اور اسکا بر آمدہ بھی تقریباً ۱۱×۵۰/ فٹ ہے، مسجد کا صحن نہایت ہی وسیع وعریض ہے، جس کی چہار دیواری کردی گئی ہے، صحن کے دائیں طرف ایک وسیع وقف

قطعہ اراضی ہے، اس کی بھی چہار دیواری کردی گئی ہے، اور اسی احاطہ میں حجرہ امام اور استنجا خانہ ہے، یہ مسجد آباد ہے، بورڈ کی طرف سے امام مقرر ہے، جس میں پنجوقتہ نمازوں کے علاوہ جمعہ و عیدین کی نمازیں ہوتی ہیں، یہاں فوج میں مسلمان نوجوانوں کی اچھی خاصی تعداد ہے، جو نماز میں شریک ہوتے ہیں، مسجد کا صحن ۴۵ / فٹ لمبا اور ۵۰ / فٹ چوڑا ہے۔

مسجد بستی ٹینکا والی

فیروزپور کی یہ دوسری آباد مسجد ہے، یہ مسجد تقسیم کے بعد بند ہو گئی تھی، اس مسجد کو ۱۶، ۱۵ / سال قبل جناب عبدالاحد صدیقی صاحب آئی، اپی، ایس نے کھلوایا تھا، یہ مسجد تقریباً سو سال قبل کی تعمیر کردہ ہے، اور اس میں ۴ / صفوں کی گنجائش ہے، برآمدہ میں بھی تین صفوں کی گنجائش ہے، اور دو، تین صفوں کا صحن بھی ہے، جس کے مشرقی جانب وضو خانہ ہے۔

راقم الحروف نے جناب محمد وکیل صاحب اسٹیٹ افسر، پنجاب وقف بورڈ فیروزپور، کے ہمراہ یہاں کی تاریخی عمارتوں کا سروے کیا موصوف نے یہاں کی عمارتوں کو دکھلانے میں بہت دلچسپی لی، انہی کی دلچسپی سے درگاہ شیر شاہ ولی کا معائنہ کیا، جو شیر ولی چوک پر واقع ہے، کہا جاتا ہے کہ یہ اپنے عہد کے مشہور بزرگ تھے، مگر ان کے عہد و زمانہ کا تعین مشکل ہے۔

حضرت شیر شاہ ولیؒ کی درگاہ کی عمارت پختہ ہے، اور ہرے رنگ سے مزین ہے، جہاں زیادہ تر غیر مسلموں کی آمدورفت رہتی ہے، یہ لوگ درگاہ سے عقیدت رکھتے ہیں، اور اس کی خدمت کرتے ہیں، کچھ مسلمان بھی آجاتے ہیں، یہ درگاہ ایک کمیٹی کے زیر انتظام ہے درگاہ کمیٹی میں کچھ پولیس افسران اور کچھ مقامی لوگ ہوتے ہیں، جناب محمد مصطفےٰ صاحب ڈی آئی جی (D I G) نے اس درگاہ کی

کمیٹی بنوادی تھی، اسی کمیٹی کے تحت اس درگاہ کا انتظام و انصرام ہوتا ہے۔

جامع مسجد

فیروزپور کے محلہ مین بازار (نزد راجہ سنیما) میں یہ جامع مسجد ہے، مقامی لوگوں کا بیان ہے یہ یہاں کی جامع مسجد تھی، جس کے دو مینار، اور تین در ہیں، مسجد کافی وسیع و عریض ہے، جس میں اب گوردوارہ بنا ہوا ہے، اسکے صحن میں سکھوں کا قومی جھنڈا نصب ہے، راقم الحروف اس مسجد میں گیا تھا، جسکے صحن میں سکھوں کے بچے کھیل رہے تھے، اور اس میں ان کا قومی جھنڈا نصب تھا۔

اور اندرون مسجد گرنتھ صاحب رکھا ہوا تھا، مگر مسجد کی پوری ہیئت محفوظ وباقی تھی، اس مسجد کے تھوڑے ہی فاصلہ پر پنجاب وقف بورڈ کا ضلعی دفتر ہے، جسکے موجودہ اسٹیٹ آفیسر محمد وکیل صاحب ہیں، جو بہت ہی باشعور اور ذمہ دار آفیسر ہیں، مساجد اور اوقاف کے سلسلے میں بہت وسیع معلومات رکھتے ہیں۔

مسجد بوعلی شاہ قلندرؒ پانی پت

پانی پت صوبہ ہریانہ ہی نہیں، بلکہ ہندوستان کا مشہور مقام ہے، جس کی سرحدیں شمال میں دریائے جمنا سے لیکر سمالکا (قصبہ) تک اور مشرق میں دریائے جمنا (یوپی) سے لے کر قصبہ متھلاڈا تک پھیلی ہوئی ہیں اور جنوب میں تقریباً ۱۰۰ ار کلو میٹر کے فاصلے پر دہلی ہے۔

پانی پت ضلع کا، صدر مقام بھی ہے، یہاں کی مجموعی آبادی میں پچاس ہزار مسلمانوں میں سے دس ہزار مسلمان باضابطہ ووٹرس ہیں، حالانکہ تقسیم ملک کے وقت یہاں کے قدیم مسلمانوں کی مجموعی تعداد پانچ ہزار تھی، ۱۹۴۷ء کی قیامت صغریٰ میں تمام مسلمان پانی پت چھوڑ کر پاکستان چلے گئے تھے یا حوادث کا شکار ہو گئے تھے، ان پانچ ہزار مسلمانوں میں سے صرف ایک بزرگ، تن تنہا پانی پت میں رہ گئے تھے، وہ تھے، مشہور مجاہد آزادی، مولانا لقاء اللہ عثمانیؒ (متوفی ۱۹۴۹ء) خود مولانا مرحوم کی اہلیہ اور ان کے بچے راتوں رات پاکستان چلے گئے تھے۔

پانی پت صدیوں سے جہاں روحانی مرکز رہا ہے، وہاں علم وادب کا گہوارہ بھی رہا ہے، عہد جہانگیر کے مشہور شاعر، شیخ سعد اللہ مسیحی پانی پتیؒ نے رامائن کو فارسی نظم کا جامہ پہنا کر اخوت و محبت کا پیغام دیا تھا اس سرزمین کو بزرگان دین وشاہان ملک کے عظیم مدفن ہونے کا افتخار حاصل ہے لیکن حیرت کی بات ہے کہ تمام شہر کی سڑکیں کچی اور ٹوٹی ہوئی ہیں۔ سڑکوں پر گندا پانی بھرا رہتا ہے اور

غلاظتوں کے ڈھیر، جن پر بڑی تو بڑی چھوٹی گاڑیوں کا چلنا بھی دشوار ہو جاتا ہے، اور جابجا خنزیروں کے غول کے غول دکھائی دیتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ پانی پت صوبہ ہریانہ کا سب سے گندا شہر ہے۔

قلندری گیٹ

درگاہ بو علی شاہ قلندر قلب شہر میں محلہ مخدوم زادگان وارڈ نمبر ۱۲/ میں واقع ہے، اس درگاہ تک پہنچنے کے لئے بڑی تنگ و پر پیچ گلیوں سے گزرنا ہوتا ہے، ہماری جیپ بڑی مشکل سے قلندری گیٹ تک پہنچ سکی تھی، درگاہ کے دونوں دروازوں کے آمنے سامنے فقیروں اور دوکانداروں کا ہجوم رہتا ہے۔ یہ دروازے کوئی خاص دیدہ زیب نہیں ہیں، پرانے طرز کے بنے ہوئے ہیں مگر بڑی تاریخی نوعیت کے ہیں، ان ہی کے درمیان سے پاکستان کے پہلے وزیر اعظم صاحبزادہ لیاقت علی خاں مرحوم کو انگریزوں نے گرفتار کیا تھا، قلندری گیٹ میں داخل ہوتے ہی داہنے ہاتھ پر ایک عمارت ہے، جس کے اوپر ایک بورڈ آویزاں ہے، جس میں یہ عبارت ہے۔

مدرسہ شرف العلوم الاسلامیہ العربیہ
درگاہ بوعلی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ
وارڈنمبر ۱۲/ پانی پت، ہریانہ

یہ عمارت احاطہ سے ملحق ہے جو ۴۵/ فٹ ۸/ انچ چوڑی اور ۴۶/ فٹ ۶/ انچ لمبی ہے، جس کے صحن میں سنگ مرمر کے نہایت ہی شاندار تین مزارات ہیں لیکن ان کے اوپر کتبے نہیں ہیں۔ صحن کے شمالی جانب میں ۱۰/ فٹ ۶/ انچ چوڑی اور ۴۹/ فٹ لمبی سہ دری ہے، اور مشرقی جانب میں بھی ۲۷/ فٹ ۱۰/ انچ لمبی اور ۴۱/ فٹ چوڑی سہ دری ہے۔ اور اسی طرف ایک حجرہ ہے جو ۱۰/ فٹ چوڑا

اور ۱۱ر فٹ لمبا ہے۔ جہاں طالب علموں کی تپائیاں رکھی ہوئی تھیں۔ اسی عمارت میں بچوں کا مکتب ہے، اگرچہ دروازے کے بورڈ سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہاں کوئی بڑا مدرسہ ہوگا جہاں طالبان علم نبوت مقیم ہوں گے مگر یہاں ایسا کچھ نہیں ہے، مقامی مسلم بچے پڑھتے ہیں۔

اس عمارت کی مشرقی دیوار کی پیشانی پر ایک مختصر فارسی کتبہ ہے جو سنگ مرمر کی تختی پر کندہ ہے۔

شمس الدولہ بہادر نیک نام بنا کرد ۱۲۳۶ھ

نواب شمس الدولہ مغلیہ خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے صدر دروازہ کے باہر نقار خانہ تعمیر کرایا تھا۔ یہ نقار خانہ اب کھنڈر کی صورت میں موجود ہے اور نمونہ عبرت ہے۔

مدرسہ کی عمارت کے بعد ۴۰، ۵۰ر فٹ اندر کی طرف چلنے کے بعد درگاہ کا اصل گیٹ آتا ہے، گیٹ میں داخل ہوتے ہی احاطۂ درگاہ کے چاروں طرف حجرے بنے ہوئے ہیں، جن میں زائرین مقیم ہوتے ہیں، یہ حجرے ۳۷ر عدد ہیں، ان میں بعض حجروں میں پنجاب وقف بورڈ کے ضلعی دفاتر ہیں اور زیادہ حجرے زائرین کے مصرف میں آتے ہیں۔

مولانا حالی اورینٹل لائبریری

مرکزی گیٹ میں داخل ہوتے ہی (صحن سے پہلے) بائیں ہاتھ پر مولانا حالی اورینٹل لائبریری ہے۔ کہا جاتا ہے کہ شمس العلماء مولانا الطاف حسین حالی مرحوم اسی حجرہ میں مطالعہ کیا کرتے تھے جس میں آج لائبریری ہے، راقم الحروف کو لائبریری دیکھنے کا موقع ملا، لائبریری ابتدائی مرحلہ میں ہے، کتابوں کی کمی ہے، سنا ہے کہ بورڈ نے خریداری کتب کے لئے ایک اچھی رقم منظور کی ہے، ضرورت

اس بات کی ہے کہ اچھی کتابوں کی خریداری کی جائے تاکہ اس مرکزی مقام کی مناسبت سے کتابوں کا ایک ایسا ذخیرہ جمع کیا جاسکے جو اسکالروں اور محققین کے لئے مفید و کار آمد ہو، لائبریری کے انچارج مولوی بلال احمد بجرولوی صاحب ہیں۔

اس لائبریری کا افتتاح ۱۵/مارچ ۱۹۹۷ء کو پنجاب وقف بورڈ کے سابق ایڈمنسٹریٹر جناب عبدالاحد صدیقی صاحب (آئی پی ایس) نے کیا تھا۔ لائبریری کے افتتاح کی مناسبت سے ایک خوبصورت سیاہ پتھر پر انگریزی اور اردو زبان میں کتبہ نصب ہے۔

Maulana Altaf Hussain Hali
Oriental Library
Dargah Bu,ali Shah Qalandar Panipt
Inaugrated by
Janab A.A. Siddqi.(I P S)Administrator
Punjab Wakf Board.on March 15.1997.
(5TH-ziqad-1417Hijri)

مولانا الطاف حسین حالی اورینٹل لائبریری
افتتاح بدست
جناب عبدالاحد صدیقی آئی پی ایس ایڈمنسٹریٹر (پنجاب وقف بورڈ)
بتاریخ ۱۵/مارچ ۱۹۹۷ء بمطابق ۵/ذیقعدہ ۱۴۱۷ھ

مزار مولانا حالی

مولانا الطاف حسین حالی اورینٹل لائبریری کی عمارت کے ملحق، سامنے مولانا حالی کا مزار ہے، جو سادہ ہے مگر بڑا ہی جاذب نظر ہے، مولانا مرحوم کی تربت

پر نہ کوئی چراغ جلتا ہے اور نہ کوئی چادر چڑھتی ہے، نہ کوئی عرس ہوتا ہے اور نہ کوئی میلہ لگتا ہے، بمشکل ایک بورڈ آویزاں ہے جس میں یہ عبارت لکھی ہوئی ہے۔

آخری آرام گاہ

شمس العلماء مولانا الطاف حسین حالیؒ

شمس العلماء مولانا الطاف حسین حالی اردو زبان و ادب کے مایہ ناز شاعر و ادیب تھے، اور سر سید اسکول سے آخر تک وابستہ رہے انہوں نے سر سید احمد کی سوانح "حیات جاوید" بھی لکھی ہے، مولانا حالی سر سید احمد خاں سے اس قدر متاثر تھے کہ انہوں نے اپنے آبائی وطن پانی پت میں اسلامیہ انٹر کالج کی بنیاد ڈالی اور اس کی عمارت، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی عمارتوں کے طرز پر بنوائی مگر اس وسیع عمارت پر آج آریہ سماجیوں کا ناجائز قبضہ ہے اور اس میں ان ہی لوگوں کا اسکول چلتا ہے، سنا ہے کہ پنجاب وقف بورڈ، مولانا حالی کے وقف نامہ کی بنیاد پر، مقدمہ دائر کرنے والا ہے، یہ مقدمہ قومی مفاد میں ہوگا۔

سب سے زیادہ بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ مسدس حالی کے مصنف اور قومی شاعر کے ذاتی محل پر ناجائز قبضہ ہے۔ اس میں ایک سکھ خاندان آباد ہے، مولانا حالی کا یہ محل درگاہ بو علی شاہ قلندرؒ کے نقار خانہ والی گلی میں سو دو سوفٹ کے فاصلے پر واقع ہے اور یہ محل بھی وقف ہے، مولانا حالی نے اپنی حیات ہی میں کالج کی عمارت اور اپنا رہائشی مکان وقف کر دیا تھا اور ان دونوں کے وقف ہونے کا اعلان بھی کر دیا تھا۔

مولانا حالی ایک نیک سیرت انسان تھے، خود آپ کا ارشاد ہے۔

فرشتہ سے بہتر ہے انسان بننا
مگر اس میں پڑتی ہے، محنت زیادہ

مولانا حالیؔ کی وفات ۱۹۱۵ء میں پانی پت میں ہوئی تھی اور حضرت بو علی شاہ قلندرؒ کے جوار میں مدفون ہوئے، رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً، علامہ اقبالؒ کو مولانا حالیؔ سے خاص عقیدت وارادت تھی، اکتوبر ۱۹۳۵ء میں مولانا حالیؔ کے صد سالہ یوم ولادت کے موقع پر مولانا حالیؔ کے صاحبزادے خواجہ سجاد حسین نے علامہ اقبالؒ کو پانی پت آنے کی دعوت دی، علامہ مرحوم خواجہ سجاد حسین کی دعوت پر ۲۵/اکتوبر ۱۹۳۴ء کو پانی پت تشریف لائے آپ کے ہمراہ لاہور سے سید نذیر نیازی، خواجہ حسن اختر اور چودھری محمد حسین تھے، جاوید اقبال بھی آپ کے ساتھ تھے۔

مولانا حالیؔ جشن صد سالہ یوم ولادت کی صدارت، نواب حمید اللہ خاں والی بھوپال نے کی تھی، علامہ اقبال، اسٹیج پر نواب صاحب کے برابر میں موجود تھے، علامہ کی ہدایت پر آپ کے فارسی اشعار کو "مولانا حالیؔ مسلم اسکول کے ایک استاد لئیق احمد خاں نے نہایت ہی خوش الحانی کے ساتھ پڑھا" وہ فارسی اشعار حسب ذیل ہیں ؎

مزاج ناقہ را مانند عرفیؔ نیک می بینم　　چو محمل را گراں بینم حدی را تیز تر خوانم
حمید اللہ خاں اے ملک وملت را فروغ از تو　　ز الطافِ تو موج لالہ خیزد از خیابانم
طوافِ مرقد حالیؔ سزد اربابِ معنی را　　نوائے او بجانہا افگند شورے کہ مے دانم
بیا تا فقر وشاہی در حضور او بہم سازیم
تو بر خاکش گہر افشان و من برگِ گل افشانم

سرود رفتہ ص ۱۹۴

حوض

مولانا حالیؔ کے مزار سے ملحق مسجد بو علی شاہ قلندرؒ کا حوض ہے، جو وسیع

وعریض ہے ایک پیمائش کے مطابق ۲۶ر فٹ چوڑا اور ۲۵ر فٹ لمبا ہے، جس میں صاف وشفاف، پانی بھرا رہتا ہے، مقیمین اور زائرین اسی حوض قلندری سے وضو کرتے ہیں، حوض ہی کے قریب ٹھنڈے پانی کی مشین ہے جس سے ٹھنڈا پانی نکلتا ہے، لوگ ٹھنڈا پانی پیتے ہیں۔

صحن

حوض سے متصل مسجد بو علی شاہ قلندرؒ کا خوبصورت وخوشنما صحن ہے، جو جدید فن تعمیر کا آئینہ دار ہے، عام خانقاہوں و مقبروں کی مسجدوں اور ان کے صحنوں کے برعکس یہاں غیر معمولی صفائی ستھرائی کا اہتمام ہے، مسجد کے صحن کو دیکھ کر جی خوش ہو جاتا ہے۔ یہ صحن ۱۹۹۱ء میں دوبارہ بنا ہے، جس میں پہلے لال پتھر کے چوکے بچھے ہوئے تھے اور کافی بوسیدہ وخستہ ہو گئے تھے اہل خیر حضرات نے صحن کے فرش کو سنگ مرمر سے مزین کرادیا ہے، صحن ۱۸ر فٹ ۱۰ر انچ چوڑا اور ۷۴ر فٹ لمبا ہے، اور یہ صحن درگاہ کے صحن سے تقریباً ۲ر فٹ اونچا ہے۔

مسجد بو علی شاہ قلندرؒ

مسجد بو علی شاہ قلندرؒ احاطہ درگاہ میں واقع عمارتوں میں ایک سادہ مگر خوبصورت عمارت ہے، جو مغل فن تعمیر کی آئینہ دار ہے، یہ مسجد سنگ سرخ کی بنی ہوئی ہے اس میں کوئی خاص جدت طرازی وصناعی نہیں کی گئی ہے مگر پھر بھی غیر معمولی دلآویزی ورعنائی ہے، یہاں قلب کو بڑا سکون واطمینان حاصل ہوتا ہے۔

اس مسجد کی تاریخ تعمیر کی نشاندہی، مشکل ہے، البتہ اس مسجد کے بانی حکیم رزق اللہ خاں مرحوم، نواب مقرب خاں کے صاحبزادے تھے اور اپنے باکمال باپ کے صحیح جانشیں تھے، شاہجہاں کے عہد حکومت میں ہشت صدی منصب پر فائز تھے، آپ بھی بڑے حکیم تھے، شاہجہاں بادشاہ کا علاج بھی کرتے تھے، ہر بڑے

آدمی کی طرح آپ کے بھی کچھ دشمن تھے، چنانچہ انہوں نے الزام لگایا تھا کہ ۱۰۷۶ء میں حکیم صاحب نے بادشاہ کے جسم پر ملنے کے لئے جو تیل بنایا تھا اس سے بادشاہ کو بخار، پیچش، اور حبس دم کا عارضہ لاحق ہو گیا تھا اور یہی عارضہ بادشاہ کی موت کا باعث ہوا، عالمگیرؒ کے دور حکومت میں انکو ''خانی'' کا خطاب ملا تھا اور منصب کا بھی اضافہ ہوا، ۱۰ء جلوس عالمگیر میں ان کا انتقال ہوا۔

مصنف ماٰثر الامراء نے لکھا ہے کہ :

''حضرت بو علی شاہ قلندر پانی پتیؒ کی خانقاہ میں جو سرخ مسجد ہے، وہ شیخ رزق اللہ صاحب نے ہی تعمیر کرائی تھی [1]''

مسجد پانچ در کی ہے جس کے دوہرے ستون ہیں جو ۵ / فٹ چوڑے اور ۷ / فٹ ۹ / انچ بلند وبالا ہیں، مسجد ۱۶ / فٹ چوڑی اور ۴۷ / فٹ لمبی ہے، اس کا فرش بھی جدید طرز تعمیر کا عمدہ نمونہ ہے، حالانکہ صحن کے فرش کی طرح مسجد میں بھی سنگ سرخ کے چوکے نصب کئے گئے تھے جو امتداد زمانہ کی وجہ سے گھس گئے تھے، ان کو بدل دیا گیا اور سنگ سرخ کے بجائے سنگ مرمر لگا دیا گیا، جس سے مسجد کی رونق بڑھ گئی ہے، راقم الحروف کو اس مسجد میں نماز پڑھنے کا شرف حاصل ہے۔

کتبہ ندارد

اس مسجد میں کوئی کتبہ نظر نہیں آیا، حالانکہ کتبہ کا نشان موجود ہے، غالباً رنگ میں چھپ گیا ہے اور مسجد کی پیشانی میں مختلف رنگوں کا امتزاج بہت خوشنما معلوم ہوتا ہے، مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ حادثہ بھی ہے کہ بڑی قیمتی تحریر، رنگوں کے قوس قزح میں گھر گئی ہے یا معماروں کی بے احتیاطی کی نذر ہو گئی ہے، یہ خوش آئند بات ہے کہ مغربی جانب کی محرابوں پر ۱۸ / جگہ گول دائروں میں بخط نستعلیق

---

[1] ماثر الامراء، ص ۳۸۳۔

اللہ لکھا ہوا ہے، شمالی و جنوبی جانب بھی جالی دار محرابیں ہیں، ان کے اوپر دو جگہ اللہ لکھا ہوا ہے، محراب (مصلیٰ) میں ۳، ۳ جگہ فرش کے نزدیک بھی اللہ لکھا ہوا ہے اور یہ تحریر پرانی ہے۔ مسجد کی تعمیر کے ساتھ ہی لکھی گئی ہے۔

مسجد میں ایک چھوٹا منبر بھی ہے جو تین سیڑھیوں کا ہے مگر خوشنما ہے۔

گنبد اور مینار

مسجد میں کوئی گنبد و مینار نہیں ہے، چھت ہموار و مسطح ہے، جس میں ۸ ار فٹ لمبے اور ۶ ر فٹ چوڑے پتھر لگے ہوئے ہیں، جن کو بڑے سلیقے سے تراشا گیا ہے اور ان کو اس طرح جوڑا گیا ہے کہ ایک قطرہ پانی بھی نہیں ٹپکتا مضبوطی کے اعتبار سے بھی اپنی مثال آپ ہیں۔

مقرب خاں کے مختصر حالات زندگی

مسجد کے صحن سے ملحق مشرق میں مقرب خاں کا عظیم الشان مقبرہ ہے جس کے دروازہ پر یہ کتبہ نصب ہے۔

وزیر جہانگیر نواب مقرب خاں کیرانوی ۱۰۵۲ھ

مقرب خاں مخدوم المشائخ حضرت خواجہ جلال الدین کبیر الاولیاء کی اولاد میں تھے، آپکا اصل نام محمد حسن تھا، آپ کے والد کا نام شیخ بہا تھا اور حکیم نابینا سے بھی جانے جاتے تھے۔ اکبر بادشاہ نے ان کو مقرب خاں کے خطاب سے نوازا تھا، اور ان کو شیخ حسو بھی کہا جاتا تھا، آپ جہانگیر بادشاہ کے دوست اور ہم سبق تھے، دونوں نے ایک ہی استاذ سے تعلیم حاصل کی تھی، آپ جہانگیر کے دور حکومت میں وزیر بھی تھے، گجرات، دہلی، آگرہ اور بہار کے گورنر بھی رہے، جہانگیر بادشاہ کہا کرتا تھا کہ شیخ حسو جیسا ملازم شاید ہی کسی بادشاہ کو میسر ہوا ہو، خود اکبر بادشاہ کے دور میں بھی مقرب و معتمد تھے، انہیں فن طب اور باغبانی کا بھی شوق تھا، انہوں

نے کیرانہ میں ایک شاندار باغ لگوایا تھا جو لولکھ باغ کے نام سے مشہور تھا، اس میں حوض تھا جس میں چاند کے حساب سے پانی آتا جاتا تھا۔ اس حوض کے کھنڈرات بیس پچیس سال قبل تک تھے، کیرانہ میں آپ کے والد حکیم ناپینا کو زمین بطور جاگیر دی گئی تھی، جہاں آپ نے ایک عالیشان محل بنوایا تھا، جس میں جہانگیر بادشاہ بھی آیا تھا، اس کا ذکر تزک جہانگیری میں موجود ہے اور بادشاہ نے محل کی بڑی تعریف کی ہے۔

مقبرہ، نواب مقرب خاں کا، طرز تعمیر

ایک اہم تعمیری یادگار ہے جس کی چھت لداوکی ہے۔ جسے خود نواب صاحب نے اپنے لئے اور اپنے اہل خانہ کے لئے تعمیر کرایا تھا، اس مقبرہ میں چھ مزار ہیں، نواب صاحب کے مزار کے دائیں جانب تین مزار اور بائیں جانب دو مزار ہیں، ان کے علاوہ ایک بچہ کا مزار بھی ہے۔

آپ کا مقبرہ ۳۰/ فٹ لمبا اور ۲۲/ فٹ چوڑا ہے۔ اور بر آمدہ کی چوڑائی ۱۱/ فٹ ہے اور ۳/ فٹ مربع ہے، درگاہ کے مشرقی مغربی جانب ۶,۶ ستون ہیں جو سنگ سرخ کے ہیں جو گیروے رنگ سے رنگے گئے ہیں اور بہت خوشنما معلوم ہوتے ہیں۔ اسی طرح شمالی جنوبی جانب ۴,۴ ستون ہیں اور یہ سب سنگ سرخ کے ہیں، لیکن دو ستون، جدید اینٹوں کے تعمیر کردہ ہیں، شاید مزید مضبوطی کے خاطر ہوں، یہ سب بر آمدے کے ہیں، مقبرہ کے تین گنبد بھی ہیں جن پر چھوٹے مٹکے رکھے ہوئے ہیں جو سیمنٹ سے مضبوط کئے گئے ہیں ان کے کلس لوہے کی جالیوں سے بنائے گئے ہیں اور خوبصورت دکھائی دیتے ہیں۔

موسمیات کی شناخت کیلئے، قیمتی پتھر

مقرب خاں کی درگاہ کی دیوار کے چاروں کونوں پر ۲/ فٹ مربع کے ۸/

پیلے رنگ کے پتھر نصب ہیں جو کالے رنگ کے پتھروں کی حد بندی میں ہیں، وہاں کے مقامی لوگوں کا بیان ہے کہ بارش ہونے سے کچھ پہلے ان پتھروں پر نمی آجاتی ہے اور ہاتھ رکھنے پر پانی کا اثر معلوم ہوتا ہے، یہ قدرت کا کرشمہ ہے۔

خادم درگاہ نے کئی سالوں کا اپنا تجربہ بھی بیان کیا۔

خود جناب محمد فاروق صاحب، رینٹ کلکٹر (پنجاب وقف بورڈ) کا بھی یہی بیان ہے جنہوں نے پتھروں کی صفائی کرادی ہے اور یہ پتھر خوب صاف ہو گئے ہیں، راقم الحروف نے ان پتھروں کو دیکھا ہے اور تصویر لے لی ہے، بلاشبہ یہ نادر و نایاب پتھر دور حاضر میں کم یاب ہی نہیں بلکہ نایاب ہیں۔

زہر مہرہ

مقبرہ مقرب کے اندر ایک قبر زہر مہرہ (پتھر) کی بنی ہوئی ہے جسکی قیمت اس وقت لاکھوں سے بھی متجاوز ہے، کہا جاتا ہے کہ اگر کسی کو زہریلا سانپ کاٹ لے تو زہر مہرہ میں سے تھوڑا سا بھی پیس کر پلانے کے بعد وہ مریض شفایاب ہو جاتا ہے اور زہر کا اثر زائل ہو جاتا ہے۔

اس زہر مہرہ کی قبر کے علاوہ بھی آٹھ ستون زہر مہرہ کے ہیں جو احاطۂ مقبرہ مقرب خاں میں موجود ہیں، ان پتھروں کی خصوصیات پر مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔

مقبرہ بو علی شاہ قلندرؒ

مقبرہ مقرب خاں کے ملحق مشرق میں ایک عظیم الشان مقبرہ ہے، جس میں شیخ شرف الدین بو علی شاہ قلندرؒ محو استراحت ہیں، اس مقبرہ کی تعمیر آپ کے وصال کے بہت بعد میں ہوئی تھی، جسے نواب مقرب خاں نے تعمیر کرایا تھا، یہ مقبرہ ایک چہار دیواری کے اندر ہے، جس میں سنگ مرمر کی جالیاں بنی ہوئی ہیں، جس کا صحن ۷۸ رفٹ لمبا اور ۳۶ رفٹ چوڑا ہے، فرش سنگ مرمر کا بنا ہوا

ہے اور بہت ہی عمدہ ہے لے۔

کسوٹی کا پتھر (ستون کسوٹی)

بر آمدہ میں کسوٹی کے پتھر کے ۸ ر ستون ہیں جو دراصل سیاہ رنگ کا پتھر ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ دنیا میں اتنی لمبائی کا کسوٹی کا پتھر کسی اور جگہ استعمال نہیں ہوا ہے۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ کسی سمندر میں سات جہاز سالہا سال سے غرق تھے۔ نواب مقرب خاں نے اپنی حکمت عملی سے سمندر سے ان جہازوں کو بر آمد کرایا جس میں بیش قیمت چیزوں کے علاوہ کسوٹی کے پتھر کے ستون بھی تھے، جب ان اشیاء کی بر آمدگی کی اطلاع جہانگیر کو ہوئی تو بادشاہ نے یہ تمام بیش قیمت سامان مقرب خاں کو دیدیا، اس کے بعد مقرب خاں نے اپنے لئے کیرانہ میں ایک محل تعمیر کرایا جس میں ان ستونوں کو نصب کرادیا، مشہور روایت ہے کہ ایک روز جہانگیر بادشاہ سے کسی نے کہہ دیا کہ مقرب خاں کے پاس ایک ایسی چیز ہے جو حضور کے پاس بھی نہیں، جب اس نے معلوم کیا تو پتہ چلا کہ وہ ستون کسوٹی ہے، بادشاہ نے حکم دیا، مقرب خاں کو لکھدو کہ حضور کی خدمت میں بھیجدے! مقرب خاں کے وکیل نے اسی وقت ان کو اطلاع دی تو انہوں نے ستون کسوٹی اپنے مکان سے اکھڑ واکر راتوں رات پانی پت کی خانقاہ میں لگوادیا۔ تیسرے روز فرمان شاہی آیا تو انہوں نے جواب دیا، آپ کا فرمان آنے سے قبل کسوٹی خانقاہ کیلئے بھیجدی گئی ہے، اگر حکم ہو تو وہاں سے اکھڑ واکر بھیجدوں، فرمان آیا کہ خانقاہ کے لئے مناسب و موزوں ہے، ضرورت نہیں۔

خانقاہ میں کسوٹی جلد ہی لگ گئی تھی اس لئے اس وقت نواب مقرب خاں کچھ لکھوانہ سکے تھے اس لئے بعد میں آپ کے صاحبزادے حکیم رزق اللہ خاں نے

لے ایک مجاہد معمار (ص ۱۵) تذکرہ اولیا (جلد دوم ص ۹۹)

حسب ذیل تاریخی کتبہ لکھوادیا۔

مظہر نور جلالت و جمال ہمچو عیسیٰ مردہ راتخشد رواں

خان بن خانست رزق اللہ خاں از مقرب خان افلاطون دہر

بو علی چوں بو علی سیناش کرد زا نشرف کشتہ ارسطوی زماں

تابنافرمود ایواں چو خلد پہر ستون سنگ محک درزیر آں

از خرد چشم عیار سال او چوں طلائی کیمیا کردم عیاں

سال تاریخ وبنایش در حساب شد بو الاجاہ رزق اللہ خاں

۱۰۷۱ھ مطابق ۱۶۶۱ء

برآمدہ کی دیوار کے بائیں طرف ایک دوسرا کتبہ ہے جس میں حضرت بو علی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ کا نسب نامہ لکھا ہوا ہے۔ جو کچھ اسطرح ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نسب نامہ حضور قلندر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

سید شرف الدین بوعلی شاہ قلندر بن سالار

فخرالدین بن زبیر بن سالار حسین بن سالار

عزیز بن ابوبکر غازی بن فارس بن عبدالرحمن

عبدالرحیم بن نعمان ابو حنیفہ کوفی امام اعظم

رحمۃ اللہ علیہ!

اور درمیانی محراب میں آیۃ الکرسی بخط نستعلیق لکھی ہوئی ہے اور بائیں جانب سے شروع ہو کر دائیں جانب سورہ رحمٰن ختم ہوئی ہے، سنہرے کام سے برآمدے کی چھت اب بھی مزین ہے، لیکن چھت کا پلاسٹر بائیں جانب سے تھوڑا سا جھڑ گیا ہے جس کی وجہ سے بد نمائی آگئی ہے، جو محتاج مرمت ہے۔

مقبرہ کی چوکھٹ پیش قیمت سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہے جو لاجواب ہے جس پر حضرت بو علی قلندر صاحب ہی کا ایک فارسی شعر منقوش ہے، اور یہ شعر حضرت بو علی شاہ قلندرؒ کی لطافت طبع کا آئینہ دار ہے۔

ہر زمینے کے نشانے کف پائے تو بود   سالہا سجدہ صاحب نظراں خواہد بود

اسی چوکھٹ میں داخل ہونے کے بعد حضرت شاہ قلندرؒ کا مزار آتا ہے، جس کا احاطہ ۲۵ ر فٹ ۶ ر انچ چوڑا ۲۶ ر فٹ لمبا ہے حضرت کا مزار چاروں طرف سے ڈھکا ہوا ہے اور بڑا ہی روحانی مقام ہے لیکن اصل مزار نیچے ہے جس پر چادریں چڑھتی رہتی ہیں وہ دراصل مزار کا تعویذ ہے۔

حضرت بو علی شاہ قلندرؒ کے مزار کا گنبد دیکھنے کے بعد یہ اندازہ ہوتا ہے کہ جو کرنال کے گنبد کا Architecure، اور فن تعمیر ہے تقریباً وہی فن تعمیر یہاں بھی ہے، پانی پت کا گنبد بھی شلغمی طرز کا بنا ہوا ہے، اور بڑا ہی پر جلال و جمال ہے، اور دور ہی سے اس کا تعمیری روپ نکھرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

حضرت بو علی شاہ قلندرؒ کا مختصر تذکرہ

آپ کا نام شیخ شرف الدین اور لقب بو علی قلندرؒ تھا، آپ کے والد کا نام شیخ فخر الدینؒ تھا، ۶۰۰ھ میں عراق سے ہندوستان آئے تھے، بڑے متبحر اور جید عالم دین تھے۔

شیخ بو علی قلندرؒ ۶۰۵ھ میں پانی پت میں پیدا ہوئے، صغر سنی میں علوم قرآن و حدیث حاصل کئے اور بیس برس تک مسجد قوت الاسلام دلی میں درس و تدریس جاری رکھا، مسجد قوت الاسلام کے احاطے میں طالبان علم نبوت مقیم رہتے تھے، مگر جب آپ علوم باطن کے حصول کی طرف راغب ہوئے تو عالم جذب میں تمام علوم و فنون کی کتابوں کو دریا میں غرق کر کے صحرا نوردی کو وظیفہ حیات قرار

دیا، اور پانی پت کے مضافات میں باگھونی اور کرنال کے اطراف بڈھ کھیڑہ میں وصال تک مقیم رہے اور ان علاقوں میں روحانیت کا چراغ جلاتے رہے۔

آپ کے پیر و مرشد کے متعلق اختلاف ہے، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ، اسی اختلاف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

"نسبت ارادت او از یکے ازیں مشائخ مشہور نیست بعضے گویند بخواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ ارادت داشت بعضے گویند شیخ نظام الدین اولیاءؒ و ہیچ یکے ازیں رو بصحبت نرسیدہ است"

اس زمانہ کے مشہور مشائخ میں سے کسی سے بھی ان کو ارادت و بیعت کا تعلق نہیں ہے بعض کہتے ہیں کہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ سے بیعت تھے اور بعض کا کہنا ہے کہ کہ نظام الدین اولیاءؒ سے تعلق ارادت رکھتے تھے ان میں سے کوئی بھی صحیح نہیں ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ ان دونوں بزرگوں سے بیعت و ارادت کا تعلق قائم کرنا مشکل ہے البتہ بعض تاریخی کتابوں میں مرقوم ہے کہ آپ حضرت شیخ شہاب الدینؒ کے خلیفہ تھے جو عاشق خدا کے نام سے مشہور تھے حضرت شیخ عبدالحق محدثؒ دہلوی نے مشاہیر مشائخ کی بیعت کی نفی ضرور کی ہے لیکن حضرت شیخ شہاب الدینؒ کوئی عوامی شہرت نہیں رکھتے تھے۔

حضرت بو علی شاہ قلندرؒ اور علاء الدین خلجی

حضرت علاء الدین خلجی، حضرت بو علی شاہ قلندر پانی پتیؒ کا معاصر بادشاہ تھا اور حضرت بو علی شاہ قلندرؒ کا معتقد اور حلقہ بگوش تھا، ایک دفعہ کچھ تحائف بھیجنے کا ارادہ ظاہر کیا، معلوم ہوا کہ حضرت تحفہ تحائف قبول نہیں کرتے، بعض امراء نے مشورہ دیا کہ یہ تحفہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی وساطت سے بھیجا جائے تو ضرور قبول کر لیں گے، چنانچہ سلطان علاء الدین خلجی نے حضرت امیر خسروؒ کو

حضرت خواجہؒ کی خدمت میں بھیجا کہ وہ سلطان وقت کی خواہش کا اظہار کریں حضرت نظام الدین اولیاءؒ شروع میں متامل ہوئے، پھر اس ہدایت کے ساتھ اجازت دی کہ حضرت قلندر صاحبؒ کی کسی بھی بات پر کوئی اعتراض نہ کیا جائے اور جو کچھ کہیں بلا چوں وچرا قبول کیا جائے۔

چنانچہ حضرت امیر خسروؒ شاہی تحفہ لے کر دہلی سے پانی پت پہنچے اور جب وہ حضرت قلندر صاحبؒ کی قیام گاہ پر حاضر ہوئے تو خادم سے کہلا بھیجا کہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کا قاصد امیر خسروؒ حاضر خدمت ہوا ہے، حضرت قلندر صاحبؒ نے ان کو اپنے پاس بلا لیا جب وہ جا بیٹھے تو قلندر صاحبؒ نے فرمایا کہ کچھ سناؤ! حضرت امیر خسروؒ نے اپنی یہ ایک غزل سنائی۔

انچہ کہ گوئی ہیچ سخنی جز فراق یار نیست
چوں مید وصل آں ہمچناں دشوار نیست
عاشقاں را درجہاں یکساں نباشد روزگار
زانکہ ایں انگشتہا دست من ہموار نیست
خلق را بیدار باید بود ز اب چشم من
ایں عجب آں وقت میگریم کہ کس بیدار نیست
یک قدم بر نفس نہ داں گردر کوئے دوست
ہرچہ بیبنی دوست بیں با این و آنت کار نیست
چندمی گوئی بر و زنار بند اے بت پرست
بر تن خسرو کدامی رگ کہ آں زنار نیست

یہ غزل سن کر حضرت بو علی شاہ قلندرؒ خوش ہوئے اور امیر خسروؒ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ خسرو! خوش رہو گے اور خوش جاؤ گے، پھر خود ہی یہ

غزل پڑھی!

دہیم خسرو آں بر نعل استرا است   خسرو کسے کہ خلعت و تجرید در بر ست

یمرغ دار روئے نہم بقاف عشق   کو عارفے کہ منظر او عرش اکبر است

عقل کل است علم لدنی بعارفاں   ایں عقل و علم حسی در شی محضر است

درس شرف نبود از الواح ابجدی   لوح جمال دوست مرا ابر است

حضرت قلندر صاحبؒ کی زبانی یہ غزل امیر خسروؒ سن کر، بے تحاشا رونے لگے پھر حضرت قلندر صاحبؒ نے دریافت کیا کہ خسرو! کچھ سمجھے بھی! حضرت امیر خسروؒ نے عرض کیا کہ کچھ نہیں سمجھا، اس جواب سے حضرت قلندر صاحبؒ بہت خوش ہوئے، شاہی تحفہ قبول کیا اور شاہی تحفہ قبول کرتے ہوئے (ضرور) فرمایا کہ اگر حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی وساطت سے نہ آیا ہوتا تو یہ تحفہ ہرگز قبول نہ کرتا، پھر خدام کو حکم دیا کہ امیر خسروؒ کو اعزاز و اکرام سے خانقاہ میں رکھو! تین روز تک حضرت امیر خسروؒ خانقاہ میں مقیم رہے، پھر واپس ہونے کی اجازت طلب کی تو حضرت قلندر صاحبؒ نے امیر خسروؒ کو رخصت کرتے ہوئے ایک خط حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی خدمت میں تحریر فرمایا اور دوسرا خط بادشاہ وقت کو اسطرح لکھا۔

"علاء الدین فوطہ دار دہلی مقرر داند   کہ بابندگان خدا تعالیٰ نیکو کند"

جب یہ خط سلطان علاء الدین خلجی کو ملا تو امراء نے کہا کہ بادشاہ کو اس طرح خط لکھنا بے ادبی ہے۔ لیکن سلطان نے کہا کہ غنیمت ہے کہ اس ذرہ بے قدر کو فوطہ لکھا ہے۔ ایک بار تو شحنۂ دہلی تحریر فرمایا تھا، اب جو فرمایا اس کے لئے میں بہت شکر ادا کرتا ہوں [1]۔

---

[1] بزم صوفیہ، ص ۲۹۳،

اس خیال کے اظہار سے سلطان کی عقیدتمندی اور گرویدگی کا اظہار ہوتا ہے اور شیخ بو علیؒ کا قلندرانہ مزاج بھی سامنے آتا ہے۔

وصال اور مزار

حضرت بو علی شاہ قلندرؒ کا وصال رمضان المبارک ۷۲۴ھ میں بوڑھ کھیڑہ میں ہوا تھا، جہاں آپ کی خانقاہ تھی، صحیح روایت کے مطابق آپ کو پانی پت میں دفن کیا گیا، آپ کے معتقدین نے کرنال میں بھی آپ کا مزار بنا دیا حالانکہ آپ کی تدفین پانی پت میں ہوئی تھی، آپ کی تدفین کے متعلق افسانوی طرز کی روایات ہیں جو بالکل غیر معتبر ہیں، محققین متفق اللفظ ہیں کہ آپ کا مزار پانی پت میں ہے۔ چنانچہ شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں کہ۔

روضۂ او در پانی پت است [1]۔ ان کا روضہ پانی پت میں ہے۔

کرنال میں واقع مقبرہ کے متعلق عبد السلام چشتی صابری رقمطراز ہیں کہ:

"کسی زمانہ میں کسی شخص نے بغرض اعتقاد انہیں روایات غیر صحیحہ پر نظر کر کے صورت مزار تجویز کرا دی، جیسا کہ زمانہ حال میں بجائے چبوترہ قدیم نشستگاہ حضرت، واقع (بوڑھ کھیڑہ) قبر بنائی گئی، حالانکہ پہلے سے نہ تھی لیکن فیض روحی، شرف الدین کا کل مواضع اقامت میں جاری ہے [2]۔

حضرت مبارک علی شاہؒ کا مقبرہ

حضرت بو علی شاہ قلندرؒ کے روضہ سے ملحق شمال میں ایک اور روضہ ہے جس کے اوپر ایک شاندار گنبد ہے جس کے زیر سایہ حضرت بو علی شاہ قلندرؒ کے جگری دوست اور بزرگ حضرت مبارک علی شاہؒ آسودۂ راحت ہیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ وہ مقبرہ حضرتؒ کی حیات طیبہ میں آپ کی آرام گاہ

---

[1] بحوالہ پانی پت اور بزرگان پانی پت، ص ۹، [2] پانی پت اور بزرگان پانی پت، ص ۱۳۸۔

کیلئے سلطان علاء الدین خلجی کے صاحبزادوں نے تعمیر کرادیا تھا مگر اتفاق سے قلندر صاحبؒ کی زندگی میں آپکے جگری دوست مبارک علی شاہؒ کا وصال ہو گیا تھا، چنانچہ قلندر صاحبؒ کی ہدایت کے مطابق اس گنبد میں مبارک علی شاہؒ کو دفن کیا گیا، اس مقبرہ کا گنبد بھی بڑا عالیشان ہے اور حضرت بو علی شاہ قلندرؒ کے گنبد کے طرز و انداز پر بنا ہوا ہے، اور اسکا گنبد بھی شلغمی طرز پر بنا ہوا ہے، اور دور ہی سے نظر آتا ہے۔

آخری بات

درگاہ بو علی شاہ قلندرؒ کا احاطہ بڑا وسیع و عریض ہے، مسجد، مقبرہ مقرب خاں، مقبرہ حضرت بو علی شاہ قلندرؒ اور مقبرہ حضرت مبارک علی شاہؒ کے احاطے کے علاوہ بھی کافی وسیع و عریض کھلا صحن ہے، جو ۳۳۸۹ ر فٹ مربع ہے جس کے چاروں طرف حجرے بنے ہوئے ہیں، جن میں پنجاب وقف بورڈ کے ضلعی دفاتر کے علاوہ زائرین ٹھہرتے ہیں۔ درگاہ کے اطراف میں بھی قبریں ہیں۔ کمرہ نمبر ۱۸ ر کے متصل ایک مزار ہے، جو تقریباً سال بھر میں ایک مرتبہ کسی وقت بھی شق ہو جاتا ہے جس کی ہر سال مرمت کرائی جاتی ہے۔ صاحب مزار کا نام پیٹ پھٹے صاحب ہے جو درگاہ کے معمار تھے، اسی طرح کمرہ نمبر ۳ ر سے متصل ایک احاطہ میں ایک مزار ہے۔ اس کے بارے میں محمد فاروق صاحب نے بتایا کہ یہ بھی اس درگاہ کے معمار تھے، اللہ تعالیٰ نے ان معماروں کے خلوص کی بدولت ایسے بزرگوں کے جوار میں رہنے کی توفیق بخشی ہے۔

مسجد درگاہ شمس الدین ترک پانی پتیؒ

پانی پت کی مشہور و معروف درگاہوں و خانقاہوں میں حضرت شمس الدین ترک پانی پتیؒ کی درگاہ بھی ہے، جو مرجع خلائق ہے۔

حضرت شمس الدین ترکؒ

حضرت شمس الدین ترک پانی پتیؒ کا شمار ساتویں صدی ہجری کے صوفیائے کاملین و مشائخ راسخین میں ہوتا ہے، وہ زہد وورع اور صاحب تجرد و تفرد بزرگ تھے معاصر مشائخ و صوفیاء ان کو گنجینہ حیاو حلم، کلید خزائن خداوند، اور ہادی گمراہان، وغیرہ جیسے القاب سے یاد کرتے ہیں اور آپ کے اوصاف حمیدہ و مناقب جلیلہ کے قائل نظر آتے ہیں۔

حضرت شمس الدین اصلاً ترکستان کے رہنے والے تھے، آپ نے اصلاح باطن و طلب مولیٰ کی خاطر ترک وطن کر کے (جو بڑا مجاہدہ ہوا کرتا ہے) ماوراء النہر کے صوفیاء و مشائخ طریقت سے استفادہ کیا لیکن آپ کو وہاں قلبی سکون حاصل نہ ہو سکا پھر آپ نے ہندوستان کا رخ کیا، اس وقت اجودھن میں حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کی دوکان معرفت خوب سجی ہوئی تھی، ہمہ وقت عشاق و زہاد کا ہجوم رہتا تھا اور وہاں روحانی کاروبار کا بازار گرم رہتا تھا۔

آپ سیدھے حضرت فرید الدین گنج شکرؒ کی خانقاہ میں فروکش ہوئے اور ان کے روحانی و عرفانی حلقہ میں شامل ہو گئے، خوش بختی سے کچھ ہی دنوں

کے بعد حضرت گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو خرقۂ خلافت بھی مرحمت فرمایا جیساکہ مصنف سیر الاقطاب نے لکھا ہے کہ :

"چند گاہ بملازمت آں حضرت بماند و خلافت ہم یافت [1]"

پھر آپ ہی کے حکم سے حضرت شمسؒ نے حضرت علاء الدین علی احمد صابر کلیریؒ کے آستانے پر حاضری دی اور مزید اکتساب فیض کیا اور پندرہ سال تک نہایت ہی خلوص و عقیدت کے ساتھ اپنے شیخ طریقت حضرت صابر کلیریؒ کی خدمت کی اور حضرت خواجہ کلیریؒ ہی کی وصیت کے مطابق آپ کی وفات حسرت آیات کے تین دن کے بعد آپ پانی پت گئے جہاں کی ولایت آپ کے سپرد ہوئی تھی جیساکہ مصنف معارج الولایت نے لکھا ہے کہ :

"جب حضرت خواجہ علاء الدین احمد صابر کلیریؒ کی وفات کا زمانہ قریب ہوا تو آپ نے خرقۂ خلافت عطا فرمایا اور پانی پت جانے کی اجازت بخشی مگر یہ بھی ارشاد فرمایا کہ میری وفات کے بعد تین روز یہاں قیام کریں پھر پانی پت تشریف لے جائیں"

مولانا مفتی غلام سرور لاہوری صاحب خزینۃ الاصفیاء نے لکھا ہے کہ :

"حضرت خواجہ شمس الدین ترک، جب پانی پت پہنچے تو ایک دیوار کے سایہ میں بیٹھ گئے، حضرت قلندر صاحبؒ کو نور باطن سے آپ کی تشریف آوری کا علم ہو گیا، آپ فوراً اپنے حجرہ سے نکلے اور روانہ ہونے لگے، ایک حلوائی کا لڑکا جو خادم خاص اور قلندر صاحبؒ سے بے تکلف تھا، اس نے دریافت کیا، آپ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں، قلندر صاحبؒ نے جواب دیا کہ یہ "ولایت" ایک دوسرے کے سپرد کر دی گئی ہے وہ صاحب تشریف

---

[1] سیر الاقطاب مصنفہ الہدیۃ چشتی مطبوعہ نول کشور پریس لکھنؤ، ص ۱۸۶،

لے آئے ہیں، میں ان سے ملنے جارہا ہوں۔ حلوائی کے لڑکے نے کہا ان کی زیارت مجھے کرادیجئے، فرمایا کہ فلاں محلّہ میں جاؤ وہاں ایک صاحب، دیوار کے سایہ میں بیٹھے ہوئے ملیں گے، قلندرانہ وضع ہے اور لباس چرمی پہنے ہوئے ہیں، حلوائی کا لڑکا وہاں پہونچا اور زیارت سے مشرف ہوا[1]"

جب حضرت شمس الدین ترکؒ پانی پت پہنچے تو سب سے پہلے امام بدرالدین بدرعالم رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی دیوار کے زیر سایہ بیٹھ گئے جو جی ٹی روڈ کے کنارے ہے اور بڑی درگاہ ہے جس کی زمین تقریباً تین ایکڑ ہے، اب اسی درگاہ میں تبلیغی جماعت کا مرکز اور ایک دینی مدرسہ بھی قائم ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ اسی درگاہ میں حضرت بوعلی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ نے تن تنہا ملاقات کی تھی اور آپ کی ولایت کی توثیق کی تھی۔ یہ جگہ بھی بڑی متبرک ہے۔

وفات

حضرت شمس الدین ترکؒ کی تاریخ وفات میں اختلاف ہے، اکثر مورخین کا خیال ہے کہ آپ کی وفات ۷۱۵ھ مطابق ۱۳۱۵ء میں پانی پت میں ہوئی تھی، اور یہیں مدفون ہوئے۔

مولانا غلام سرور لاہوری نے آپ کی تاریخ وفات لکھی ہے۔

رفت از عالم چو شمس الدین بخلد — سال وصل آن امام پیشوا
طالب مقبول شمس الدین بگو — نیز شمس الدین ولی باصفا

۷۱۵ھ

شمس دین سلطان نامی شد عیاں — باد شمس دین امیر آمد ندا

---

[1] بحوالہ پانی پت اور بزرگان پانی پت، ص ۱۷۸،

نیز شمس الدین اکبر گفتہ ام   سال وصل آں ولی مقتدا[1]

درگاہ پر ناجائز قبضہ

حضرت شمس الدین ترک پانی پتیؒ کی درگاہ سنولی روڈ کے شمال میں واقع ہے جس کا رقبہ پنجاب گزٹ کے مطابق تقریباً ایک ایکڑ ہے۔

راقم الحروف اپنے رفقاء کے ہمراہ اس درگاہ کا معائنہ کرنے کیلئے جارہا تھا تو دوران سفر جناب عبدالسمیع انصاری صاحب نے فرمایا کہ درگاہ پر ناجائز قبضہ ہے، درگاہ اور مسجد پر قابض شخص درگاہ اور مسجد کی تصویر کھینچنے اور ان کی پیمائش کرنے سے منع کرتا ہے اس وجہ سے درگاہ اور مسجد کی تصویر نہ لی جائے اور نہ ان کی پیمائش کی جائے اور احتیاط سے معائنہ کرلیا جائے، راقم السطور نے ان کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے حافظ عرفان صاحب دہلوی کو منع کردیا کہ وہ یہاں کچھ نہ لکھیں بعد میں نوٹ کرلیا جائے گا۔

راقم الحروف جب درگاہ کے وسیع وعریض احاطے میں داخل ہوا تو وہاں کا دردناک منظر دیکھ کر ششدر و حیران رہ گیا کہ درگاہ اور مسجد کے صحن میں سکھوں کا مذہبی جھنڈا گڑا ہوا تھا، درگاہ اور اس سے ملحقہ مسجد کے دروازے بند تھے، اور درگاہ و مسجد کے صحن میں شکستہ مزارات موجود تھے۔

جناب فاروق صاحب رینٹ کلکٹر، پنجاب وقف بورڈ نے فوراً ایک شخص کو بلایا جس کا نام معلوم نہ ہوسکا اور درگاہ کا دروازہ کھولنے کے لئے کہا، آنے والا شخص نے فوراً ہی درگاہ کا دروازہ کھول دیا، دروازہ کھولتے ہی سب سے پہلے گرنتھ صاحب پر نگاہ پڑی جو درگاہ کے برآمدے میں رکھا ہوا تھا، اور اس کے ملحق ہی حضرت شمس الدین ترک پانی پتیؒ کا مزار تھا۔ مزار پر باضابطہ چادر چڑھائی گئی تھی،

---

[1] خزینۃ الاصفیاء، ص ۳۲۴،

ہم لوگوں نے حضرت کے روضہ پر فاتحہ پڑھی اور مزار کے قریب ہی بیٹھ گئے ، اب ۱۹۴۷ء کی ہولناکیوں و تباہیوں کا منظر آنکھوں کے سامنے تھا۔

مقبوضہ مسجد

درگاہ حضرت شمس الدین ترک پانی پتیؒ سے ملحق درگاہ کی عظیم الشان مسجد ہے جس کے تین در اور تین مینار ہیں تینوں در بند کر دیئے گئے ہیں، غرضیکہ درگاہ حضرت شمس الدین ترک پانی پتیؒ کی طرح درگاہ کی مسجد پر بھی ناجائز قبضہ ہے جس کے اوپر ''دھرم شالہ بابا کہن سنگھ'' لکھا ہوا ہے، کہن سنگھ، مہربان سنگھ کا باپ تھا اور مہربان سنگھ نے ہی درگاہ اور مسجد پر ناجائز قبضہ کیا تھا، جس کے خلاف پنجاب وقف بورڈ نے مقدمہ دائر کیا ہے جو زیر سماعت ہے، پنجاب وقف بورڈ کے موجودہ ایڈ منسٹریٹر جناب عبد الاحد صدیقی صاحب، جو کہ پنجاب کیڈر کے سینئر آئی، پی ایس ہیں، مسجد اور درگاہ کے انخلاء کے لئے زبردست کوشش میں مصروف ہیں، امید کی جاتی ہے کہ باہمی گفت و شنید سے مسئلہ حل ہو جائے گا اور اللہ نے چاہا تو درگاہ و مسجد کا قبضہ پنجاب وقف بورڈ کو مل جائے گا۔

چونکہ مہربان سنگھ کا لڑکا پنجاب وقف بورڈ سے گفت و شنید کرنا چاہتا ہے اور درگاہ و مسجد کو خالی کرنے کے لئے بالکل تیار ہے، بشرطیکہ پنجاب وقف بورڈ کوئی متبادل جگہ کا انتظام کر دے، بورڈ بھی برائے نام کرایہ پر قطعہ اراضی مہیا کرنے پر آمادہ ہے لیکن قابضین کا کہنا ہے کہ بورڈ وقف زمین فروخت کر دے جو بورڈ کے دائرہ اختیار میں نہیں ہے کہ وہ کسی واقف کی منشا کے خلاف فروخت کر دے، اور وقف کا یہی شرعی حکم ہے۔

مسجد مخدوم صاحب پانی پت

پانی پت کا مشہور محلّہ مخدوم صاحب ہے، جو مخدوم المشائخ حضرت محمد جلال الدین کبیر الاولیاء عثمانیؒ کے اسم گرامی سے موسوم ہے، اس محلّہ کے وارڈ نمبر ۱۱ر میں، مسجد مخدوم صاحب کچھ اونچائی پر ہے جس میں جانے کے لئے ایک تنگ گلی ہے، اور اسی کوچے میں کچھ دور چلنے کے بعد داہنے ہاتھ پر مسجد کے عقب میں ایک مخصوص احاطہ میں حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ (متوفی ۱۲۲۵ھ) اور حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ کی اہلیہ محترمہ کے مزارات ہیں۔

حضرت مرزا صاحبؒ کی وہ اہلیہ ہیں جنہیں خود مرزا صاحبؒ مصلحہ کہا کرتے تھے اور مرحومہ سخت مزاج تھیں، مرزا صاحب بڑے ضبط و تحمل سے کام لیتے تھے۔

حضرت قاضی صاحب مشہور عالم دین اور مفسر قرآن تھے جنہوں نے قرآن مجید کی مشہور عربی تفسیر کئی جلدوں میں "تفسیر مظہری" کے نام سے لکھی ہے اس کا اردو ترجمہ بھی ہوا ہے یہ تفسیر فہم قرآنی میں سند کی حیثیت رکھتی ہے۔

مقبرہ مخدوم صاحب

حضرت قاضی ثناء اللہ عثمانی پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کے آستانے سے کچھ دور چلنے کے بعد، مسجد، مدرسہ اور مقبرہ کا احاطہ آتا ہے جس کے چاروں طرف رہائشی مکانات ہیں، احاطہ مسجد میں داخل ہوتے ہی سامنے حضرت مخدوم صاحب

کا روضہ نظر آتا ہے، آپ کا مزار مرجع خلائق ہے، جس کا بر آمدہ ۱۲ر فٹ چوڑا اور ۲۵ر فٹ لمبا ہے اور اس کا فرش جدید طرز تعمیر کا آئینہ دار ہے۔

اندر سے درگاہ ۱۷ر فٹ لمبی اور ۲۱ر فٹ چوڑی ہے اور اس کا گنبد فن تعمیر کا شاہکار نمونہ ہے۔

حضرت مخدوم صاحبؒ کے مزار کے دائیں بائیں طرف، دو مزار ہیں، ان مزارات پر بھی چادریں چڑھتی ہیں اور گلہائے عقیدت چڑھائے جاتے ہیں یہاں کا ماحول نہایت روح پرور ہوتا ہے اور ہمہ وقت فضا معطر رہتی ہے۔

مخدوم المشائخ کا مختصر تذکرہ

مخدوم المشائخ حضرت شیخ محمد جلال الدین کبیر الاولیاء عثمانیؒ عہد فیروز شاہی کے مشہور اہل اللہ میں تھے، اہل طریقت انہیں کبیر الاولیاء جیسے مؤقر خطاب سے یاد کرتے ہیں، آپ حضرت قلندر صاحبؒ کے منظور نظر اور حضرت شمس الدین ترک پانی پتیؒ کے خلیفہ خاص تھے، حضرت مخدوم صاحبؒ اصلا پانی پت کے زمیندار تھے جنہوں نے ناز و نعم میں پرورش پائی تھی اور بڑے عیش و آرام سے رہتے تھے نوجوانی میں ایک دفعہ نہایت عمدہ لباس زیب تن کئے ہوئے گھوڑے پر سوار کہیں جارہے تھے، آپ پر قلندر صاحبؒ کی نگاہ پڑی اور حضرت قلندر صاحبؒ کی زبان پر یہ مجذوبانہ فقرہ جاری ہوا۔

زہے اسپ و زہے سوار کیا خوب گھوڑا اور کیا خوب سوار

حضرت قلندر صاحبؒ کے بلیغ فقرہ اور روحانی تصرف کا یہ اثر ہوا کہ حضرت مخدوم المشائخؒ نے اپنا گھوڑا اور مال و متاع فقراء و مساکین میں تقسیم کر دیا اور امیرانہ زندگی کے بجائے درویشانہ زندگی اختیار کرلی اور صحرا نوردی کو وظیفہ حیات قرار دیا، حضرت مخدوم صاحبؒ اوصاف و کمالات کے جامع تھے، آپ کا

نمایاں وصف مستجاب الدعوات ہونا تھا جس کے متعلق مصنف سیر الاقطاب نے لکھا ہے کہ :

''ہر چہ از زبان مبارک کش بر آمدے ہمان شدے''	ان کی زبان مبارک پر جو کچھ آتا ہے وہی ہوتا تھا۔

آپ کی مقبولیت دعاء اور کرامت کا مشہور تاریخی واقعہ مندرجہ ذیل ہے جس کا ذکر مصنف سیر الاقطاب نے بھی کیا ہے اور اسے مولانا محمد میاں صاحبؒ نے بھی نقل کیا ہے :

واقعہ یہ ہے کہ مخدوم جہانیاں حضرت سید جلالؒ اپنے وطن ''اوچ'' سے دہلی تشریف لائے ہوئے تھے ، بادشاہ (فیروز شاہ تغلق) کے مہمان تھے سخت بیمار ہو گئے یہاں تک کہ نزع کی کیفیت شروع ہو گئی، لوگ مایوس ہو کر جنازہ وغیرہ کے انتظام میں مصروف ہونے لگے دفعۃً حضرت جلال الدین کبیر الاولیاءؒ وہاں پہونچے ، بیمار کے سرہانے کھڑے ہو کر سلام کیا ، بیمار نے فوراً آنکھیں کھولدیں، حضرت مخدوم پانی پتیؒ نے فرمایا اٹھئے وضو کیجئے ، حضرت سید جلال جو بیمار تھے اور نزع کی حالت میں تھے اٹھے ، وضو کیا ، پھر دعاء کی اور خدا کے فضل سے اچھے ہو گئے۔ بیماری کا نام ونشان بھی نہ رہا۔ یہ سلب مرض کی ایسی عجیب وغریب صورت تھی جس کو کرامت ہی کہا جا سکتا ہے۔ بادشاہ (فیروز شاہ تغلق) جو سید جلال مخدوم جہانیان جہاں گشت سے بیعت تھا ، وہ بھی وضو وغیرہ کر کے اسلئے آرہا تھا کہ اپنے پیر کی آخری زیارت کرے ، جب اس نے یہ کرامت دیکھی تو وہ بھی حیران رہ گیا ، اس کے بعد حضرت سید جلالؒ دس سال تک زندہ رہے[۱]''

---

[۱] پانی پت اور بزرگان پانی پت ، ص ۲۲۰ ،

حضرت سید جلال الدین بخاریؒ معروف بہ مخدوم جہانیان جہاں گشت برگزیدہ بزرگ ہیں جو سلطان فیروز شاہ تغلق کے پیر و مرشد تھے جن کا وصال ۷۸۵ھ میں ہوا تھا، آپ کا مزار ریاست بھاولپور پاکستان میں ہے۔

مذکورہ بالا واقعہ سے متاثر ہو کر سلطان فیروز شاہ تغلق سلام کرنے اور دعائیں لینے کیلئے دہلی سے پانی پت آیا تھا۔ اور حضرت مخدوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بڑی عقیدت مندی و نیاز مندی کے ساتھ ملا تھا اور دعاء کی درخواست کی۔

مسجد مخدوم صاحب

مسجد مخدوم صاحب کی صحیح تاریخ تعمیر اور بانی مسجد کی تحقیق مشکل ہے، چونکہ مسجد پر کوئی واضح کتبہ نہیں ہے، آپ کے تذکرہ نویسوں نے بھی اس مسجد کی تاریخی اہمیت اور تاریخ بنا پر روشنی ڈالنے سے پہلو تہی کی ہے جو ایک افسوس ناک تاریخی حادثہ ہے۔

مقامی لوگوں کا بیان ہے کہ یہ مسجد سات سو سال پرانی ہے اور ہندوپاک میں اس طرز و انداز کی تین مسجدیں ہیں، ایک لاہور، پاکستان میں ہے، دوسری کیرانہ، مظفر نگر میں ہے اور تیسری مسجد پانی پت میں ہے، راقم الحروف کا خیال ہے کہ یہ مسجد عہد فیروز شاہی کی تعمیر ہے اور سنگ خارا کی بنی ہوئی ہے، اب اگرچہ اس پر سفیدی کردی گئی ہے جس سے اس کی اصلیت چھپ گئی ہے مگر لاجواب ہے۔

تاریخ کی بعض قدیم کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ اس مسجد کے متولی نواب مقرب خاں وزیر جہانگیر بادشاہ بھی رہے ہیں، چونکہ نواب صاحب حضرت کبیر الاولیاءؒ کی اولاد میں تھے، خود مولانا لقاء اللہ عثمانی بھی آخری دور میں متولی رہے۔

یہ مسجد ۳۴ رفٹ ۵ رانچ لمبی اور ۱۶ رفٹ چوڑی ہے۔ اس کا محرابی در ۱۳ رفٹ ۷ رانچ ہے اور اتنا وسیع و کشادہ در پنجاب و ہریانہ کی کسی اور مسجد میں

نظر نہیں آتا، یہ صرف اسی مسجد کی خصوصیت ہے اور تعجب خیز امر یہ ہے کہ صرف ایک در کی ہے جس کے اوپر دو گول دائروں میں خوشخط خط نسخ میں کلمہ طیبہ لکھا ہوا ہے، اور دو گول دائرے خالی ہیں اور باقی تینوں طرف بھی دو دو گول دائروں میں بخط نسخ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا ہے۔

تین سیڑھیوں کا ایک خوشنما منبر ہے، محراب میں بھی بالکل وسط میں گول دائرہ میں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ منقوش ہے اور ایک فارسی شعر بھی لکھا ہوا ہے۔

سہ روز یاد کن صد جان و تن خدا   قرباو ہیچکس سہ چند خدا خدا

مسجد مخدوم صاحب کے در، کے طرز تعمیر کی فنی خصوصیت یہ ہے کہ جب سورج کا سایہ در، کے فرش کی سطح پر آتا ہے تو نصف النہار کی علامت ہوتا ہے اور مصلیان اس سے وقت ظہر کی شناخت کرتے ہیں۔

مسجد مخدوم صاحب کے ملحق داہنی طرف ایک خستہ حال حجرہ ہے جو اب بند پڑا ہوا ہے، اور اس حجرہ اور مقبرہ مخدوم صاحب کے درمیان ایک حجرہ ہے جس کے اوپر ایک قدیم عربی کتبہ نصب ہے جو نہایت ہی خوشخط ہے لیکن حروف کی شکستگی کی وجہ سے پڑھنا ناممکن ہے، غالباً اس حجرہ کے اندر کچھ مزارات ہیں دروازہ بند رہتا ہے، مسجد کے جنوبی احاطہ میں مدرسہ ہے جس میں مقامی بچے پڑھتے ہیں۔

مسجد کا صحن ۱۴۰/ فٹ لمبا اور ۲۱/ فٹ چوڑا ہے، پختہ صحن کے مشرقی حصہ میں سطح صحن سے کچھ ابھری ہوئی ایک قبر ہے صحن کے کچے حصہ میں بھی کچھ پختہ قبریں ہیں، نیم کے درخت تلے مجاہد آزادی مولانا لقاء اللہ عثمانیؒ کی قبر ہے جسکے چاروں طرف بے ہنگم قسم کی دیواریں کھڑی کردی گئی ہیں جو بمشکل ۵/ فٹ

اونچی ہوں گی، آپ کی قبر کی حالت دیکھ کر بڑا صدمہ ہوتا ہے۔ اتفاق سے آپ کی قبر پر کتبہ نصب ہے جو یہ ہے۔

مرقد

من احبَ لقاء اللّٰہ احبَ اللّٰہ لقاءہ

مولانا لقاء اللّٰہ صاحب عثمانی جلالی پانی پتیؒ

وفات ۳/ ذوالقعدہ ۱۳۱۹ھ مطابق ۲۳/ جنوری ۱۹۶۹ء

حضرت مولانا لقاء اللہؒ صف اول کے مجاہد آزادی تھے جنہیں گاندھی جی بھائی لکاء اللہ (لقاء اللہ) کہا کرتے تھے جواہر لال نہرو اور مولانا آزاد آپ کی عزت کرتے تھے مگر یہ زمانہ کی ستم ظریفی ہے کہ صبح آزادی ہوتے ہی مولانا لقاء اللہؒ اپنے ہی وطن میں پردیسی اور اپنے ہی گھر میں اجنبی ہو گئے تھے، آپ پر عرصہ حیات تنگ ہو گیا تھا، پانی پت میں آپ کے رہنے کیلئے کوئی گھر اور عبادت کیلئے کوئی مسجد نہ تھی حالانکہ اس وقت پانی پت میں ۳۴۷/ مسجدیں تھیں جن پر شرناتھیوں کا ناجائز قبضہ تھا۔

مولانا محمد میاں صاحبؒ لکھتے ہیں کہ :

"مجھے یاد ہے کہ ۱۹۴۷ء کے ہنگاموں کے بعد پہلا رمضان آنے والا تھا غالباً شعبان کی ۲۸/ یا ۲۹/ کو حضرت مولانا لقاء اللہ صاحبؒ دہلی تشریف لائے مولانا بہت افسردہ تھے، آنکھیں پرنم تھیں اور صدمہ اس بات کا تھا کہ وہ پانی پت جہاں رمضان میں کم وبیش ایک ہزار قرآن شریف ہوا کرتے تھے، اس مرتبہ وہاں صرف ایک ہے جو قرآن پڑھنا چاہتا ہے مگر جماعت اور مسجد اسکو بھی میسر نہیں مولانا نے اسی مجلس میں یہ بھی ہدایت فرمائی کہ اگر خدانخواستہ "وقت موعود" آجائے تو دہلی لاکر تجہیز و تکفین کرنا"

مسجد اور درگاہ کا انخلاء

تقسیم ملک کے بعد مسجد مخدوم صاحب اور درگاہ پر شرنار تھیوں کا ناجائز قبضہ ہو چکا تھا، قابضین نے اس مسجد میں سے صرف ۸؍گز زمین صحن میں دی تھی، مولانا لقاء اللہ عثمانی کو فکر دامن گیر تھی کہ اس مسجد میں نماز تراویح کیسے شروع کی جائے جس کے لئے مولانا بھاگ دوڑ کرتے تھے جس کی تفصیل مولانا مرحوم کی زبانی سنیئے۔

"جب رمضان شریف قریب آیا تو میں نے ڈپٹی کمشنر صاحب کو درخواست دی کہ میں رمضان شریف میں درگاہ میں تراویح اور قرآن شریف پڑھنا چاہتا ہوں۔ درگاہ و مسجد خالی کردی جائے۔ اس وقت مسجد و درگاہ شریف اور اس کے سارے مکانات اور جگہ شرنار تھیوں سے بھری پڑی تھی، میری درخواست منظور ہوگئی چونکہ مسجد میں سکھ کا گرنتھ رکھا ہوا تھا، اس کے منتقل کرنے کے لئے کوئی جگہ مناسب نہیں ملی تو اس کو مدرسہ میں منتقل کردیا گیا اور رمضان شریف میں خدا کے فضل سے اطمینان سے قرآن شریف اور تراویح ادا کی گئیں۔ بریلی کے ایک حافظ صاحب نے جو دہلی میں موجود تھے میں ان کو جاکر لے آیا تھا۔ انہوں نے قرآن شریف سنایا، رمضان شریف کے بعد گرنتھ پھر مسجد میں آگیا اور ہر سال ایسا ہی ہوتا رہا کہ رمضان شریف میں گرنتھ مدرسہ میں رکھ دیا جاتا اور بعد اختتام قرآن شریف و تراویح پھر مسجد میں آجاتا، ۱۹۵۶ء میں جب بالکل انخلاء ہوگیا تو اس وقت سے مسجد میں نماز باجماعت اور قرآن پاک و تراویح باقاعدہ ہو رہی ہے۔ بہر حال ناغہ کبھی نہیں ہوا (الحمد للہ)

درگاہ حضرت مخدوم میں ایک شرنار تھی خاندان آباد تھا جس کا

ایک نوجوان لڑکا دق کا سخت مریض تھا اور اس کی چارپائی حضرت مخدوم شاہ صاحبؒ کی پائنتی میں پڑی تھی، جب میرا آنا جانا مسجد میں ہونے لگا تو مجھ سے دعاء کے لئے فرمائش کی گئی کہ مولوی صاحب اس مریض کیلئے دعاء کر دیجئے کہ اچھا ہو جائے میں نے کہا، میرا ایک کہنا مان لو کہ ان کی چارپائی درگاہ سے باہر بچھادو اور روزانہ درگاہ میں چراغ جلاؤ، مریض اچھا ہو جائیگا، سردار جی میری بات سے متاثر ہوئے اور میری ہدایت پر عمل کیا، خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ مریض دن بدن اچھا ہونے لگا، اس شخص نے کچھ دنوں بعد عرس کے دن آئے تو درخواست کی کہ میں نے منت مانی تھی کہ درگاہ پر چادر چڑھاؤں گا لہذا چادر چڑھوادو، چادر چڑھادی گئی اور اس طرح عرس کی صورت نکل آئی، اور عرس بھی ناغہ نہیں ہوا[1]"

مدرسہ مخدوم

مسجد مخدم صاحب کے احاطہ میں ایک قدیم مدرسہ بھی تھا، تعلیم کہاں تک ہوتی تھی، اس کی صحیح واقفیت نہ ہو سکی ہے، گمان غالب ہے کہ حفظ قرآن اور تجوید کی تعلیم ہوتی ہوگی، مسجد کے ملحق آج بھی مدرسہ کی عمارت موجود ہے، جس میں آج کل ایک دینی مکتب قائم ہے، اس میں ناظرہ قرآن کریم کے علاوہ اردو کی بھی تعلیم ہوتی ہے، ہندوستان میں مساجد میں قائم مکاتب ہی کی بنأ پر اردو زبان زندہ ہے، اور انشأ اللہ آئندہ بھی زندہ رہے گی، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں قائم نام نہاد اردو شعبہ جات کی بنأ پر اردو زندہ نہیں رہ سکتی ہے۔

مسجد مخدوم صاحب میں گاندھی جی کا خطاب

۱۹۴۷ء کے کربناک حالات میں مولانا لقاء اللہ صاحب عثمانی پانی پتیؒ

---

[1] پانی پت اور بزرگان پانی پت، ص ۲۹۶،

کی دعوت و تحریک پر گاندھی جی پانی پت آئے جن کے ہمراہ مولانا ابوالکلام آزاد، مجاہد ملت حفظ الرحمٰن صاحب، سحبان الہند مولانا احمد سعید صاحب دہلوی، سید محمد جعفری صاحب اور حافظ محمد نسیم . صاحب بٹن والے بھی تھے۔

مہاتما گاندھی نے مسجد مخدوم صاحب میں زخم خوردہ و ستم رسیدہ مسلمانوں سے خطاب کیا جہاں مسلمانان پانی پت پناہ گزیں تھے۔ گاندھی جی کی یہ خواہش ضرور تھی کہ پانی پت میں امن رہے اور وہاں سے مسلمان ہجرت نہ کریں مگر گاندھی جی بھارت سرکار نہ تھے، وہاں کے حالات دن بدن بد سے بدتر ہوتے جارہے تھے۔

خود مولانا آزاد بھی پانی پت کے خوفناک حالات سے بے حد غمگین تھے اور بڑے کرب کے ساتھ فرماتے تھے کہ آہ ”میرا پانی پت“ بھی لٹ گیا۔ مولانا آزادؒ پر پانی پت کی تباہی و بربادی کا گہرا اثر اس وجہ سے بھی تھا کہ اس دور آخر میں بھی پانی پت، تجوید و قرائت اور حفظ قرآن کا بڑا مرکز تھا جو آناً فاناً حوادث کی نذر ہو گیا تھا۔

مسجد درگاہ بوعلی شاہ قلندرؒ کرنال

کرنال، صوبہ ہریانہ کا مشہور صنعتی وزرعی ضلع ہے، جو انبالہ سے ۸۰ر کلو میٹر جنوب میں اور دہلی سے ۱۲۴ر کلو میٹر شمال میں جی ٹی روڈ پر مارکنڈے ندی کے کنارے واقع ہے۔

کرنال کی وجہ تسمیہ

کرنال کی وجہ تسمیہ کے متعلق مشہور بزرگ حضرت شاہ عبدالقادر رائپوریؒ کے مریدین کا بیان ہے کہ انہوں نے حضرت رائپوریؒ سے خانقاہ میں سنا ہے کہ ایک ہندو راجہ نے اولاد نرینہ کے لئے منت مانگی جو اس علاقہ کا رہنے والا تھا کہ اگر اس کے ہاں کوئی لڑکا پیدا ہوا تو وہ اس کی تعلیم وتربیت اسلام کے مطابق کرے گا چنانچہ اس کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا تو اس نے اپنے وعدہ کے مطابق اس کا نام کرامت علی خان رکھا اور دوسرا لڑکا ہوا تو اس کا نام کرن سنگھ رکھا۔ اور کرن سنگھ کے نام سے کرنال منسوب ہوا اور کرامت علی کی اولاد رائپور اور اس کے اطراف میں آباد ہوئی۔

اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں مرقوم ہے کہ :

"کرنال شہر کو راجہ کرن نے آباد کیا تھا جو جنگ مہابھارت میں کوروؤں کا جرنیل تھا[1]"

---

[1] اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۱۲ اص ۶۳۵ ،

کرنال پہلے کوئی خاص قابل ذکر شہر نہیں تھا۔ مشہور چینی سیاح ہیون سانگ، نے بھی اس کا ذکر نہیں کیا ہے حالانکہ وہ قنوج کے مقام پر بدھ راجہ ہرش سے ملا تھا، کرنال کی تاریخی شہرت عہد تغلق میں ہوئی، ۱۳۵۵ء میں سلطان فیروز شاہ تغلق نے جمنا کے مغربی کنارے سے ایک نہر نکالی تھی۔ جو کرنال سے گزرتی تھی جس سے یہاں کی پیداوار اور خوشحالی میں اضافہ ہوا تھا۔ کرنال کا ذکر ایک پرگنہ کی حیثیت سے "آئین اکبری" میں کیا گیا ہے، ۱۰۱۳ھ مطابق ۱۶۰۵ء میں جہانگیر بادشاہ نے اپنے باغی صاحبزادے کا، پیچھا کرتے ہوئے کرنال میں قیام کیا تھا۔ کرنال کی تاریخ کا سب سے مشہور واقعہ ۱۱۵۲ھ مطابق ۱۷۳۹ء میں نادر شاہ کے مقابلے میں محمد شاہ کی شکست ہے اس موقع پر محمد شاہ تین ماہ تک، کرنال کے جنگلوں میں پڑاؤ ڈالے رہا۔ انگریزوں کے دور اقتدار میں کرنال کو ضلع کا صدر مقام بنایا گیا۔ اور فوجی چھاؤنی قائم کی گئی اس فوجی چھاؤنی کو بعد میں یہاں کی مضر آب و ہوا کی وجہ سے انبالہ منتقل کر دیا گیا، جو آج بھی انبالہ میں موجود ہے، ۱۹۴۷ء میں ہریانہ اور پنجاب کے دوسرے ضلعوں کی طرح یہاں بھی مسلمانوں کی خاصی آبادی تھی اور یہاں مسلم رؤسا اور اثریا، آباد تھے، پاکستان کے اول وزیر اعظم لیاقت علی خاں کا آبائی وطن بھی یہی تھا۔ ۱۹۴۷ء میں انتقال آبادی کی وجہ سے کرنال مسلمانوں سے خالی ہو گیا جس کے نتیجہ میں یہاں کی مسجدیں و درگاہیں غیر آباد و ویران ہو گئیں، آج بھی کرنال میں تقریباً سو مسجدیں ہیں جن میں سے صرف سات مسجدیں آباد ہیں۔ باقی پر ناجائز قبضہ ہے ۱۹۹۱ء کی مردم شماری کے اعداد و شمار کے مطابق کرنال کی مجموعی آبادی آٹھ لاکھ اٹھاون ہزار سات سو ستانوے (۸,۵۸,۷۹۷) تھی جس میں مسلم آبادی بمشکل ایک ہزار ہو گی۔ جس میں محنت کش اور مزدوروں کی تعداد زیادہ ہے۔

درگاہ بو علی شاہ قلندرؒ

کرنال کی قدیم عمارتوں میں حضرت بو علی شاہ قلندر پانی پتیؒ کی درگاہ کی عمارت بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ حضرت بو علی شاہ قلندرؒ کے متعلق عوام الناس کا خیال ہے کہ آپ کرنال ہی میں مدفون ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ آپ پانی پت میں مدفون ہیں، جہاں آپ کا شاندار مقبرہ ہے اور کرنال میں آپ کی درگاہ کی تعمیر کر کے صرف عقیدتمندی کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔ اس درگاہ کے بانی و موسس کے متعلق بھی کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ آپ کے عام معتقدین کی تعمیر کردہ ہے لیکن تحقیقی بات یہ ہے کہ سلطان غیاث الدین تغلق کی تعمیر ہے جیسا کہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں، مرقوم ہے۔

"۷۲۵ھ مطابق ۱۳۲۴ء میں پانی پت کے مشہور بزرگ بو علی شاہ قلندرؒ فوت ہوئے۔ علاء الدین غوری (خلجی) کے بیٹوں خزی خاں اور شادی خاں نے پانی پت میں ان کا مقبرہ بنوایا لیکن غیاث الدین تغلق نے کرنال میں بھی ان کا مقبرہ تعمیر کرلیا (چونکہ) لوگ کہتے تھے (کہ) قلندر صاحبؒ یہاں دفن ہیں [1]"

درگاہ بو علی شاہ قلندرؒ کی عمارت لکھوری اینٹوں اور سنگ خارا کی آمیزش سے بنی ہوئی ہے جس کا گنبد نہایت ہی بلند و بالا ہے اور جس کا کلس بھی پیتل کا ہے جس پر سونے کا گمان ہوتا ہے۔ اور جو دور ہی سے چمکتا ہوا دکھائی دیتا ہے، اس کے چاروں کونوں پر بلند مینار ہیں اور اسی طرح برآمدے کے چاروں کونوں پر چار متوسط مینار ہیں، اس کے بعد لوہے کی جالی کی حدبندی کر رکھی ہے، قلندر صاحب کے مزار کا دروازہ جنوب میں ہے ۶ ر سیڑھیاں چڑھنے کے بعد دروازے میں داخل

---

[1] اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۷ اص ۳۵۶،

ہوتے ہیں جہاں سنگ مرمر کا شاندار کٹہرہ ہے، مزار کا تعویذ بھی سنگ مرمر کا ہے، درگاہ بو علی شاہ قلندرؒ کا رقبہ ۳۸۰۸ مربع فٹ ہے، یہ پنجاب وقف بورڈ کے زیر انتظام ہے، درگاہ کے ارد گرد بورڈ کے زیر انتظام جدید تعمیرات ہوئی ہیں جن میں کچھ مسلمان آباد ہیں اور بورڈ کے کرایہ دار ہیں۔

مقبوضہ مسجد درگاہ بوعلی شاہ قلندرؒ

درگاہ بو علی شاہ قلندرؒ (کرنال) کے احاطے میں تقریباً ۵۰ فٹ مغرب میں ایک مقبوضہ مسجد ہے جو اگرچہ لکھوری اینٹوں کی بنی ہوئی ہے لیکن وہ اپنے طرز تعمیر کی حیثیت سے پنجاب و ہریانہ کی مساجد سے بالکل مختلف ہے اس نمونے کی کوئی مسجد ان دونوں صوبوں میں نظر نہیں آتی۔ اس مسجد کا ایک شاندار اور پختہ حوض بھی ہے جو بہت ہی وسیع و عریض ہے بلکہ ایک حد تک تالاب نما ہے۔

بانی مسجد

اس مسجد اور اس مسجد کے صحن میں واقع حوض کے بانی و موسس کے متعلق اختلاف ہے۔ کچھ لوگوں کا قول ہے کہ کرنال کے کسی وکیل صاحب کی تعمیر کردہ مسجد ہے جو مستور الحال آدمی ہیں۔ ان کے نام اور حالات زندگی کا علم نہ ہو سکا اور اردو دائرہ معارف اسلامیہ کی تحقیق کے مطابق اس مسجد اور اس کے حوض کے بانی اورنگزیب عالمگیرؒ تھے جیسا کہ مرقوم ہے۔

> ”قلندر صاحبؒ کا مقبرہ شہر (کرنال) کی تاریخی عمارات میں شمار ہوتا ہے اور اورنگزیب عالمگیرؒ نے اس میں مسجد اور تالاب کی تعمیر کرائی تھی [۱]“

یہی وجہ ہے کہ یہ مسجد فن تعمیر و آرٹ کے نقطۂ نگاہ سے بالکل جداگانہ و

---

[۱] اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ص ۳۵۶،

منفرد ہے اور مغل فن تعمیر کی نمائندگی کرتی ہے، یہ سنہری مسجد، نزد لال قلعہ دلی سے بڑی حد تک مشابہ ہے۔ یہ مقبوضہ مسجد ایک تخمینہ کے مطابق ۵۰/ فٹ لمبی اور ۲۰/ فٹ چوڑی ہے، اور اس کا صحن بھی ۵۰/ فٹ لمبا اور ۲۰/ فٹ چوڑا ہے، چونے اور سیمنٹ کا فرش ہے جو شکستہ حالت میں ہے، یہ تین در اور تین گنبد کی مسجد ہے، ان گنبدوں کے پیچھے دونوں مغربی کناروں پر دو چھوٹے چھوٹے مینار ہیں اور ان گنبدوں کے برابر میں بھی دائیں بائیں دو بڑے بڑے مینار ہیں جو اکثر مساجد کے میناروں سے مختلف ہیں ان کے اوپر کلس نہیں ہیں، ان میں چھوٹے بڑے محراب نما دروازے ہیں اس کے علاوہ درمیانی بڑے گنبد سے ملحق دو چھوٹے چھوٹے مینار اور ہیں صحن کے مشرقی جانب مکبر ہے، ہریانہ کی یہ واحد مسجد ہے جس میں مکبر ہے اگرچہ شکستہ حالت میں ہے۔ صحن کے ایک طرف وضوخانہ ہے جس کے اوپر ٹین کا سائبان ہے۔

برآمدے کی چھت اور اس کے نیچے مضبوط جالیاں چونے اور سیمنٹ کی ہیں حوض کے شمالی جانب ایک مزار ہے جو لکھوری اینٹوں کا ہے صاحب مزار کے حالات کا علم نہ ہوسکا، درگاہ اور مسجد کے درمیان بھی ایک سنگ مرمر کا مزار ہے، جس پر آیت قرآنی منقوش ہے۔

مسجد میں گرنتھ صاحب

پنجاب اور ہریانہ کی مسجدوں میں مندر اور گوردوارہ بنانے کا عام چلن ہے شہر اور دیہات کی مسجدوں اور درگاہوں میں منادر اور گوردوارے بنے ہوئے ہیں، خود اس مسجد کے ایک حصہ میں ایک خاندان آباد ہے اور ایک حصہ میں گرنتھ صاحب رکھا ہوا ہے، یہ ایک مذموم حرکت ہے پنجاب وقف بورڈ کو اس مسجد کے انخلاء و واگزاری کے لئے جدوجہد کرنی چاہئے، کیونکہ قلندر صاحبؒ کی درگاہ کی وجہ سے

ملکی و غیر ملکی زائرین آتے رہتے ہیں وہ مسجد میں ناجائز قبضہ دیکھ کر ہندوستان کے بارے میں کیا رائے قائم کرتے ہوں گے اس سے ملک کی تصویر باہری دنیا میں خراب ہوتی ہے۔ ہریانہ حکومت کو بھی اس امر پر توجہ خاص کرنی چاہیئے اور مسجد کی واگزاری میں ممکنہ تعاون کرنا چاہیئے۔

قلندری دروازہ

مسجد کے جنوب میں اس کا اصل دروازہ ہے جو قلندری دروازہ کہلاتا ہے اور قدیم طرز پر بنا ہوا ہے اس کے علاوہ بھی ایک دروازہ ہے جس کو بند کر دیا گیا ہے۔، قلندری دروازہ کے سامنے جی ٹی روڈ پر نوابی چھتہ میں صاحبزادہ لیاقت علی خاں مرحوم اور ان کے دیگر بھائیوں کے بھی آبائی مکانات ہیں جو شمشاد منزل کے نام سے موسوم ہیں اور آج بھی اسی نام کا کتبہ لگا ہوا ہے، یہ عمارتیں بہت ہی خوبصورت اور مضبوط ہیں جو لکھوری اینٹوں کی بنی ہوئی ہیں، ان کے علاوہ بھی صاحبزادہ لیاقت علی خاں کا ایک عالیشان محل فورڈ روڈ پر واقع ہے جس میں آجکل سرکاری دفاتر ہیں اور یہ جرنیلی کوٹھی کے نام سے مشہور ہے۔

درگاہ قصوری

شاہ بو علی قلندرؒ کے احاطے سے باہر قدیم جی ٹی روڈ پر درگاہ حضرت مولانا محمد حسین قصوریؒ ہے، یہ درگاہ مسجد کے احاطہ میں واقع ہے مسجد آباد ہے، درگاہ بو علی شاہ قلندرؒ کے زائرین وواردین اسی مسجد میں نماز پڑھتے ہیں، اس مسجد کا انتظام مولانا محمد حسین قصوریؒ کی درگاہ کے متولی حاجی امام الدین نقشبندی کی جانب سے ہوتا ہے، اسکے علاوہ کرنال میں کئی مسجدیں آباد ہیں، پانچ مسجدوں کا انتظام پنجاب وقف بورڈ کی طرف سے کیا جاتا ہے، اور ایک کا "وقف نواب عظمت علی خاں" کی جانب سے ہوتا ہے۔

مسجد حصار فیروزہ

حصار، (HISSAR) صوبہ ہریانے کا ایک اہم و تاریخی ضلع ہے، جو دلی سے تقریباً ۲۵۰ ر کلو میٹر مغرب میں اور انبالہ سے ۲۰۲ ر کلو میٹر مغرب، جنوب میں واقع ہے۔

راجدھانی دلی سے، قریب ہونے کے سبب یہاں سلاطین و امراء کی آمد و رفت بکثرت رہی ہے، اور یہاں حملوں اور دفائی حملوں کا سلسلہ بھی دراز رہا ہے ۱۴۰۷ء میں سلطان خضر خاں نے حصار پر حملہ کیا، اور محمود تغلق کو شکست دی، سلطان خضر خاں اسوقت حاکم ملتان تھا، بعد میں دلی کا حکمراں بھی ہو گیا تھا، اور خاندان سادات میں تھا۔

۱۴۳۶ء میں سلطان بہلول لودھی نے دلی کے حکمراں محمد شاہ کو بے دخل کر کے حصار پر قبضہ جما لیا تھا، حصار ہی فرید خاں معروف بہ شیر شاہ سوری کی جنم بھومی ہے، جہاں اس کا باپ حسن خاں مقامی جاگیردار کے یہاں ایک معمولی سپاہی تھا، ۱۵۲۶ء میں بابر بادشاہ نے شاہزادہ ہمایوں کی قیادت وسیادت میں حصار کے حاکم حمید خاں پر حملہ کیا، جس کے خوف سے حمید خاں فرار ہونے پر مجبور ہوا تھا، شاہزادہ ہمایوں نو عمری کے باوجود فتح یاب ہوا، چونکہ شاہزادہ ہمایوں کی یہ پہلی فتح و کامرانی تھی، جس پر بابر نے خوش ہو کر حصار کو اپنے ہونہار شاہزادے کو بطور جاگیر دے دیا تھا، جب ہمایوں دلی کے تخت و تاج کا مالک ہو گیا تو اپنے بھائی مرزا کامران کو

حصار دے دیا۔

حصار میں ہمایوں، شیر شاہ اور اکبر کے دور حکومت میں تانبے کے سکے ڈھالے جاتے تھے، یہاں سکہ سازی کی بڑی فیکٹری تھی، عہد اکبری میں حصار ...... حکومت دلی کی ایک "سرکار" تھا۔ جس میں ستائیس محل تھے، اور یہاں سے تقریباً باون کڑوڑ سالانہ مالیہ وصول ہوتا تھا، اس کا رقبہ ۱۵۲۱ مربع میل ہے، اور ۱۹۵۱ء کی مردم شماری میں اس کی کل آبادی ۱۰,۴۵,۶۴۵ تھی، اور ۱۹۹۱ء کی مردم شماری کے مطابق اس کی مجموعی آبادی ۱۸,۴۴,۶۳۴ تھی، یہاں کے مشہور مجاہد آزادی قاسم علی تھے، جو پٹن گاؤں کے رہنے والے تھے، ان کے والد کا نام فرید خاں تھا، برما میں آزاد ہند فوج میں شامل ہوئے اور پیش قدمی کرتے ہوئے شہید ہوئے [۱]۔

یہاں زیادہ تر گندم وچنا کی پیداوار ہوتی ہے، یہاں ایک زرعی یونیورسٹی بھی ہے، ۱۹۴۷ء سے پہلے یہاں مسلمانوں بڑی آبادی تھی، یہاں بڑے بڑے زمیندار اور تعلیم یافتہ مسلمان تھے، ۱۹۴۷ء کے کشت و خون کے دوران ترک وطن کر کے مسلمان قافلوں کی شکل میں پاکستان ہجرت کر گئے، ۱۹۴۷ء میں ہجرت کرنے والوں میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب بھی تھے، جو اسوقت نوعمر تھے۔

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب پیشے کے اعتبار سے ایم بی بی ایس ڈاکٹر ہیں، لیکن آپ غلبۂ دین کے لئے ہمیشہ وقت کوشاں رہتے ہیں، آپ ایک عرصہ تک مولانا مودودی صاحب کی جماعت اسلامی سے وابستہ رہے، اور برسہابرس مولانا مودودی کے دست راست بنے رہے ہیں، لیکن جب آپ کا ان سے بعض مسائل میں اختلاف ہوگیا تو آپ جماعت اسلامی سے علیحدہ ہوگئے، اور ایک دعوتی واصلاحی

---

[۱] تحریک آزادی اور مسلمان، ص ۳۰۶،

تنظیم قائم کرلی۔

اب آپ ''تنظیم اسلامی'' کے امیر اور روح رواں ہیں، آپ نے لاہور میں قرآن اکیڈمی بھی قائم کی ہے۔

ڈاکٹر صاحب ماہنامہ ''میثاق'' اور ماہنامہ ''حکمت قرآن'' جیسے موقر مجلوں کے مدیر و سرپرست اور تقریر و تحریر کے بے تاج بادشاہ ہیں، قرآن و حدیث پر آپ کی گہری و عمیق نظر ہے۔

ڈاکٹر صاحب ۷، ۸ / سال قبل حیدر آباد کے ایک ادارہ کی دعوت پر ہندوستان آئے تو دلی بھی تشریف لائے اور اپنے وطن حصار بھی تشریف لے گئے تھے، اور اپنا آبائی مکان ڈھونڈتے ہوئے جامع مسجد نکل گئے تو دیکھا جامع مسجد میں سرکاری اسکول قائم ہے، اور مسجد کے احاطہ میں واقع پختہ قبروں کے چاروں طرف مورتیاں نصب کردی گئی ہیں، اور جب اپنے آبائی مکان میں گئے تو اس میں غیر مسلم پنجابی قابض تھا، ڈاکٹر صاحب نے بڑی حسرت ویاس کے ساتھ اپنے مقبوضہ گھر کے در و دیوار کو دیکھا، جہاں آپ کا بچپن گزرا تھا، ماضی کا پورا نقشہ آپ کی نگاہوں کے سامنے تھا، ایک چھوٹے سے کمرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اس کمرہ میں میری داغ بیل پڑی تھی، آخر میں مالک مکان نے چائے اور بسکٹ سے تواضع بھی کی، ڈاکٹر صاحب نے حصار سے لوٹتے ہوئے فرمایا کہ:

''۱۹۴۷ء میں ہم لوگوں نے (مسلمان مرد، عورتیں اور شیر خوار بچے) سوا لاکھ کے قافلوں میں کچھ پیدل اور کچھ بیل گاڑیوں میں پاکستان کوچ کیا تھا، اور ایک مہینہ کچھ دنوں میں بڑی مشقت و پریشانی کے عالم میں لاہور پہونچ پائے تھے، بالوں میں جوئیں پڑ گئیں تھیں، اور چاول، ستو اور آٹے میں کیڑے پڑ گئے تھے، بعض لوگ راستے ہی میں دم توڑ چکے تھے''

حصار میں ۶۵ / مساجد ہیں، جن میں لاٹ کی مسجد، ہمایوں کی جامع مسجد (۱۵۵۳) بہلول لودھی کی مسجد اور دلی گیٹ کے باہر، ہمایوں کی مسجد (۱۵۳۳) تاریخی نوعیت کی ہیں، جن کا ذکر تاریخ کی کتابوں میں ملتا ہے۔

بد قسمتی سے یہ تمام مساجد اغیار کے ناجائز قبضوں میں ہیں، ان میں سے صرف ایک مسجد ہے جس میں صرف جمعہ کی نماز ہوتی ہے، باقی اوقات میں رہائش کے طور پر استعمال ہوتی ہے [1]۔

حصار فیروزہ کے دروازہ پر نصب شدہ تختی

حصار فیروزہ، سرسہ روڈ پر بس اڈہ کے سامنے واقع ہے، جس کے صدر گیٹ پر محکمہ آثار قدیمہ کی طرف سے حال ہی میں ایک تختی نصب کی گئی ہے، جس میں حکومتی سطح پر تاریخ کو مسخ کرنے کی کوشش کی گئی ہے، کم از کم محکمہ آثار قدیمہ جیسے سرکاری ثقافتی ادارہ کی طرف سے اس کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی، لیکن نصب شدہ تختی میں جو زہر افشانی، کی گئی ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ محکمہ آثار قدیمہ پر فرقہ پرستی کا منحوس سایہ پڑ چکا ہے اور محکمہ آثار قدیمہ کے افسران کے ذہن بھی تعصب و تنگ نظری کے شکار ہو چکے ہیں، جو ملک کے تاریخی آثار کے لئے اچھی علامت نہیں، عرصہ سے ارون شوری، بھی یہ فریضہ انجام دیتے رہے ہیں، تو انکی غیر تحقیقی چیزوں کو لائق اعتنا تصور نہیں کیا جاتا رہا ہے، لیکن جب حکومت کا ایک ذمہ دار شعبہ غیر ذمہ دارانہ اور متعصبانہ خیال کا اظہار کرے

---

[1] مذکورہ بالا مسجد نند سنیما حصار کے نزدیک ہے جو ۳۰ / فٹ لمبی اور ۲۰ / فٹ چوڑی ہے جس کے تین در اور تین گنبد ہیں راقم الحروف نے اس مسجد کو نہیں دیکھا، پنجاب وقف بورڈ کے مقامی اسٹیٹ آفیسر عبد الصمد صاحب کے بیان کے مطابق اس مسجد کی یہ صورت حال ہے (قاسمی)

تو یہ معاملہ نہایت ہی تشویش ناک ہو جاتا ہے۔
محکمہ آثار قدیمہ کی طرف سے نصب شدہ تختی کی عبارت ملاحظہ فرمایئے اور سر دھنیئے۔

Feroz Shah Palace&Tehkhanas, Hissar known as Hissar-e-Ferozah. This Fortified Palace was-built by Feroz Shah Tughlaq(1351-1375)Sultan of Delhi. The palace is built of rubble masonary carrying thick lime plaster and its arches are supported on red sand stone pillar carved in low relief (Excavated from destroyed Hindu Temples and reused here). The palace comlex consists of an open courtyard of the sides of which are placed 2 to 3 storeyed structures. In the massive westrn wall of the palace is embeded a passage to which steps lead from the terrace . The passage meant for troops guarding the palace, is provided with archer holes and includes a bastion. The hollow core of wich has a pillared. Hall connected with other rooms and cells of the palace. The estern side of the palace contains some structures in red sand stone which are of later origin so also

is the lotus tank situated on the terrace.

حصار فیروزہ کی تاریخ تعمیر

سلطان فیروز شاہ تغلق (۷۵۶ھ / ۱۳۵۱ء تا ۷۹۰ھ / ۱۳۸۸ء) نے حصارہ فیروزہ کے نام سے یہاں، ایک قلعہ بند شہر تعمیر کیا تھا، جو اب حصار کہلاتا ہے، جس کے چار گیٹ تھے، طلاقی گیٹ، ناگوری گیٹ، اجمیری گیٹ، اور دلی گیٹ، ان میں سے اب صرف طلاقی گیٹ کا کچھ حصہ باقی رہ گیا ہے۔

سلطان فیروز شاہ تغلق نے جہاں اس قلعہ کی بنیاد ڈالی تھی، وہاں پہلے لراس بزرگ اور لراس خرد نامی دو گاؤں تھے، ان دونوں گاؤں کے نام سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ دونوں مسلمانوں کے گاؤں تھے، ان دونوں گاؤں کی خوشحالی اور ترقی کے لئے یہاں قلعہ تعمیر کیا تھا اور آب پاشی کے لئے مصنوعی جھیل بھی کھدوائی تھی، جس کے کھنڈرات و آثار آج بھی حصار اور اسکے اطراف میں دیکھنے میں آتے ہیں۔

شہر حصار فیروزہ کے چاروں طرف ناتراشیدہ لال پتھر، اینٹ اور چونہ سے مضبوط و مستحکم اور بلند فصیل تعمیر کی گئی، جن میں برج اور کنگورے بنائے گئے تھے، جو تغلق فن تعمیر کے اعلیٰ نمونے تھے۔

فصیل کے باہر خندق کھودی گئی، اور اندر ایک جھیل بنائی گئی، جس کا پانی خندق میں لایا گیا تھا، یہ مصنوعی جھیل اس قدر بڑی تھی کہ اس کا پانی پورے سال خندق میں جاری رہتا تھا۔

مورخ فرشتہ نے لکھا ہے کہ:

”اس نے دریائے ستلج سے ایک نہر نکالی، اور جھجھر کے قصبہ تک، جو نہر نکلنے کی جگہ سے اڑتالیس کوس ہے، اس شاخ کو لے آیا

اور ۷۵۷ھ میں دریائے جمنا سے ایک شاخ سرمور پہاڑ اور بندوی کی طرف نکالی اور اس شاخ میں سات نہریں ملا کر اس وسیع نہر کو ہانسی تک لے گیا، ہانسی سے یہ نہر البین لائی گئی، اور یہاں پر ایک بہت مضبوط قلعہ بنوایا گیا، اور بادشاہ کے نام پر ''قلعہ حصار فیروزہ'' اس کا نام رکھا گیا اس قلعے کے نیچے ایک تالاب بنوایا گیا، جو اسی نہر کے پانی سے ہر وقت بھرا رہتا ہے [۱]''

قلعہ حصار فیروزہ کی حفاظت و نگہداشت کے نقطہ نگاہ سے یہ خندق بنائی گئی جو بغیر تراشیدہ سنگ سرخ اور چونہ سے بنی ہوئی تھی، جس کے دوبازوؤں پر کنگورے دار فصیل تعمیر کی گئی تھی، اس سے واضح ہوتا ہے کہ قلعہ حصار فیروزہ کی بھی دو فصیلیں تھیں، اندرون فصیل کو، ارک قلعہ خیال کرنا چاہیئے، ارک قلعہ، ہی میں مصنوعی جھیل تھی۔

ارک قلعہ میں ایک کوشک بھی بنایا گیا تھا، جس کے متعدد ایوان، ایک وسطی ایوان کے ملحق تعمیر کیئے گئے تھے، کہ یہاں ایک بار داخل ہو جانے کے بعد کسی کی رہنمائی کے بغیر نکلنا ممکن نہیں تھا، گویا کہ یہ ''کوشک'' ایک قسم کی بھول بھلیاں تھا [۲]۔

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ فیروز شاہ تغلق نے شہر حصار فیروزہ کو اپنی ہندو ملکہ کے اعزاز میں تعمیر کیا تھا، جو گوجر خاندان سے تعلق رکھتی تھی، حصار کے لوگ اس کوشک کو گوجری محل بھی کہتے ہیں، اب تو وہاں کے لوگ اسی نام سے اس کو جانتے پہنچانتے ہیں، کہا جاتا ہے کہ حصار فیروزہ تقریباً ڈھائی سال کی مدت میں بنکر تیار ہوا تھا، شہر میں بے شمار باغات لگائے گئے تھے، اور ان میں ہر طرح کے پھل پیدا ہوتے تھے۔

---

[۱] تاریخ فرشتہ، ج اول ص ۴۵۸، [۲] عفیف، تاریخ فیروز شاہی، ص ۱۲۴، ۱۲۸

سلطان فیروز شاہ تغلق اکثر و بیشتر حصار فیروزہ، میں آیا کرتا تھا، چنانچہ امرائے سلطنت نے بھی یہاں اپنے محلات اور مکانات تعمیر کئے، جس سے اس شہر کی آبادی اور خوشحالی میں اضافہ ہوا[1]۔

بانی مسجد حصار فیروزہ

حصار فیروزہ کے مغربی صدر گیٹ (جہاں محکمہ آثار قدیمہ کی طرف سے متنازع تختی نصب ہے) کے قریب اندرون احاطہ حصار فیروزہ میں مسجد حصار فیروزہ کھڑی، عظمت رفتہ کی داستان سنا رہی ہے، یہ سات در کی ہے۔

یہ پر شکوہ و پر جمال مسجد عہد وسطیٰ کے مشہور عادل و منصف و رحم دل سلطان فیروز شاہ تغلق کی، تعمیر کردہ ہے، جسے سلطان حصار فیروزہ کی تعمیر کے دوران تعمیر کیا تھا، سلطان فیروز شاہ تغلق مساجد کے باب میں عہد وسطیٰ کے سلاطین میں سب سے زیادہ باذوق اور فراخ دل تھا، جس کے عہد حکومت میں چالیس عظیم الشان مساجد تعمیر ہوئیں[2] جو دلی اور ملک کے طول و عرض میں واقع ہیں۔

صحن میں مقبرہ

مسجد حصار فیروزہ کا صحن سنگین پتھر کا ہے، جسکے مشرقی حصہ میں سنگ سرخ کا بنا ہوا ایک لاجواب مقبرہ ہے، جس کے چار دروازے ہیں، اور ان دروازوں کے اوپر لال پتھر کی جالیاں لگی ہوئی ہیں، اس کے اوپر قبہ نما گنبد ہے، لیکن مقبرہ میں کوئی لوح تحریر نظر نہیں آتی، جس سے مقبرہ کی تاریخ تعمیر اور صاحب مقبرہ کے نام کا علم حاصل ہو سکے، لیکن مقبرہ کے طرز تعمیر اور اس کی ساخت و بناوٹ سے اندازہ ہوتا ہے کہ عہد تغلق کے دور کی عمارت ہے، اغلب یہ ہے کہ اسی عہد کے کوئی بزرگ ہوں گے جو آج محو استراحت ہیں۔

---

[1] اردو دائرہ معارف، ج ۸ ص ۳۸۹، [2] تاریخ فرشتہ، ج اول ص ۴۷۰۔

یہ مقبرہ ۱۲×۱۲/ فٹ مربع ہے، جو تقریباً ۲۰×۸۰/ کے چبوترہ پر ہے، اس کا گنبد (قبہ نما) عہد تغلق کے طرز و انداز پر ہے، دہلی کی مسجد بیگم پور، مسجد کھڑکی گاؤں، کلاں مسجد ترکمان گیٹ کے گنبدوں میں اور اس گنبد میں ذرہ برابر فرق نہیں ہے لیکن اس مقبرہ کا گنبد نہایت ہی مخدوش حالت میں ہے، محکمہ آثار قدیمہ کو اس کی مرمت و تزئین پر خصوصی توجہ کرنی چاہئے، کیونکہ یہ تاریخی نوعیت کی عمارت ہے، جہاں سیاحوں کی آمدورفت بھی رہتی ہے۔

صحن میں مینارۂ زریں

مسجد کے صحن میں مقبرہ کے نزدیک سنگ سرخ اور سنگ مرمر کا بنا ہوا ایک عظیم الشان مینار بھی ہے، جو تین حصوں پر قائم ہے، اس کا کلس ٹوٹ چکا ہے، لوہے کا سریہ نظر آرہا ہے، جو تقریباً ۵۰/ فٹ بلند اور ۱۰/ فٹ گول ہے، اس کیلئے سنگ سرخ کو بڑے سلیقے و قرینے سے تراش کر جمایا گیا ہے، اور اسمیں عمدہ صناعی و میناکاری کی گئی ہے، یہ مینار زریں بہت ہی مضبوط و مستحکم ہے، اس پر کوئی عبارت کندہ نہیں ہے، اشوک کی لاٹوں سے بالکل مختلف ہے، فیروز شاہ تغلق کو اسطرح کا مینار (لاٹ) نصب کرانے کا شوق تھا، عموماً اشوک کی لاٹوں کو اپنے قلعہ اور کوشک میں لاکر نصب کرادیا کرتا تھا، دہلی کے کوٹلہ فیروز شاہ میں اشوک کی لاٹ نصب ہے، جو شوالک کی پہاڑیوں "ٹوپرا" نامی گاؤں سے لائی گئی تھی، لیکن حصار فیروزہ، کا مینار خود سلطان فیروز شاہ تغلق کا بنوایا ہوا ہے، اشوک کی لاٹوں کا طرز تعمیر مختلف ہوتا ہے، اور اسکے اوپر پالی زبان میں پند و نصائح کے کلمات کندہ ہوتے ہیں، اور مذکورہ بالا مینار پر کوئی عبارت منقوش نہیں ہے۔

در و دیوار کی دلآویزی

مسجد حصار فیروزہ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ابھرے اور دہرے

تراشیدہ ستونوں پر قائم ہے، جس کے سات ستون، اکہرے ہیں، انکے علاوہ ۱۶/ ستون دہرے ہیں، ان کی مغربی جانب کی دیوار میں ۸/ محرابیں سنگ خارا اور سنگ سرخ کی بنی ہوئی ہیں، ان کے اوپر سات روشندان بنے ہوئے ہیں، وہ بھی محرابی شکل کے ہیں، اور ان محرابوں کے اوپر اللہ اور محمد لکھا ہوا ہے، لیکن اب مٹ رہا ہے، ان کے اوپر عمدہ نقش ونگار اور مینا کاری کی گئی ہے، جنوبی جانب دو در اور ہیں، اسی جانب تہہ خانہ بھی ہے، جس میں اندھیرا ہونے کی وجہ سے کوئی داخل نہیں ہو سکتا۔

اصل مسجد ۳۳/ فٹ لمبی اور ۲۷/ فٹ چوڑی ہے، اور اس کی چھت ۲۴/ فٹ بلند ہے، اور اس کا فرش چونے اور پتھروں کا بنا ہوا ہے، جو جگہ جگہ سے ٹوٹ پھوٹ رہا ہے، مسجد میں کبھی منبر تھا جس کا اب بھی نشان موجود ہے، غالباً دانستہ طور پر منبر کو نقصان پہنچادیا گیا ہے، مسجد کی چھت پر دو قبہ نما گنبد ہیں، اور اس میں کوئی مینار نہیں، اس میں ۱۹۴۷ء تک نماز ہوتی تھی، ۱۹۴۷ء کی قیامت صغریٰ میں انتقال آبادی کی وجہ سے مسجد غیر آباد ہو گئی، اور آج بھی غیر آباد ہے، یہ مسجد محکمہ آثار قدیمہ کے زیر انتظام ہے، لیکن محکمہ آثار قدیمہ کوئی خاص توجہ نہیں دیتا۔

حوض کبیر

مسجد کے مشرق میں حوض کبیر ہے، جو لمبے ۷۲ فٹ چوڑا اور ۱۲۵/ فٹ لمبا ہے اس کے جنوبی جانب دوسرا حوض ہے، جو ۶۰×۷۰/ فٹ کا ہے، اب یہ دونوں حوض خشک رہتے ہیں، عہد فیروز شاہی میں قلعہ حصار فیروزہ کی مصنوعی جھیل سے اس میں بھی پانی آتا تھا، جس سے مصلیان مسجد وضو کرتے تھے، اب تو یہاں دوسرا ہی نقشہ ہے، اس میں پانی کا بندوبست کون کریگا۔

سہ دری

صحن کے شمالی جانب سہ دری ہے، جو ۸ / ستونوں پر ہے، یہ تین دری ہے، اور تین ہی محرابوں کی ہے، جو ۱۰×۲۵ / فٹ کی ہے اور بہت ہی مضبوط بنی ہوئی ہے جس میں سنگ سرخ سنگ خارا استعمال ہوا ہے، اس سہ دری کی روکار پر بھی نفیس صناعی وکاری گری کی گئی ہے۔

محل

احاطۂ حصار فیروزہ میں مشرقی جانب دو منزلہ اور تین منزلہ محل ہے جس کے اوپر جانے کے لئے ۱۶ / سیڑھیوں کا ایک زینہ ہے، جو فیروز شاہ تغلق کے بعد کا بنا ہوا معلوم ہوتا ہے، اس کے زیریں حصہ میں دفتر آثار قدیمہ اور شفا خانہ برائے حیوانات کے دفاتر ہیں، جو حکومت ہریانہ کے زیر انتظام ہیں۔

مسجد دانا شیر بہلول

شہر، حصار فیروزہ میں عہد فیروز شاہی کی دوسری اہم یادگار مسجد دانا شیر ہے، جو کافی بلندی پر بنی ہوئی ہے، مسجد دانا شیر، ۱۴ / فٹ چوڑی اور ۴۵ / فٹ لمبی ہے اس کا صحن ۵۵ / فٹ چوڑا اور ۸۰ / فٹ لمبا ہے، درمیانی در کھلا ہے، دائیں بائیں کے در بند ہیں۔

دانا شیر خاں بہلول کا مقبرہ مسجد کے صحن میں ہے، جو ۱۰×۱۰ / فٹ ہے تقریباً ۲۵۰۰ / مربع گز مسجد اور درگاہ کی وقف اراضی ہے، جس کے مشرقی حصہ میں مدرسہ کے نام سے احاطہ بندی کی گئی ہے، مسجد اور مقبرہ کے اطراف میں ۲۰۰ / بیگہ وقف اراضی ہے، جس میں پختہ مزارات ہیں جن کو منہدم کر کے غیر مسلموں نے رہائشی مکانات تعمیر کر لئے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ سلطان فیروز شاہ تغلق نے اپنے روحانی پیشوا دانا شیر خاں

بہلول کی یادگار میں مسجد اور مقبرہ تعمیر کرایا تھا، مسجد داناشیر خاں پنجاب وہریانہ کی مساجد کے بر عکس تقسیم سے قبل اور بعد میں بھی آباد رہی ہے، لیکن ۱۹۸۲ء میں مسجد اور مقبرہ کے تعلق سے عدالت میں ایک مقدمہ دائر کیا گیا جس میں مقامی ہندوؤں نے دعویٰ کیا ہے کہ یہ مندر رہے، حالانکہ مسجد و مقبرہ کے طرز تعمیر اور محل وقوع سے اس دعویٰ کی نفی ہوتی ہے۔

گورو جمبھشور یونیورسٹی کے احاطے میں مقبرے

گورو جمبھشور یونیورسٹی حصار کے احاطہ میں تین عظیم الشان مقبرے ہیں ان مقبروں کے اوپر شاندار گنبد ہیں، یہ مقبرے لکھوری اینٹوں کے بنے ہوئے ہیں، یہ تینوں مقبرے یونیورسٹی کے احاطے میں داخل ہوتے ہی نظر آتے ہیں، ان میں سے ایک مقبرہ پر سنگ سرخ کی تختی پر فارسی میں کتبہ بھی ہے، لیکن جھاڑ جھنکاڑ کی وجہ سے اس کے قریب پہنچنا مشکل تھا، ان مقبروں میں آرام فرما بزرگوں کے ناموں کے بارے میں کوئی علم نہیں ہو سکا، مقامی لوگ ان مقبروں کی عزت ضرور کرتے ہیں، لیکن ان کے ناموں سے ناواقف ہیں۔

جامع مسجد حصار میں ہنومان مندر

حصار کی جامع مسجد بہت مشہور ہے، جو گاندھی چوک کے مغرب میں تھوڑے ہی فاصلہ پر واقع ہے، مسجد تین در اور تین گنبد کی ہے، جس میں ۹ر صفیں بنتی ہیں، اور ایک صف میں ۷۰ر آدمی کی گنجائش ہوتی ہے، یہ جامع مسجد گزٹ ہے، اس کے اندر ۱۸ر دوکانیں ہیں۔

۱۹۴۷ء کے بعد اس میں ہنومان مندر بنادیا گیا، جس کے انخلاء کے لئے پنجاب وقف بورڈ نے تقریباً بیس پچیس سال قبل عدالت میں مقدمہ دائر کیا تھا، اور آج بھی مقدمہ ہائی کورٹ میں زیر سماعت ہے۔

جامع مسجد کے علاوہ بھی حصار میں بہت ساری مساجد ہیں، جن میں بت خانے بنے ہوئے ہیں، راقم الحروف نے صرف ان ہی مساجد کا ذکر کیا ہے، جن کے محل وقوع کا معائنہ کیا گیا ہے، حالانکہ حصار کے چپے چپے پر مسلم آثار موجود ہیں، یہاں کے دوسرے آثار واوقاف کو دیکھنا ضروری تھا، لیکن بورڈ کے مقامی ذمہ داروں نے کہا کہ آج کل یہاں کے حالات زیادہ خراب ہیں، گلی کوچوں میں چلنا پھرنا، مناسب نہیں ہے، یہ سچ ہے کہ حصار میں تعصب وفرقہ پرستی کا رنگ گہرا ہے۔

راقم الحروف نے پنجاب اور ہریانہ کے سروے کے دوران محسوس کیا ہے کہ جہاں امراء وسلاطین کے قلعے ومحلات ہیں، وہاں کے باشندوں میں تنگ نظری وفرقہ پرستی زیادہ ہے، اور جہاں صوفیاء ومشائخ کی خانقاہیں وعبادت گاہیں ہیں، وہاں کے باشندوں میں ہمدردی ورواداری اور بھائی چارگی کی فضاء قائم ہے، یہ دراصل ان صوفیاء ومشائخ کی روحانی تعلیمات کا اثر ہے۔

مسجد قلعہ کہنہ ہانسی

ہانسی صوبہ ہریانہ کا ایک تاریخی و قدیم قصبہ ہے، جو دلی سے ۱۸۰/ کلو میٹر شمال مغرب میں دور حصار سے ۲۸/ کلو میٹر فاصلہ پر واقع ہے، یہ کبھی اس علاقے کا صدر مقام تھا، لیکن حصار فیروزہ کی تعمیر کے بعد یہاں کی شان و شوکت اور آن بان کم ہو گئی، اور آبادی کی چہل پہل حصار فیروزہ منتقل ہو گئی، ورنہ یہاں بڑی رونق و خوشحالی تھی، بڑے بڑے محلات تھے، قلعہ تھا، مشہور مورخ اور عرب سیاح ابن بطوطہ جب ہانسی آیا تو یہاں کی عمارتوں سے متاثر ہوا، چنانچہ اپنے سفر نامہ میں لکھتا ہے کہ:

"پھر وہاں (سرسہ) سے ہم ہانسی گئے، یہ ایک خوبصورت اور مضبوط شہر ہے، بڑی بڑی عمارتیں اس میں ہیں، اس کی فصیل بھی اونچی ہے"

ابن بطوطہ پھر آگے لکھتا ہے کہ:

"کہتے ہیں کہ ایک ہندو راجا تورا نے اسکو بنایا تھا، اور اس راجہ کے متعلق یہ لوگ بہت سی حکایات بیان کرتے ہیں، قاضی کمال الدین صدر جہاں قاضی القضاۃ ہندوستان اور اسکا بھائی قطلو خاں بادشاہ کا استاذ اور اس کا بھائی شمس الدین، جو ہجرت کر کے مکہ چلا گیا، اور وہاں ہی مر گیا تھا، اس شہر کے رہنے والے ہیں [1]"

---

[1] سفر نامہ ابن بطوطہ، ج دوم ص ۴۰،

کہا جاتا ہے کہ انگ پال تورا نے ہانسی کو آباد کیا تھا، غالباً شیخ ابن بطوطہ نے تورا سے راجہ مذکور مراد لیا ہے، یا اس کی مراد راجہ پتھورا سے ہو، جس نے قلعہ ہانسی کو از سر نو بنایا تھا[1]۔

قلعہ ہانسی پر سب سے پہلے مسعود بن محمود غزنوی نے ۴۲۹ھ مطابق ۱۰۳۸ء میں حملہ کیا تھا، لیکن اسکو فتح نہیں کر سکا، پھر دوسری مرتبہ حملہ آور ہوا اور اس دفعہ ہانسی کے قلعہ کو فتح کر لیا، مورخ فرشتہ نے قلعہ ہانسی کی تسخیر کی تفصیل دی ہے، چنانچہ فرشتہ لکھتا ہے کہ:

> "اسی سال مسعود نے اپنے بیٹے مودود کو صاحب طبل و علم کیا، اور خود قلعہ ہانسی کو فتح کرنے کے لئے ہندوستان کی طرف روانہ ہوا، "طبقات ناصری" کے مؤلف کا بیان ہے کہ اس زمانے میں ہانسی شوالک، کا دارالسلطنت تھا، ہانسی کا قلعہ بہت ہی مضبوط تھا، اس کی بابت ہندو یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ، اسے کبھی کوئی مسلمان فرماں رواں تسخیر نہیں کر سکتا، امیر مسعود نے ہانسی پہنچ کر اس قلعے کا محاصرہ کر لیا اور چھ روز کی محنت کے بعد اسے فتح کر لیا، اس قلعے سے بہت سامال غنیمت مسعود کے ہاتھ لگا، اس نے یہ قلعہ اور تمام مال غنیمت اپنے قابل اعتماد سرداروں کے حوالے کیا، اور خود سون پت کا قلعہ فتح کرنے کے لئے آگے بڑھا[2]"

ہانسی کا قلعہ فتح کرنے کے بعد یہ صوبہ غزنی کا ایک اہم فوجی مقام ہو گیا، جہاں سے مسعود غزنوی نے ہندوستان کے دوسرے مقامات کی طرف پیش قدمی کی۔

راجہ مہیپال نے ۴۳۵ھ مطابق ۱۰۴۴ء میں ہانسی پر دوبارہ قبضہ کر لیا، جو دلی کا راجہ تھا، اس کے نام پر دلی میں ایک علاقہ مہیپال پور ہے، جو پالم ایرپورٹ

---

[1] سفر نامہ ابن بطوطہ، ج دوم ص ۴۰، [2] تاریخ فرشتہ، ج اول ص ۱۶۶،

کے قریب ہے۔

ہانسی پر پرتھوی راج چوہان کے زیر اقتدار رہا ہے، لیکن جب محمد غوری نے پرتھوی راج چوہان کو تراوڑی کے میدان میں شکست دی تو ہانسی کے قلعہ والوں نے محمد غوری کی اطاعت قبول کر لی تھی، پھر ۵۸۸ھ مطابق ۱۱۹۲ء میں چوہان نے ہریانہ پر حملہ کیا، اور وہاں کا حکمراں نصرۃ الدین قلعہ ہانسی میں پناہ گزیں ہونے پر مجبور ہوا، لیکن جب قطب الدین ایبک نے چوہان کو شکست دی اور دلی کو فتح کر لیا تو ہانسی پر پھر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

۶۵۰ھ میں سلطان شمس الدین التمشؒ کے سب سے چھوٹے شاہزادے ناصر الدین محمود نے بعض مصاحبین کی ریشہ دوانیوں و سازشوں کی بنا پر خان اعظم جیسے بہی خواہ سلطنت کو قلعہ ہانسی میں مقید کر دیا تھا، جس کے کچھ دنوں کے بعد صلح صفائی ہو گئی تھی۔

۸۲۴ھ میں سلطان خضر خاں نے اپنے بھتیجے ملک بدر کو ہانسی کا صوبہ دار بنایا تھا[1]۔

۹۲۳ھ میں سلطان ابراہیم لودھی، اپنے بھائیوں کو ہانسی میں رکھ کر خود جون پور چلا گیا تھا، جہاں باغیوں کی سرکوبی کرنی تھی۔

۱۹۴۷ء میں قصبہ ہانسی میں مسلمانوں کی اکثریت تھی، ۱۹۴۷ء میں انتقال آبادی کی وجہ سے قصبہ ہانسی مسلمانوں سے خالی ہو گیا، اور ان کی مساجد، درگاہوں اور مکانات پر برادران وطن نے قبضہ کر لیا، ہانسی کے گلی کوچوں میں گزرتے وقت مسلمانوں کی عمارتوں پر نگاہیں پڑتی ہیں، جن میں بسم اللہ اور اللہ و محمد وغیرہ لکھا ہوا نظر آتا ہے، لیکن اب ان عمارتوں پر اغیار کا قبضہ غاصبانہ ہے۔

---

[1] تاریخ فرشتہ، ص ۲۷۲،

ہانسی میں ۴۵ / ۴۰ مساجد ہیں، جن میں تقریباً تمام مسجدوں پر ناجائز قبضے ہیں، بعض مسجدوں میں مندر بنادئے گئے ہیں، بعض مساجد بطور رہائش استعمال ہوتی ہیں، اور بعض مساجد شہید ہو چکی ہیں، یہاں مسلمان برائے نام ہیں، بمشکل ۲۰، ۲۵ / گھر مسلمانوں کے ہیں، اور وہ بھی مزدور پیشہ لوگ ہیں۔

مسجد و درگاہ اندرون قلعہ

ہانسی کا قلعہ سنگین و مضبوط ہے، جو کافی وسیع و عریض ہے جس کی دیواریں سنگ خارا اور اس کے محلات، کنویں اور تالاب لکھوری اینٹوں کے بنے ہوئے ہیں، اب تو قلعہ کی دیواریں اور اسکے اندرونی محلات منہدم ہو رہے ہیں۔

راقم الحروف قلعہ ہانسی کو دیکھنے کے لئے اندر داخل ہوا تھا اندرون قلعہ کھنڈرات ہی کھنڈرات ہیں، راقم الحروف قلعہ کے مغربی کنارے گیا تو دیکھا کہ کچھ لوگ ایک سیاہ پتھر نصب کر رہے ہیں، معلوم کرنے کے بعد پتہ چلا کہ یہ شیولینگ ہے، جو پہلے شہر میں تھا، اب قلعہ کے بالائی حصہ میں بطور عقیدت نصب کیا جارہا ہے، گویا ایک نیا فتنہ جنم دیا جارہا ہے۔

ہم لوگ قلعہ کے کھنڈرات کو دیکھتے دیکھتے قلعہ کے شمالی حصہ کے نشیب میں پہونچ گئے جہاں دو قدیم مسجدیں اور ایک مزار نظر آیا، مسجدیں غیر آباد و ویران تھیں، اور مزار آباد تھا، جسکے طاق میں چراغ جل رہا تھا، مزار پر ہری چادر ڈالی گئی تھی، صاحب مزار کی قسمت پر رشک آیا کہ اس ویرانے میں بھی عقیدت کے چند پھول ڈالنے والے موجود ہیں، اس کو صاحب مزار کی روحانیت کا کمال کہا جا سکتا ہے کہ اپنوں ہی کے نہیں غیروں کے دلوں و دماغوں پر آج بھی ان کا گہرا اثر قائم ہے، اور وہ بھی ہانسی جیسے شہر میں جہاں تعصب و تنگ نظری کا رنگ ذرا زیادہ گہرا ہے۔

یہ دونوں مسجدیں کس دور کی ہیں، انکا بانی کون تھا؟ اور یہ مزار کس بزرگ

کا ہے؟ یہاں کیسے دفن ہو گئے، یہ چند سوالات دماغ میں ابھر رہے تھے، پتھر کی زبان خاموش تھی، اسی دوران ایک مسجد کی خستہ و شکستہ دیوار پر ایک لوحی تحریر نظر آئی، عربی رسم الخط میں تھی، لیکن اس کے حروف شکستہ ہو جانے کی وجہ سے نا قابل فہم ہو گئے تھے، بہت غور و فکر کرنے کے بعد بھی پڑھنا ممکن نہ ہو سکا، کتبہ بہت ہی قدیم ہے اور اسی طرح یہ مزار بھی بہت ہی قدیم معلوم ہوتا ہے، العلم عند اللّٰہ۔

راقم الحروف نے ہانسی سے واپسی کے بعد ان دونوں مسجدوں اور صاحب مزار کے متعلق تحقیق شروع کر دی، قلعہ ہانسی کا ذکر ''تاریخ فرشتہ'' اور ''طبقات ناصری'' میں ضرور ملتا ہے، لیکن مسجدوں اور مزار کے متعلق دونوں مؤرخوں کے قلم و زبان خاموش ہیں، مورخ ابن بطوطہ نے بھی قلعہ اور اس کی عمارتوں کی کوئی تفصیل نہیں دی ہے، سرسری طور پر اپنی آمد اور شہر ہانسی کی عمارتوں کا ذکر ضرور کر دیا ہے، دوسرے مورخین کے یہاں بھی قلعہ کا ذکر نہیں ملتا ہے۔

قلعہ کی مسجد اور صاحب مزار کے متعلق اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں تھوڑی تفصیل ضرور ملتی ہے، چنانچہ مرقوم ہے کہ:

> ''۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد پرانے قلعے کی مورچہ بندی توڑ دی گئی تھی، سید شاہ نعمت اللہ کی درگاہ جو محمد بن سام (محمد غوری) کے ساتھ ۵۸۸ھ مطابق ۱۱۹۲ء میں آئے تھے، اور ہانسی کی فتح کے دوران شہید ہوئے تھے، قلعے میں موجود ہے، اگر اس درگاہ سے ملحقہ مسجد کا ۵۸۸ھ کا کتبہ درست ہے، تو ہندوستان کی قدیم ترین مسجد ہوگی[1]''

اردو دائرہ معارف اسلامیہ کی تحقیق کے مطابق یہ ہندوستان کی قدیم ترین

---

[1] اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۲۲ ص ۱۰۲،

مسجد ہے، اور مسجد کے ملحق سید شاہ نعمت اللہؒ کی درگاہ ہے، جو محمد غوری کے دور میں قلعہ کے محاصرہ کے دوران شہید ہو گئے تھے، قلعہ فتح ہونے کے بعد اسی میں مدفون ہوئے اللہ تعالیٰ ان کی قبر پر شبنم افشانی کرے! آمین۔

سید نعمت اللہ شہیدؒ کے مزار سے ملحق ایک اور بزرگ کا مزار ہے، جنکے نام کا علم نہ ہو سکا، غالباً محمد غوری کے ان فوجیوں میں تھے، جو شہید ہو گئے تھے، لیکن یہ تحقیق طلب بات ہے، محققین کو اس کی تحقیق کرنی چاہیئے۔

درگاہ سید شاہ نعمت اللہؒ سے ملحق مسجد تین در اور ایک گنبد کی ہے، جس کا گنبد شلغمی طرز پر بنا ہوا ہے، جسکے اوپر کہنگی کے آثار نمایاں ہیں، مسجد کی پیشانی پر کتبہ ہے، جس کو نقصان پہنچادیا گیا ہے، یہ سنگ سرخ پر کندہ ہے۔

یہ مسجد ۳۰ ر فٹ لمبی اور ۱۵ ر فٹ چوڑی ہے، صحن اچھا خاصا ہے، اب تو اس کا صحن قلعہ کی سطح کے برابر ہو گیا ہے، مسجد کا فرش ٹوٹ پھوٹ رہا ہے، اس کی دیواریں اور چھت نہایت ہی مخدوش حالت میں ہیں، اور مرمت طلب ہیں۔

محکمہ آثار قدیمہ کو اس کی مرمت و صفائی پر خصوصی توجہ کرنی چاہیئے، چونکہ یہ ہندوستان کی قدیم ترین عمارت ہے، جو اپنے فن تعمیر کا شاہ کار نمونہ ہے اس مسجد کے متعلق مشہور متعصب و تنگ نظر صحافی اور آر ایس ایس کے ایجنٹ ارون شوری نے لکھا ہے کہ یہ مسجد مندر توڑ کر بنائی گئی ہے، اور اس میں مندر کا ملبہ استعمال ہوا ہے، جو خلاف واقع ہے، دراصل یہ مسجد لکھوری اینٹوں کی بنی ہے، اور اس میں جابجا پتھر بھی استعمال ہوا ہے، لیکن اس میں کہیں کوئی ایسی چیز نظر نہیں آتی، جس پر مندر توڑ کر بنائے جانے کا شبہ کیا جا سکے۔

ارون شوری صاحب نے محض دعوی کیا ہے، اور کوئی واضح دلیل پیش نہیں کی ہے، حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے مقامی آر۔ ایس۔ ایس کی فتنہ انگیز خبروں اور

رپورٹوں کی بنیاد پر یہ بے بنیاد و بے حقیقت بات لکھدی ہے، یہ سچ ہے کہ انہوں نے مسجد اور اسکی جائے وقوع کا سروے نہیں کیا، ورنہ ایسی غیر واقعی ولچر بات نہ لکھی ہوتی، جس کے لئے خود ان کا ضمیر آمادہ نہ ہوتا۔

قلعہ کی دوسری مسجد

قلعہ کی دوسری مسجد نہایت ہی خستہ و شکستہ حالت میں ہے، جو تین در اور تین گنبد کی ہے، درمیانی گنبد شہید ہونے والا ہے جو شلغمی طرز پر بنا ہوا ہے۔

یہ مسجد ۲۵/ فٹ لمبی اور ۲۰/ فٹ چوڑی ہے، اس کے آثار سنگین ہیں، مسجد کی اونچائی تقریباً ۳۰/ فٹ ہے، جس کی پیشانی منقش ہے۔

اس مسجد کے قریب ہی کنواں ہے، جو تالاب نما ہے، جس کے کنارے کا ایک حصہ منہدم ہو گیا ہے، اور کچھ حصہ محفوظ رہ گیا ہے، کبھی اسی کنویں سے وضو وغیرہ کا پانی حاصل کیا جاتا تھا، یہ مسجد بھی محکمہ آثار قدیمہ کے زیر انتظام ہے، لیکن محکمہ آثار قدیمہ اس کی مرمت و تزئین پر ذرا بھی غور نہیں کرتا ہے، جو تشویش ناک بات ہے۔

مسجد چہار قطب یا مسجد فیروز شاہی

قصبہ ہانسی کے چپے چپے پر ہماری تاریخ کے زندہ و تابندہ واقعات، اور اسلامی فن تعمیر کے لافانی نقوش (ثقافتی آثار، تاریخی مساجد اور روحانی مراکز کی صورت میں) نظر آتے ہیں، جنہیں ایسے خلوص، محبت اور نیک دلی کے ساتھ "سنگ و خشت" کی آمیزشوں سے تعمیر کیا گیا ہے، کہ جن کے بام و در اور گنبد و مینار کو ۱۸۵۷ء اور ۱۹۴۷ء کے حوادث اور طوفان بھی نقصان نہیں پہنچا سکے اور آج بھی وہ اپنے فن تعمیر کے نکھرے ہوئے روپ سے دلوں کو مسحور کر رہے ہیں، اور خدا کرے کے آئندہ بھی کرتے رہیں۔

ہانسی میں ایسی تاریخی و ثقافتی عمارتوں کی کمی نہیں ہے، یہاں سلطان شمس الدین التمش کے دور کی شاندار مسجد بھی ہے، جس کا ذکر تاریخ میں ملتا ہے، بو علی بخت مسجد (۱۲۲۶) آدینہ مسجد (۱۳۳۶) شہید گنج مسجد، ہمایوں کی مسجد، نعمت اللہ ولی کی درگاہ اور اس سے متصل بارہ دری بو علی قلندر کی درگاہ (۱۲۴۶) شیخ جلال الدین حق کی درگاہ (۱۳۰۳) محمد جمیل شاہ کی درگاہ، ولایت شاہ شہید کی درگاہ (۱۳۱۴) اور چہار قطب مسجد وغیرہ جیسی تاریخی مساجد اور روحانی مراکز بھی ہیں۔

مسجد چہار قطب کا تذکرہ

مذکورہ بالا مساجد اور درگاہیں تاریخی نوعیت کی ہیں، جن میں سے ہر ایک عمارت پر تفصیلی مضمون لکھنا چاہیئے تھا، لیکن بورڈ کے مجوزہ پروگرام کے مطابق صرف مسجد چہار قطب ہی کو ضبط تحریر میں لانے کا حکم دیا گیا، البتہ راقم الحروف نے اپنی مرضی سے چند مسجدوں کو اور شامل کر لیا، جن میں اولیاء مسجد بھی ہے۔

مسجد چہار قطب کی پیشانی پر ایک نہایت ہی اہم اور تاریخی کتبہ فارسی زبان میں کندہ ہے، لیکن اس کا مطالعہ کوئی آسان نہیں، راقم الحروف نے کتبہ کو پڑھنے کی بڑی کوشش کی، لیکن اس میں کامیابی نہ ہو سکی، کیونکہ اسکے حروف مٹ چکے ہیں۔

مقامی لوگوں کا بیان ہے کہ یہ مسجد سلطان فیروز شاہ تغلق کے دور کی ہے اور ۹۰۰/ سو سال پرانی ہے، مسجد کے طرز تعمیر سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ عہد تغلق کی یادگار ہے، جو سنگ خارا کی بنی ہوئی ہے، کوئی خاص منقش نہیں ہے، لیکن خوبصورت و خوشنما ہے۔

مسجد کا صحن ۶۰/ فٹ لمبا اور ۳۰/ فٹ چوڑا ہے، جو جدید طرز کا عمدہ بنا ہوا ہے، مسجد تین در کی ہے، درمیانی در میں لکڑی کا کواڑ ہے، جو بہت ہی مضبوط ہے دائیں بائیں کے دونوں دروں کو اینٹوں سے بند کر دیا گیا ہے۔

مسجد ۳۰ رفٹ لمبی اور ۱۵ رفٹ چوڑی ہے، جس کے شمالی و جنوبی جانب میں دو دو در اور ہیں، جن کو لکڑی کے کواڑ سے بند کر دیا گیا ہے، اسی طرز کے در یعنی روشندان مسجد فیروز شاہی حوض خاص گاؤں دلی میں دیکھنے میں آتے ہیں، عموماً سلطان فیروز شاہ تغلق کی تعمیر کردہ مسجدوں میں اس طرح کے روشندان ہوتے ہیں۔

مسجد میں دائیں بائیں جانب چھت پر جانے کے لئے زینے ہیں مسجد کی چھت پر چھوٹے بڑے سات گنبد ہیں، درمیانی گنبد بڑا ہے، جو دور ہی سے نظر آتا ہے، مسجد کے شمالی و جنوبی جانب دو دیوڑھیاں بنی ہیں، مسجد کے احاطہ میں وضو خانہ و غسل خانہ کا پورا انتظام ہے، مسجد آباد ہے، پنجوقتہ نمازوں کے علاوہ جمعہ اور عیدین کی نمازیں ہوتی ہیں۔

مشائخ ہانسی

ہانسی، بڑا روحانی و عرفانی مقام ہے، جہاں شیخ جمال الدین ہانسویؒ، شیخ برہان الدین صوفی، شیخ قطب الدین منورؒ، اور شیخ نور الدین مغل کشؒ جیسے مشائخ طریقت پیدا ہوئے ہیں، جو علم و روحانیت کے آفتاب و مہتاب تھے، شیخ جمال الدین ہانسویؒ جنہیں قطب جمال الدین بھی کہتے ہیں، آپ شیخ فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کے اجل خلفاء میں تھے۔

حضرت شیخ فرید الدین گنج شکرؒ کے ہانسی میں قیام کے دوران آپ مرید ہوگئے تھے، اس وقت آپ ہانسی کے خطیب تھے، آپ نے منصب خطابت سے استعفا دے دیا تھا، جس میں آپ کے شیخ حضرت گنج شکرؒ کی مرضی ضرور شامل ہو گی، آپ کی دو اہم تصنیفات بھی ہیں، ایک "ملہمات" اور دوسری "فارسی دیوان" ان دونوں کتابوں میں تصوف و سلوک کے رموز و اسرار بیان کئے گئے ہیں۔

حضرت شیخ برہان الدین صوفیؒ، حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے خلیفہ

اور حضرت شیخ جمال الدین ہانسویؒ کے فرزند ارجمند تھے، بلند پایہ بزرگ تھے، آپ کے صاحبزادے قطب الدین منورؒ تھے، جو سلطان فیروز شاہ تغلق کے پیر و مرشد تھے سلطان فیروز شاہ تغلق بڑی عقیدت وارادت کے ساتھ حضرت قطب الدین منورؒ کی خدمت میں ہانسی آیا کرتا تھا، خود محمد شاہ تغلق بھی آپ کی بزرگی وبرگزیدگی کا قائل تھا۔

ایک دفعہ محمد شاہ تغلق نے ہانسی کی خانقاہ کے لئے دو گاؤں کا فرمان قاضی کمال الدین صدر جہاں کی معرفت ان کی خدمت میں بھیجا تھا، لیکن حضرت شیخ قطب الدین منورؒ نے اس کو قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا[1]۔

حضرت قطب الدین منورؒ کے صاحبزادے شیخ نور الدینؒ تھے، جو اپنے باکمال بزرگوں کے نقش قدم پر قائم تھے، خود چوٹی کے بزرگ تھے۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی صاحب نے لکھا ہے کہ:

"حصار فیروزہ کو آباد کرنے کے بعد فیروز (سلطان فیروز شاہ تغلق) ان سے ملنے کے لئے ہانسی گیا، جب خانقاہ میں پہنچا تو شیخ نور الدینؒ نے سجادہ سے اٹھ کر استقبال کے لئے آگے بڑھنا چاہا، سلطان نے قسم دلا کر روک دیا، پھر فیروز نے ان سے حصار فیروزہ میں قیام کی درخواست کی اور کہا کہ اگر آپ وہاں قیام کرنا پسند کریں تو ایک خانقاہ تعمیر کر دی جائے، اور اس کے مصارف کا انتظام کر دیا جائے، شیخ نور الدینؒ نے پوچھا، حصار فیروزہ میں قیام کا مجھے حکم دیا جارہا ہے یا اس معاملہ میں مجھے اختیار ہے؟

فیروز نے جواب دیا: میں آپ کو حکم کیسے دے سکتا ہوں، یہ تو

---

[1] سیر الاولیاء (ص ۲۷۳)

آپ کی مرضی پر منحصر ہے؟ شیخ نے فرمایا: مجھے یہاں ہانسی ہی میں رہنا ہے، یہ میرے باپ دادا کا وطن ہے، اور شیخ فرید الدینؒ اور شیخ نظام الدینؒ نے ان کے سپرد کیا ہے [1]"

کہا جاتا ہے کہ شیخ جمال الدین ہانسویؒ، شیخ برہان الدین صوفیؒ، شیخ قطب الدین منورؒ، اور شیخ نورالدین مغل کشؒ اپنے عہد کے قطب تھے، یہ چاروں اقطاب ایک ہی قبہ میں آسودہ راحت ہیں، رحمهم الله رحمة واسعة۔

اولیاء مسجد کی روحانی اہمیت و عظمت

ان چہار اقطاب کے جوار میں اولیاء مسجد ہے، جو تین در کی ہے، صرف ایک در کھلا ہے، باقی دونوں بالکل بند رہتے ہیں، یہ ۱۰/ فٹ چوڑی اور ۱۶/ فٹ لمبی ہے، جس میں تقریباً ۳۰/ ۴۰/ افراد کی گنجائش ہوتی ہے، اس مسجد کے متعلق کتبہ نصب ہے، جس کے مطابق حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ نے اس میں پورے بارہ سال تک عبادت و ریاضت کی ہے جس کی تفصیل کتبہ میں ملاحظہ فرمائیے۔

اردو کتبہ

اس مسجد میں شیخ الشیوخ قطب الاقطاب قطب العالم حضرت بابافرید الدین گنج شکر نے پورے بارہ سال تک عبادت کی ہے، اور حضرت مولانا شیخ خواجہ قطب جمال الدین احمد ہانسوی، خلیفۂ اعظم و مجاز مہرولایت و حضرت مولانا شیخ قطب برہان الدین صوفیؒ و حضرت مولانا شیخ قطب الدین منورؒ ہانسوی و حضرت مولانا قطب نورالدین نورجہاں "مغل کشؒ"،

[1] سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، ۴۱۲، بحوالہ تاریخ فیروز شاہی عفیف، ص ۳۲ او ۳۳ا۔

ہرچہار اقطاب رحمہم اللہ اجمعین ، و سلطان المشائخ حضرت نظام الدین محبوب الہی وحضرت شیخ نصیرالدین چراغ دہلوی ودیگر بزرگان عظام و مشائخ کبار جو حضرت بابارحمۃاللہ علیہ وچہار اقطاب ہانسوی سے اکتساب فیض کے لئے تشریف لائے تھے، اس مسجد میں نماز پنجگانہ ادا فرماتے تھے ،یہ متبرک مسجد ہے جہاں دعائیں اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے۔

دعاء کے لئے طالب کو خلوص نیت ،صدق واعتقاد ،یقین محکم ،ایمان کامل ،تعلق مع اللہ اورنسبت تام ضروری ہے۔

احاطہ چہار قطب کے دوسرے آثار

چہار اقطاب کی چہار دیواری کافی وسیع و عریض ہے، موجودہ سجادہ نشین کے صاحبزادے کے بیان کے مطابق ،احاطہ چہار اقطاب کی وقف اراضی پانچ ہزار دو سو دس بیگھہ ہے، اور پانچ گاؤں بھی وقف تھے۔

احاطہ چہار اقطاب میں ایک عظیم الشان مقبرہ ہے، جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ قائم خاں کا مقبرہ ہے، جو شیخ قطب جمال الدین ہانسویؒ کے عہد میں تھے، آپ کا شاندار مقبرہ ہے، جس کے اوپر اعلیٰ درجہ کا گنبد ہے، لیکن گنبد خستہ و شکستہ ہورہا ہے۔

قائم خاں کے مقبرے کے علاوہ دو مقبرے اور ہیں، جو اسی طرح کے ہیں، لیکن کچھ چھوٹے ہیں، اور گم نام ہیں، ان تینوں مقبروں کے علاوہ دونو مسلم انگریز میاں بیوی کے سنگ مرمر کے شاندار مقبرے بھی ہیں، جن پر بڑا نفیس وعمدہ کام کیا گیا ہے، دونوں مقبروں پر فارسی کتبے لگے ہوئے ہیں، یہ دونوں میاں بیوی خاندان چہار اقطاب کے معتقد و گرویدہ تھے، اسی خانوادہ کے ایک بزرگ

شیخ قطب الدین منور کے دست مبارک پر مشرف بہ اسلام ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان ہی بزرگوں کے جوار رحمت میں ابدی نیند سونے کی توفیق عطا فرمائی، ان مقبروں کے علاوہ اس احاطہ میں اور بہت سارے آثار ہیں، جو قابل ذکر ہیں، مثال کے طور پر مسجد چہار قطب کے قریب ایک احاطہ ہے، جہاں رضیہ سلطان روپوش ہوئی تھی، اور حضرت فرید الدین گنج شکر کی چلہ گاہ بھی بڑی اہمیت رکھتی ہے، جو اسی احاطہ میں واقع ہے۔

حضرت چہار اقطاب کے مقبروں کے علاوہ دوسرے مقبروں (بشمول مقبرہ قائم خاں) میں لوگ آباد ہیں، ان قابضین کی وجہ سے مقبروں کی بے حرمتی ہوتی ہے، اور یہاں گندگی وغلاظت رہتی ہے، جس سے زائرین ومعتقدین کو اذیت پہونچتی ہے۔

ان قابضین کے خلاف کاروائی ہونی چاہیئے، امید ہے کہ درگاہ کے موجودہ ذمہ داران اس امر کی طرف خصوصی توجہ کریں گے، چونکہ یہ جگہ بہت ہی بابرکت ہے، جس کا تقاضا ہے کہ یہاں صفائی ستھرائی کا پورا پورا اہتمام کیا جائے۔

مسجد قلعہ فتح آباد

فتح آباد کا شمار، صوبہ ہریانہ کے مشہور و معروف تاریخی شہروں میں ہوتا ہے، اور اب مستقل ضلع ہو چکا ہے، یہ دہلی سے ۲۱۵/ کلو میٹر (شمال مغرب میں) اور انبالہ سے ۲۰۰/ کلو میٹر کے فاصلے پر شمال مغرب میں ہانسی اور سرسہ کے درمیان واقع ہے، یہاں ۱۹۴۷ء سے قبل اچھی خاصی مسلم آبادی تھی، غیر مسلم تھوڑے تھے، اب معاملہ برعکس ہے خالص غیر مسلم آبادی ہے، بس چند مسلمان ہیں۔

فتح آباد میں ۳۶/ مسجدیں ہیں جن میں سے زیادہ تر مسجدوں پر ناجائز قبضے ہیں، ان مسجدوں میں ایک مسجد وہ ہے جو باروالی مسجد کے نام سے مشہور ہے، جس کی تاریخ تعمیر ۱۲۸۹ء ہے، اس مسجد کی تاریخی عظمت مسلم ہے جس کا ذکر تاریخ کی کتابوں میں آیا ہے۔ اس مسجد کو بھی ارون شوری صاحب نے نشانہ بنایا ہے، جو خلاف واقعہ ہے۔

فتح آباد

سلطان فیروز شاہ تغلق نے، ہندوستان میں جو مختلف شہر و قصبات آباد کیے، ان میں غالباً پہلا شہر فتح آباد تھا، جو شاہزادہ فتح خاں کی پیدائش (۷۵۱ھ مطابق ۱۳۵۱ء) کی خوشی میں بسایا گیا تھا، اور یہاں ایک کوشک بھی تعمیر کیا گیا تھا، جس کے کھنڈرات آج بھی فتح آباد میں موجود ہیں۔

عید گاہ

فتح آباد میں فیروز شاہ کے دور کی کسی مسجد کا علم نہیں ہو سکا ہے، لیکن سلطان کو تعمیر مسجد کا جو خاص ذوق تھا، جس کی بنیاد پر بلا تامل عرض کیا جا سکتا ہے کہ یہاں اسکے عہد کی کوئی مسجد ضرور رہی ہو گی، جسکے آثار و کھنڈرات قلعہ فتح آباد اور اسکے اطراف و اکناف میں ضرور ہوں گے، محکمہ آثار قدیمہ کو اس سلسلہ میں تحقیق کرنی چاہئے، یہ کیسے ممکن ہے کہ یہاں کوئی مسجد نہ ہو، درانحالیکہ اسکے عہد زریں کی یادگار، عید گاہ کی شکل میں آج بھی موجود ہے، جس کی دیوار پر عربی و فارسی آمیز کتبہ موجود ہے۔ جو ہر اعتبار سے فیروز شاہ کی یادگار ہونے کا ثبوت فراہم کرتا ہے، پتھر کی زبان اور رسم الخط کی شہادت مستند ہوا کرتی ہے، عید گاہ ۸۰×۸۰ ؍ فٹ مربع ہے جس کی پانچ محرابیں ہیں دس چھوٹے طاق مغربی جانب کی دیوار میں ہیں، عید گاہ کی چہار دیواری، لکھوری اینٹوں کی کی گئی ہے، جسکے احاطے میں ایک لاٹ نصب ہے، جیسا کہ حصار فیروزہ میں لاٹ نصب ہے، جو ۱۵ ؍ فٹ بلند ہے۔

عید گاہ کی لاٹ پر کچھ لکھا تھا، جس کو رات کی وجہ سے پڑھنا ممکن نہ ہو سکا راقم الحروف فتح آباد میں اس وقت حاضر ہوا تھا، جب مغرب کی اذان ہو رہی تھی، مسجد ہمایوں قلعہ فتح آباد، میں نماز پڑھی، سنت سے فراغت کے بعد مسجد قلعہ پر مختصر نوٹ تیار کیا، اسکے بعد ایک مقامی نوجوان کے ہمراہ عید گاہ دیکھنے چلا گیا، جہاں پہنچتے پہنچتے خوب اندھیرا ہو گیا تھا نوجوان نے موم بتی جلائی کتبہ نظر بھی آیا تھا لیکن ہوا کی وجہ سے موم بتی بجھ گئی تھی، جس کی وجہ سے کتبہ نقل نہ ہو سکا۔

عید گاہ کے بغل میں شاہ میر نامی بزرگ کا عالیشان مقبرہ ہے، جو مرجع خلائق ہے، اس کے متعلق زیادہ علم نہ ہو سکا۔

راقم الحروف ۳۱ ؍ اکتوبر کو ناگپور (جہاں محکمہ آثار قدیمہ کا دفتر ہے، جس میں کتبہ شناسی ہوتی ہے) گیا، محکمہ آثار قدیمہ کی لائبریری میں ڈاکٹر سبھاش پریہار

کی کتاب (MUSLIM INSCRIPTIONS IN THE PUN-JAB HARYANA AND HIMACHAL PRADESH) پر نگاہ پڑی، ڈاکٹر پریہار نے اس کتاب میں عید گاہ فتح آباد اور لاٹ کی تصویریں شائع کی ہیں، ان تصویروں کو دیکھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کتبات قرآنی آیات واحادیث پر مشتمل ہیں، کتبات سے دلچسپی رکھنے والوں کو ڈاکٹر سبھاش پریہار کی کتاب کو پڑھنا چاہیئے، راقم الحروف عید گاہ اور یہاں کے آثار کا سروے جناب قمرالدین صاحب، اسٹیٹ آفیسر پنجاب وقف بورڈ (سرسہ) کے ہمراہ گیا تھا، راقم الحروف نے جناب قمرالدین صاحب سے یہاں کی تصویریں بھیجنے کی درخواست کی تھی، انہوں نے تصویریں بھیجنے کا وعدہ بھی کیا تھا، مگر اس پر عمل نہ ہوسکا آج اگر یہ تصویریں موجود ہوتیں تو کتاب میں شائع کردی جاتیں۔

مسجد ہمایوں (قلعہ فتح آباد)

قلعہ فتح آباد کے نزدیک مسجد ہمایوں ہے، جو اب مسجد قلعہ فتح آباد کے نام سے مشہور ہے، کہا جاتا ہے کہ یہ مسجد، مغل حکمراں، ہمایوں کی تعمیر کردہ ہے، اس کے اوپر ایک فارسی کتبہ بھی ہے، جو صاف نہیں ہے لیکن کتبہ بہت ہی قدیم معلوم ہوتا ہے، بڑی محنت و عرق ریزی کے بعد یہ کتبہ نقل ہوسکا جس کی صحت حسب ذیل ہے۔

من جلاله وعم نواله

اهل اسلام از راه همت　　بودند مسجد قلعه را مرمت

پی فکر تاریخ بودم که هاتف　　بگفتا چه شد قبه نور در سمت

۱۳۰۹ھ

یہ مسجد ۲۰/ فٹ لمبی اور ۱۵/ فٹ چوڑی ہے، جسکے تین گنبد اور تین در

ہیں، مسجد آباد ہے اور پنجاب وقف بورڈ کے زیر انتظام ہے۔

تنگی وقت کی بنا پر یہاں کے دوسرے آثار کا جائزہ نہیں لیا جا سکا جس کا افسوس ہے، فتح آباد ہمارے مجوزہ پروگرام میں شامل نہیں تھا، ہم لوگوں کو حصار جانا تھا، جہاں کے مقامی ذمہ دار ہمارا انتظار کر رہے تھے، راقم الحروف جناب عبدالسمیع انصاری صاحب کے اصرار کی وجہ سے یہاں کا سروے ترک کر دیا تھا، ورنہ جی چاہتا تھا کہ ایک شب یہاں قیام کر کے صبح سویرے یہاں کے آثار کا جائزہ لیا جائے پھر حصار کے لئے کوچ کیا جائے، اگر یہ صورت ہو جاتی تو یہ مضمون تشنہ نہ رہتا۔

مسجد کوٹلہ میولت

کوٹلہ، میوات کا ایک گاؤں ہے، جو دلی سے ۱۰۵ر کلومیٹر کے فاصلے پر جنوب میں اراولی پہاڑ کے دامن میں واقع ہے، کچھ دور پہاڑ کی بلندی پر حسن خاں میواتی کا قلعہ ہے، جس کے پاس ایک مسجد بھی ہے، حسن خاں میواتی وہ ہے جس نے فیروز پور جھرکہ کے قریب بابر بادشاہ سے زور آزمائی کی تھی جس پر بابر کو تعجب ہوا تھا، بابر نے اسی موقع پر کہا تھا کہ تو مسلمان ہو کر ہم سے لڑنا چاہتا ہے جسکے جواب میں حسن خاں میواتی نے کہا تھا، ہم اپنے ملک میں کسی کی مداخلت برداشت نہیں کر سکتے، درانحالیکہ بابر بادشاہ بعض ہندو راجاؤں کی دعوت و تحریک پر ہندوستان آیا تھا، جو ایک تاریخی حقیقت ہے۔

کوٹلہ دراصل ایک چھوٹا سا گاؤں ہے، جس میں میواتی مسلمان آباد ہیں اسی کوٹلہ میں ایک تاریخی مسجد تغلق کے دور کی ہے، جو بالکل صحیح و سالم حالت میں موجود ہے، مسجد کی پیشانی پر ۴½ر فٹ لمبا اور ار فٹ ۵ر انچ چوڑا سنگ سرخ تھا، جس پر بخط کوفی فارسی کتبہ کندہ تھا، جس میں سے صرف اتنا پڑھنے میں آسکا "بناکرد ایں مسجد جامع بعہد محمد شاہ ابن فیروز شاہ تغلق عالی درجات" یہ کتبہ اب مسجد کی پیشانی پر نصب ہونے کی بجائے مسجد کے صحن میں رکھا ہوا ہے، راقم الحروف اس تاریخی مسجد میں بعد نماز مغرب حاضر ہوا تھا، جہاں اندھیرا تھا، موم بتی وغیرہ کے سہارے بمشکل مذکورہ عبارت پڑھی جا سکی، خیال

تھا کہ کسی دن حاضر ہو کر اس کی تصویر لے لی جائیگی، اور کتبہ نقل کر لیا جائیگا، مگر اسکا موقع نصیب نہ ہو سکا، یہ صورت حال بعض رفقا کی سیمابی طبیعت اور ان کی جلد بازی کی وجہ سے پیش آئی، اگر ہم لوگوں نے اطمینان سے اس مسجد کا سروے کیا ہوتا تو آج اس کا صدمہ نہ ہوتا، اور مسجد کا تاریخی کتبہ محفوظ ہو گیا ہوتا، اندیشہ ہے کہ کہیں صحن میں رکھا ہوا یہ کتبہ ضائع نہ ہو جائے، کیا ہی اچھا ہوتا کہ بورڈ کی طرف سے اس کتبہ کو مسجد میں نصب کرانے کا بندوبست کر دیا جاتا۔

جیسا کہ عرض کیا گیا تھا کہ یہ مسجد بلندی پر ہے، جس کی بیس سیڑھیوں کے بعد چبوترے پر پہونچتے ہیں، اس کے بعد چار سیڑھیاں مزید چڑھنے کے بعد مشرقی دروازہ میں داخل ہوتے ہیں، اسکے بعد صحن شروع ہوتا ہے، صحن میں سنگ خارا کے چوکے بچھے ہوئے ہیں، جو نہایت ہی مضبوط و مستحکم ہیں، صحن ۶۰ / فٹ لمبا اور ۹۴ / فٹ چوڑا ہے، صحن کے دائیں طرف سہ دری ہے، جس میں گاؤں کے بچے پڑھتے ہیں، یہ مسجد سات در کی ہے جس کے اندر کل ۳۲ / حجری ستون ہیں، جن کو بڑے سلیقے اور قرینے سے تراشا گیا ہے، یہ ستون ایسے ہی ہیں، جیسے کے حصار فیروزہ (حصار) اور کلاں مسجد ترکمان گیٹ دلی اور فیروز شاہی دور کی دوسری مسجدوں میں نظر آتے ہیں، مذکورہ مسجد کا ہر ستون ۶ / فٹ لمبا اور ۵ / فٹ مربع ہے، مسجد ۶۰ / فٹ لمبی اور ۲۷ / فٹ ۹ / انچ چوڑی ہے، سات محرابیں ہیں، اور ۶ / سیڑھیوں کا عالیشان منبر ہے، صحن سے مسجد کے اوپر جانے کیلئے ۱۵ / سیڑھیوں کا تنگ زینہ ہے جو جنوب میں ہے اس کا گنبد چھوٹا لیکن مضبوط ہے، مشرقی جانب وضوخانہ وغیرہ ہے، اور مشرق، جنوب میں مسجد کا کنواں ہے، اور اس مسجد میں تہہ خانہ بھی ہے۔

یہ مسجد بہت ہی سادہ ہے، لیکن تغلق فن تعمیر کا شاہکار نمونہ ہے، جو

پنجاب وقف بورڈ کے زیر انتظام ہے اور آباد ہے، اس کے اندر ایک مکتب بھی قائم ہے، اس کو دیکھنے کے بعد (چونکہ کافی رات ہو چکی تھی) دہلی کے لئے مالب ہوتے ہوئے روانہ ہونے کا ارادہ تھا، مگر اتفاق سے راستہ میں گاڑی خراب ہو گئی، جس کی وجہ سے کافی تاخیر ہو گئی تھی، اس کے باوجود مالب کے لئے روانہ ہو گئے، جہاں کی عظیم الشان عیدگاہ دیکھنے کا ارادہ تھا عیدگاہ سے پہلے مالب میں حضرت قاری محمد سلیمان صاحب مہتمم مدرسہ تجوید القرآن آزاد مارکیٹ دہلی زیر تعمیر مسجد کا معائنہ کیا جو مالب میں شاہی طرز پر بنائی جارہی ہے، حضرت قاری صاحب مالب ہی کے رہنے والے ہیں، اور ان کا مذکورہ بالا مدرسہ دہلی میں ہے، جو تجوید و قرأت کے میدان میں ایک ممتاز مدرسہ ہے۔

شاہی مسجد عیدگاہ مالب

مالب کی وسیع و عریض مسجد عیدگاہ کے بانی اور اسکے عہد تعمیر کے متعلق کوئی خاص واقفیت نہ ہو سکی، مگر یہ نہایت ہی عالیشان عیدگاہ ہے، جو کسی بادشاہ کے دور کی تعمیر معلوم ہوتی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ یہ مسجد تین سو سال پرانی ہے، جس کے تین در اور تین گنبد ہیں، اور جن کے کلس صحیح حالت میں ہیں مشرقی جانب کے دو مینار نہایت ہی بلند و بالا ہیں، اور ان کے بھی کلس محفوظ ہیں، ان کے درمیان میں بھی درمیانی در کے اوپر دو برجیاں ہیں، لیکن ان کے کلس نہیں ہیں، اور ۱۶/ محرابیں ہیں، اور مغربی جانب کی دیوار میں بھی ۷/ محرابیں ہیں، تین سیڑھیوں کا قدیم منبر ہے۔

صحن کے مشرقی جانب بھی دو مینار ہیں، صحن ۶۹/ فٹ لمبا اور ۲۷/ فٹ چوڑا ہے، اور اندر سے مسجد ۳ + ۵۸/ فٹ لمبی اور ۸ + ۲۳/ فٹ چوڑی ہے، سہ دری ۸۳/ فٹ ۱۱/ انچ چوڑی اور ۲۰/ فٹ ۸/ انچ لمبی ہے۔

مسجد میں ۲۵/ محراب نما چھوٹے طاق ہیں، اور ۵/ بڑے طاق ہیں۔

اس شاہی مسجد عید گاہ میں مدرسہ اسلامیہ عربیہ فیض العلوم کے نام سے ایک مدرسہ قائم ہے۔

مذکورہ بالا شاہی مسجد عید گاہ مالب کی قدیم مسجد ہے، جس کا شمار میوات کی اہم مساجد میں ہوتا ہے۔

مسجد بھونڈسی

"بھونڈ سی" ہریانہ کا ایک معروف گاؤں ہے، جو گوڑگانواں سے ۱۵ر کلو میٹر کے فاصلے پر جنوب اراولی پہاڑ کے دامن میں الور روڈ کے کنارے واقع ہے، یہاں راجپوتوں کا مسکن ہے، کہا جاتا ہے کہ یہاں کے زیادہ تر باشندے فوج میں ہیں، ۱۹۴۷ء سے قبل بھی یہاں کے زیادہ تر مسلمان فوج میں تھے۔

اب یہ علاقہ سابق وزیر اعظم چندر شیکھر کے سیاسی آشرم کی وجہ سے زیادہ مشہور ہو گیا ہے، چندر شیکھر کے (روحانی کم سیاسی زیادہ) آشرم سے کوئی ۴ر کلو میٹر کے فاصلے پر پچھم میں مسجد ہے اب یہ علاقہ مسجد بھونڈ سی کے نام سے ہی جانا پہچانا جاتا ہے، خدا معلوم اس کا اصل نام کیا ہے۔

بھونڈ سی میں حضرت معین الدین چشتیؒ کی تشریف آوری

مقامی لوگوں کا بیان ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے اجمیر شریف جاتے ہوئے اپنے مریدین ومعتقدین کے ساتھ بھونڈ سی میں قیام کیا تھا، جب آپ کے عقیدت مندوں وارادتمندوں کا قافلہ نے یہاں پڑاؤڈالا تو نماز پڑھنے کیلئے پانی کی ضرورت پیش آئی، بھونڈ سی میں پانی کہیں نظر نہیں آتا تھا، قافلہ والے پانی کے لئے سخت پریشان تھے، اسی اثناء میں ایک کتیا نظر آئی جس کے جسم سے پانی ٹپک رہا تھا، قافلہ والوں نے سوچا کہ قریب میں کہیں پانی ضرور ہوگا، جہاں سے یہ کتیا آئی ہے، چنانچہ قافلہ والوں میں سے چند لوگ کتیا کے جسم سے پانی کے

ٹپکتے ہوئے نشان کو دیکھتے ہوئے، آگے چلے کچھ دور گئے تو دیکھا کہ وہ کتیا ایک گھر سے نکلی ہے، قافلے والوں نے دروازہ پر دستک دی، گھر سے ایک بڑھیا نکلی، قافلہ والوں نے حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے لئے پانی طلب کیا، تو بڑھیا نے پانی دینے سے صاف انکار کر دیا، جب قافلہ والوں نے حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی بزرگی اور ان کی کرامتوں کا ذکر کیا تو بڑھیا نے کہا کہ میرا بچہ سخت بیمار ہے، اس شرط پر پانی دوں گی کہ میرا بیمار بچہ ان کی توجہات اور دعاؤں سے ٹھیک ہو جائے، قافلہ والوں نے بڑھیا سے کہا کہ تم اپنے بچہ کو حضرت خواجہؒ کی خدمت میں لے کر چلو، اور حضرت خواجہؒ سے دعاء کی درخواست کرو، اللہ کے فضل و کرم سے بچہ ٹھیک ہو جائیگا، چنانچہ بڑھیا اپنے بیمار بچہ کو حضرت خواجہ غریب نوازؒ کی خدمت میں لے کر گئی، حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے دعا کی اللہ کے فضل و کرم سے وہ بچہ شفایاب ہو گیا، جس سے حضرت غریب نواز کی کرامت و بزرگی کا خوب چرچا ہوا، یہ گاؤں ہندو راجپوتوں کا تھا، پورا گاؤں حضرت غریب نوازؒ کا معتقد ہو گیا، اور گاؤں والوں نے اصرار کیا کہ حضرت خواجہؒ یہیں قیام کریں اور ہماری اصلاح و تربیت فرمائیں، مگر حضرت خواجہؒ اجمیر شریف کیلئے مقرر کئے گئے تھے، جب حضرت خواجہؒ اپنے قافلے کے ساتھ اجمیر کیلئے روانہ ہوئے تو گاؤں والے بھی یہ کہتے ہوئے حضرت خواجہؒ کے قافلے میں شامل ہو گئے کہ خواجہ نے ہم کو موہ لیا! موہ لیا!

اس واقعہ سے یہ بات نکھر کر سامنے آتی ہے کہ، بھونڈسی ہندوستان کا پہلا مقام ہے جہاں سب سے پہلے حضرت اجمیریؒ کے ذریعہ اسلام پھیلا، اور بھاری تعداد میں غیر مسلم مشرف باسلام ہوئے، بھونڈسی میں حضرت خواجہؒ کی تشریف آوری کیوجہ سے بعد کے بعض مسلم سلاطین نے آپ کی جائے قیام پر آپ کی یادگار

میں عالیشان مسجد تعمیر کی۔

مسجد کا فن تعمیر

مسجد مذکور کا شمار غیر منقسم پنجاب (موجودہ ہریانہ) کی قدیم ترین خوبصورت مساجد میں ہوتا ہے، جو چونہ پتھر کی بنی ہوئی ہے، جس کی عمارت گاؤدم طرز پر مستطیل ہے۔

یہ مسجد عقبی حصہ سے عہد فیروز شاہی کی تعمیر معلوم ہوتی ہے، اور مسجد کی روکار عہد لودھی کی تعمیرات کی نمائندگی کرتی ہوئی نظر آتی ہے، غرضیکہ یہ عمارت تغلق اور لودھی تعمیرات کا حسین امتزاج ہے، جس کے عہد کا تعین نہایت ہی دشوار ہے، بانی مسجد کے نام کا علم اور ہی محال ہے۔

مسجد کا اصل باب الداخلہ مشرق میں تھا، (جہاں اب سرکاری مویشیوں کا ہاسپیٹل ہے) اس کا صحن ۶۷ / فٹ مربع ہے، جس میں سنگ سیاہ کے چوکے نصب ہیں، جو امتداد زمانہ کی بنا پر خستہ و شکستہ ہو رہے ہیں، جس کے اندر جھاڑ جھنکار اور گوبر کا ڈھیر ہے، صحن کی چہار دیواری ہوئی ہے، جس پر استرکاری کی گئی ہے۔

مسجد کے تین محرابی در ہیں، جن کے نیچے سے اوپر تک ۲۶ / چھوٹے چھوٹے محرابی طاق ہیں، تینوں دروں کی روکار پر اعلیٰ درجہ کی منبت کاری اور نقاشی کی گئی ہے، درمیانی در، بڑا ہے، اور دائیں بائیں کے در، قدرے چھوٹے ہیں۔

ان محرابی دروں کی پیشانیوں پر کنگورے بنے ہوئے ہیں، جو بڑے دلکش ودلآویز ہیں، اندر سے مسجد ۶۸ / فٹ لمبی اور ۱۳ / فٹ ۱۰ / انچ چوڑی ہے، فرش پتھر اور چونہ کا عمدہ بنا ہوا ہے، مگر جگہ جگہ سے ٹوٹ پھوٹ رہا ہے، اسکی مغربی دیوار میں تین تین محرابیں ہیں، اور شمالی و جنوبی دیواروں میں بھی تین تین محرابیں ہیں، جو بہت ہی خوشنما معلوم ہوتی ہیں، ہر چہار جانب چھوٹی چھوٹی محرابیں بھی ہیں،

اور اندرون مسجد گول دائروں میں اللہ اللہ اور بعض گول دائروں میں یا وھاب لکھا ہوا ہے، اور بعض گول دائروں میں کوئی چیز لکھی ہوئی نہیں ہے۔

تہہ خانہ

مسجد، میں تہہ خانہ بھی ہے، مقامی لوگوں کا بیان ہے، کہ جو بھی تہہ خانہ میں داخل ہوا، وہ لوٹ کر واپس نہیں آیا، بہت پہلے کچھ لوگ داخل ہوئے تھے مگر آج تک واپس لوٹ کر نہیں آئے، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ تہہ خانہ میں قیمتی خزانہ ہے۔

اس مسجد کے تین گنبد ہیں وسطی گنبد عالیشان ہے، مسجد موٹھ کے گنبدوں کی طرح ہے، البتہ دائیں بائیں کے گنبدوں کا طرز درمیانی گنبد سے جداگانہ ہے، ان گنبدوں میں دھاریاں بنی ہوئی ہیں، حالانکہ درمیانی گنبد شلغمی طرز پر بنا ہوا ہے، مسجد کے عقبی حصہ میں ایک کھجور کا درخت ہے۔

منہدم دیوار

مسجد کی جنوبی دیوار منہدم ہو گئی ہے، اور سنگ بستہ بنیاد و اساس سے، گنبد تک کی دیوار گر گئی ہے، بلکہ گنبد کا کچھ حصہ بھی منہدم ہو گیا ہے، جس کی مرمت کی سخت ضرورت ہے، اگر اس کی طرف فوری توجہ نہیں دی گئی، تو جنوبی دیوار کی طرح دوسری دیواریں بھی منہدم ہو سکتی ہیں، مسجد کا عقبی حصہ مخدوش حالت میں ہے جو محتاج اصلاح و مرمت ہے، اگر اس کی طرف سے ذرا بھی غفلت برتی گئی تو یہ تاریخی مسجد، جو حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی یادگار ہے، منہدم ہو سکتی ہے۔

مسجد پنجاب وقف بورڈ کے زیر انتظام ہے، لیکن اس گاؤں میں زیادہ مسلم آبادی نہ ہونے کی وجہ سے مسجد غیر آباد ہے، وہاں کے چند مسلمان مسجد کو آباد کرنیکا پروگرام بناتے ہیں تو مقامی ھندو مزاحم ہوتے ہیں، اور نئی مسجد تعمیر کرنے کا مشورہ دیتے ہیں، بلکہ تعاون کرنے کا یقین دلاتے ہیں، مگر اس تاریخی مسجد کو آباد کرنے

کی حمایت نہیں کرتے، بلکہ ان کا رویہ معاندانہ و مخالفانہ ہوتا ہے۔

وقف زمین

ریونیو ریکارڈ کے مطابق مسجد کا رقبہ ۱۴ کنال ہے، جس کے بعض حصہ میں مویشیوں کا سرکاری ہاسپٹل ہے، جو بالکل مسجد کے مشرقی دروازہ پر تعمیر ہوا ہے، مسجد سے ملحق کافی وقف اراضی ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ قدیم سرکاری ریکارڈ سے وقف اراضی کی تحدید و تعیین کی جائے اور وقف اراضی کی احاطہ بندی کرادی جائے۔

مقبرے

مسجد کے صحن میں دو مقبرے ہیں، جن میں سے ایک بڑا ہے اور دوسرا چھوٹا ہے، جن کے اوپر شاندار گنبد ہیں، یہ مقبرے کن بزرگوں کے ہیں، ان کے ناموں کا علم نہیں ہو سکا اور ان میں کوئی کتبہ بھی نہیں ہے، جس سے تاریخ تعمیر اور صاحب مقبرہ کے نام و کام کا علم ہو سکے، یہ مقبرے بھی تغلق و لودھی دور کے معلوم ہوتے ہیں۔

مسجد درگاہ شیخ محمد موسیٰ پلہ

قصبہ نوح کا شمار میوات کے مشہور قصبات میں ہوتا ہے، جو دلی سے ۸۰ ر کلو میٹر کی مسافت پر جنوب میں واقع ہے، یہاں مسلمانوں کی اچھی خاصی آبادی ہے، ۱۹۴۷ء میں یہاں کے مسلمانوں نے بہت کم ہجرت کی تھی کہتے ہیں کہ گاندھی جی یہ نہیں چاہتے تھے، کہ میوات کے مسلمان پاکستان جائیں، چونکہ یہ لوگ بڑے محنتی وجفاکش ہوتے ہیں، اور یہاں کی سخت زمینوں میں کاشتکاری کے لئے یہی لوگ موزوں ہو سکتے ہیں حالانکہ ۴۷ء میں یہاں کے مسلمان بھی پابہ رکاب ہو چکے تھے۔

قصبہ نوح میں دو ہائی اسکول، ایک ڈگری کالج اور تین مدرسے ہیں کچھ اوقاف بھی ہیں، یہاں کا مشہور مدرسہ معین الاسلام ہے، جو ایک اقامتی ادارہ ہے یہ مدرسہ تبلیغی جماعت کے زیر اثر ہے، جس کے مہتمم مولانا محمد طیب صاحب ہیں، اسکے علاوہ حضرت مولانا نیاز محمد صاحب کا بھی مدرسہ ہے، راقم کو اس مدرسہ کے سالانہ امتحان میں ایک دفعہ ممتحن ہونے کا موقع ملا ہے، جس سے یہاں کے معیار تعلیم کا تھوڑا بہت علم ہوا، یہاں کے اساتذہ باصلاحیت ہیں، حال ہی میں دارالعلوم میوات بھی کھلا ہے، جسکے بانی حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب ہیں۔

قصبہ نوح میں جہاں آج کل دعوتی سرگرمیوں کا مرکز ہے، وہاں ایک قدیم روحانی مرکز بھی تھا، جو موضع پلہ نوح میں تھا، جہاں حضرت شیخ محمد موسیٰؒ کی خانقاہ

تھی، حضرت شیخ محمد موسیٰؒ شیخ فرید الدین گنج شکرؒ کے نواسے اور حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے خلفاء میں تھے، آپ کے بعض تذکرہ نویسوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ آپ حضرت خواجہ نصیر الدینؒ "چراغ دلی" کے خلیفہ تھے، حضرت شیخ محمد موسیٰؒ علم باطن وعلم ظاہر کے جامع تھے، آپ اپنی خانقاہ میں جہاں لوگوں کی روحانی تربیت وتزکیہ نفس کرتے تھے، وہیں اپنے مدرسہ میں طلباء کو علوم قرآن وحدیث کادرس بھی دیا کرتے تھے، آپ کی خانقاہ اور آپ کا مدرسہ موضع پلہ میں تھا، جہاں آج بھی خانقاہ ومدرسہ کی قدیم عمارتیں موجود ہیں، جو کسی شیخ طریقت ومرشد کامل اور ماہر فن مدرس، کی منتظر ہیں۔

حضرت شیخ محمد موسیٰ کا وصال ۷۲۳ھ میں ہوا تھا، آپ کی تدفین موضع پلہ میں ہوئی آپ کی قبر پر سنگ مرمر کا تعویذ ہے، جس کا جنگلہ نہیں ہے، مگر سنگ مرمر کے ستون باقی ہیں، آپ کی درگاہ میں یہ لوح نصب ہے۔

درگاہ شیخ موسی سنہ ۷۲۳ھ

ایں حجرہ شریف بنا نمودہ شیخ عبد الصمد بن خواجہ احمد

بن محمد ہاشم نبیرہ حضرت

بتاریخ نوازدہم شہر شوال سنہ ۱۱۴۲ھ مرتب شد

موسیٰ کہ بود یم عنایت — بودست بہ پلہ ہدایت

تاریخ او خرد گفت — او صاحب سلسلہ ولایت

آپ کے سرھانے "بہ جنت رسید" کندہ ہے۔

درگاہ شیخ محمد موسیٰؒ نواب ہتھین کی تعمیر کردہ ہے، درگاہ کے صحن میں ایک جگہ پانی جمع رہتا ہے، جس کے بارے میں مشہور ہے کہ جسم پر جو، مسے ہو جاتے ہیں وہ یہاں کے پانی سے ختم ہو جاتے ہیں۔

آپ کی درگاہ کے احاطہ میں سنگ خارا کی بنی ہوئی ایک شاندار مسجد ہے جو ۱۹/ فٹ ۷/ انچ لمبی، ۸/ فٹ ۹/ انچ چوڑی ہے اس کا صحن ۸۹/ فٹ لمبا اور ۴۷/ فٹ چوڑا ہے، اصل میں یہ عمارت ۹۹/ فٹ لمبی ہے، لیکن اس کے تین حصے کر دیئے گئے ہیں، اس کا دروازہ مشرق میں ہے، یہ مسجد آباد ہے، مسجد کے احاطہ میں اب ایک دینی مدرسہ بھی قائم کر دیا گیا ہے، جن میں کچھ مقامی و بیرونی طلبا زیر تعلیم ہیں، اس مسجد کے علاوہ جنوب میں ایک اور مسجد ہے، جو تین در کی ہے، اور کوہان نما عمارت ہے، جو سنگ خارا کی بنی ہوئی ہے، یہ مسجد ۲۵/ فٹ لمبی اور ۱۱/ فٹ چوڑی ہے، جس کا صحن ۳۰/ فٹ لمبا اور ۱۵/ فٹ چوڑا ہے۔

ان دونوں مسجدوں کے علاوہ اسی احاطہ میں ایک تیسری مسجد بھی ہے، جو جنوب و مشرق میں واقع ہے، جسکو اونٹ والی مسجد کہتے ہیں، جسکے ارد گرد مزارات ہیں یہ مسجد ۳۱/ فٹ ۷/ انچ لمبی اور ۱۳/ فٹ ۱۰/ انچ چوڑی ہے، اور تین سیڑھیوں کا منبر ہے۔

اس کا صحن ۵۳/ فٹ لمبا اور ۳۷/ فٹ چوڑا ہے، جس میں تین طرف سہ دریاں ہیں، لیکن شمالی جانب کی سہ دری شہید ہو گئی ہے، اور مسجد کی چھت خستہ ہو رہی ہے، اور فوری مرمت طلب ہے، یہ مسجد درگاہ شیخ محمد موسیٰ کی مسجد سے بمشکل سو، دو سو قدم کی دوری پر ہے، مگر یہ مسجد ویران اور غیر آباد ہے، جو تعجب خیز بات ہے، احاطہ درگاہ میں واقع ان تینوں تاریخی مسجدوں کے علاوہ یہاں کئی قدیم عمارتیں ہیں، یہاں ایک دو منزلہ عمارت ہے، جس کی بالائی منزل کو ذرا بھی حرکت دیجئے تو .... جنبش کرنے لگتی ہے، حالانکہ یہ بہت بڑی عمارت ہے، جس کی تعمیر میں عجیب فن تعمیر و آرٹ کا مظاہرہ کیا گیا ہے، غرضیکہ یہ یہاں کی قدیم و تاریخی عمارتیں فنی نقطۂ نگاہ سے بھی بڑی اہمیت رکھتی ہیں، اور سیاحوں کے لئے بھی دلچسپی کا سامان فراہم کر سکتی ہیں!

مسجد کابلی باغ پانی پت

ظہیر الدین محمد بابر (متوفی ۹۳۷ھ مطابق ۱۵۳۰ء) کو سلطنت مغلیہ کا بانی کہا جاتا ہے جو ایک بہادر، تجربہ کار اور جنگجو انسان تھا، جس کی جواں مردی و بہادری کے حیرت انگیز واقعات، تاریخ کے صفحات کی زینت ہیں، بابر بادشاہ نے ہندوستان پر کئی حملے کیے، کبھی ناکام اور کبھی جزوی فتح کے بعد اپنے وطن واپس ہو جایا کرتا تھا، آخری دفعہ دولت خاں لودھی گورنر لاہور اور راجپوت راجہ سنگرام سنگھ [۱] کے ایماء و اشارہ پر ہندوستان پر حملہ آور ہوا تھا اور صرف بارہ ہزار فوج کے ساتھ پانی پت کے میدان میں سلطان ابراہیم لودھی (متوفی ۹۳۲ھ) سے خونریز جنگ کی جو ایک ناتجربہ کار، کنجوس سپہ گری کے فن سے ناآشنا اور مغرور و متکبر انسان تھا جس کی ناتجربہ کاری و نااہلیت کی وجہ سے لودھی سلطنت پر زوال آیا اور ایک لاکھ فوج اور ایک ہزار ہاتھیوں اور ان گنت گھوڑوں کے باوجود بابر سے شکست کھائی اور خود میدان جنگ میں مارا گیا، اور اس طرح سے مارا گیا کہ اس کا سر خاک و خون میں آلودہ تھا، اس کا تاج سر سے گرا ہوا تھا، آفتاب گیر جدا تھا اور وہاں جام شہادت نوش کیا تھا، جہاں آج اس کا مزار ہے [۲]۔

---

[۱] ظہیر الدین محمد بابر، ص ۱۶۳ مطبوعہ ترقی اردو بورڈ نئی دہلی، [۲] ابراہیم لودھی کا مزار کالا آم (موجودہ سرکاری تحقیق کے مطابق جہاں اصل میدان جنگ ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ کالا آم سرولی روڈ سے بشمول بابری مسجد ابراہیم لودھی (بقیہ اگلے صفحہ پر)

خود بابر بادشاہ کا اس کی نعش کو دیکھ کر یہ عالم ہوا تھا :

دراں حال عبرت بخش بر خود لرزید   اس عبرت ناک منظر کو دیکھ کر لرز گیا

(بقیہ حاشیہ) کا مزار تک میدان جنگ رہا ہے) سے ۸ / کلو میٹر اور مسجد کابلی باغ سے ۴ / کلو میٹر کے فاصلہ پر شمال میں تحصیل روڈ پانی پت کے ایک بے ہنگم قسم کے پارک میں چبوترہ پر واقع ہے، پہلے یہاں پر صرف اس کا مزار تھا مگر جب ہریانہ کے ایک سابق گورنر، G. D. Tapasse پانی پت میں آئے تو انہوں نے اس مزار کے ساتھ پارک بنوایا اور اسی طرح جنگ کا موجودہ میدان، جسکو کالا آم کے نام سے جانا جاتا ہے اس کو بھی Tourist Centre کا درجہ دیدیا گیا جو ایک تاریخی اہمیت کا حامل مقام ہے ابراہیم لودھی کے مزار کا احاطہ ۲۹ / فٹ مربع ہے اور اس کے ایک گوشہ میں دیوار کے اوپر یہ کتبہ نصب ہے۔

کتبہ

"قبر بادشاہ ابراہیم لودھی، جو بمقابلہ ظہیر الدین محمد بابر بادشاہ پانی پت کی بڑی لڑائی واقع ۱۵۲۶ء مطابق ۹۳۶ھ میں، اپنی فوج کے ساتھ قتل ہوا اور اس کی قبر کی مرمت و درستگی ۱۹۲۷ء میں ہوئی"

بیان کیا جاتا ہے کہ ابراہیم لودھی کے مزار کے ملحق ایک ہاتھی کی قبر بھی ہے جس پر ابراہیم لودھی دوران جنگ سوار تھا اور ہاتھی بھی اسی میدان جنگ میں مارا گیا، لودھی کے مزار کے چبوترے کے نیچے ایک قبر ہے (جو اس کا محافظ و جرنیل تھا) ابراہیم لودھی کا مزار آثار قدیمہ کے زیر انتظام ہے لیکن نہایت ہی کس مپرسی کی حالت میں ہے اور یہ شہنشاہ ہند کھلے میدان میں آسمان کے زیر سایہ خوابیدہ ہے۔

بر مزار ما غریباں نے چراغے نے گلے
نے پر پروانہ سوزد نے صدائے بلبلے

سر اواز خاک بر گرفت [1] اور اس کے سر کو خاک پر سے اٹھالیا،

مصنف سلاطین افاغنہ نے لکھا ہے کہ بابر بادشاہ خود اس جگہ پہنچا اور اس نے اس کا سر خاک سے اٹھا کر کہا، اے جوانمرد تجھ پر آفریں، پھر حکم دیا کہ اس کی زربفت کی پوشاک اتاری جائے اور قند سے حلوہ تیار ہو اور پھر دلاور خاں اور امیر خلیفہ سے کہا کہ غسل دیا جائے اور وہیں دفن کیا جائے جہاں گرا ہے [2]۔

بابر بادشاہ نے نہایت ادب و احترام کے ساتھ اس کو دفن کیا اور قند سے حلوہ تیار کرا کے فقراء و مساکین میں، ایصال ثواب کیلئے تقسیم کیا اور ابراہیم لودھی کی ماں کیلئے جاگیر دینے کا حکم دیا اور ہندوستان کے بادشاہ ہونے کا اعلان کرادیا اور مسجدوں کے منبروں سے بابر کے نام سے خطبہ دیا جانے لگا۔

تاریخ تعمیر مسجد

کہا جاتا ہے کہ جب پانی پت کے میدان میں بابر بادشاہ کو ابراہیم لودھی کے مارے جانے کی اطلاع ملی تو عین میدان جنگ میں فرط مسرت سے سجدہ شکر ادا کیا اور جائے سجدہ پر ایک عظیم الشان مسجد تعمیر کرنے کا حکم دیا جسے اب مسجد کابلی باغ (پانی پت) کہا جاتا ہے جس کی تاریخ تعمیر ۹۳۲ھ مطابق ۱۵۲۶ء ہے اور تزک بابری کے مطابق مسجد کا بانی ظہیر الدین محمد بابر بادشاہ ہے، اور یہ ہندوستان میں واحد مسجد ہے، جس کا بانی و موسس براہ راست ظہیر الدین محمد بابر بادشاہ ہے، دوسری مسجدیں اسکے امراء کی تعمیر کردہ ہیں۔

مرکزی دروازہ

کابلی باغ مسجد کے مرکزی دروازہ کے سامنے بڑا وسیع میدان ہے جو سبزہ زار ہے کچھ درخت بھی ہیں اور اسی میدان میں محکمہ آثار قدیمہ (ASI) کا بورڈ

---

[1] تاریخ شاہی، ص ۹۸، [2] تاریخ افاغنہ،

لگا ہوا ہے، بورڈ کے سامنے تین خستہ مزارات اور ہیں مگر ان مدفونین کے حالات زندگی اور کارنامے معلوم نہیں ہو سکے، اغلب یہ ہے کہ بابر بادشاہ کے فوجی ہوں گے جو کہ پانی پت کے میدان جنگ میں کام آگئے ہوں گے، مسجد کا مرکزی دروازہ ڈیوڑھی نما ہے اور سنگ خارا کا بنا ہوا نہایت ہی سنگین و مضبوط ہے جو ۶/ فٹ ۵/ انچ چوڑا اور ۲۴/ فٹ بلند ہے جس کی پیشانی پر عمدہ منبت کاری و صناعی کی گئی ہے اور اس کے دونوں کناروں پر گلاب کے پھولوں کی پنکھڑیاں بنی ہوئی ہیں جو سیاحوں کے دلوں کو لبھاتی ہیں، راقم الحروف کے محدود علم کے مطابق اس طرح کے گلاب کے پھولوں کی ابھری ہوئی شکلیں، دہلی کی محمدی مسجد، قلعہ سری فورٹ اور حوض شمسی کے کنارے مسجد جہاز محل میں، نظر آتی ہیں جس میں ہندی اسلامی فن تعمیر کا دلکش امتزاج نظر آتا ہے، اس مرکزی دروازے پر سات چھوٹی چھوٹی محرابیں بنی ہوئی ہیں، سب سے اوپر دائیں محراب کے دو گول دائروں میں اللہ اللہ بالکل صاف و نمایاں طور پر لکھا ہوا ہے، وسطی محراب میں بھی دو گول دائروں میں اللہ اللہ منقوش ہے اور اس دروازے کی پیشانی پر بانی مسجد ظہیر الدین محمد بابر کے نام کا کتبہ بھی بخط نسخ مدھم سا نظر آتا ہے جو صاف پڑھنے میں نہیں آتا یہ کتبہ دائیں کنارے سے شروع ہو کر بائیں کنارے پر ختم ہوتا ہے اور بڑا ہی خوشنما نظر آتا ہے۔

صحن

مرکزی دروازہ کے بعد مسجد کا وسیع و عریض صحن شروع ہوتا ہے جس کی پختہ چہار دیواری ہے اور ایک پیمائش کے مطابق ۳۰۰/ فٹ چوڑا اور ۱۰۰/ فٹ لمبا ہے۔ اور صحن میں سبزہ اگا ہوا ہے۔ صحن کے کچھ حصہ میں لکھوری اینٹیں بچھی ہوئی ہیں ورنہ پورا صحن کچا ہے، صحن کے شمالی مغربی کونے پر دو پختہ مزار ہیں، ان مزارات پر کوئی کتبہ یا لوح نہیں ہے، لیکن صحن میں مدفون ہونے سے اندازہ ہوتا

ہے کہ یہ بڑے نامی گرامی لوگ ہوں گے جنہیں مسجد کے صحن میں مدفون ہونے کا شرف حاصل ہوا ہے، بعض مقامی لوگوں کا بیان ہے کہ بابر بادشاہ کے یہ دو جرنیل تھے جو پانی پت کے میدان میں مارے گئے تھے۔

ناکارہ کنواں

صحن میں ایک ناکارہ کنواں بھی ہے جو مسلمانوں کی غفلت شعاری اور محکمہ آثار قدیمہ (A S I) کی بے توجہی کی وجہ سے ملبہ سے بھر گیا ہے، اگر اس مسجد میں نماز ہوتی تو کنواں بھی صاف اور جاری ہوتا لیکن آثار قدیمہ (A S I) کے تحت ہونے کی وجہ سے اس میں نماز پڑھنے کی اجازت نہیں ہے جو دستور ہند اور قانون آثار قدیمہ کی دفعہ ۵/ کی ذیلی دفعہ (۶) کے صریح خلاف ہے جس میں آثار قدیمہ کی مسجدوں میں نماز پڑھنے سے روکا نہیں گیا ہے۔

مسجد میں نماز باجماعت

اگرچہ اس میں محکمہ آثار قدیمہ کی طرف سے نماز پڑھنے کی اجازت نہیں ہے لیکن ہمارے رفقاء نے اس میں نماز پڑھنے کا پروگرام بنالیا، اور جناب عبدالسمیع انصاری صاحب نے مسجد میں مغرب کی اذان دی اور انصاری صاحب نے ہی امامت کی اور راقم الحروف اور حافظ محمد عرفان دہلوی مقتدی تھے، اور جب جماعت شروع ہوئی، تو وہ لوگ بھی شریک جماعت ہو گئے جو مسجد کی عظمت رفتہ کو سلام کرنے آئے تھے، اس میں نماز پڑھ کر جی کو بہت سکون ہوا اور خیال آیا کہ نہ جانے کب سے اس مسجد کے بام و در سجدہ کے لئے ترس رہے تھے بقول شاعر ؎

وہ سجدہ روح زمین جس سے کانپ جاتی تھی
اسی کو آج ترستے ہیں منبر و محراب

لیکن برسوں کے بعد آج اس میں چند بندگان خدا سجدہ ریز ہو ہی گئے۔

در کی تعمیری خصوصیت

یہ مسجد قدیم لکھوری اینٹوں کی بنی ہوئی ہے اور اتنی عظیم الشان مسجد صوبہ ہریانہ میں کہیں اور نظر نہیں آتی، یہ تین در کی مسجد ہے، وسطی محراب کا در ۱۵/فٹ چوڑا اور ۹/فٹ بلند ہے اور مسجد کا وسطی حصہ مقبرہ نما ہے، جسکا اندرونی حصہ ۷ ۳/فٹ ۵/انچ چوڑا اور ۴۱/فٹ ۵/انچ لمبا ہے، اور اسی حصہ میں منبر و مصلیٰ ہے، منبر تو شہید ہو چکا ہے مصلیٰ کی محراب میں نہایت ہی عمدہ نقاشی و میناکاری اور صناعی کی گئی ہے، اور سنگ سرخ کو بڑی جدت طرازی کے ساتھ تراش کر ایک حسین محراب بنائی گئی ہے، جس سے اسلامی فن تعمیر کا حسین روپ نکھر کر سامنے آتا ہے۔

تاریخی کتبہ

اس مسجد کی محراب میں بھی بانی مسجد ظہیر الدین محمد بابر کے نام کا کتبہ نصب ہے، کتبہ کے علاوہ قرآنی آیات بھی منقوش ہیں، اللہ جگہ جگہ لکھا ہوا ہے اور یہ کتبہ تاریخی نوعیت کا ہے اگرچہ اس کے بعض حروف کے مٹ جانے کی وجہ سے کتبہ پڑھنے میں بہت دشواری ہوتی ہے اور بمشکل اتنی پڑھا جاتا ہے جو درج ذیل ہے اطمینان بخش بات یہ ہے کہ باب الداخلہ اور محراب کے دونوں کتبوں میں ظہیر الدین بابر کے نام کا کتبہ واضح نظر آتا ہے جسکو معمولی پڑھا لکھا آدمی بھی پڑھ اور دیکھ سکتا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کمسجد اسس علی التقویٰ

بنی فی شہر ربیع الاول سنۃ اثنتین وثلثین وتسعمائۃ

من الہجری النبوی سنہ ۹۳۲ھ

اللہ یا وہاب یاستار اللہ یااللہ یا ستار اللہ

بنی مسجد جدید حضرة الملک المعز ظہیر الدین

محمد بابر غازی

خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ

اس کے بعد بخط نسخ آیۃ الکرسی، لکھی ہے۔

شمالی دالان

مسجد کا وسطی حصہ (مقبرہ نما) کے دائیں طرف ایک چھوٹا سا دروازہ ہے جو ۴ر فٹ اور ۹ر انچ چوڑا اور ۹ر فٹ اونچا ہے۔ اس دروازے کے بعد مسجد کا کشادہ دالان شروع ہوتا ہے جو ۵۹ر فٹ ۴ر انچ لمبا اور ۵۰ر فٹ چوڑا ہے جو صحیح وسالم ہے اور بڑا ہی خوبصورت ہے مگر اس کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ جگہ جگہ سے ٹوٹ رہا ہے اور فوری مرمت کی ضرورت ہے۔

جنوبی دالان

وسطی حصہ (مقبرہ نما) کے بائیں طرف بھی ایک چھوٹا سا دروازہ ہے، جو حسب سابق ۴ر فٹ ۹ر انچ چوڑا اور ۹ر فٹ اونچا ہے۔ اس کے بعد مسجد کا جنوبی دالان شروع ہو جاتا ہے اور یہ جنوبی دالان بھی حسب سابق ۵۹ر فٹ ۴ر انچ لمبا ۵۰ر فٹ چوڑا ہے لیکن مسجد کا یہ دالان مغربی دیوار کے علاوہ وھی خاویۃ علی عروشھا کا دردناک منظر پیش کرتا ہے یعنی یہ حصہ منہدم ہو گیا ہے اور نہ جانے کب سے یہ حصہ منہدم ہوا ہے مگر ان کھنڈرات سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسجد کے اس حصہ کو منہدم ہوئے ایک عرصہ ہوا اور اتنا عرصہ بیت جانے کے باوجود محکمہ آثار قدیمہ نے، اس کی تعمیر نو کی ضرورت محسوس نہیں کی، مسجد کی تاریخی حیثیت کا تقاضا تھا کہ فوری طور پر اس کی جدید تعمیر کرائی جاتی مگر ایسا نہ ہو سکا جو ایک افسوناک امر ہے جس سے محکمہ آثار قدیمہ کے دعویٰ حفاظت کی

نفی ہوتی ہے اور اس کے اوپر سے اعتماد اٹھتا ہے۔

گنبد

مسجد کے شمالی حصہ کی چھت پر خوبصورت و دلکش گنبد ہیں جو چھوٹے سائز کے ہیں اور دہلی کی مسجد کھڑکی گاؤں کے، گنبدوں کے مشابہ ہیں، ان نو گنبدوں کے ملحق وسطی مرکزی گنبد ہے جو ۱۵ر فٹ گول ہے اور چھت کی سطح سے ۹ر سیڑھیاں چڑھنے کے بعد مرکزی گنبد کے چبوترے پر پہنچتے ہیں، اور یہ مرکزی گنبد ۹ر فٹ اونچائی تک ہشت پہلو ہے اس کے بعد شلغمی طرز پر بنا ہوا ہے اور نہایت ہی عمدہ حالت میں ہے، یہ مرکزی گنبد مسجد کی عظمت ورفعت کی علامت کی حیثیت رکھتا ہے، اگرچہ گنبد کا کلس کوئی خاص جاذب نظر و دلکش نہیں مگر یہ گنبد قدیم طرز تعمیر کے اعتبار سے عجوبہ کی حیثیت رکھتا ہے اور دور ہی سے نظر آتا ہے۔

جنوبی شکستہ گنبد

جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ مرکزی گنبد کے جنوب میں بھی چھوٹے و بڑے سائز کے ۹ر گنبد تھے مگر یہ جملہ گنبد مع چھت کے شہید ہو گئے ہیں، مسجد کے شمالی و جنوبی کونوں پر ایک ایک خوشنما ہوادار برجی بھی تھی، جنوبی برجی تو شہید ہو گئی ہے لیکن شمالی برجی محفوظ ہے اور اچھی حالت میں ہے اور اس برجی میں روشندان بھی ہیں، اس کی چھت کمانی دار ہے اور چونے پتھر سے بنی ہوئی ہے، امتداد زمانہ کی وجہ سے تمام مسجد پر کائی جمی ہوئی ہے جس کی وجہ سے چھت اور اس کے گنبد بد نما معلوم ہوتے ہیں، محکمہ آثار قدیمہ کو مسجد کی صفائی اور مرمت پر فوری توجہ کرنی چاہئے۔

مسجد کی وقف اراضی

یہ حقیقت ہے کہ پنجاب و ہریانہ کی بہت سی مسجدوں اور وقف زمینوں کا

اندراج پنجاب گزٹ میں نہیں ہے خود اس بابری مسجد کا اندراج بھی گزٹ میں نہیں ہے اور نہ اس کی ملحقہ اراضی (وقف) کا ذکر، گزٹ میں ہے حالانکہ اصولی طور پر مسجد اور اس کی وقف اراضی کا اندراج گزٹ میں ہونا چاہئے تھا اور اتنی عظیم الشان مسجد اور تین ایکڑ وقف زمین کا اندراج نہ ہونا تعجب خیز امر ہے اور گزٹ کی جامعیت پر سوالیہ نشان قائم کرتا ہے، مسجد کی وقف اراضی کی احاطہ بندی ہوئی ہے جو تقریباً ایک ایکڑ وقف زمین ہے، محکمہ آثار قدیمہ کی طرف سے دو احاطہ بندیاں ہوئی ہیں پہلی احاطہ بندی مسجد کے صحن کی ہے جو اینٹوں کی چہار دیواری ہے اس کے بعد تمام وقف زمین کی احاطہ بندی کی گئی ہے، جو خاردار تاروں سے کی گئی ہے، ان دونوں باؤنڈریوں کے علاوہ چاروں طرف غیر آباد قبرستان ہے جس کی وقف زمین، مقامی لوگوں کے بیان کے مطابق ۶ ر ایکڑ کے قریب ہے، اور آج بھی اس مسجد کے مشرق میں (جس طرف مسجد کا حوض ہے) مزارات کے آثار موجود ہیں، پنجاب وقف بورڈ کو اس امر کی طرف خصوصی توجہ کرنی چاہئے اور وقف اراضی کے تحفظ کا معقول بندوبست کرنا چاہئے۔

محکمہ آثار قدیمہ (A.S.I.) سے دردمندانہ اپیل

جیسا کہ قارئین کے علم میں آیا کہ بابری مسجد کا تقریباً نصف حصہ شہید ہو چکا ہے اور جو حصہ باقی ہے وہ بھی مخدوش حالت میں ہے، مسجد کے منہدم حصہ کی تعمیر نو اور مخدوش حصہ کی مرمت کی سخت ضرورت ہے، راقم الحروف کا خیال ہے کہ اس مسجد کے جنوبی حصہ، کی تعمیر نو اور شمالی حصہ کی مرمت و تزئین پر کم از کم ۵۰ لاکھ روپے صرف ہوں گے اور اتنی بھاری رقم کی فراہمی محکمہ آثار قدیمہ کے لئے محال نہیں تو مشکل ضرور ہے اور حکومت کی طرف سے اتنی بڑی رقم کی منظوری کے لئے ۵-۱۰ سال کی مدت بھی کم ہے، ایسی صورت میں راقم الحروف

کی رائے ہے کہ محکمہ آثار قدیمہ (A. S. I.) مسجد مذکور کو قومی اثاثہ کی حفاظت کے نقطۂ نگاہ سے پنجاب وقف بورڈ کے حوالے کردے تو اس تاریخی مسجد کی حفاظت کی اچھی صورت پیدا ہو جائے گی اور مسجد منہدم ہونے سے محفوظ ہو جائے گی اور محکمہ آثار قدیمہ کیلئے اس سلسلہ میں کوئی قانونی پیچیدگی بھی نہیں ہے کیونکہ ایک سرکاری محکمہ سے دوسرے سرکاری محکمہ کو منتقل کرنا ہے جیسا کہ دہلی میں بہت سی تاریخی عمارتوں کو محکمہ آثار قدیمہ نے DDA اور دوسرے سرکاری محکموں کو منتقل کیا ہے۔ اور پنجاب وقف بورڈ تو مرکزی حکومت کے تحت ہی ہے اور بورڈ کے نزدیک سرمایہ کا بھی کوئی مسئلہ نہیں ہے اور بورڈ دوسرے سرکاری محکموں کے مقابلے میں تاریخی نوعیت کی عمارتوں کے تحفظ کا زیادہ انتظام و انصرام کرتا رہا ہے البتہ مسجد کی تعمیر و مرمت میں ماہرین آثار قدیمہ سے مشورہ ضروری ہے تاکہ مسجد کی اصلی ہیئت میں کوئی خاص فرق نہ آئے۔

مسجد مقبرہ ابراہیم سور نارنول

نارنول ایک تاریخی، ثقافتی قصبہ کی حیثیت سے مشہور رہا ہے، یہ انبالہ سے ۳۵۰ ر کلومیٹر مغرب میں اور دہلی سے ۱۵۰ ر کلومیٹر کی مسافت پر مغرب میں واقع ہے، نارنول کو مدارس و مساجد کا شہر کہا جاتا ہے، یہاں ۷۰۰ ر کے قریب مسجدیں تھیں، اور اسی طرح مدارس بھی تھے، اور ہر مدرسہ میں خانقاہ بھی ہوا کرتی تھی، یہاں علم وروحانیت کا بڑا امتزاج تھا، یہاں بڑے بڑے صوفیا و مشائخ اور فقہاو مجتہدین رہے ہیں، شیخ محمد ترک نارنولی مشہور بزرگ ہیں، یہ حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ کے مرید و خلیفہ تھے، اور حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ سے بھی آپ کو اجازت حاصل تھی، آپ کا شمار اولیا کاملین میں ہوتا ہے۔

”مشہور ہے کہ ایک مرتبہ حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلیؒ کو بادشاہ نے زبردستی ملک ٹھٹھ کی جانب روانہ کیا، نارنول کے راستہ سے ٹھٹھ کو چلے، جب نارنول سے ایک کوس کے فاصلہ پر پہنچے، سواری سے نیچے اترے اتر کر شیخ محمد ترکؒ کے روضہ کی طرف روانہ ہولئے، روضہ کے اندر ایک پتھر لگا ہوا تھا تھوڑی دیر اس کے مقابل (سامنے) کھڑے رہے، پھر شیخ کی قبر کی طرف متوجہ ہوئے، جب زیارت سے فارغ ہولئے تو لوگوں نے عرض کیا، اس میں کیا بھید تھا؟ فرمایا: کیا خوش نصیب ہے، وہ خدمت گار جس کی پرورش کے واسطے اس کے آقا اس کے گھر میں آئیں، میں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کو اس پتھر پر جلوہ

افروز دیکھا، جب تک وہ معنی مجھ پر منکشف رہے، میں اس پتھر کی طرف متوجہ رہا، جب وہ میری نظر سے پوشیدہ ہو گئے، میں قبر شیخ کی طرف متوجہ ہوا، پھر حضرت نصیر الدین محمودؒ مراقبہ میں گئے، اور سر اٹھا کر فرمایا:

"جس کسی کو کوئی سخت مہم پیش آئے وہ اس روضہ کی طرف متوجہ ہو، امید ہے وہ مہم آسان ہوئے"

ایک بیباک عقید تمند بھی وہاں موجود تھے، انہوں نے عرض کیا: "اب خود آپ ہی کو مہم در پیش ہے" آپ نے فرمایا: "اسی سبب سے میں کہتا ہوں کہ میری دشواری کو حق تعالیٰ ان کی برکت سے آسان کرے"۔

دو تین منزل نارنول سے نہ گذرے تھے کہ بادشاہ کا انتقال ہو گیا اور حضرت واپس، دہلی تشریف لے آئے، وہ پتھر اب تک ان کے مزار کے مقابل ہے، لوگ زیارت کرتے ہیں، رحمۃ اللہ علیہ [1]، انکے علاوہ شیخ فیض اللہ نارنولی، شیخ حسن ابن ہشام نارنولی، شیخ ولی محمد نارنولی، اور قاضی شمس الدین شیبانیؒ جیسے بلند پایہ فقہاو محدثین یہیں کے رہنے والے تھے، یہاں شیخ محمد ترک نارنولی اور قاضی شمس الدین شیبانی اور شیخ محمد مجد شیبانی کے مدرسے بہت مشہور تھے، آخر الذکر دونوں بزرگ مشہور فقیہ امام محمدؒ کی اولاد میں تھے، اور دونوں نے نارنول ہی میں علم و عرفاں کی قندیلیں روشن کیں، یہاں کی خانقاہیں بھی بافیض تھیں، اب تو یہاں کی مسجدیں، مدرسے اور خانقاہیں سب ناجائز قبضے میں ہیں، اور زیادہ تر ان کی عمارتیں کھنڈرات اور آثار کی شکل میں موجود ہیں، نارنول کی جامع مسجد، محلہ دربستان میں ہے جس کو آدینہ مسجد بھی کہتے ہیں، یہ مسجد بالکل خالی ہے، لیکن آسانی سے اس کا قبضہ نہیں

---

[1] تذکرہ صوفیائے میوات، ص ۱۹۹، بحوالہ اخبار الاخیار اردو، ص ۷۰، ۷۱،

لیا جاسکتا ہے، چونکہ یہ مسجد خالص ہندوؤں کے علاقہ میں واقع ہے، جو بہت ہی متعصب و تنگ نظر اور عموماً شر نار تھی ہیں، اس شہر میں جدھر بھی نگاہ ڈالی جاتی ہے، ادھر مسجد کے گنبد ہی گنبد اور مینار ہی مینار نظر آتے ہیں، ۱۹۴۷ء میں یہاں بھی زبردست فساد ہوا تھا، جس کے نتیجہ میں نارنول، مسلمانوں سے خالی ہو گیا، یہاں اب صرف ایک مسجد آباد ہے، جو پنجاب وقف بورڈ کے زیر انتظام ہے، اور پندرہ بیس مسلمان آباد ہیں، یہاں کئی قدیم قبرستان ہیں، مگر اب یہاں کے مسلمانوں کی تدفین کے لئے کوئی قبرستان نہیں ہے، حالانکہ یہاں مسلمان بھی رہتے ہیں موت وزندگی ہر شخص کے ساتھ لگی ہوئی ہے، ان کے لئے قبرستان کا نظم ہونا چاہیئے۔

مسجد ابراہیم سور

مدرسہ ابراہیم سور، کے احاطہ میں مغربی جانب ایک شاندار مسجد ہے، جس کی محراب بہترین نقش ونگار سے آراستہ وپیراستہ ہے، لال اور سلیٹی رنگ کے پتھر سے تعمیر کردہ ہے، محراب کے اوپر درمیان میں آیۃ الکرسی لال پتھر پر نہایت ہی واضح طور پر کندہ ہے، اسکے اوپر چھوٹی چھوٹی محرابیں بنی ہیں، اور ان میں گول دائروں میں اللہ بالکل صاف لکھا ہوا ہے، محراب میں بھی عربی رسم الخط میں کوئی عبارت ہے، جو سمجھ میں نہیں آتی، اسکے گنبد میں اکثر سلیٹی پتھر، معمولی سا لال پتھر بھی استعمال ہوا ہے، جو نہایت ہی مضبوط ہے، یہ مسجد تقریباً ۵۵ر فٹ لمبی اور ۲۵ر فٹ چوڑی ہے، مدرسہ کے بعد مسجد کے اصل دروازہ کے لئے سنگ خارا اور بھورے پتھر کا انتخاب کیا گیا ہے، یہ مسجد بھی شیر شاہ سوری کی تعمیر کردہ ہے، جو محکمہ آثار قدیمہ کے زیر انتظام ہے، تقسیم تک اس میں نماز ہوتی تھی، اس مسجد کے اطراف میں متعدد مزارات ہیں، اور ہر عمارت کے اوپر کوئی نہ کوئی عربی و

فارسی کتبہ موجود ہے، مگر محکمہ آثار قدیمہ کی بے توجہی کی وجہ سے ان نادرو نایاب کتبات کو نقصان پہونچایا گیا ہے۔

مسجد

اسی احاطہ میں جنوبی جانب ایک اور تین در کی مسجد ہے، اور جس میں تین گنبد ہیں اور دو مینار ہیں، اس کا صحن بہت ہی خستہ ہو رہا ہے، صحن کے دونوں طرف سہ دریاں ہیں، اور مشرقی جانب حوض ہے جو سوکھا ہوا ہے، اور اس جانب بھی سہ دری ہے، مسجد کی پیشانی پر یہ تاریخی کتبہ کندہ ہے۔

قطعہ تاریخ

چوں تعمیر شد ایں خجستہ بنا　　زاکرام ولطف وعطاء
پے سال تعمیر آں بو حسن　　بگفتا مامن اولیاء

۱۳۵۱

یہ مسجد بھی تقسیم تک آباد تھی، اب یہ محکمہ آثار قدیمہ کے زیر انتظام آگئی ہے، اس احاطہ کی تمام عمارتیں پتھروں کی بنی ہوئی ہیں، نارنول میں عموماً مذہبی عمارتیں پتھروں ہی کی بنی ہوئی ہیں، مقبرہ ابراہیم سور کے کچھ فاصلہ پر پرانی منڈی میں محمد اکبر قلی خاں کا، جل محل ہے، جو نہایت ہی خوبصورت ہے، اور ایک کھلے میدان میں ہے، اس میدان کے چاروں طرف درختوں اور مزارات کے آثار ہیں، غرضیکہ نارنول میں جس طرف بھی آدمی نکل جاتا ہے، ادھر کسی نہ کسی مسجد، خانقاہ یا مدرسہ کی عمارت پر نگاہ ضرور پڑتی ہے، اسی بنا پر اگر کہا جائے کہ یہاں ۷۰۰ / مسجدیں ۷۰۰ / مدرسے اور ۷۰۰ / خانقاہیں تھیں تو اس میں کوئی مبالغہ کی بات نہ ہوگی، یہاں کی وقف عمارتوں کے سروے کی سخت ضرورت ہے، جناب عبد السلام صاحب، اسٹیٹ آفیسر پنجاب وقف بورڈ، ریواڑی، نے

راقم الحروف سے کہا تھا کہ دوبارہ نارنول کا سروے کیا جائے گا، سردست سرسری نگاہ ڈال لی جائے، چونکہ اس وقت بوقت بہت کم تھا، مگر افسوس اسی درمیان عبدالسلام صاحب کا تبادلہ ہو گیا جس کی وجہ سے دوبارہ یہاں سروے نہیں کیا جاسکا، ورنہ بہت سے واقعات وحقائق سامنے آتے جو بورڈ کے لئے مفید ہو سکتے تھے، نارنول کے بعد ہم لوگوں کو مہندر گڑھ جانا تھا، وہاں کی جامع مسجد دیکھنی تھی جو نیابانس محلہ کھٹیکان میں واقع ہے، یہ تین گنبد کی مسجد ہے، جس میں سہ دری بھی ہے، تقریباً ۲۳ ر سال پہلے جناب نسیم احمد صاحب I. A. S نے کھلوائی تھی، یہ مسجد آباد ہے، مسجد کے امام مولوی مبارک حسین صاحب ہیں، مسجد کی وقف جائیدادیں ہیں جن میں سے کچھ بورڈ کے قبضے میں ہیں، اور زیادہ تر ناجائز قابضین کی تحویل میں ہیں۔

مقبرہ ابراہیم سور

نارنول میں ابراہیم سور، جمال خاں افغان، اور شاہ ولایتؒ کے مقبرے بہت مشہور ہیں، آخر الذکر دونوں بزرگوں کے مقبرے سلطان فیروز شاہ تغلق کے دور کے ہیں، جو شہر سے کچھ باہر ہیں، جہاں ہریانہ حکومت نے ایک خوبصورت پارک بنادیا ہے، یہاں سبھاش چندر بوس کا مجسمہ بھی نصب کر دیا گیا ہے، یہ پارک بنسی لال وزیر اعلیٰ ہریانہ کے دور میں بنا تھا، ہریانہ سرکار نے اس کا نام سادھوؤں کا گنبد رکھا ہے، جو ایک شر انگیز بات ہے، جمال خاں افغان، اور شاہ ولایتؒ کے مقبرے اسلامی فن تعمیر کے شاہکار نمونے ہیں، اول الذکر شیر شاہ سوری بادشاہ کے دادا ابراہیم سور کا مقبرہ، اپنے فن تعمیر کے اعتبار سے ہندوستان کے خوبصورت ترین مقبروں میں شامل ہے، اس کا گنبد نہایت ہی رفیع الشان ہے، مقبرہ کے اندر کالے پتھر کی ایک مضبوط قبر ہے، جسکا تعویذ صحیح وسالم ہے اور اسکے علاوہ دو بچوں کی قبریں

ہیں وہ بھی کالے پتھر کی ہیں، دائیں طرف چھت پر جانے کے لئے ۳۴ / سیڑھیوں کا ایک زینہ ہے، اس کے اوپر چھتری بنی ہے، جو نہایت ہی مضبوط ہے البتہ چھجہ کچھ خستہ ہو رہا ہے، یہ چھتری ۸ / سیڑھیوں پر مشتمل ہے، اور اسکے اوپر کلس ہے اور وہ بھی کالے پتھر کا ہے، بائیں جانب بھی چھت پر جانے کیلیے ۳۴ / سیڑھیوں کا ایک زینہ ہے، اسکے اوپر ایک چھتری ہے، جو ۸ / ستونوں پر مشتمل ہے، یہ ستون بھی کالے پتھر کے ہیں البتہ زیبائش و آرائش سے مزین ہیں، اسی طرح دوسری جانب بھی دو ایسی ہی چھتریاں ہیں جن میں کالے پتھر استعمال ہوئے ہیں، جن سے ماتم و غم کا اظہار ہوتا ہے، ان تینوں مقبروں کے علاوہ قلی خاں کا مقبرہ بہت ہی عالیشان ہے، جس میں بخط کوفی فارسی کتبہ ہے، یہ مقبرہ بھی فنی اعتبار سے خاصی اہمیت رکھتا ہے، اور فن تعمیر سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے دلچسپی کا سامان پیدا کر سکتا ہے۔

مقبرہ ابراہیم سور، کی احاطہ بندی کر دی گئی ہے، یہ مقبرہ محکمہ آثار قدیمہ کے زیر انتظام ہے، مگر یہاں بھی انتظام ویسا ہی ہے جیسا کہ اس محکمہ کی طرف سے ہوا کرتا ہے۔

مدرسہ

مقبرہ ابراہیم سور، کے ملحق دائیں طرف ایک وسیع احاطہ ہے، جس میں چاروں طرف اونچی اونچی دیواریں ہیں، اس احاطہ میں دوسری عمارتوں کے ساتھ مدرسہ ابراہیم سور کی عالیشان عمارت بھی ہے، جس کو شیر شاہ سوری نے اپنے دادا کو ایصال ثواب پہونچانے کی نیت سے قائم کیا تھا، جس کی تفصیل "ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں" میں کچھ اسطرح ہے۔

"شیر شاہ سوری نے ایک مدرسہ نارنول میں قائم کیا، یہ مقام

اب ریاست پٹیالہ میں داخل ہے، مقام بوال جو حصار اور جے پور ریلوے کے درمیان میں ایک اسٹیشن ہے، وہاں سے پچھم بتیس ۳۲/ میل دور واقع ہے مدرسہ کی عمارت بہت بڑی اور شاندار تھی، شیر شاہ سوری کے دادا ابراہیم سور، کی قبر یہیں واقع ہے ایک کتبہ جو مدرسہ کی عمارت میں ابتک لگا ہوا ہے اس سے تاریخ تعمیر ۹۲۷ھ ظاہر ہوتی ہے، مدرسہ و مقبرہ کے تعمیری مصارف ایک لاکھ روپیہ سے زیادہ تھے، یہ مدرسہ شیر شاہ نے اپنے عہد حکومت سے پہلے دادا کے انتقال کے موقع پر بطور صدقہ جاریہ بنوایا تھا[۱]"

---

[۱] ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں، ص ۲۸،

مسجد درگاہ شاہ قادر قمیص اعظمؒ

ساڈھورہ ضلع جمنا نگر (ہریانہ) کا قدیم اور تاریخی قصبہ ہے جو ناگڑی ندی کے کنارے واقع ہے، یہ انبالہ شہر کے شمال مشرق میں تقریباً ۶۰ر کلومیٹر کے فاصلے پر ہے اور بڑا پر فضا و شاداب خطہ ہے۔ اس قصبہ کی قدامت مسلمہ ہے لیکن یہ امر تحقیق طلب ہے کہ یہ قصبہ کب آباد ہوا اور کس نے آباد کیا تھا اس سلسلہ میں تاریخ خاموش ہے چنانچہ اس کی صحیح تاریخ کی نشاندہی مشکل ہے البتہ امپیریل گزیٹیر آف انڈیا کی تحقیق کے مطابق یہ سلطان محمود غزنوی (۳۸۷ھ مطابق ۹۹۷ء تا ۴۲۱ھ مطابق ۱۰۳۰ء) کے دوران حکومت، آباد ہوا تھا جس کی حدود (تھانیسر تک وسیع ہو چکی تھیں [۱])، بعض تاریخ کی کتابوں میں مرقوم ہے کہ یہ قصبہ سلطان فیروز شاہ تغلق (متوفی ۷۹۰ھ مطابق ۱۳۸۸ء) کے زیر اثر رہا ہے، اس میں سلطان فیروز شاہ تغلق نے ایک کوشک (محل) بھی تعمیر کرایا تھا لیکن راقم السطور کو اس فیروز شاہی محل کو دیکھنے کا موقع نہیں ملا اور یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ محل کس حال میں ہے، یہاں پر مغل سلاطین کے عہد کے بھی کچھ آثار موجود ہیں، عہد مغل میں یہ قصبہ سرکار دہلی میں شامل تھا اور اس قصبہ کے علماء مشائخ منصب قضاء و افتا پر فائز رہے ہیں، اور یہاں کے قضاۃ کا بڑا علمی وقار تھا، اسی خطۂ پاک میں حضرت سید شاہ قادر قمیص اعظمؒ کا روضہ بھی ہے جو قصبہ کی عظمت

---

[۱] حضرت قادر قمیص اعظمؒ، حیات و کرامات، ص ۶۸،

کی واضح دلیل ہے۔

حضرت شاہ قادر قمیص اعظمؒ کی شخصیت

حضرت شاہ سید قادر قمیص اعظم قادریؒ اپنے عہد کے جلیل القدر شیخ طریقت روحانی پیشوا اور سلسلہ قادریہ کے امام و ترجمان تھے، آپ کا سلسلہ نسب دس واسطوں سے پیران پیر حضرت سید عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے جا ملتا ہے۔

حضرت قمیص اعظمؒ کی ولادت باسعادت کی صحیح تاریخ کا علم نہیں، آپ کے تذکرہ نویسوں نے اس مسئلہ میں لاعلمی کا اظہار کیا ہے البتہ ایک روایت کے مطابق آپ کی ولادت (۹۲۱ھ مطابق ۱۵۱۹ء میں بنگالہ کے دار السلطنت گوڑھ (لکھنوتی) موجودہ مرشد آباد میں ہوئی تھی، آپکے والد ماجد حضرت سید شاہ ابو الحیات قادریؒ تھے اور آپ کی والدہ ماجدہ سلطان شاہ حسین والی ملک بنگالہ (متوفی ۹۲۵ھ مطابق، ۱۵۱۹ء) کی شاہزادی تھیں جنکے بطن سے تین صاحبزادے تولد ہوئے۔

حضرت قمیص اعظم قادریؒ، بھائیوں میں منجھلے تھے لیکن آپ ہی کے دم قدم سے علم و عرفان کا چراغ روشن ہوا انہوں نے علوم ظاہری و باطنی کی تحصیل و تکمیل اپنے والد بزرگوار حضرت سید شاہ ابو الحیاتؒ سے کی تھی، آپ کے اندر عنفوان شباب ہی سے خوف خدا کا غلبہ تھا اور آپ اصلاح و تربیت کیلئے فکر مند رہتے تھے۔

مشہور محدث و مورخ اور معاصر بزرگ حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ نے معاصرت کے باوجود بڑے وقیع الفاظ میں آپ کے علم ظاہر و باطن کا ذکر کیا ہے۔

جامع است میان علم شریعت و طریقت از اول	(حضرت قادر قمیص اعظم قادریؒ)
فطرت بر نشاۂ عبادت و تقوی و صلاح بر آمدہ بر	علم شریعت و طریقت کے جامع
عصمت ذاتی نشو و نما یافتہ و بعد تحصیل علوم دینی	ہیں بچپن ہی سے آپ کی طبیعت

بہ تہذیب اخلاق و تبدیل صفات موافق شدہ[1]۔ عبادت و پرہیز گاری اور اصلاح حال کی طرف مائل تھی، آپ نے فطری صلاحیت کے ساتھ پرورش پائی اور دینی علوم کے حصول سے اپنے اخلاق و عادات کی تہذیب فرمائی، اور اعلیٰ صفات سے اپنے آپکو آراستہ فرمایا۔

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ نے آپ کے روحانی اوصاف و کمالات کے متعلق مزید لکھا ہے کہ:

"الحق دریں زماں در زمرہ درویشاں و سالکاں ایں چنیں مردم در سلوک ایں طریق و رسوخ قدم و اتباع سنت حضرت سید المرسلین ﷺ نادر و عزیز الوجود اند[2]"۔

سچ یہ کہ اس زمانے کے سالکوں اور درویشوں کے گروہ میں ایسے باکمال جو سنت نبوی ﷺ کی پیروی اور اتباع میں اتنے ثابت قدم، اتنے بارسوخ اور لائق اعتماد ہوں (جیسے حضرت قادر قمیصؒ) نادر و نایاب ہیں۔

ساڈھورہ میں آمد

حضرت قمیص اعظم قادریؒ گوڑھ (لکھنوتی) سے حج بیت اللہ کیلئے روانہ ہوئے اور فریضۂ حج کی ادائیگی کے بعد بغداد تشریف لے گئے اور بغداد میں حضرت شاہ عبدالقادر جیلانیؒ کی طرف سے عالم سر میں آپ کو ہدایت ملی کہ تم ہندوستان جاؤ اور ساڈھورہ تمہارا مستقر ہے چنانچہ حضرت جیلانیؒ کی ہدایت کے مطابق ہندوستان واپس ہو گئے اور مختلف مقامات اور شخصیات سے ملتے ملاتے ساڈھورہ پہنچ گئے اور اخفاء حال کے باوجود چند خوارق و کرامات کا ظہور ہوا۔ گردو نواح میں آپ کی ان کرامتوں کی بڑی شہرت ہوئی عوام تو عوام علماء و مشائخ بھی آپ کے

---

[1] اخبار الاخیار، ص ۱۹۵، [2] ایضاً، ص ۱۹۵،

گرویدہ ہو گئے، حضرت سید عبدالوہاب ترمذیؒ، قاضی ابو المکارمؒ اور سید نصر اللہ واسطیؒ جیسے علماء، مشائخ اور معززین شہر آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے۔

حضرت سید نصر اللہ واسطیؒ جو خود صاحب حال و قال نجیب الطرفین بزرگ تھے انہوں نے اپنی صاحبزادی بی بی عائشہؒ کو آپ کی زوجیت میں دے دیا، اسکے بعد آپ نے ساڈھورہ میں مستقل سکونت اختیار کرلی بی بی عائشہ مرحومہ کے بطن سے دو صاحبزادے ہوئے بڑے صاحبزادے کا نام سید شاہ محمد قادریؒ تھا اور دوسرے صاحبزادے کا نام سید شاہ ابو المکارم قادریؒ تھا۔

ہمایوں بادشاہ

حضرت قمیص اعظمؒ اپنی خانقاہ میں رشد و ہدایت اور دعوت و تبلیغ میں مشغول تھے کہ ہمایوں بادشاہ کابل سے ہندوستان میں داخل ہوا اور سرہند میں سلطان سکندر لودھی سے سخت مقابلہ ہوا سکندر لودھی ہمایوں سے شکست کھا کر فرار ہو گیا، اس کے بعد ہمایوں بادشاہ فاتحانہ طور پر دہلی لوٹا دوران جنگ، سرہند کے بے گناہ باشندوں کو بھی مالی و جانی نقصان پہنچا تھا اور کچھ قیدی بھی بنالئے گئے تھے جن میں حضرت قمیصؒ کے معتقدین و مریدین بھی تھے، جب حضرت کو علم ہوا کہ باشندگان پنجاب پر ظلم ہوا ہے اور بہت سے قیدی بنالئے گئے ہیں تو حضرت قمیصؒ بے حد آزردہ خاطر ہوئے اور ہمایوں بادشاہ سے ملاقات کی غرض سے خانقاہ سے نکل پڑے، راستہ میں بادشاہ سے ملاقات ہوئی، حضرت قمیصؒ نے بادشاہ سے کہا، کہ اے بادشاہ ان بے گناہ ہندوستانی قیدیوں کو چھوڑ دیجئے۔

ہمایوں بادشاہ نے امیر الامراء بیرم خاں سے دریافت کیا کہ یہ درویش کیا کہہ رہے ہیں، بیرم خاں نے بادشاہ سے کہا کہ یہ درویش ہیں اور کہتے ہیں کہ ہندی قیدیوں کو چھوڑ دیجئے، جب بیرم خاں نے اپنی بات پوری کرلی تو آپ نے

ہمایوں بادشاہ سے کہا کہ دریا عبور کرتے ہوئے آپ نے جو عہد و پیمان کیا تھا وہ شاید آپ کو یاد نہیں رہا، یہ سنتے ہی بادشاہ گھوڑے سے اتر پڑا اور بڑے ادب واحترام کے ساتھ مصافحہ کیا۔

آپ نے خصوصی ملاقات میں بھی ہندی قیدیوں کی، رہائی پر زور دیا تھا اور کہا تھا کہ قیدیوں کو چھوڑ دو تمہیں اور تمہاری اولاد کو دہلی کی بادشاہت مبارک ہو چنانچہ بادشاہ نے جملہ قیدیوں کی رہائی کا حکم صادر کر دیا۔

واقعہ یہ ہوا تھا کہ ہمایوں بادشاہ نے دریا عبور کرتے وقت امیر الامراء بیرم خاں سے مشورہ کیا تھا کہ اگر اس دفعہ ہندوستان کی فتح نصیب ہوئی تو ہم مخالف ہندوستانیوں کو قید نہیں کریں گے، فتحیابی کے بعد بادشاہ کو اپنا عہد یاد نہیں رہا، حضرت قمیصؒ نے بذریعہ کشف اس واقعہ کی اطلاع دی تو بادشاہ چونک پڑا اور آپ کا معتقد ہو گیا اور بیرم خاں تو آپ کا باضابطہ مرید بھی ہو گیا تھا۔

ہمایوں بادشاہ نے خانقاہ کے درویشوں کے مصارف کے لئے ساڈھورہ کو آپ کی نذر کی پیشکش کی تو حضرت قمیصؒ نے یہ کہہ کر بادشاہ کی پیش کش نامنظور کر دی کہ خانقاہ کے درویش متوکل ہیں اگر ان کے لئے قصبہ ساڈھورہ قبول کر لیا گیا تو وہ متوکل نہ رہیں گے بلکہ جاگیردار بن جائیں گے اور توکل کی برکت سے محروم ہو جائیں گے، اس کے بعد آپ نے ہمایوں بادشاہ کو رخصت کیا اور بادشاہ دہلی پہنچتے ہی تخت نشیں ہوا لیکن کچھ دنوں کے بعد ہی انتقال ہو گیا[1]۔

وفات

حضرت قمیص اعظمؒ ایک تقریب میں شرکت کیلئے گوڑھ (مرشد آباد) تشریف لے گئے تھے، وہیں گوڑھ میں ۹۹۲ھ میں واصل الی اللہ ہو گئے، آپ کی

---

[1] حضرت قادر قمیص اعظم حیات و کرامات، ص ۱۴۰،

لاش بنگالہ سے ساڈھورہ لائی گئی اور ساڈھورہ کے ایک باغ میں مدفون ہوئے۔

درگاہ قمیص اعظمؒ

حضرت قمیص اعظمؒ کی درگاہ کا رقبہ بہت ہی وسیع و عریض ہے جس کی پختہ چہاردیواری ہے۔ درگاہ کے موجودہ سجادہ نشین سید شاہ عبدالقیوم قادری صاحب کا بیان ہے کہ درگاہ کی زمین ۴۰ ار ایکڑ ہے جو احاطۂ درگاہ میں ہے اسکے علاوہ بھی کافی زمین تقریباً ۱۶۰ ار ایکڑ ہے جو درگاہ کے مصارف کے لئے ہے۔

آج آپ جہاں محو استراحت ہیں وہاں کبھی باغ تھا اب تو وہاں کا باغ ختم ہو گیا ہے مگر روحانی باغ موجود ہے جسکا فیض جاری ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ آپ کی درگاہ مرجع خلائق ہے پنجاب و ہریانہ کے علاوہ ملک و بیرون ملک سے زائرین و معتقدین آتے ہیں اور روحانی فیض حاصل کرتے ہیں۔

آپ کی درگاہ کا صدر دروازہ جنوب میں ہے جو کافی خوبصورت ہے، اسکے دائیں بائیں دو چھوٹے دروازے ہیں مگر ان میں کوئی خاص قابل ذکر بات نہیں، صدر دروازے میں بورڈ لگا ہوا ہے جس میں یہ مضمون مرقوم ہے۔

درگاہ سید شاہ قادر قمیص الاعظم

حکیم پیرزادہ سید شاہ عبدالباسط قمیصی قادری

ساڈھورہ شریف، جمنانگر، ہریانہ

صدر دروازے کے دائیں بائیں طرف حجرے بنے ہوئے ہیں جن میں زائرین مقیم ہوتے ہیں، صدر دروازے میں داخل ہوتے ہی حضرت سید قمیص اعظمؒ کا عظیم الشان مقبرہ نظر آتا ہے۔ صدر دروازے سے مقبرہ تک جانے کیلئے ایک راستہ ہے جس کے دونوں طرف پھولوں کے سبز و شاداب پودے ہیں ویسے بھی احاطہ درگاہ میں مختلف قسم کے درخت ہیں۔

اسی راستہ پر دو سو قدم چلنے کے بعد حضرت قادر قمیص اعظمؒ کا روضہ آتا ہے جس کے چاروں طرف پختہ چبوترے ہیں جن پر زائرین بیٹھتے ہیں، چبوترہ پر جانے کیلئے دو تین سیڑھیاں چڑھنی پڑتی ہیں سامنے ہی روضہ کا دروازہ ہے جو قدیم طرز کا بنا ہوا اور خوبصورت ہے، روضہ بلند و مرتفع ہے، روضہ کی عمارت ۲۲ ر فٹ ۸ ر انچ گول ہے اس میں چبوترہ شامل نہیں ہے، مقبرہ چونے اور لکھوری اینٹوں کا بنا ہوا ہے، عام طور پر ہریانہ و پنجاب کی عمارتوں میں لکھوری اینٹیں استعمال ہوئی ہیں۔

مقبرے کے چاروں کونوں پر چار مینار ہیں جو کوئی خاص دیدہ زیب نہیں، مقبرے پر کوئی لوح، کتبہ بھی نہیں ہے، اس مقبرے کے بغل میں دائیں طرف دو چھوٹے چھوٹے مقبرے ہیں، حضرت قمیص اعظمؒ کے روضہ سے ملحق مقبرہ آپ کے صاحبزادے شاہ محمد قادریؒ کا ہے، یہ ۱۱ ر فٹ ۷ ر انچ مربع اور ۷ ار فٹ ۸ ر انچ لمبا ہے، اور اس مقبرہ کا گنبد کوہان نما ہے حالانکہ مقبرہ حضرت قمیص الاعظمؒ کا گنبد شلغمی طرز و انداز کا بنا ہوا ہے۔

حضرت شاہ محمد قادریؒ کے مقبرہ کے ملحق بائیں ایک اور مقبرہ ہے جو حضرت قمیص اعظمؒ کے مقبرے سے چھوٹا اور حضرت شاہ محمد قادریؒ کے مقبرے سے کچھ بڑا ہے اور اس مقبرہ کا گنبد بھی شلغمی طرز کا ہے جو ۲۰ ر فٹ مربع ہے، ان تینوں مقبروں کے سامنے ایک اور مقبرہ ہے جو ۲۰ فٹ مربع ہے جو آپ کے کسی معتقد کا ہے جو کبھی ڈاکو تھے لیکن حضرت کی صحبت کیمیا اثر کی وجہ سے تائب ہو گئے تھے۔

ان پختہ مقبروں کے علاوہ بھی بہت سے مزارات ہیں جن میں اکثر و بیشتر آپ کے معتقدین و منتسبین ہیں۔

درگاہ کی مسجد

درگاہ حضرت قمیص اعظمؒ سے تقریباً تین سو فٹ کے فاصلے پر جنوب، مغرب کی طرف ایک وسیع مسجد ہے جو درگاہ کی مسجد کے نام سے مشہور ہے، کہتے ہیں کہ یہ مسجد عہد جہانگیری کی تعمیر ہے جو لکھوری اینٹوں کی بنی ہوئی ہے اور نہایت ہی دیدہ زیب و خوشنما ہے۔

کتبہ

مسجد کی پیشانی پر ایک کتبہ موجود ہے مگر یہ کتبہ مٹی میں دبا ہوا ہے جو پڑھنے میں بالکل نہیں آتا، درگاہ کے موجودہ صاحب سجادہ جناب سید شاہ عبد القیوم قادری صاحبؒ جو خلیق و ملنسار آدمی ہیں، نے کتبہ کو صاف کرانے کے بعد راقم الحروف کو بھیجنے کا وعدہ کیا تھا لیکن اب تک اس سلسلہ میں آپ کا کوئی خط نہیں آیا اگر کتبہ آجاتا تو اس کی تاریخ تعمیر کی تعیین میں بڑی مدد ملتی۔

راقم الحروف کا خیال ہے کہ یہ مسجد درگاہ کے ساتھ ہی تعمیر ہوئی ہے چونکہ مقبروں میں جو میٹریل استعمال ہوا ہے وہی میٹریل مسجد کی تعمیر میں بھی استعمال ہوا ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ درگاہ میں اس کے علاوہ کوئی مسجد نہیں ہے اور اتنی عظیم الشان درگاہ میں جسکے دونوں طرف زائرین کے حجرے بنے ہوں، لنگر خانہ، نقار خانہ اور ہال ہو اور وہاں مسجد نہ ہو یہ ممکن نہیں اور درگاہوں کے آداب کے بھی خلاف ہے۔

صدر دروازہ

مسجد کا صدر دروازہ مشرق میں ہے، صدر دروازے کے سامنے تقریباً ۲۰/۲۵/ فٹ کے فاصلے پر نقار خانہ کی عمارت نیم شکستہ حالت میں ہے اور صدر دروازہ اور نقار خانہ کے درمیان ایک پختہ قبر ہے، صاحب قبر کا نام معلوم نہیں، مسجد کا صدر دروازہ قدیم ہے اس کے بعد مسجد کا کچا صحن شروع ہوتا ہے جو ۳۶/ فٹ

چوڑا اور ۹۱/ فٹ لمبا ہے اس میں ایک کنواں ہے جس کی پختہ چہار دیواری ہوئی ہے، مسجد کے چاروں طرف کھلا ہوا میدان ہے۔

بر آمدہ

مسجد کا وسیع بر آمدہ ہے جو ۱۳/ فٹ چوڑا اور ۶۵/ فٹ لمبا ہے، ۹/ در کا ہے جس میں سے آٹھ در اینٹوں سے بند کر دیئے گئے ہیں، اس بر آمدہ کی محرابی دیوار پر کتبہ کا نشان ہے۔

اندرون مسجد

بر آمدہ کے بعد اصل مسجد ہے جسے بیت الصلوۃ کہتے ہیں، اصل مسجد ۱۶/ فٹ ۳/ انچ چوڑی ۴۰/ فٹ ۷/ انچ لمبی ہے، مغربی دیوار نہایت ہی مخدوش حالت میں ہے، منبر کے دائیں طرف کی دیوار ٹوٹ رہی ہے، دیوار کی ٹوٹی ہوئی اینٹیں بکھری ہوئی تھیں، اس کی چھت بھی مخدوش حالت میں ہے جو فوری طور پر مرمت طلب ہے، چھت میں دراڑیں پڑی ہوئی ہیں اس کا فرش بھی ٹوٹ پھوٹ رہا ہے، خود منبر بھی شکستہ ہے مسجد کی مجموعی حالت تکلیف دہ ہے۔

مسجد کی ناگفتہ بہ حالت

مسجد موجودہ صاحب سجادہ کی خصوصی توجہ چاہتی ہے، مسجد میں کوئی خاص صناعی، میناکاری اور نقاشی نہیں ہے، درگاہ کی مناسبت سے سادگی ملحوظ رکھی گئی ہے جو ایک اچھی بات ہے، مسجد تین در کی ہے جن میں لکڑی کے کواڑ لگے ہوئے ہیں، جن کے آثار ۳/ فٹ چوڑے ہیں تین گنبد ہیں، درمیانی گنبد بڑا ہے اور دائیں بائیں گنبد چھوٹے ہیں جو مخروطی طرز کے بنے ہوئے ہیں ان کے کلس محفوظ ہیں اور گنبد بھی لکھوری اینٹوں سے بنے ہوئے ہیں جن پر سفیدی ہوئی ہے۔

۱۹۴۷ء کے خوں آشام ھنگاموں کے بعد اس مسجد پر شر نار تھیوں نے

قبضہ کر لیا تھا لیکن ۱۹۵۲ء میں مشہور مجاہد آزادی خان عبدالغفار خاں انبالوی کی جدو جہد سے مسجد خالی ہوئی اور اسی وقت سے نماز باجماعت ہوتی ہے۔ خاص طور پر عرس کے موقع پر بڑا مجمع ہوتا ہے، یہ مسجد اور درگاہ کسٹوڈین کی غیر قانونی حرکتوں کے باوجود آباد ہے، اللہ کا شکر ہے۔

جامع مسجد فرید آباد

فرید آباد، صوبہ ہریانہ کا ایک مشہور صنعتی ضلع ہے، جو دلی سے ۳۲ر کلو میٹر کے فاصلے پر جنوب کی سمت میں شیر شاہ سوری، سڑک (جی ٹی روڈ) کے کنارے واقع ہے، جہاں زیادہ تر بڑی بڑی فیکٹریاں ہیں، اور شاندار رہائشی کوٹھیاں بھی ہیں، اب کثرت آبادی کی بناء پر دلی اور فرید آباد کا فاصلہ بہت ہی مختصر ہو کر رہ گیا ہے، بلکہ فرید آباد کو دلی کا ایک حصہ کہا جائے تو شاید غلط نہ ہو۔

فرید آباد ایک قدیم ترین آبادی ہے، جہاں ہمیشہ شرفاء و نوابین رہے ہیں، فرید آباد کے مشہور نواب سید احمد شفیع نیر فرید آبادی تھے، جو بلند پایہ ادیب و شاعر تھے، وہ ایک ناول ''کینولا'' کے مصنف بھی تھے، آپ کچھ عرصہ تک فرید آباد سے ایک ماہوار رسالہ ''تہذیب'' بھی نکالتے رہے، جو ادبی حلقوں میں خوب پڑھا جاتا تھا۔

سید احمد شفیع نیر ۱۸۶۷ء میں فرید آباد میں محلہ سیدواڑہ میں پیدا ہوئے، اور ۲۹ر سال کی عمر میں ۱۹۰۲ء میں یہیں وفات پائی ان کا ایک مشہور شعر ہے: ع

جمع ہیں میکش دیر مغاں میں
پوچھو تو نیر آج کہاں ہیں

آپ کے دو نامور صاحبزادے تھے، ایک سید ہاشمی فرید آبادی اور دوسرے سید مطلبی فرید آبادی، اول الذکر ۱۸۱۹ء میں فرید آباد میں پیدا ہوئے، آپ ۲۶ر کتابوں کے مصنف تھے، شعر و شاعری سے بھی تعلق تھا، آپ نے طالب علمی ہی

میں طرابلس اور بلقان کی جنگوں کے دوران پرجوش نظمیں لکھیں، ان سے طلبائے مدرسۃ العلوم علی گڑھ میں، بہت مقبول ہوئے، جس کی پاداش میں مدرسۃ العلوم علی گڑھ سے نکالے گئے، آپ نے مسجد کانپور کی شہادت کے واقعہ سے متاثر ہو کر ایک نظم لکھی جس میں یوپی کے انگریز گورنر جیمس مسٹن کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا: ع

اے قہرمان عارضی اے عامل نمرود وش
شیدائی نصرانیت اے مسند پطرس نشیں

آپکو مولوی عبدالحق بابائے اردو اور مولانا محمد علی جوہر کے ساتھ کام کرنیکا موقع ملا بعد میں مولانا محمد علی جوہرؒ سے آپ کا اختلاف بھی ہوا، چونکہ آپ پر حسرت موہانی کا رنگ غالب تھا، تقسیم ملک کے بعد آپ پاکستان منتقل ہو گئے تھے، وہاں انجمن ترقی اردو کے جوائنٹ سکریٹری کے فرائض انجام دیتے رہے، آپ کا انتقال ۱۹۶۴ء میں بمقام لاہور ہوا، آخر الذکر انجمن ترقی پسند مصنفین کے بانیوں میں سے تھے، آپ بھی ایک اچھے ادیب و شاعر تھے، ۱۹۴۷ء میں فرید آباد سے پاکستان منتقل ہو گئے تھے، لیکن وہ اپنے وطن عزیز کو بھلا نہیں سکے ایک دفعہ جب فرید آباد آئے وہاں سے واپسی پر ایک نظم کہی، جسکا عنوان تھا، "رخصتی سلام" اس نظم کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں: ع

پرانے چند نشاں بھی ہیں غم میں ڈوبے ہوئے
نئی ابھرتی ہوئی صنعتوں سے شرمندہ
فلک مقام عمارات دل کشا سڑکیں
نئی وہ نسل کہ آنکھوں میں عقل تابندہ
سلام میری جنم بھومی تجھ کو لاکھ سلام
غم و خوشی کو لئے آج یاں سے جاتا ہوں

بھنچے، دبے ہوئے ہونٹوں میں گا رہا ہوں ضرور
ولے بتا نہیں سکتا کہ کیا میں گاتا ہوں
یہاں سے دور نئے جھونپڑے بناتا ہوں
پر اعتماد قدم ہر قدم اٹھاتا ہوں
مجھے عزیز ہیں اپنے مقاصد عالی
انہی کے جھنڈے اڑاتا ہوں گیت گاتا ہوں

آپ کا انتقال ۱۹۷۸ء میں لاہور میں ہوا، ۱۹۴۷ء کے فرقہ وارانہ فساد میں سید احمد شفیع نیر فرید آبادی اور انکے صاحبزادے سید ہاشمی فرید آبادی اور سید مطلبی فرید آبادی کا ذاتی کتب خانہ بھی لوٹ لیا گیا تھا، اور یہ علم دوست حضرات خالی ہاتھ پاکستان ہجرت کر گئے تھے، منشی نیاز الدین صاحب مالک کتب خانہ انجمن ترقی اردو دہلی، جامع مسجد بھی فرید آباد کے رہنے والے ہیں، آپ کے دادا حکیم نصیر الدین صاحب اور والد حکیم عزیز الدین صاحب دونوں حاذق حکیم تھے اور منشی جی بڑے صاحب دل آدمی ہیں اللہ تعالیٰ ان کا سایہ تادیر قائم رکھے۔

مشہور غیر مسلم شاعر جاوید وشسٹ فرید آباد کے رہنے والے تھے، سید ابو تمیم بھی یہیں کے باشندے تھے، ان کی مشہور تصانیف میں ملا فدوی، واردات لاہور اور لال دیوار وغیرہ ہیں۔

فرید آباد میں ۱۹۴۷ء سے قبل مسلمانوں کی اچھی خاصی تعداد تھی، یہاں مساجد، مقابر اور وقف جائیدادیں بھی ہیں ۴۷ء کے بعد بیشتر وقف جائیدادوں پر ناجائز قبضے ہو گئے، کچھ اپنوں اور کچھ غیروں کی وجہ سے یہاں کی وقف جائیدادیں تباہ ہوئی ہیں، قدیم فرید آباد میں فتح پور چندیلہ گاؤں (ریلوے لائن اور متھرا روڈ، بڈھکل پل کے نزدیک) میں ۶۰ / بیگھ وقف زمین تھی، جو شاہی مسجد فرید آباد کی ملکیت

میں تھی جس میں کاشت ہوتی تھی، اب اس میں سرین صاحب اور سراج پراچہ صاحب کے کارخانے ہیں، جس کے خلاف، پنجاب وقف بورڈ نے مقدمہ کیا ہے، اس کے علاوہ بھی یہاں بہت سے او قاف دوسروں کے ناجائز قبضوں میں ہیں۔

۱۹۸۱ء میں مردم شماری کے مطابق فرید آباد کی مجموعی آبادی، ۲۴۰،۷۷،۱۴ر تھی جس میں مسلمانوں کی تعداد ۲۰ر ہزار ہوگی اس ضلع میں بھی میواتی مسلمان آباد ہیں، اور یہاں بہت سے، مسلم گاؤں ہیں۔

فرید آباد

فرید آباد شیخ فرید بخاریؒ کا بسایا ہوا شہر ہے، شیخ فرید بخاریؒ اکبر کے مصاحبین مخلصین میں تھے، شیخ فرید بخاری لاہور اور گجرات کے گورنر بھی رہے اور دوسرے مناصب جلیلہ پر بھی فائز رہے۔

اکبر بادشاہ نے شیر شاہ سوری کے ولی العہد سلیم شاہ کا تعمیر کردہ سلیم گڑھ جو جمنا کے کنارے، لال قلعہ کے مقابل، میں ہے، جس میں آج کل میموزیم ہے، انہیں بطور جاگیر دیا تھا، جس میں شیخ کا قیام تھا، اسی سلیم گڑھ میں اکبر بادشاہ دہلی میں قیام کے دوران اکثر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا، جسکا ذکر تزک جہانگیری میں موجود ہے۔

شیخ فرید بخاریؒ نور الدین جہانگیر کے دور اقتدار میں بھی بڑے مقرب و معتمد رہے ہیں، آپ نے شاہزادہ خسرو اور جہانگیر کے جھگڑے میں جہانگیر کا ساتھ دیا تھا اور آپ نے ہی خسرو کو دریائے بیاس کے کنارے شکست دی تھی جس کے صلہ میں جہانگیر کی طرف سے ''مرتضٰی خاں'' کے خطاب سے سرفراز کیئے گئے تھے۔

تعمیرات کا ذوق

اللہ تعالیٰ نے شیخ فرید بخاریؒ کو تعمیرات کا بڑا اصاف ستھرا ذوق دیا تھا، آپ کو تعمیرات کرانے کے مواقع اور وسائل وذرائع بھی میسر تھے، موصوف کو لاہور گجرات، پنجاب، ہریانہ، اور دہلی میں رہنے کا اتفاق ہوا ہے، آپ جہاں بھی گئے وہاں کوئی نہ کوئی تعمیر ضرور کرائی، جب وہ ابتدائی دور میں سلیم گڑھ میں مقیم تھے، اس میں بھی کئی مکانات تعمیر کرائے تھے، بہادر شاہ ظفر مارگ پر (جہاں آج کل مولانا آزاد میڈیکل کالج ہے) سرائے فرید بخاری تھی، جس کا ذکر سر سید احمد خاں نے آثار الصنادید میں کیا ہے، اور اس کا نقشہ بھی پیش کیا ہے، انگریزوں نے سرائے کی عمارت میں تھوڑی بہت ترمیم واضافہ کر کے جیل خانہ بنادیا تھا، لاہور میں بھی انہوں نے مسجد تعمیر کی تھی، جسکا ذکر عبداللہ چغتائی نے ''مساجد لاہور'' میں کیا ہے، مگر اب یہ مسجد شہید ہو چکی ہے، شیخ صاحب نے لاہور میں کوئی مارکیٹ بھی بنوائی تھی، لیکن اسکی تفصیل نہیں ملتی، گجرات کی تعمیرات بڑی اہمیت رکھتی ہیں، احمد آبادی عالم وجیہہ الدین کا روضہ اور یہاں کی مسجد انکی تعمیر کردہ ہے، احمد آباد میں ایک محلہ بھی تعمیر کیا تھا، جو انکے نام پر بخاری محلہ کہلاتا ہے، شیخ فرید بھکری نے اپنی تصنیف ''ذخیرۃ الخوانین'' میں شیخ فرید بخاریؒ کی شخصیت اور انکی تعمیرات پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے، چنانچہ لکھتے ہیں۔

''خلق وتواضع وملائمت خاصہ صفات اوبودہ، ہیچ کس درشتی نکردہ ودر لاہور واکبر آباد وگجرات ودہلی وفرید آباد، رباط وسراہا وکہٹرا وخانقاہ وتالاب بنا نمودہ، وامام ومؤذن وجاروب کش در مساجد مقرر کردہ حاصل بازار وکٹہرہ را بصرف ماہیانہ آں مردم کردہ وسراہا او وقف کردہ، کہ ہر دم آئندہ وروندہ بے اجورہ بودہ باشند وخرچ بھٹیارہا کہ نگہبان سرا، ودروازہ اندازد کا کین کہ بنا کردہ او ستہ بودہ باشد، آنچہ در علم صفات حسنہ منحصر بر ذات حمیدہ صفات ومحسن

عادات اوبودہ [۱]"

حضرت مجدد الف ثانیؒ ایک خط میں ان کی تعمیرات مساجد کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :

"ایک درویش لاہور کی طرف سے آیا ہوا تھا، اس نے بیان کیا کہ شیخ جیو پرانی منڈی کی جامع مسجد میں نماز جمعہ کیلئے حاضر ہوئے تھے، اور میاں رفیع الدین نے آپ کے التفات کے اظہار کے بعد کہا کہ نواب شیخ جیو نے اپنی حویلی میں جامع مسجد بنائی تھی، (یہ ان دنوں کا ذکر ہے، جب نواب شیخ فرید لاہور کے گورنر تھے) الحمد للہ علیٰ ذالک، حق تعالیٰ آپ کو زیادہ توفیق عنایت فرمائے مخلصوں اور یاروں کی اس قسم کی باتیں سنکر بہت ہی خوشی حاصل ہوتی ہے [۲]"۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اپنی مشہور تصنیف انفاس العارفین میں شیخ فرید بخاری کا ذکر کیا ہے، شیخ فرید بخاریؒ نے ایک رفاہ عام کی عمارت کی تعمیر کی خوشی میں ایک ضیافت کی تھی شاہ صاحبؒ نے اس کا بھی تذکرہ کیا ہے، جس میں عمائدین شہر شریک ہوئے تھے، چنانچہ لکھتے ہیں :

"شیخ فرید بخاری کہ از اعاظم امرائے آں زمان بود، و جامع بود در میان نجابت و صلاح و اعتقاد مشائخ صوفیہ، عمارتے تعمیر داد، کاروانسرائے مشہور یادیگرے [۳]"۔

جامع مسجد فرید آباد

جامع مسجد فرید آباد ایک گھنی اور گنجان آبادی میں واقع ہے، جسکے مشرقی صدر دروازے کے دونوں طرف دکانیں اور مکانات ہیں، ان دکانوں اور مکانوں

---

[۱] ذخیرۃ الخوانین مطبوعہ [۲] رود کوثر، ص ۱۸۴، [۳] رود کوثر، ص ۱۸۴،

کی وجہ سے مسجد کا حسن و جمال متاثر ہو رہا ہے، حالانکہ صدر دروازہ پر ایک خوشنما ڈیوڑھی ہے اس کے بعد وسیع و عریض پر رونق صحن کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، جس سے ملحق دائیں طرف حجرہ ہے جو ۱۲۱۳ھ کی تعمیر ہے، جس میں ایک بڑا مزار اور دو چھوٹے مزار ہیں، حجرہ کی روکار پر "منزل جاودانی اعظم" لکھا ہوا ہے، بائیں طرف وضوخانہ وغیرہ ہے صدر دروازہ سے ملحق دائیں مسجد کے امام و خطیب مولانا نور محمد صاحب چندینی کا رہائشی حجرہ ہے، صحن صاف ستھرا ہے، جس میں سنگ سرخ کے چوکے بچھے ہوئے ہیں، جس کی لمبائی ۶۸ ر فٹ ۸ ر انچ اور چوڑائی ۱۴۸ ر فٹ ۱۱ ر انچ ہے، صحن کی احاطہ بندی ہوئی ہے، اور یہ سب مولانا نور محمد صاحب کی کرائی ہوئی ہے۔

فارسی کتبہ

جامع مسجد فرید آباد ۱۰۱۴ھ میں تعمیر ہوئی تھی، جس کے بانی شیخ فرید بخاریؒ تھے، جنہوں نے فرید آباد، آباد کیا تھا، مسجد کی پیشانی پر یہ فارسی کتبہ کندہ ہے۔

یا اللہ

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

بعہد شاہ نور الدین جہانگیر   شہنشاہی بدیں و داد واحسان
اساس ایں بنامی خیر بنہاد   فرید عصر ملت مرتضیٰ خاں
بعز و شوکت وجود و شجاعت   خلف ابن الخلف تا شاہ مرداں
رقم خیر البقاع از خامہ سپر زد   پے تاریخ ایں جاوید بنیان،

۱۰۱۴ھ

یہ مسجد تین در کی ہے، جس کے درمیانی در میں دائیں بائیں دو گول دائرے ہیں، جن میں کلمہ طیبہ لکھا ہوا ہے، اسی طرح دونوں طرف چھت پر چڑھنے کیلئے

۱۹ار سیڑھیوں کے دو تنگ زینے ہیں، چھت کے اوپر بھی دو محرابیں بنی ہیں، ان میں بھی دو گول دائرے ہیں اور ان میں یابدوح لکھا ہے۔

مسجد میں سر دست ایک ہی گنبد ہے، جو وسط میں ہے، اس گنبد کے اوپر جانے کے لئے ۷-۷ سیڑھیوں کے دو زینے ہیں، دائیں بائیں کے گنبد شہید ہو چکے ہیں، مغربی و جنوبی جانب صرف ایک مینار باقی ہے، باقی سات مینار شہید ہو چکے ہیں، مولانا نور محمد صاحب کا بیان ہے، (جو ۱۹۶۰ء سے اس مسجد میں امام و خطیب ہیں) کہ جب میں امام ہو کر اس مسجد میں آیا تھا اسوقت بھی یہ تمام مینار شہید تھے، گمان غالب ہے کہ ۴۷ء میں ان میناروں کو ظالموں نے نقصان پہنچا دیا ہو۔

اندرون مسجد

مسجد کی چھت کافی اونچی ہے، جس کی وجہ سے مسجد، گرمی کے دنوں میں بھی ٹھنڈی رہتی ہے، اور اس میں نماز پڑھنے میں بڑا سکون حاصل ہوتا ہے، اندرون محراب چار گول دائروں میں کلمہ طیبہ لکھا ہوا ہے، دائیں بائیں بھی دو، دو گول دائروں میں کلمہ ہے، شمال و جنوب کی دونوں محرابوں کے اوپر دو گول دائروں میں کلمہ کندہ ہے، درمیانی محراب کے دونوں جانب دو چھوٹے چھوٹے طاق ہیں، مسجد کے نیچے تہہ خانہ ہے، اور تہہ خانے کے دروازے پر ٹوپن داس[1] کا قبضہ ہے، جو

---

[1] جامع مسجد کے ملحق دائیں جانب ایک قدیم عمارت ہے، جس میں کئی کمرے بنے ہوئے ہیں یہ عمارت لکھوری اینٹوں کی بنی ہوئی ہے اس میں تین محرابیں ہیں جن میں سے دو محرابیں بند کر دی گئیں ہیں، اس کے علاوہ کتالی پتھر کا بنا ہوا ایک وسیع و عریض کمرہ ہے، اس احاطہ میں ایک مقبرہ بھی ہے جو آج بھی موجود ہے، مقامی لوگوں کا بیان ہے کہ یہاں شیخ فرید بخاریؒ کا قائم کردہ مدرسہ تھا، یہاں تقریباً ایک ہزار گز زمین ہے جس کے اوپر ٹوپن داس قابض ہے، (قاسمی)

غیر مسلم پنجابی ہے، کہا جاتا ہے کہ مسجد کے نیچے ایک سرنگ بھی ہے۔

مقبوضہ وقف اراضی

بیان کیا جاتا ہے کہ اس مسجد کی ۳۰ / بیگھہ وقف زمین ۵۲ / گاؤں میں تھی، مثلاًباد شاہ پور، وزیر پور اور چندیلہ وغیرہ گاؤں میں، چندیلہ گاؤں میں زرعی زمین تھی جس کو عبدالحق پراچہ صاحب نے اپنے نام لکھوالیا تھا، اب یہ گاؤں فرید آباد شہر میں آگیا ہے، جس میں سراج پراچہ سابق چیئرمین دلی وقف بورڈ کا کارخانہ ہے، جسکے خلاف بورڈ نے مقدمہ دائر کیا ہے، اور کورٹ میں مقدمہ زیر سماعت ہے۔

مسجد کے شمال کی طرف ایک کنواں بھی تھا جس کے بارے میں سکھ لوگوں کا کہنا ہے کہ بابا صاحب کا کنواں ہے، جس میں لٹک کر وہ عبادت کرتے تھے، جس کو اب غیر مسلموں نے بند کردیا ہے، اس کے علاوہ مسجد کے اطراف میں اور بھی ناجائز قبضے ہیں، ان میں سے بعض ناجائز قابضین کرایہ دیتے ہیں، اور بعض کرایہ دینے سے انکار کرتے ہیں، یہاں کے مقبوضہ مکانوں میں ایک دینی مکتب تھا، جس پر ناجائز قبضہ ہے، جسکی کافی وقف زمین ہے، گمان غالب ہے کہ یہ مکتب مسجد کے ساتھ ہی بنا ہے، پندرہ، بیس سال قبل پنجاب وقف بورڈ نے ۔۔۔۔۔ اسکی وقف اراضی پر ناجائز قبضے کے خلاف مقدمہ جیت لیا تھالیکن ابھی تک بورڈ قبضہ نہیں لے سکا ہے، صحن کے دائیں طرف موجودہ مقبرہ کے علاوہ بھی اسی احاطہ میں ایک مقبرہ ہے، لیکن اب اس میں ایک شرنارتھی خاندان آباد ہے، مقبرہ پر قبضہ کرنے کی وجہ سے یہ خاندان برباد ہوگیا ہے، لیکن قبضہ چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہے، یہ کڑوروں روپیہ کی جائیداد ہے، اس ناجائز قبضے کے خلاف بھی بورڈ کی طرف سے کاروائی ہونی چاہئے، اس مسجد پر بھی تقسیم کے بعد حکیم موہن لال کا قبضہ ہوگیا تھا، اسکے علاوہ بھی دس خاندان آباد تھے، ۱۹۵۸ء میں یہ مسجد خالی ہوئی تھی، اس

مسجد کی وقف اراضی تباہ وبرباد کرنے میں شوکت علی سابق متولی مسجد کا زبردست ہاتھ ہے، اس کو کرنل محمد سعید صاحب نے متولی بنادیا تھا، اور اس نے متولی ہوتے ہی وقف اراضی میں خورد برد کرنا شروع کردیا تھا۔

امامت و خطابت

مسجد کے موجودہ امام و خطیب مولانا نور محمد صاحب چندینی ہیں جو علماً میوات میں اپنے کردار و گفتار کے اعتبار سے ممتاز عالم دین اور قلندرانہ مزاج کے حامل ہیں، انہوں نے بڑی جد وجہد کر کے اس مسجد میں تعمیرات کا کام کیا ہے وضوخانہ وغیرہ کی تعمیر اور صحن کی مرمت آپ ہی کی جدوجہد سے ہوئی ہے، مولانا نور محمد صاحب ۱۹۶۰ء میں بحیثیت امام و خطیب یہاں آئے تھے اور اسوقت سے آج تک یہاں امامت و خطابت کے فرائض انجام دے رہے ہیں، مولانا ایک اچھے واعظ بھی ہیں، انکے مواعظ حسنہ سے لوگوں کو بہت فائدہ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ ان کا سایہ تادیر قائم رکھے۔

عیدگاہ

یہ عیدگاہ بابانگر سیکٹر ۱۹ ار فرید آباد میں تالاب کے جنوب میں دو تین سو قدم کے فاصلے پر واقع ہے، یہ شیخ فرید بخاریؒ کی تعمیر ہے، جس کا ذکر شیخ اکرام نے بھی کیا ہے، یہ جامع مسجد، فرید آباد کے ساتھ تعمیر ہوئی ہے، عیدگاہ آباد ہے، اب اس کو مسجد کی شکل دے دی گئی ہے، اس کی محرابی دیوار محفوظ ہے، اس کے اطراف میں مسلم آبادی ہے، اس عیدگاہ کو راقم الحروف نے دیکھا ہے، اب یہاں دومنزلہ مسجد تعمیر ہو چکی ہے۔

تالاب

بابانگر فرید آباد میں ایک قدیم تالاب بھی ہے، جسکو شیخ فرید بخاریؒ نے

تعمیر کرایا تھا، اور اس کے لئے ۳۰۰ / سو بیگھ زمین وقف کی تھی، اس تالاب میں عورتیں بچوں کیلئے غسل کرتی تھیں، اور اللہ کے فضل و کرم سے انکی مرادیں بھی پوری ہو جاتی تھیں، یہ تالاب اب گورنمنٹ کے قبضے میں ہے، اور اسکے زیادہ تر حصے کو پارک کی صورت میں تبدیل کر دیا گیا ہے، اس تالاب کا ذکر قدیم ماخذ و مراجع میں ملتا ہے، اور اسی تالاب کے جنوب میں بابا نور الدین ولایت بیگ شاہؒ کا مقبرہ ہے، یہ درگاہ ایک کمیٹی کے زیر انتظام ہے، جسکے صدر ربلدیو راج آہوجہ ہیں، اس کے ممبران میں مولانا نور محمد صاحب کا بھی نام شامل ہے، اس مقبرے کے احاطے میں ایک چھوٹی سی مسجد بھی ہے مقبرے کی احاطہ بندی کر دی گئی ہے۔

مسجد سید واڑہ

سید واڑہ میں تقسیم سے قبل مسلمانوں کی بڑی آبادی تھی، یہاں پر ایک عالیشان مسجد تھی، جس میں اب گوردوارہ ہے، مسجد مذکور میں منشی نیاز الدین فرید آبادی ثم دہلوی مالک کتب خانہ انجمن ترقی اردو نے نماز پڑھی ہے، منشی نیاز الدین صاحب نے بیان کیا کہ ۱۹۴۷ء میں یہاں کوئی خاص فساد نہیں ہوا تھا، لیکن ایک مسلمان کے قتل ہو جانے کی وجہ سے، فرید آباد کے تمام مسلمان اجتماعی طور پر ہجرت کر گئے تھے، سید واڑہ ہی میں سید ہاشمی فرید آبادی کا خاندان رہتا تھا۔

مسجد قاضیان ساڈھورہ

ساڈھورہ کا مشہور مردم خیز محلّہ، قاضیان ہے جو دریائے ناگڑی کے کنارے اور درگاہ حضرت قادر قمیص اعظمؒ سے نصف کلومیٹر کے فاصلے پر جنوب، مشرق کے کونے پر واقع ہے، یہ محلّہ عہد قدیم سے محلّہ قاضیان کے نام سے مشہور ہے، کیونکہ اس محلّہ میں نامور قضاۃ پیدا ہوتے رہے ہیں جو مغل حکومت میں قضاء و افتاء کے مناصب جلیلہ پر فائز رہے ہیں، خود قاضی ابو المکارم رحمۃ اللہ علیہ ہمایوں بادشاہ اور اکبر کے دور حکومت کے نامور قاضی تھے، اور حضرت سید قادر قمیص اعظمؒ کے مرید خاص تھے، ۱۹۴۷ء میں محلّہ قاضیان میں مسلمانوں کی اکثریت تھی ۱۹۴۷ء کی قیامت صغریٰ میں یہاں کی مسلم آبادی پاکستان منتقل ہو گئی، اور کچھ تہہ تیغ کر دیئے گئے آج محلّہ میں رفیوجی آباد ہیں، اور بد قسمتی سے ایک گھر بھی مسلمان کا نہیں ہے۔

مسجد قاضیان کا محلِ وقوع

مسجد قاضیان ناگڑی ندی کے کنارے اور کافی بلندی پر ہے، اس ندی کے کنارے کنارے ایک سڑک ”مسجد جن“ کے بغل سے محلّہ قاضیان میں جاتی ہے، اس سڑک پر ہماری جیپ کچھ دور تک چلی گئی تھی جب کچھ زیادہ اونچائی نظر آئی تو جیپ ایک طرف کھڑی کر دی گئی اور ہم لوگ پیدل چل پڑے کچھ دور پیدل چلنے کے بعد دائیں ہاتھ پر سڑک سے ملحق مسجد قاضیان کی عظیم الشان عمارت نظر آئی

جو قوموں کے عروج وزوال کی کہانی سنا رہی تھی، یہ کہانی بہت ہی دردناک والمناک ہے۔

بانی مسجد قاضیان

مسجد قاضیان کی تاریخ تعمیر اور بانی مسجد کے متعلق اختلاف ہے، علامہ سید اخلاق حسین دہلوی نے لکھا ہے کہ یہ مسجد قاضی ابوالفتح مرحوم کی بنوائی ہوئی ہے، جن کی قبر صحن مسجد میں ہے موصوف نے مسجد کی تاریخ تعمیر کی نشاندہی نہیں کی البتہ قاضی ابوالفتح کو بانی مسجد قرار دیا ہے۔

راقم الحروف کو معلوم نہیں کہ بانی مسجد کے نام کے سلسلہ میں کیا ماخذ علامہ کے پیش نظر رہا ہے، ویسے بادی النظر میں علامہ کا قول ضعیف وکمزور نظر آتا ہے، چونکہ مسجد کی تاریخ بنا اور بانی مسجد کے متعلق کوئی مستند چیز نظر نہیں آتی، جس پر بے چون وچرا انحصار کیا جا سکے۔

کتبہ کی شہادت

تاریخ فن تعمیرات میں سب سے مستند شہادت کتبات کی شہادت ہوتی ہے مسجد قاضیان کے تینوں محرابی دروں پر تین کتبے نصب ہیں جو بخط کوفی ہیں، شمالی اور درمیانی دروں کے کتبوں کے حروف مٹ جانے کی وجہ سے پڑھنے میں نہیں آتے، لیکن جنوبی محرابی در میں کتبہ صحیح حالت میں موجود ہے، اور با آسانی بڑھ بھی لیا جاتا ہے، کتبہ کا مضمون یہ ہے۔

مجمع اسلام، مرجع خلائق قاضی محمد انوارالمکارم

بزار، پنجه و پنجم بعهد شاه جهان

جس میں تاریخ تعمیر ۱۰۵۵ھ مرقوم ہے جو شاہجہاں بادشاہ کا عہد حکومت ہے، اور اس کتبہ کی روشنی میں بانی مسجد قاضی محمد انوار المکارم تھے، جو ایک اہم آدمی

تھے چونکہ کتبہ میں مجمع اسلام اور مرجع خلائق جیسے وقیع القاب، استعمال کئے گئے ہیں۔

باب الداخلہ

مسجد کا صدر دروازہ محراب نما اور قابل دید ہے، یہ سڑک سے ملحق شمال میں ہے، جو پانچ فٹ چوڑا اور آٹھ فٹ لمبا ہے، محرابی صدر دروازہ پر کوئی لوح و کتبہ نہیں ہے، مگر چھوٹے چھوٹے مینار ہیں جو تراشے ہوئے پتھروں سے بنائے گئے ہیں۔

صحن

صدر دروازہ کے بعد مسجد کا صحن شروع ہوتا ہے، جو کافی کشادہ ہے، صحن دو حصوں میں بٹا ہوا ہے ایک کچا صحن ہے اور دوسرا پختہ، پختہ صحن میں لکھوری اینٹوں کا جماؤ ہے اور بڑا عمدہ ہے پختہ صحن میں ایک چھوٹا سا حوض ہے، جس میں صاف شفاف پانی کے بجائے گوبر بھرا ہوا تھا، اور صحن میں بھینسیں بندھی ہوئی تھیں، دھوپ اور بارش میں مسجد کے شمالی حصہ میں بندھتی ہیں، بھینسوں کی وجہ سے صحن اور مسجد میں تعفن تھا۔

صحن ۴۶ر فٹ چوڑا اور ۵۰ر فٹ لمبا ہے، صحن کے تین طرف دیواریں ہیں، جنوبی اور مشرقی دیواروں کے اکثر و بیشتر حصے منہدم ہو گئے، البتہ شمالی دیوار صحیح و سالم ہے۔

کچے صحن میں مزارات

پختہ صحن کے مشرق میں کچا صحن ہے۔ جو صدر دروازہ سے ملحق ہے، اس صحن میں بانی مسجد قاضی محمد انوار المکارم کی قبر ہے، اس غیر پختہ صحن میں کافی جھاڑ جھنکاڑ ہے، جس کی وجہ سے قاضی صاحب کی قبر کی طرف جاتے ہوئے خوف لاحق ہوتا ہے، اور وہاں کے لوگوں کا بیان ہے کہ یہاں کوئی زہریلا سانپ بھی رہتا ہے، اسی حصہ کے آخر میں مشرقی و شمالی گوشے میں ایک نوگزہ پیر کی قبر ہے، یہ

پختہ قبر ہے، جو ایک مخصوص احاطہ میں ہے، اس کے اوپر چھت تھی جو اب منہدم ہو چکی ہے البتہ شکستہ دیوار کا کچھ کچھ حصہ باقی ہے اس مقبرے میں داخل ہونے کے لئے جنوب میں ایک چھوٹا سا قدیمی دروازہ بھی ہے، اب یہ دروازہ جنوبی مکان کے احاطے میں آ گیا ہے جس کو بظاہر دیکھنا مشکل ہے۔

اتفاق سے راقم الحروف مشرقی دیوار اور مزارات کو دیکھتے ہوئے جنوب کی دیوار کی طرف چلا گیا تھا، جہاں جنوب والے مکان کا گیٹ لگا ہوا ہے جو اس وقت بند تھا، جناب مبین الدین صاحب اسٹیٹ آفسر، پنجاب وقف بورڈ، راقم الحروف کو اندر لے گئے، تو یہ منظر دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہاں صحن کے اندر باضابطہ بیت الخلاء (Toilet) بنا ہوا ہے، بیت الخلاء کے سامنے مزار اور کھنڈر ہے، جس پر کبھی چراغاں ہوتا ہوگا، اب صاحب مزار فاتحہ کے لئے ترس رہا ہے، اور مسجد و مزار کے تقدس کو پامال کیا جا رہا ہے، جو انسانیت اور قانون ہند کے صریح خلاف ہے۔

تین در

مسجد قاضیان تین دروں کی ہے، ان ہی تینوں محرابی دروں کے اوپر تاریخی کتبے منقوش ہیں اور سنگ مرمر کی تختی ہے، اگرچہ یہ نقوش مٹ رہے ہیں، مگر ان مٹے ہوئے نقوش میں ماضی کی جھلک نظر آتی ہے، اور عمدہ خطاطی کا معیار سامنے آتا ہے، ان تینوں دروں پر کوئی دروازہ نہیں ہے، یہ تینوں در یکساں ہیں ۵ / فٹ چوڑے اور ۸ / فٹ لمبے ہیں۔

اندرون مسجد

اندرون مسجد بے پناہ حسین و خوبصورت ہے، مسجد ۱۳ / فٹ ۳ / انچ چوڑی اور ۴۶ / فٹ ۹ / انچ لمبی ہے، اور بحیثیت در، بظاہر تین حصوں میں بٹی ہوئی ہے، شمالی حصہ میں بھینسیں بندھتی ہیں، اور درمیانی و جنوبی حصوں میں بھس

رکھا ہوا ہے، منبر بھس میں چھپ گیا ہے، اس کی چھت میں لکڑی کے شہتیر لگے ہوئے ہیں، جو قابل دید ہیں مسجد کی مغربی دیوار بھی مخدوش حالت میں ہے، چھت سے پانی ٹپکتا ہے، اور دیوار کے راستے پانی اندرون مسجد جاتا ہے، مسجد کا فرش بھی خستہ ہے، جو فوری مرمت طلب ہے۔

راقم الحروف اپنے رفقاء کے ہمراہ مسجد کے دردناک منظر کو دیکھ رہا تھا کہ ایک بڑھیا آئی جو کافی ضعیفہ تھی، اور کچھ پنجابی زبان میں کہہ رہی تھی، راقم الحروف نے جناب مبین الدین صاحب اسٹیٹ آفیسر سے دریافت کیا کہ کیا کہہ رہی ہے، تو انہوں نے بتایا کہ یہ کہہ رہی ہے کہ مسجد کی چھت ٹپکتی ہے اور دیواروں سے پانی مسجد میں آتا ہے اگر مسجد کی مرمت نہیں کی گئی تو عمارت کو نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہے۔

صحن مسجد میں جو بھینسیں بندھی ہوئی تھیں، وہ اسی بڑھیا کی تھیں اسی دوران ایک اور شخص آیا جو کہنے لگا کہ یہاں وقف بورڈ کی بہت ساری زمین ہے، آپ لوگوں کو اپنی زمینوں کی دیکھ بھال کرنی چاہیے، غالباً یہ غیر مسلم تھا، اور اسی محلّہ کا باشندہ تھا، یہ حقیقت ہے کہ اس محلّہ میں کافی وقف اراضی ہے، جس میں کچھ پر ناجائز قبضہ ہو چکا ہے اور کچھ وقف بورڈ کے قبضہ میں ہے، اور کچھ وقف اراضی کی خبر نہیں ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ جملہ وقف اراضی کی تحقیق کی جائے اور انکی فہرست تیار کرلی جائے، یہ کام محنت طلب ضرور ہے لیکن بے حد مفید و کارآمد ہے۔

گنبد

مسجد قاضیان کے تین گنبد ہیں اور یہ گنبد پنجاب و ہریانہ کی مسجدوں کے گنبدوں سے بالکل جداگانہ اور منفرد طرز کے بالکل کنواں نما ہیں، جو پانچ ۵ / فٹ اونچے اور بھورے پتھروں سے بنائے گئے ہیں، حالانکہ یہ پوری مسجد لکھوری اینٹوں

سے بنی ہوئی ہے، اوراس میں پتھر کا نام و نشان نہیں ہے۔

ارون شوری صاحب کا مبلغ علم

ارون شوری صاحب نے مسجد قاضیان کے متعلق لکھا ہے کہ یہ مسجد مندر کے مٹیریل سے تعمیر ہوئی ہے، راقم الحروف کو اس مسجد کو دیکھنے کا بڑا اشتیاق تھا کہ ارون شوری صاحب کے معیار تحقیق کا اندازہ کیا جا سکے، مسجد قاضیان کے متعلق ارون شوری نے جو کچھ لکھا ہے، اس کے متعلق راقم الحروف کی رائے یہ ہے کہ انہوں نے مسجد مذکورہ کو دیکھے بغیر لکھا ہے، اگر انہوں نے مسجد کو دیکھ لیا ہوتا تو اس طرح کی غیر ذمہ دارانہ بات نہ لکھی ہوتی، جس سے خود ان کی ذات مجروح ہوتی ہے، اور تحقیق کے معیار پر حرف آتا ہے، راقم الحروف کا خیال ہے کہ موصوف آر، ایس، ایس، کے ورکروں اور ممبروں کی رپورٹوں پر انحصار کرتے ہیں، اور سنی سنائی باتوں پر اپنی تحقیق و جستجو کا شیش محل تیار کرتے ہیں۔

ارون شوری صاحب کے علم میں ہونا چاہئے کہ مذکورہ مسجد میں صرف اور صرف لکھوری اینٹیں استعمال ہوئی ہیں۔ اور یہ سب اینٹیں ایک جیسی ہیں، اس میں دوسری عمارتوں کے مٹیریل کے استعمال کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، راقم الحروف کی رائے کی تائید و توثیق ہر وہ شخص کریگا جس نے مسجد مذکورہ کی تعمیری حیثیت اور اینٹوں کی یکسانیت کو ایک نظر دیکھ لیا ہو، خود ارون شوری صاحب بھی تصدیق کرنے پر مجبور ہوں گے، بشر طیکہ وہ ساڈھورہ جانیکی زحمت گوارا فرمالیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ مسجد شاہجہاں کے عہد میں ضرور تعمیر ہوئی ہے لیکن اس مسجد کا بانی کوئی بادشاہ و امیر نہیں ہے، بلکہ ایک متوسط درجہ کے آدمی کی تعمیر کردہ ہے، جس کو مسجد کی تعمیر سے دلچسپی ضرور ہو سکتی ہے، لیکن کسی معبد کو توڑنے کی پوزیشن میں بالکل نہیں ہو سکتا، اور نہ اسکو مندر شکنی سے کوخاص دلچسپی

ہو سکتی ہے، اور نہ ہی اسکے لئے اسے شریعت کی طرف سے اجازت مل سکتی ہے، بلکہ ایسی صورت میں شوری صاحب کا یہ کہنا کہ اسمیں مندر کا مٹیریل لگا ہوا ہے، بالکل غیر واقعی بات ہے، اور محض اشتعال انگیزی کی مہم چلانے کے مقصد سے اس طرح کے خیالات کا اظہار کیا جاتا ہے جس کے وہ خود مبلغ و علم بردار ہیں۔

ارون شوری صاحب نے ہندو ٹیمپلس (Hindu Temples) نامی، کتاب لکھی ہے، جس میں انہوں نے ہندوستان کے تمام مشہور مسلم آثار کے متعلق زہر افشانی کی ہے، خاص طور پر پنجاب و ہریانہ اور ہماچل پردیش کے آثار کے متعلق بھی غلط بیانی سے کام لیا ہے، خدا نے توفیق دی تو اس کتاب کا جائزہ لیا جائیگا، اور ان کی زہر افشانیوں کا مدلل جواب دیا جائیگا۔

مسجد قلعہ سیف خاں بہادر گڑھ

قلعہ سیف خاں، مشہور بہ قلعہ بہادر گڑھ، پٹیالہ اور سر ہند کے درمیان پٹیالہ روڈ کے کنارے، واقع ہے، جو پٹیالہ سے سر ہند جانے والی ٹرین سے صاف نظر آتا ہے اور یہاں کا بڑا خوبصورت منظر ہوتا ہے۔

مقامی لوگوں کا بیان ہے کہ سیف علی خاں، ممتاز بیگم کے ماموں تھے، شاہجہاں بادشاہ نے انہیں صوبہ دار بنایا تھا، ذاتی طور پر قلندر مزاج اور درویش صفت انسان تھے، ممتاز بیگم نے ایک دفعہ شاہجہاں سے درخواست کی کہ ماموں کے پاس جانا چاہتی ہوں، سیف علی خاں کو جب اس کا علم ہوا تو انہوں نے ممتاز بیگم کے اعزاز میں قلعہ تعمیر کیا جب قلعہ تعمیر ہو گیا تو ممتاز بیگم قلعہ میں آئیں۔

مقامی لوگوں کے بیان کے مطابق قلعہ کا بانی، سیف علی خاں تھا، لیکن مآثرالامراء میں سیف علی خاں کے بجائے صرف سیف خاں کا ذکر آیا ہے، یہ دراصل اس کا خطاب تھا، غالباً اس کا نام سیف علی خاں تھا، چنانچہ مصنف مآثر الامراء سیف خاں کے متعلق رقمطراز ہیں۔

> "جب راجا جسونت سنگھ غرور و تکبر کی بنا پر عالمگیر، کے مقابلے پر آ گیا، اور جنگ کے لئے آمادہ ہو گیا، اور بالآخر مشہور سرداروں کی ایک جماعت کو قتل کرنے کے بعد فرار ہو گیا، تو بہت سے لوگ بھاگ گئے، اور ایک جماعت اپنی قسمت کی یاوری سے دشمن سے علیحدہ ہو کر بادشاہ

عالمگیرؒ کے حضور میں حاضر ہوئی، خاں مذکور (سیف خاں) اس جماعت میں تھا، شاہانہ نوازشوں سے فیض یاب ہوا، ایک ہزار اور سات سو سوار کا منصب اور سیف خاں کا خطاب ملا[1]"۔

سیف خاں عالمگیر، کے عہد حکومت میں صوبہ بہار، بیجاپور، اور گوالیار، وغیرہ کا صوبہ دار بھی رہا ہے، بڑا بہادر و جوانمرد آدمی تھا، لیکن اپنی تند مزاجی و قلندرانہ مزاج کی بنا پر کئی مرتبہ معزول بھی ہوا تھا، پھر صلح صفائی کے بعد اس کا عہدہ بحال ہو جایا کرتا تھا، تیزی مزاج کا یہ عالم تھا کہ امراء تو امراء عالمگیر بادشاہ پر بھی تنقید و تبصرہ کرنے سے گریز نہیں کرتا تھا۔

سیف آباد

موجودہ بہادر گڑھ جہاں آج قلعہ ہے، اسکا قدیم نام، سیف آباد تھا، جو سیف خاں کا بسایا ہوا ہے، اب تو سیف آباد کا نام صرف تاریخ میں محفوظ ہو کر رہ گیا ہے، لوگ بہادر گڑھ ہی کے نام سے جانتے پہچانتے ہیں، کوئی مستبعد نہیں کہ یہ معروف نام بھی سیف خاں کی طرف منسوب ہو، چونکہ سیف خاں بھی بڑا بہادر آدمی تھا، لوگوں نے اس کی بہادری کی مناسبت سے بہادر گڑھ رکھدیا ہو بہر حال مصنف مآثرالامراء لکھتے ہیں:

"سرہند کے نزدیک ایک جگہ سیف آباد، آباد کر کے اسکو اپنا وطن قرار دیا، اس کی قبر بھی وہیں ہے[2]"

مسجد اندرون قلعہ

قلعہ کے دو دروازے ہیں، ایک مشرق میں ہے اور دوسرا مغرب میں، اس کے مرکزی دروازہ پر فارسی میں کتبہ موجود ہے، یہ قلعہ دو حصوں میں بٹا ہوا ہے،

---

[1] مآثرالامراء، جلد اول ص ۴۸۳، [2] ماثرالامراء، ص ۴۸۷،

ایک حصہ دفاعی نقطۂ نگاہ سے بنا ہوا ہے، اور دوسرا حصہ رہائشی مقصد سے تعمیر ہوا ہے۔

قلعہ میں تقسیم وطن کے وقت عام رہائش تھی، ۱۹۴۷ء میں مہاراجہ پٹیالہ نے (جو ایک متعصب و تنگ نظر راجہ تھا، جس کی گردن پر بہت سے معصوم و بے گناہ مسلمانوں کا خون ناحق ہے) چند لوگوں کو یہاں لا کر رکھا اس کے بعد مسلمانوں کا قتل عام کرایا، ۱۹۴۷ء میں سب سے زیادہ اسی ریاست میں مہاراجہ پٹیالہ کی شہ پر مسلمانوں کا قتل عام ہوا ہے۔

۱۹۵۲ء میں اس قلعہ میں پولیس سینٹر قائم کر دیا گیا تھا، اور آج بھی اس میں پولیس سینٹر ہے، اندرون قلعہ ایک شاندار قدیم مسجد بھی ہے، نواب سیف علی خاں کی تعمیر ہے، جس کے تین در تین گنبد اور دو مینار ہیں، مسجد وسیع و عریض ہے، اس کا صحن بھی کشادہ ہے امام کا شاندار حجرہ بھی ہے، یہ مسجد شاہی مسجدوں کے طرز و انداز پر بنی ہوئی ہے مسجد میں فارسی کتبہ بھی ہے۔

عاشق علی خاں صاحب اسٹیٹ آفیسر، پنجاب وقف بورڈ کے والد عبد اللطیف خاں صاحب بحیثیت پولیس انسپکٹر ۱۹۶۲ء سے ۱۹۷۵ء تک قلعہ مذکورہ میں تعینات تھے، اس وقت مسجد میں نماز باجماعت ہوتی تھی۔

عاشق علی خاں صاحب نے راقم الحروف کو بتایا کہ مسجد قلعہ سیف خاں (بہادر گڑھ) کے نام وقف زمین بھی ہے، جو تحقیق طلب ہے۔

سیف خاں کا مزار

فاضل مصنف مآثر الامراء نے لکھا ہے کہ سیف خاں کی قبر سیف آباد میں ہے، جو بالکل صحیح و درست ہے، آج بھی قلعہ سیف خاں (بہادر گڑھ) کے مغرب میں باہر سیف خاں کا پختہ مزار ہے، جو بارونق ہے۔

جامع مسجد تراوڑی

تارین یا تراوڑی، صوبہ ہریانہ کا زرخیز زرعی علاقہ ہے، جو کرنال سے ۲۰ر کلو میٹر شمال میں اور تھانیسر سے ۱۲ر میل جنوب میں جی ٹی روڈ کے کنارے، نزد تراوڑی ریلوے اسٹیشن، واقع ہے پہلے تراوڑی ایک فصیل بند شہر تھا۔ جس کے چار دروازے تھے جو تراوڑی گیٹ، کرنال گیٹ، بازاری گیٹ اور چھوٹی گھاٹی گیٹ کے نام سے موسوم تھے، ان کے آثار آج بھی تراوڑی میں موجود ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ تراوڑی شہر کئی بار بسا اور کئی بار اجڑا ہے، موجودہ شہر سے کوئی دو تین کلو میٹر پچھم میں آثار و کھنڈرات ہیں، جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ پرانی تراوڑی ہے، اور جسے چراکھیڑا کے نام سے بھی جانا جاتا ہے، اس کے علاوہ موجودہ شہر کے شمال کی طرف ایک کلو میٹر کی دوری پر ایک بستی ہے، جو چھٹی تراوڑی کے نام سے جانی جاتی ہے، اور اس وقت شہر کا وارڈ نمبر ۶ر ہے، عوام اسکو قدیمی تراوڑی کے نام سے موسوم کرتے ہیں، البتہ موجودہ شہر اورنگزیب کے شاہزادے محمد اعظم شاہ کی یاد میں بسایا گیا ہے، اور اس کا قدیمی نام اعظم آباد ہے۔

یہ بڑا تاریخی مقام ہے۔ یہاں بھی کئی فیصلہ کن معرکہ آرائیاں ہوئی ہیں اور کشت و خوں کی ندیاں بہی ہیں، ۱۰۱۴ء میں سلطان محمود غزنوی نے اسی تراوڑی کے میدان میں ہندو راجاؤں کو شکست دیکر قلعۂ تھانیسر کو فتح کیا تھا۔

پھر ۱۱۹۱ء میں سلطان شہاب الدین محمد غوری نے اس میدان میں اجمیر

کے راجہ پرتھوی راج چوہان سے شکست کھا کر بمشکل اپنی جان بچائی، مگر محمد غوری سال بھر جنگی تیاریوں میں مصروف رہ کر ۱۱۹۲ء میں پھر ایک بار قسمت آزمائی کے لئے دریائے سرسوتی کے کنارے خیمہ زن ہوا، اور ایک خون ریز جنگ کی، جس میں خود پرتھوی راج زخمی ہو کر گرفتار ہوا، اور دہلی پر محمد غوری کا قبضہ ہو گیا، مگر محمد غوری نے دہلی کو اپنے غلام قطب الدین ایبک کو اور اجمیر کو پرتھوی راج کے لڑکے کے سپرد کر دیا، اور غزنی چلا گیا۔

تراوڑی کی سرزمین، جہاں معرکہ آرائیوں کے لئے مشہور ہے، وہیں چاول، خاص طور پر باسمتی چاول کی پیداوار کے اعتبار سے عالمگیر شہرت رکھتی ہے یہاں کی چاول منڈی بین الاقوامی حیثیت رکھتی ہے، جہاں یورپ اور خلیجی ممالک کے تجار آتے رہتے ہیں۔ یہاں تقریباً ستر چاول ملیں ہیں جو جی ٹی روڈ کے کنارے جگہ جگہ نظر آتی ہیں، تقسیم ہند سے پہلے یہاں مسلمانوں کی اکثریت تھی ایک نمبر دار مسلمان ہوتا تھا۔ اور ایک نمبر دار ہندو ہوتا تھا۔ یہاں دس مسجدیں ہیں، جن میں سے اب صرف ایک مسجد آباد ہے، اور یہاں کی مجموعی آبادی ۴۰ ہزار کی ہے، جن میں مسلمانوں کے ۱۰ گھر ہیں ان میں بعض خوشحال بھی ہیں، اور سرسوتی ہائی اسکول جیسا معیاری ادارہ بھی چلاتے ہیں۔

اعظم آباد (تراوڑی)

شہر تراوڑی میں ایک مغل طرز تعمیر پر بنا ہوا قلعہ بھی ہے جسے قلعہ اعظم کہا جاتا ہے، بیان کیا جاتا ہے کہ عالمگیر اورنگزیب اپنی ایرانی بیوی دلرس بانو کے ساتھ کسی سفر میں جا رہا تھا کہ عین تراوڑی میں دلرس بانو کے بطن سے شاہزادہ محمد اعظم تولد ہوا، عالمگیر نے اس کی خوشی میں تراوڑی کا نام تبدیل کر کے اعظم آباد رکھوایا، اور اس کی یاد میں قلعہ تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ یہ وہی محمد اعظم شاہ تھا کہ جب

عالمگیرؒ کی وفات ہوئی تو دکن سے فوجی تیاریوں کے ساتھ دہلی کی طرف روانہ ہوا اور پنجاب سے معظم شاہ بھی چلا، جو عالمگیر اورنگزیب کا بڑا لڑکا تھا معظم شاہ نے صلح صفائی کی کوشش کی لیکن جنگ سے نہ بچ سکا، آخر کار دونوں بھائیوں میں سخت جنگ ہوئی، اور محمد اعظم شاہ مارا گیا۔ اور معظم ''شاہ عالم بہادر شاہ'' کے لقب سے تخت نشین ہوا۔

قلعہ

قلعہ اعظم شاہ کے چار عظیم الشان دروازے ہیں، اور یہ چاروں دروازے لکھوری اینٹوں اور سنگ سرخ کے بنے ہوئے ہیں، جنوبی دروازہ پر فارسی کتبہ نصب تھا، محمد رفیق صاحب نامہ نگار پنجاب کیسری نے بتایا کہ میں نے خود فارسی کتبہ لگا ہوا دیکھا تھا مگر اب وہ کتبہ نظر نہیں آرہا ہے، اب وہاں شری سناتن دھرم مندر کانجو نگر وتر اوڑی، کے نام کی تختی لگی ہوئی ہے، جس پر ۳/ جولائی ۱۹۵۵ء کی تاریخ لکھی گئی ہے، واضح رہے کہ اسی گیٹ کی پیشانی پر ایک گول دائرہ میں قل ھو اللہ احد لکھا ہوا ہے جس کے کچھ حروف مٹ چکے ہیں، لم یلد ولم یولد تک خوب صاف پڑھنے میں آتا ہے۔

راقم السطور اپنے ساتھیوں اور مقامی لوگوں کے ساتھ قلعہ کو دیکھ رہا تھا کہ قلعہ میں قائم اسکول کے غیر مسلم استاذ رنجیت سنگھ نے بتایا کہ یہ قلعہ اعظم شاہ ہے، جو اعظم شاہ کی یاد میں بنایا گیا تھا، یہ قلعہ ۱۰/ ایکڑ زمین میں پھیلا ہوا ہے جس کی دیواریں ۵/ فٹ موٹی اور ۲۵/ فٹ اونچی ہیں، اور لکھوری اینٹوں کی ہیں، اور اچھی حالت میں ہیں اور سر دست اس میں چار سو (۴۰۰) گھر آباد ہیں اور یہ تمام مکانات ۱۹۵۵ء میں بنائے گئے ہیں محکمہ آثار قدیمہ کو اس تاریخی عمارت کی حفاظت پر خصوصی توجہ کرنی چاہئے۔ اور قابضین کیلئے متبادل جگہ کا بندوبست

کرنا چاہئے!

مسجد قلعہ اعظم آباد

قلعہ اعظم آباد میں لکھوری اینٹوں کی بنی ہوئی ایک خوبصورت وخوشنما مسجد ہے جو ۳۰/ فٹ لمبی اور ۲۰/ فٹ چوڑی ہے، جس کا صحن ۳۰×۳۰ فٹ مربع ہے، اور ایک بلند وبالا گنبد بھی ہے جو قلعہ میں داخل ہوتے ہی نظر آتا ہے، مگر یہ گنبد خستہ و شکستہ ہو رہا ہے بے مرمتی کی وجہ سے کائی بھی جمی ہوئی ہے، خود مسجد میں ایک خاندان آباد ہے مسجد کے چاروں طرف رہائشی مکانات بنے ہوئے ہیں، حد تو یہ ہے کہ مسجد کا دروازہ بھی بند کر دیا گیا ہے، اور یہ سب کچھ محکمہ آثار قدیمہ کی نگرانی میں ہوا ہے۔

شاہی تالاب

قلعہ اعظم شاہ کے تھوڑے فاصلے پر جنوب میں ایک شاہی تالاب ہے جو کافی وسیع وعریض اور عمیق ہے۔ جس میں پانی بھرا رہتا ہے اور یہ بھی مغل بادشاہ عالمگیرؒ کی تعمیر ہے۔ اور اس کے چاروں طرف لکھوری اینٹوں کی دیواریں ہیں، اور چار گھاٹ ہیں اور یہ تالاب دو ایکڑ زمین پر محیط ہے۔ اور حکومت کے قبضہ میں ہے، یہ بڑا خوبصورت تالاب ہے۔

شاہی عید گاہ

شاہی تالاب کے جنوبی گھاٹ سے ملحق ایک شاندار شاہی عید گاہ ہے، جس کی مغربی محرابی دیوار صحیح وسالم ہے لیکن بے مرمتی اور صفائی نہ ہونے کی وجہ سے کائی جمی ہوئی ہے، یہ عید گاہ بھی لکھوری اینٹوں کی بنی ہوئی ہے، اور ۱۵۰/ فٹ لمبی اور ۴۰/ فٹ چوڑی ہے، جس کا صحن ۵۰/ فٹ پختہ ہے اور باقی کچا ہے، جس کے اندر لوگوں کے رہائشی کچے مکانات بنے ہوئے ہیں۔ جب ہم لوگ عید گاہ

کی مغربی دیوار کو دیکھ رہے تھے (جس پر گوبر کے اپلے تھپے ہوئے تھے) تو عید گاہ میں ناجائز رہائش اختیار کرتے والے اپنے اپنے گھروں سے نکل کر ہم لوگوں کو دیکھ رہے تھے اور بڑے خوف زدہ تھے، ان کے چہروں سے انکے کردہ جرموں کا اظہار ہو رہا تھا، عید گاہ کے مغرب میں ۱۱ کنال کا قبرستان ہے جن میں تدفین ہوتی ہے اسکے علاوہ اور کوئی آباد قبرستان نہیں ہے، جن میں تدفین ہوتی ہو، حالانکہ ۱۱، ۱۱ کنال کے چھوٹے چھوٹے دو تین قبرستان قلعہ اعظم کے ملحق ہیں، لیکن ان سب پر ناجائز قبضے ہیں، عید گاہ کے مشرق میں تھوڑے فاصلے پر کھادی آشرم ہے، جو وقف زمین پر بنا ہوا ہے، حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اسکا گزٹ میں اندراج نہیں ہے، اس کے علاوہ چھوٹی گھاٹی اور ڈیری والی گلی میں دو امام باڑے ہیں، ان کا بھی گزٹ میں ذکر نہیں ہے، اور ان پر بھی غاصبانہ قبضہ ہے۔

جامع مسجد

جامع مسجد تراوڑی ایک شاندار تاریخی مسجد ہے۔ جو قلعہ اعظم شاہ اور شاہی عید گاہ کی طرح لکھوری اینٹوں اور سنگ سرخ سے بنی ہوئی ہے، جسکے اوپر فارسی میں ایک تاریخی کتبہ تھا جو ۱۹۹۰ء میں مسجد کی مرمت اور فرش کی جدید تعمیر کے وقت تھوڑی بے احتیاطی کی وجہ سے صحن میں دب گیا ہے، وہاں کے مقامی لوگوں کا بیان ہے کہ قلعہ اعظم آباد، شاہی تالاب، شاہی عید گاہ، اور مسجد کا عہد تعمیر ایک ہی ہے، اور ان چاروں عمارتوں کا بانی عالمگیر اورنگزیبؒ ہی تھا، ان حضرات کے قول کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ قلعہ، تالاب، عید گاہ اور مسجد میں ایک ہی طرح کے پتھر اور اینٹیں استعمال ہوئی ہیں، اور ان چاروں کے طرز تعمیر میں بڑی یکسانیت ہے، اور یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ مسجد کی شمالی جانب ایک سرنگ ہے، جو مسجد سے قلعہ اعظم آباد تک جاتی ہے اور قلعہ اعظم آباد سے شیخ چلی کے

مقبرے تک جاتی ہے، جو یہاں سے ۲۰/ کلو میٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔

جامع مسجد کا موجودہ صدر دروازہ شمال میں ہے جو فنی اعتبار سے کوئی خاص قابل ذکر نہیں ہے، مسجد کا موجودہ صحن ۴۴/ فٹ چوڑا اور ۷۵/ فٹ لمبا ہے، اور اس کا فرش سمینٹ کا نیا بنا ہوا ہے قدیم فرش سنگ سرخ کا تھا، جس کا نشان درمیانی در میں اب بھی موجود ہے، مسجد تین در کی ہے، اور تینوں در کافی کشادہ ہیں اندر سے مسجد ۷۵/ فٹ لمبی اور ۱۵/ فٹ چوڑی ہے۔ اور اس کا فرش بھی جدید بنا ہوا ہے، اور ایک خوبصورت منبر ہے، جو تین سیڑھیوں پر مشتمل ہے، مسجد کی اونچائی ۱۸/ فٹ ۶/ انچ ہے اور ایک عظیم الشان گنبد ہے جو ۳۷/ فٹ گول ہے اور ۲۰/ فٹ بلند ہے۔ اس گنبد کی جدید تعمیر ہوئی ہے اور بہت اچھی ہوئی ہے باقی دو گنبدوں کے نشانات ہیں جو تقسیم کے وقت شہید کر دیئے گئے۔ دو مینار ہیں جن پر دو، دو لاؤڈ اسپیکر رکھے ہوئے ہیں۔

مسجد کا انخلاء

۱۹۴۷ء کے ہنگاموں کے بعد مسجد مختلف لوگوں کے قبضے میں رہی ہے جس میں آنگن واڑی اور گرام پنچایت قابل ذکر ہیں، اس کے بعد ۱۹۸۰ء میں مسجد میں پولیس چوکی قائم ہو گئی، اور صحن میں آنگن واڑی کا قبضہ رہا ۱۹۹۰ء میں پنجاب وقف بورڈ کے سابق ایڈ منسٹریٹر جناب منظور احمد صاحب آئی پی ایس کی جد و جہد سے مسجد خالی کرائی گئی، اور پولیس چوکی کہیں اور منتقل کر دی گئی مسجد کے انخلاء کرنے میں تراوڑی کے جناب رفیق صاحب پیش پیش رہے، اب مسجد کی سترہ دوکانیں ہیں، جو بورڈ کے قبضہ میں ہیں، (جنوبی جانب) وضو خانہ کی جگہ پر کوئی غیر مسلم غاصبانہ قبضہ کیئے ہوئے ہے، مسجد کا صدر دروازہ اصلاً مشرق میں ہے جس پر ناجائز قبضہ ہے اسکے علاوہ اب بھی آٹھ سو گز مربع وقف زمین میں اکھاڑا بنا ہوا

ہے، یہ مسجد ۱۹۹۰ء سے آباد ہے، پنجوقتہ نمازوں کے علاوہ عیدین کی نمازیں بھی ہوتی ہیں، جمعہ اور عیدین میں بڑا مجمع ہوتا ہے۔ امام کی رہائش کے لئے صحن سے ملحق حجرہ بنا ہوا ہے، جس سے مسجد کی خوبصورتی متاثر ہو رہی ہے مسجد کے شمال میں ۴۰×۱۰ جگہ خالی پڑی ہوئی ہے، یہاں حجرہ امام بنا دیا جائے تو بہت بہتر رہے گا، اور اس تاریخی مسجد کے حسن میں اضافہ ہوگا۔

راقم السطور یہاں کے آثار کا سروے فتح محمد صاحب اسٹیٹ آفیسر، پنجاب وقف بورڈ اور جمیل احمد صاحب رینٹ کلکٹر کے ہمراہ کیا تھا، ان لوگوں نے سروے و معائنہ کرانے میں بھر پور تعاون کیا۔

شاہی جامع مسجد پنجور

پنجور (کالکا) ضلع پنچکولہ (جو کبھی انبالہ میں شامل تھا) صوبہ ہریانہ کا بڑا مشہور و معروف تاریخی مقام ہے جو چنڈی گڑھ سے تقریباً ۲۰ کیلو میٹر شمال، مشرق میں اور کالکا سے ۸ کیلو میٹر جنوب میں، گھاگھر ندی کے کنارے واقع ہے یہ بڑا ہی سبز و شاداب پہاڑی علاقہ، ہماچل پردیش کے ہرے بھرے پہاڑ کے دامن میں ہے اور قدرتی حسن و جمال کے اعتبار سے کشمیر جنت نشاں کے بعد ہندوستان کا وہ واحد مقام ہے جو مغل سلاطین و امراء کے لئے تفریح گاہ رہا ہے۔ اور آج بھی ملک و بیرون ملک کے سیاحوں کیلئے سیر گاہ کی حیثیت رکھتا ہے خاص طور پر چنڈی گڑھ سے شملہ جانے والے سیاحوں کا قافلہ تفریح طبع اور فرحت و نشاط کی خاطر تھوڑی دیر کیلئے یہاں ضرور رکتا ہے۔ اور یہاں کے مغل گارڈن اور مغل شاہی مسجد (جو دونوں مغل فن تعمیر کے شاہکار نمونے ہیں) دیکھ کر لطف اندوز ہوتا ہے اور پھر اپنی اگلی منزل مقصود کی طرف تیز گام ہوتا ہے۔

بانی شاہی مسجد

اسی پنجور نامی قصبہ میں ایک عالیشان جامع مسجد ہے جو چنڈی گڑھ شملہ روڈ ہی سے اپنی تمام تر روحانی و فنی عظمتوں کے ساتھ نظر آتی ہے اور آنے جانے والوں کی نگاہیں سب سے پہلے مسجد کے بام و در ہی پر پڑتی ہیں اور ایک پل کیلئے مسجد کی فنی لطافتوں و نفاستوں میں کھو جاتے ہیں۔

بعض مقامی لوگوں کا بیان ہے کہ یہ مسجد شاہ جہاں کے دور کی تعمیر ہے اور دوسرے بعض مقامی لوگوں کا خیال ہے کہ عالمگیر کے سپہ سالار فدائی خاں کی بنوائی ہوئی ہے جنہوں نے مغل گارڈن پنجور اور اس کے محلات کو تعمیر کرایا تھا، مغل گارڈن کے صدر دروازے پر محکمہ آثار قدیمہ کی طرف سے انگریزی میں ایک تختی لگی ہوئی ہے جس میں بصراحت لکھا ہوا ہے کہ مغل گارڈن کا بانی فدائی خان تھا جس نے لاہور میں جامع مسجد بھی تعمیر کرائی تھی راقم الحروف نے نہ صرف اس کتبہ کو دیکھا ہے بلکہ اس کی عبارت بھی نقل کرلی ہے جو حسب ذیل ہے۔

Legendary Pinjore

The MoghalGardens of Pinjore are one of the Loveliest and the oldest gardens in Northern India. The Gardens are laid out on seven terraces which descend gradually into the distance, themain gate wayopening to the highest Terrace.

The Entire Garden is Encircled by an Embattled wall.

The History of pinjore dates back to the days of Mahabharat.It is said that soonafter pandwas went into their 12 years of exile,they came upon this Lovely sport,which was then Called Panchpurra. They stayed here, and later when they recovered their Empire, throughout their reign of 36 years.

They frequently visited this place before they finally climbed to the Himalayas to disappear into oblivion.

The Gardens in their present form were designed by Fidai khan in the 17th Century. Fidai khan was Aurangzeb,s trusted Lieutenant and architect. He built the Badshahi Mosque at Lahore. He was governor of Punjab when he visited this place. Fascinated by this place he planned the Garden.

جیسا کہ مذکورہ بالا بورڈ میں کندہ ہے کہ اس مغل گارڈن (شالامار باغ) کا بانی فدائی خان تھا، لیکن مشہور مورخ سید صباح الدین عبدالرحمٰن مرحوم نے لکھا ہے کہ شاہ جہاں، بادشاہ نے اسکو تعمیر کیا تھا۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"شاہجہاں نے انبالہ کالکا ریلوے لائن کے پاس ۱۶۵۳ء میں
ایک باغ بنوایا جو شالامار (اعزاباد) کے باغ کے نام سے مشہور ہوا،
شاہجہاں پنجاب یا کشمیر جاتے وقت یہاں مقیم ہوا کرتا تھا"

باغات سے نہ صرف پھل حاصل ہوا کرتے تھے بلکہ وہ سیر گاہوں اور تفریح گاہوں کا بھی کام دیتے تھے، جہاں شاہی بیگمات بھی آکر تفریح کیا کرتی تھیں، یہاں دعوتوں اور تقریبوں کے بڑے بڑے جشن بھی منائے جاتے، بادشاہ اپنی بیگمات اور شہزادیوں کے ساتھ سفر میں منزل بہ منزل کوچ کرتا، تو ان ہی باغات میں مقیم ہوتا، اس وقت خیمہ و خرگاہ نصب کرنے کی ضرورت نہ ہوتی، خواصپورہ باغ کا ذکر کرتے ہوئے عمل صالح کا مؤلف لکھتا ہے:

"ایں باغ خواصپورہ و عمارات دیگر آں قدر دارد کہ ہر گاہ خدیو زماں یا پردگیان مشکوے دولت باایں بہشتی مکان تشریف می فرمایند احتیاج بہ خیمہ نمی شود[1]"۔

فدائی خان کا مختصر تعارف

فدائی خان لاہور کا گورنر تھا اس کا پورا نام مظفر حسین تھا اور وہ خان جہاں کو کل تاش کا بڑا بھائی تھا، فدائی خان عہد شاہ جہانی میں بڑا معتمد اور بلند رتبہ آدمی تھا۔ وہ ابتداء میں داروغہ کچہری تھا اس کے بعد اسے عادل شاہی سلطنت بیجاپور میں سفیر بنا کر بھیجا گیا، جہاں اس نے اپنی صلاحیت و قابلیت سے وہاں کے مسائل و مشکلات پر قابو پایا، اس کے کچھ عرصہ بعد اسے سفیر بنا کر کابل بھیج دیا گیا جس کے بعد داروغہ جیل و فوج وغیرہ بھی مقرر رہا۔ اکیسویں سال عہد شاہجہانی میں، اسے فدائی خان کا لقب عطا ہوا تھا۔ اس کے بعد جب شاہ جہاں کے شاہزادوں میں حصول تخت و سلطنت کے لئے رسہ کشی ہوئی تو اس نے قدرتی طور پر اپنے رضاعی بھائی اورنگزیبؒ کی حمایت کی جس میں بالآخر اورنگزیب کو کامیابی ہوئی اور عالمگیر کی نگاہ میں بھی پسندیدہ قرار پایا۔

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ جب ابتداء میں اورنگزیب بیمار ہوا اور لوگ اس کی زندگی سے مایوس ہو گئے تو بعض لوگوں کی رائے تھی کہ ضعیف و بوڑھے شاہجہاں بادشاہ کو پھر دوبارہ تخت پر واپس لایا جائے لیکن فدائی خاں نے اورنگزیب کے شاہزادے سلطان اکبر کی طرفداری کی کہ اسے بھی ایک موقع دیا جائے جس کی تائید اورنگزیب کی ہمشیرہ روشن آرا نے بھی کی تھی۔

اورنگزیبؒ کے عہد کے ابتدائی سالوں میں افغانوں کے بعض قبائل نے

---

[1] ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی جلوے، ص ۲۱۱۔

ہندستان کی طرف بڑھنا شروع کیا تو ان کی مدافعت کے لئے ۱۰۸۲ء میں فدائی خان کو لاہور کا صوبہ دار مقرر کیا گیا جب کہ اس کا منصب ایک ہزار اور صد سوار تھا، لاہور میں وہ ۱۰۸۶ء تک رہا اس عرصہ میں اس کے زیر اہتمام شاہی مسجد لاہور تعمیر ہوئی تھی۔

عالم گیر کی طرف سے فدائی خان کو خان اعظم کا خطاب بھی دیا گیا تھا جو ایک باوقار خطاب تھا۔ فدائی خان صوبہ بہار کا بھی صوبہ دار تھا اور کچھ عرصہ بہار میں رہا ہے۔ [1]

فدائی خان کی تعمیرات

فدائی خان کو تعمیرات کا بڑا صاف ستھرا ذوق تھا اور اسے مسجدوں کو تعمیر کرانے کا بھی بڑا شوق تھا، شاہی مسجد لاہور کے علاوہ لاہور میں ٹیکسالی دروازہ کی مسجد بھی اسی کی تعمیر کردہ ہے۔

بعض اہل علم و دانش کا خیال ہے کہ شاہجہاں کے عہد حکومت میں فدائی خان نے مغل گارڈن اور اسکے محلات تعمیر کرانے کے ساتھ ساتھ شاہی مسجد پنجور بھی تعمیر کرائی تھی چونکہ گارڈن کے محلات اور مسجد کی طرز تعمیر میں بڑی یکسانیت و مشابہت ہے، گمان غالب ہے کہ دونوں عمارتوں کا ایک ہی معمار تھا جس نے شیش محل، رنگ محل، اور جل محل تعمیر کرنے کے بعد خانہء خدا بھی تعمیر کیا تھا، ان دونوں عمارتوں کے بارے میں بلا تکلف عرض کیا جا سکتا ہے کہ مغل فن تعمیر و آرٹ کے شاہکار نمونے ہیں جو نہایت دیدہ زیب و دلفریب ہیں۔

مہاراجہ پٹیالہ اور بانی مسجد کا وصیت نامہ

شاہی مسجد کے دائیں طرف، لب سڑک ایک قدیم گوردوارہ ہے جس

---

[1] تاریخ مگدھ، ص ۴۸۷۔

کی جدید تعمیر ہورہی ہے اور یہ تعمیر گوردوارہ پربندھک کمیٹی کے زیر انتظام ہورہی ہے۔ کمیٹی کے ذمہ دار سکھ حضرات مہاراجہ پٹیالہ سے حال ہی میں کوئی وصیت نامہ لائے ہیں جس کے اندر مرقوم ہے کہ شاہی جامع مسجد پنجور کیلئے ۷ ریگھبہ زمین وقف ہے اور اس کے ساتھ گوردوارہ کیلئے بھی ۷ ریگھبہ زمین مختص ہے۔

راقم الحروف کی نگاہ سے وقف نامہ نہیں گزرا ہے اسلئے اسکے مندرجات سے لاعلم ہے جب تک وقف نامہ دیکھ نہ لیا جائے اس سلسلہ میں حتمی رائے قائم کرنا مشکل ہے البتہ یہ بات قابل غور ہے کہ یہ شاہی جامع مسجد گوردوارہ اور مندر کے قلب میں تعمیر ہوئی ہے اور اتنی عظیم الشان بنائی گئی ہے کہ سب سے پہلے مسجد پر نگاہ جمتی ہے، پھر گوردوارہ اور مندر پر نظر پڑتی ہے، اس میں کوئی دورائے نہیں ہوسکتی کہ ان تینوں عبادت گاہوں کی ترتیب و تعمیر سے یہ حقیقت نکھر کر سامنے آتی ہے کہ یہ مسلم سیکولر بادشاہ کی تعمیری یادگاریں ہیں البتہ مسجد کو ان دونوں معبدوں سے تھوڑا نمایاں و ممتاز کر کے اپنے مذہب و عقیدہ کا اظہار بھی کیا گیا ہے جو ایک غیر اختیاری عمل ہے، اس سیکولر ذہنیت کا مظاہرہ شاہ جہاں بادشاہ اور عالمگیر اورنگزیب دونوں کے یہاں یکساں طور پر ہوتا ہے بلکہ عالمگیر مندروں اور مٹھوں کو وظائف دینے کے سلسلے میں کچھ زیادہ ہی فراخدل اور وسیع نظر واقع ہوئے تھے، انہوں نے ملک کے مختلف گوشوں میں مختلف مندروں اور مٹھوں کیلئے اراضی وقف کی ہیں جن کے متعلق باضابطہ ہدایت کی گئی ہے کہ مندروں مٹھوں اور ان کے پجاریوں اور مہنتوں کے لئے ہی مختص ہیں۔

لہذا یہ کچھ مستبعد نہیں ہے کہ شاہ جہاں کی ہدایت کے مطابق فدائی خان نے ان تینوں عبادتگاہوں کی تعمیر کی ہو، چونکہ یہ تفریحی مقام ہے جہاں ہر مذہب اور ہر مسلک کے لوگ آتے جاتے ہیں، انہیں یہ احساس نہ ہو کہ انہیں نظر

انداز کیا گیا ہے اور یہی مغل سلاطین کی حکمت عملی تھی جس کی بدولت اقلیت اور اجنبیت کے باوجود ایک مدت مدید تک حکومت کر سکے۔

باب الداخلہ

شاہی جامع مسجد چونے اور سنگ خارا سے بنی ہوئی ہے اور یہ پنجاب و ہریانہ کی ان چند تاریخی وقدیم مسجدوں میں سے ایک ہے جو دلی، آگرہ اور فتحپور سیکری کی طرح چونے اور پتھر سے بنی ہوئی ہیں حالانکہ پنجاب و ہریانہ کے اندر اکثر و بیشتر مساجد لکھوری اینٹوں کی بنی ہوئی ہیں اور مخصوص طرز و انداز کی ہیں جن میں سادگی بھی ہے اور حسن و جمال بھی ہے۔

اس مسجد میں داخل ہونے کے دو دروازے ہیں، ایک دروازہ مشرق میں ہے اور دوسرا دروازہ شمال میں ہے، شمالی دروازہ محراب نما ہے جو ۶ ر فٹ چوڑا اور ۱۰ ر فٹ اونچا ہے، صدر دروازہ کا درمیانی مینار ۵ فٹ اونچا ہے۔ درمیانی مینار میں پیتل کا کلس ہے جو آج بھی بڑی آب و تاب کے ساتھ چمک رہا ہے دائیں بائیں کے دونوں میناروں کے کلس غائب ہیں۔ صدر دروازہ کے دونوں طرف کمرے ہیں اور ان کمروں کی وجہ سے مسجد کی رونق ختم ہو گئی ہے یہ کمرے بہت بعد کی تعمیر ہیں۔ اگر یہ کمرے نہ ہوتے تو مسجد اور زیادہ خوبصورت نظر آتی۔ صدر دروازہ پر کوئی لوح و کتبہ نظر نہیں آیا، غالباً حوادث کی نذر ہو گیا۔

صحن

صدر دروازے کے بعد صحن شروع ہوتا ہے، فرش صحن میں کتائی پتھروں کو لگایا گیا ہے اسکا پرانا فرش ابھی مضبوط و مستحکم ہے صحن ۳۱ فٹ چوڑا اور ۱۷ ر فٹ لمبا ہے، صحن کے تین طرف قدیم دیواریں ہیں جو ۲ ر فٹ موٹی اور ۸ ر فٹ اونچی ہیں، صحن کی مشرقی دیوار کا اکثر حصہ ٹوٹ چکا ہے کچھ حصہ مشرقی دروازے سے

ملحق ہے جو محفوظ ہے، صحن کی جنوبی دیوار پر ناجائز قبضہ ہو چکا ہے، صحن کی قدیم دیوار پر جدید دیوار کھڑی کر کے نیا مکان تعمیر ہو رہا ہے اس طرح صحن کی مشرقی دیوار اور باؤلی کے درمیان ایک مکان زیر تعمیر ہے جو مسجد کے صحن کے باہری حصہ پر بن رہا ہے اور دعوی یہ کیا گیا ہے کہ ہم نے کسٹوڈین سے خرید لیا ہے، صورت حال یہ ہے کہ صحن کا فرش باؤلی تک گیا ہے۔

صحن میں وضو خانہ زیر تعمیر

راقم الحروف جناب عبد السمیع انصاری صاحب اور حافظ محمد عرفان صاحب دہلوی کے ہمراہ ۲/ اگست ۱۹۹۷ء کی صبح مذکورہ مسجد دیکھنے گیا تھا، اتفاق سے چند روز پہلے صحن کی مشرقی دیوار کے بعض حصے کو توڑ کر کتالی پتھروں کو نکالا گیا تھا اور صحن میں پتھروں کا ڈھیر لگا ہوا تھا اور صحن کے مشرقی حصے میں کنویں کے قریب وضو خانہ کی چھت کے لئے ستون نصب کئے جا رہے تھے، صحن میں ستون نصب کرتے ہوئے وہاں کے لوگوں کے سامنے عجیب و غریب انکشاف ہوا کہ جوں ہی صحن میں ۴/۵ فٹ گہری کھدائی ہوئی تو قدرتی پانی نکلنے لگا جس کی وجہ سے ستونوں کو نصب کرنے میں خاصی دشواری پیش آئی اور بڑی مشکل سے ستون نصب ہو سکے جیسا کہ معلوم ہوا کہ مسجد اور صحن کے ۴/۵ فٹ عمق میں قدرتی پانی موجود ہے گویا مسجد اور صحن قدرتی چشمے پر تعمیر کئے گئے ہیں اس کے باوجود مسجد اور اس کے صحن کی مضبوطی و پختگی سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسجد کا نقشہ ماہر فن انجینئر کے دماغ کی اختراع و ایجاد ہے جس نے بڑی حکمت و دور اندیشی کے ساتھ پانی کو درمیانی دروازے سے گزار کر مسجد کی پشت سے اندر ہی اندر نکال دیا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ مسجد کی پشت پر پانی رستا ہوا دکھائی دیتا ہے ویسے بھی پنجور میں ۳۶۵ قدرتی چشمے ہیں جن سے خود بخود پانی ابلتا ہے۔

در

مسجد مذکور تین در کی ہے، درمیانی در کی چوڑائی ۷/ فٹ ۳/ انچ ہے اور ۹/ فٹ ۱۶/ انچ اونچائی ہے، دائیں بائیں کے در ۶/ فٹ ۳/ انچ چوڑے اور ۱۸/ فٹ اونچے ہیں، یہ تینوں در دلی کی مسجد، خیر المنازل کے دروں کے طرز پر بنائے گئے ہیں اور بڑے مضبوط و ٹھوس ہیں البتہ ان محرابی دروں پر نقش و نگار اور بیل بوٹے نہیں بنائے گئے ہیں، بڑی سادگی ہے مگر سادگی میں بڑی دلآویزی ہے، قرآنی آیات اور احادیث بھی کندہ نہیں ہیں اور اسی طرح کوئی کتبہ بھی نصب نہیں ہے البتہ کتبہ کی جگہ کا نشان موجود ہے غالباً ۴۷ء میں کتبہ کو نقصان پہنچادیا گیا۔

بیت الصلوٰۃ

اندرون مسجد بھی کافی وسیع و عریض ہے، ایک پیمائشی رپورٹ کے مطابق ۱۷/ فٹ لمبی اور ۴۳/ فٹ چوڑی ہے اسکا فرش قدیم طرز کا بنا ہوا ہے جو بڑا مضبوط ہے پھر بھی مرمت طلب ہے، بعض جگہ سے فرش ٹوٹ پھوٹ رہا ہے، منبر ۳/ سیڑھیوں کا جدید قسم کے ٹائل سے مزین ہے اور مصلیٰ ۱۶/ فٹ ۳/ انچ کشادہ ہے مسجد کے اندرونی حصے میں نقش و نگار کے نشانات موجود ہیں اگرچہ نقش و نگار مٹ چکے پھر بھی نقوش میں بڑا حسن ہے جو فن تعمیر کا اعجاز ہے۔

مسجد کی اندرونی دیواریں بھی مرمت طلب ہیں، چونکہ ۴۷ء کے بعد سے اب تک ان دیواروں کی مرمت و تزین کا موقع نہیں ملا ہے، اب چونکہ حالات بدل چکے ہیں، اس ملی و قومی تعمیری اثاثہ کی حفاظت و نگہداشت کی سخت ضرورت ہے امید ہے کہ بورڈ اسکی طرف خاطر خواہ توجہ مبذول کرے گا، اس مسجد میں وضو خانہ اور پائخانہ کی سخت ضرورت ہے، مسجد کی تاریخی اہمیت کے پیش نظر بورڈ کو اس کی مرمت و تزین اور بیت الخلاء وغیرہ کی تعمیر کرنی چاہیے۔

گنبد

شاہی مسجد میں تین عظیم الشان گنبد ہیں ،اور ہریانہ کی مساجد کے گنبدوں کے بر عکس بالکل شلغمی طرز پر بنائے گئے ہیں ، درمیانی گنبد بڑا ہے اور دائیں بائیں کے گنبد قدرے چھوٹے ہیں ان تینوں گنبدوں کے کلس محفوظ ہیں اور یہ تینوں حسن وجمال کے اعتبار سے لاجواب وبے نظیر ہیں۔

اس میں ۲۲ ، ۲۳ رفٹ کے بلند و مرتفع دو مینار بھی ہیں جو مغل فن تعمیر وآرٹ کے نادر ونایاب نمونے ہیں اور یہ دونوں مینار مسلمانان دوآبہ کے عروج و زوال کے مشابہ ہیں۔

۱۹۴۷ء کا حادثہ

تقسیم ملک کے نتیجے میں جو خوفناک حادثہ رونما ہوا، اس کی زد میں یہ تاریخی مسجد بھی آگئی تھی ۔ ۱۹۴۷ء میں اس مسجد میں اسکول قائم ہو گیا تھا لیکن وہاں کے بچے کھچے مسلمانوں نے بڑی ہمت وعزیمت کے ساتھ تحصیل کنڈہ گھاٹ میں مسجد میں اسکول کے قیام کے خلاف مقدمہ دائر کیا اور تقریباً ۱۹۵۲ء میں مسجد کو واگزار کرا دیا گیا اس کے بعد سے مسلسل نماز باجماعت ہوتی ہے ، جمعہ اور عیدین کی نمازیں بھی ہوتی ہیں ، پنجاب وقف بورڈ کے قیام کے بعد ہی مسجد بورڈ کے زیر انتظام آگئی تھی اور آج مسجد کے کل اخراجات کی کفالت بورڈ کرتا ہے ،بورڈ کی طرف سے امام مقرر ہوتے ہیں ، مسجد کے موجودہ امام حافظ عبدالقیوم صاحب بورڈ کے نامزد امام ہیں۔

باؤلی

شاہی مسجد کے صحن سے ۱۲ رفٹ کے فاصلے پر مشرق کی طرف مسجد کی باؤلی ہے ، مغل سلاطین کے اندر مسجد کی تعمیر کے ساتھ ساتھ باؤلی یا تالاب کھدوانے کا عام

رواج و چلن تھا اور یہ باؤلی کتالی پتھروں سے تعمیر ہوئی ہے، باؤلی میں اترنے کیلئے بظاہر چار سیڑھیاں ہیں باقی سیڑھیاں پانی کے اندر چھپ گئی ہیں باؤلی کے اندر قدرتی چشمہ بھی ہے، باؤلی کا شمالی حصہ ٢١/ فٹ، مشرقی حصہ ٦٥/ فٹ اور جنوبی حصہ ٢٥/ فٹ ہے اور گہرائی ٢٠/ فٹ ہے جس میں تقریباً ٨/ فٹ پانی ہے اور باؤلی مسجد کی ملکیت ہے، مسجد اور اس کی باؤلی کے چاروں طرف وقف اراضی ہے لیکن ان میں سے کچھ پر ناجائز قبضہ ہو چکا ہے۔

نالیاں

مسجد کے صدر دروازہ سے ملحق دو نالیاں ہیں، ایک نالی سے شہر کا گندا پانی خارج ہوتا ہے اور دوسری نالی سے باؤلی کا صاف شفاف اور لائق استعمال پانی بہتا ہے جو آگے چل کر ایک چھوٹی سی ندی کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور اس ندی سے تقریباً دس گاؤں کی زرعی زمین کی آبپاشی ہوتی ہے۔

مسجد کے مشرق میں تقریباً ١٢/ بیگھہ کا قدیم قبرستان ہے اور مغل گارڈن کے قریب ہی خاکی شاہؒ کی درگاہ ہے۔ اس کا تقریباً ٦/ بیگھہ رقبہ ہے اور اس میں زائرین کیلئے چار کمرے ہیں۔ اس درگاہ کا انتظام .H.M.T کمپنی کے مسلم ملازمین کرتے ہیں۔ حضرت شاہ خاکی کا سالانہ عرس جون میں ہوتا ہے۔ سڑک کے ایک طرف درگاہ ہے اور دوسری طرف گھاگھر ندی ہے، اب تو یہاں کی مسجد اور درگاہ کی دیکھ بھال کرنے والے غیر مقامی لوگ ہی ہوتے ہیں۔

پنجور میں کبھی اچھی خاصی مسلم آبادی تھی لیکن اب صرف دو گھر قدیم ہیں۔ ١٩٤٧ء میں سو مکانات تھے جن میں ٩٠ فیصد مسلمان تھے اب کچھ باہر کے لوگ آباد ہو رہے ہیں لیکن یہ سب مزدور پیشہ لوگ ہیں، اتفاق سے وہاں جناب محمد اسمعیل نامی بزرگ سے ملاقات ہوئی جو کافی معمر بزرگ ہیں اور ١٩٤٧ء کے

حالات و واقعات کے شاہد ہیں، انہوں نے خود اپنا واقعہ آبدیدہ ہو کر بیان کیا کہ ۱۹۴۷ء میں کچھ لوگ گاؤں چھوڑ کر بھاگ گئے تھے، ہفتوں بھوکے پیاسے جنگل میں پڑے رہے، جب کچھ حالات بہتر ہوئے تو گھر واپس آئے تو گاؤں خالی ہو چکا تھا، وہاں کے غیر مسلم لوگوں نے کہا کہ تم ہندو ہو جاؤ ورنہ پاکستان چلے جاؤ میں ہندو ہو گیا اور رہنے لگا پھر کچھ دنوں کے بعد اپنے مذہب پر آگیا نماز روزہ ادا کرنے لگا۔

یہ بزرگ نماز ظہر میں شریک رہے، نماز سے فراغت کے بعد بہت دیر تک اس مسجد میں بیٹھے رہے اور ۱۹۴۷ء کے کشت و خون کے واقعات سناتے رہے اس شاہی مسجد کی آبادکاری میں ان کا بھی حصہ ہے۔

مغل گارڈن پنجور

شاہی جامع مسجد سے تھوڑے فاصلے پر مغرب جنوب کی طرف فدائی خاں کا تعمیر کردہ مغل گارڈن ہے جیسا کے صدر دروازہ کے سامنے محکمہ آثار قدیمہ کی طرف سے بورڈ نصب ہے جس میں گارڈن کا مختصر تعارف ہے اور محکمہ آثار قدیمہ نے اس گارڈن کا بانی، فدائی خاں کو قرار دیا ہے اور اس میں فدائی خاں کی دوسری تعمیرات کا بھی ذکر ہے، مغل گارڈن فصیل بند ہے جس کے چاروں طرف سے ۱۵ ار فٹ اونچی اور ۱۰ ار فٹ موٹی فصیلیں ہیں جو کتائی پتھروں سے تعمیر ہوئی ہیں۔

اس کا صدر دروازہ ڈیوڑھی نما ہے جو نہایت ہی دیدہ زیب و دلفریب ہے جس کے اندر داخل ہونے کے بعد تقریباً دو سو فٹ کے فاصلے پر شیش محل نظر آتا ہے جو بے پناہ خوبصورت محل ہے۔

صدر دروازہ اور شیش محل کے مابین وسیع سبزہ زار میدان ہے جس کے دونوں طرف عمدہ باغات ہیں جس میں لیچی، آم، آڑو، ناشپاتی، بادام، چیکو، سنترہ اور لوکاٹ وغیرہ کے پھلدار درخت ہیں اور بڑے خوبصورت و خوشنما ہیں اور ان

دونوں طرف کے باغات کے درمیان بلکہ سبزہ زار میدان کے بیچ میں ایک مصنوعی نہر ہے جو ۳/ فٹ گہری اور ۱۲/ فٹ چوڑی ہے جو بلندی سے نشیبی حصے کی طرف بہتی ہے جس میں بجلی کے قمقمے فٹ ہیں۔

صدر دروازہ سے شیش محل تک کی سطح زمین مساوی اور برابر ہے البتہ شیش محل سے بتدریج نشیبی میدان شروع ہو جاتا ہے اور بڑے قرینے و سلیقے سے ہر دو سو فٹ کے میدان طے کرنے کے بعد ۲۲/ ۲۳/ فٹ نشیب کی طرف اترنا پڑتا ہے چنانچہ شیش محل سے ۲۲ سیڑھیوں سے نیچے اترنے کے بعد ایک وسیع چبوترہ آتا ہے جس میں بڑا خوشنما حوض ہے، حوض کے اندر قمقمے لگے ہوئے ہیں اور رنگ برنگ کے ہیں، شیش محل سے پانی کے مصنوعی جھرنے گرتے ہیں اور مصنوعی نہر سے پانی آگے کی طرف بہہ جاتا ہے، اسی حوض سے پھر ۱۹ سیڑھیاں نشیب کی طرف اترنے کے بعد حسب معمول ایک اور میدان آتا ہے جو دو سو فٹ کا ہے جسکے دونوں طرف حسب سابق عمدہ باغات ہیں اور درمیان میں نہر رواں ہے اور اسی میدان کی انتہا پر رنگ محل ہے، رنگ محل دراصل تین منزلہ اور قابل دید عمارت ہے اس کے بعد ایک اور میدان آتا ہے جس کے دونوں طرف باغات ہیں اور بیچ میں وہی مصنوعی نہر بہتی ہے، اس میدان کے بعد ایک اور میدان آتا ہے جو ۲۵۰ فٹ کا ہے۔ اس میدان میں بھی دائیں بائیں طرف باغات ہیں اور قلب میں نہر جاری ہے۔ اس میدان کے کنارے جل محل ہے جو ایک وسیع و عریض حوض کے اندر ہے جو ۲۵×۲۵ کا محل ہے جس میں ریسٹورنٹ ہے، محل کے نیچے سے پانی گزرتا ہے۔ اس محل کے آگے ایک خوبصورت صحن ہے جہاں کرسیاں بچھی رہتی ہیں، اس کے چاروں طرف حوض ہے جس میں ہمہ وقت پانی بھرا رہتا ہے۔ محل کے جنوب کی طرف سے داخل ہونے کا ایک راستہ ہے جو

بمشکل ۶ر فٹ کا ہوگا اسی راستہ سے سیاح ریسٹورینٹ میں داخل ہوتے ہیں۔
جل محل سے نشیب کی طرف اترنے کیلئے ۹ سیڑھیوں کو طے کرنا پڑتا ہے پھر ایک کشادہ میدان آتا ہے۔ جو تقریبا دو سوفٹ کا ہوگا۔ اس کے بعد فصیل کا دروازہ آجاتا ہے، فصیل کے دروازے کے سامنے ایک خوبصورت چبوترہ ہے جہاں علمی وسیاسی میٹنگیں ہوتی ہیں اس طرح خوبصورت گارڈن کا مختصر تذکرہ اختتام پذیر ہوتا ہے مگر سچ یہ ہے کہ جب تک اس گارڈن کو دیکھ نہ لیا جائے اس گارڈن کے حسن وجمال کا صحیح اندازلگانا مشکل ہے، اس گارڈن سے ہماچل پردیش کے سبزوشاداب پہاڑوں کا منظر بڑا خوشنما معلوم ہوتا ہے مگر یہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے، راقم نے اسے دوبار دیکھا ہے اور آج بھی باربار دیکھنے کو جی چاہتا ہے۔

مسجد شاہ نجم الحق سہنہ

''سہنہ'' ایک تاریخی و ثقافتی قصبہ ہے، جو دلی سے ۶۰ ر کلومیٹر کی دوری پر جنوب میں اراولی پہاڑی کے دامن میں واقع ہے، اس کی اونچی پہاڑی ایک اہم تفریح گاہ کی حیثیت رکھتی ہے، جہاں ہریانہ اور دلی کے لوگ سیر و تفریح کیلئے جاتے ہیں، اور شام کو یہاں بڑا ہجوم ہو جاتا ہے، جسکی وجہ سے بڑی رونق ہوتی ہے۔

یہاں گرم پانی کا چشمہ بھی ہے، جو جلدی امراض کے لئے اکسیر کا کام دیتا ہے، یہ گرم چشمہ گندھک کی کان سے نکلتا ہے، جس کے پانی کا رنگ اور اسکی بو گندھک جیسی ہوتی ہے۔

سہنہ میں ۲۰ ر مسجدیں ہیں، جن میں سے صرف پانچ مسجدیں آباد ہیں، یہاں پر متعدد شاندار مقبرے ہیں، جنکے اوپر کہنگی و شکستگی کے آثار نمایاں ہیں، یہاں پر نو گزہ پیر کا مزار بھی ہے، اسوقت یہاں دو تین ہزار مسلمان رہائش پذیر ہیں، جو زیادہ تر میوات اور اسکے اطراف واکناف کے رہنے والے ہیں، ۱۹۴۷ء میں یہاں کی کچھ مسلم آبادی پاکستان ہجرت کر گئی تھی، علاقہ میوات بھی تھوڑا بہت متاثر ہوا، لیکن اس کے باوجود ۸۰ ر فیصد آبادی یہیں رہی۔

مسجد شاہ نجم الحق

مسجد نجم الحق ۱۴۸۱ء کی تعمیر ہے، جو لال پتھر کی بنی ہے، کافی بلندی پر واقع ہے، بارہ کشادہ سیڑھیوں کو طے کرنے کے بعد اسکے صدر دروازہ میں داخل

ہوتے ہیں، صدر دروازہ پر ایک خوبصورت ڈیوڑھی بنی ہوئی ہے، جس کے اوپر ایک عالیشان گنبد ہے، ڈیوڑھی کے مشرق و جنوب میں عربی و فارسی کے کتبات ہیں، جن کے حروف امتداد زمانہ سے مٹ رہے ہیں، اس عالیشان گنبد کے بعد صحن مسجد میں ایک اور گنبد ہے، جو پہلے گنبد سے قدرے چھوٹا ہے، مسجد کا صحن تقریباً ۷۰ / فٹ لمبا اور ۵۰ / فٹ چوڑا ہے، جسکے چاروں طرف بڑے عمدہ قسم کی بارہ دری بنی ہوئی ہے، جو مدرسہ کے لئے بنائی گئی ہے، مسجد مذکورہ تودر کی ہے، جس کی سرخ دیواروں و دروں پر قرآنی آیات کی مختلف سورتیں کندہ ہیں، اسکی چھت ۳۶ / ہشت پہلو حجری ستونوں پر قائم ہے، جنکے اوپر گول دائروں میں شمالی جانب کی محراب کے علاوہ باقی محرابوں میں اللہ، اللہ کندہ ہے، اس میں ۷ / سیڑھیوں کا زبردست منبر ہے جو دلی کی کلاں مسجد ترکمان گیٹ کے طرز کا ہے، جو نہایت ہی دیدہ زیب ہے۔

یہ مسجد تقریباً ۸۰ / فٹ لمبی اور ۵۰ / فٹ چوڑی ہے، اس کا فرش بھی لال پتھر کا ہے غرضیکہ مسجد نجم الحق اپنے آرٹ و فن تعمیر کے اعتبار سے ہریانہ کی خوبصورت ترین مساجد میں شامل ہے۔

واضح رہے کہ یہاں پہلے مدرسہ بھی تھا اور خانقاہ بھی ان دونوں کی نگرانی حضرت شاہ نجم الحق کے سپرد تھی، جو اپنے عہد کے مشہور عالم دین اور بلند پایہ مدرس اور شیخ طریقت تھے، آپ فصوص الحکم، اور نقد الفصوص جیسی معرکۃ الاراء کتابوں کا درس دیا کرتے تھے، اس وقت آپ کے درس کا بڑا شہرہ تھا، آپ کے متعلق حضرت مولانا حکیم عبد الحی صاحب، نزہۃ الخواطر میں لکھتے ہیں:

"اکابر مشائخ چشتیہ میں سے تھے، خداوند کریم کا ان پر بڑا افضل تھا، کہ شیخ عبد العزیز بن الحسن العباسی دہلوی کی صحبت پر اثر میں علوم کسبیہ و معارف

وہبیہ میں کمال حاصل کیا مدۃ العمر فقر و غنا اور تسلیم و رضا کے جادہ پر رواں دواں رہے، فصوص الحکم اور نقد الفصوص اور اس قسم کی دوسری کتابوں کا انتہائی تحقیق و دیدہ وری سے درس دیا کرتے تھے، اکبر نے فتح پور سیکری میں شاہی محل کے قریب آپ کے لئے عبادت خانہ بنوایا[۱]"۔

مسجد نجم الحق میں سرکاری اسکول

واضح رہے مسجد، مدرسہ نجم الحق کے کمروں میں آج بھی سرکاری اسکول قائم ہے، اس اسکول کے بچے مدرسہ کے ان کمروں کے علاوہ صحن اور مسجد کے اندر بھی پڑھتے ہیں، اور ان کی استانیاں مسجد میں کرسیوں پر بیٹھی رہتی ہیں۔

راقم الحروف اپنے رفقاء کے ہمراہ اس مسجد کا سروے کرنے گیا تو مسجد میں اسکول کی استانیاں موجود تھیں، انہوں نے شروع میں ہم لوگوں کو مسجد دیکھنے اجازت دے دی تھی، اس کے کچھ دیر کے بعد انہوں نے کہا کہ ہمارے آفیسر آجانے کے بعد ہم کو ڈانٹ ڈپٹ کریں گے، آپ لوگ مسجد کو خالی کر دیں، مسجد کے صحن میں واقع گنبد میں اسکول کا دفتر تھا، اس میں ایک قبر بھی تھی جسکے اوپر چادر چڑھی ہوئی تھی، اسکے گرد کرسیاں بچھی ہوئی تھیں، ایک صاحب نے راقم الحروف کو بتایا کہ یہ شاہ نجم الحق کی قبر ہے، جن کا اکبر بادشاہ بڑا معتقد تھا، اور انکو اپنے بعض جنگی مہموں میں اپنے ساتھ رکھتا تھا، یہ مسجد بھی اکبری دور کی تعمیر ہے، کئی سال قبل مسجد کو واگزار کرانے کی کوشش کی گئی تھی، لیکن مقامی ہندوؤں کی مزاحمت کی وجہ سے مسجد خالی نہیں ہو سکی، ضرورت اس بات کی ہے کہ اس مسجد کو خالی کرانے کی کوشش کی جائے، اس سلسلہ میں مقامی لوگوں کے تعاون سے پنجاب وقف بورڈ ایک اہم رول ادا کر سکتا ہے، ذمہ داران بورڈ کو مسجد کے انخلاء اور اسکی آبادکاری کے

---

[۱] نزھۃ الخواطر، ج ۴ ص ۸۰،

کے مسئلے کی طرف خصوصی توجہ کرنی چاہئے، یہ مسجد آباد ہو سکتی ہے، چونکہ مسجد پر حکومت کا ناجائز قبضہ ہے۔

مسجد بارہ کھمبا سوہنہ

سوہنہ کی شاہی مسجد جسکو مسجد بارہ کھمبا والی بھی کہتے ہیں، یہ مسجد محلہ پرانا بس اسٹینڈ میں واقع ہے، جسکی تاریخ تعمیر ۱۳۸۱ء ہے، جو مسجد نجم الحق سے بہت پہلے کی بنی ہوئی ہے، اور اس میں تقریباً ۳۵ ر سال سے نماز ہو رہی ہے۔

یہ مسجد تین در اور تین گنبد کی ہے، ۶۵ ر فٹ لمبی اور ۱۷ ر فٹ ۱۰ ر انچ چوڑی ہے، اور اسکا صحن ۶۵ ر فٹ لمبا اور ۱۱ ر فٹ چوڑا ہے، مسجد میں مدرسہ دارالاصلاح قائم ہے جو پنجاب وقف بورڈ کے ماتحت ہے، یہ مسجد تغلق طرز کی بنی ہوئی ہے، مسجد کے موجودہ امام محمد کلیم کاشفی ہیں، جو میوات کے رہنے والے ہیں اور ایک صالح نوجوان عالم ہیں۔

گمنام مسجد

یہ مسجد سوہنہ میں مالیوں کے محلہ (وارڈ نمبر ۲) میں عمارتوں کے بیچ میں واقع ہے، جو سڑک سے ہی نظر آتی ہے، اور تین در اور تین گنبد کی ہے، اندرون مسجد محرابیں بنی ہوئی ہیں، مغربی دیوار کی محراب کے درمیان دو چھوٹے گول دائروں میں کلمہ طیبہ لاالہ الا اللہ محمدرسول اللہ لکھا ہوا ہے، جو بالکل صاف ہے اور مسجد کی دیوار پر قرآنی آیات کندہ ہیں، یہ سنگ سرخ کی بنی ہوئی مسجد ۸۰ ر فٹ لمبی اور ۳۰ ر فٹ چوڑی ہے اور اسکا صحن ۸۰ ر فٹ مربع ہے، مسجد کے اندر گوبر اور بھس بھرا ہوا تھا، مسجد کے جنوب میں چھت پر جانے کیلئے ۱۶ ر سیڑھیوں کا ایک تنگ زینہ بھی ہے، یہ مسجد غیر آباد ہے، اس مسجد کی آبادکاری پر خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے، اسی مسجد کے قریب ایک مقبرہ بھی ہے۔

سید ناصر الدین سونی پت

سونی پت صوبہ ہریانہ کا ایک مشہور ضلع ہے جو دہلی سے ۵۰ کلو میٹر شمال میں واقع ہے، یہ کبھی آریائی تہذیب کا مرکز رہا ہے، کہا جاتا ہے کہ سونی پت، پانی پت، باغ پت، اندر پت، اور تل پت، یہ پانچ شہر ہیں ان کے علاوہ پورے ہندوستان میں "پت" کے نام کے اور کوئی شہر نہیں ہیں۔

ان پانچوں شہروں کا نام مہابھارت میں آیا ہے جیسا کہ آثار الصنادید کے مقدمہ میں مرقوم ہے کہ

"مہابھارت میں یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ جب یدھشٹر اپنی حکومت، خزانے، چاروں بھائیوں، دروپدی اور خود کو جوئے میں ہار گیا تو دریودھن نے جوئے کی ایک اور بازی لگا کر پانڈو بھائیوں اور دروپدی کو بارہ سال کے لئے بن باس پر مجبور کر دیا۔ جب یہ بن باس سے واپس آئے تو انہوں نے رہنے کے لئے دریودھن سے نئے شہر آباد کرنے کے لئے پانچ شہر مانگے یہ شہر تھے اندر پت، سونی پت، باغ پت، پانی پت، اور تل پت [۱]"

سونی پت کا ذکر مہابھارت میں ضرور آیا ہے لیکن تاریخ کی دوسری کتابوں میں اس کا ذکر نہیں ملتا ہے، فاضل مؤرخ فرشتہ نے پانی پت کا تفصیلی ذکر کیا ہے لیکن سونی پت کے متعلق ایک لفظ نہیں لکھا ہے حالانکہ پانی پت اور سونی پت

---

[۱] آثار الصنادید، ج اول ص ۱۲۰،

کے درمیان کوئی خاص فاصلہ نہیں ہے۔ سونی پت کو اگرچہ امراء و سلاطین کو جنم دینے کا شرف حاصل نہیں رہا ہے لیکن اس کو اساطین علم و ادب کو پیدا کرنے کا افتخار حاصل رہا ہے، میر قمر الدین منت اور میر نظام الدین ممنون جیسے اردو کے بلند پایہ شاعر و ادیب یہیں پیدا ہوئے ہیں میر قمر الدین منت، شیخ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے معاصر تھے جو بعد میں شیعہ ہو گئے تھے، میر نظام الدین ممنون آپ کے صاحبزادے تھے جنہوں نے اردو زبان و ادب میں اپنا ممتاز مقام بنایا تھا، ان دونوں کے علاوہ ہدایۃ البلاغۃ کے مصنف شمس الدین فقیر بھی اسی شہر کے رہنے والے تھے۔

۱۹۴۷ء میں تقسیم ملک کا حادثہ وقوع پذیر ہوا اور یہاں کے مسلم باشندوں پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے گئے جن کے نتیجے میں سونی پت اور اس کے اطراف میں ارتداد کا سیلاب آگیا آج بھی اس شہر اور اس کے نواح میں مرتدین اسلام موجود ہیں۔

۱۹۹۱ء کی مردم شماری کے اعداد و شمار کے مطابق سونی پت کی مجموعی آبادی ۷,۵۴,۳۶۶ ہے اور ان میں صرف ایک ہزار گھر مسلمانوں کے ہیں جن میں زیادہ تر محنت کش لوگ ہیں اور وہ بھی دوسرے صوبوں سے آئے ہوئے ہیں۔

درگاہ ماموں بھانجے

سونی پت میں ایک قدیم درگاہ ہے جو درگاہ ماموں بھانجے کے نام سے مشہور ہے، اور یہ درگاہ پر اناڈی، سی (D C) روڈ پر واقع ہے، ہندوستان کے مختلف مقامات پر ماموں بھانجوں کی درگاہیں بتائی جاتی ہیں، ان درگاہوں کی حقیقت کے متعلق کچھ کہنا مشکل ہے چونکہ عموماً ان درگاہوں کے احوال و کوائف پردۂ خفا میں ہوتے ہیں اور مستند تاریخی کتابوں میں ان کا حوالہ نہیں ملتا ہے، اس زیر بحث

درگاہ کے متعلق کوئی بھی ٹھوس حوالہ اور ثبوت فراہم نہ ہو سکا۔

راقم الحروف نے اس سلسلے میں متعدد کتابوں کو دیکھا ہے لیکن کسی بھی کتاب میں ان کا ذکر نہیں ملا ہے البتہ ان کا ذکر سینہ بہ سینہ منقول ہوتا چلا آرہا ہے یہ درگاہ سید ناصر الدین نامی بزرگ کی ہے، جو تبلیغ واشاعت اسلام کے لئے اس علاقہ میں تشریف لائے تھے ان کے ہمراہ ان کے بھانجے بھی تھے، دعوت و تبلیغ کے دوران ان دونوں کو شہید کردیا گیا تھا، یہ دونوں ہندوستان کے شہید اول کہلاتے ہیں، ان کی لاشیں کئی روز تک بے گور و کفن پڑی رہیں، بعد ازاں ایک برہمن کو آپ خواب میں نظر آئے اور اس کو آپ نے وصیت فرمائی کہ وہ انہیں غسل دے اور کفن پہنا کر دفن کردے، جس کی ترکیب بھی آپ نے بتائی تھی وہ یاد نہ رکھ سکا، بعد ازاں اس کو خواب میں بشارت ہوئی جس کے لئے اس نے ترکیب یاد نہ رہنے کا عذر پیش کیا، آپ نے از سر نو اس کو پھر ترکیب بتائی اس کے بعد اس برہمن نے موافق ترکیب آپ کو غسل دیا کفن پہنایا اور دفن کردیا اور حسب وصیت نیچے سے قبر علیحدہ علیحدہ بنائی گئی لیکن اوپر سے ایک ہی بنائی گئی، یہ قبر ایک قبہ میں واقع ہے، آپکی وصیت کے مطابق درگاہ کا مجاور و نگراں وہی برہمن ہوا اور آج بھی اس درگاہ کا مجاور و نگراں اس برہمن کے خاندان کا کوئی نہ کوئی فرد ہوا کرتا ہے۔

پنجاب و ہریانہ کی درگاہوں میں عموماً یہ دیکھا جاتا ہے کہ ان کے بیشتر مجاورین غیر مسلم لوگ ہی ہوا کرتے ہیں اور بڑی عقیدت و محبت کے ساتھ ان درگاہوں کی نگہداشت و حفاظت کرتے ہیں، ۱۹۴۷ء کے حوادث کے بعد غیر مسلم حضرات ہی ان درگاہوں و عقیدت گاہوں کے محافظ و نگراں ہو گئے اور مسلمانان پنجاب و ہریانہ اپنے اسلاف و بزرگان دین کو چھوڑ کر پاکستان ہجرت کر گئے، پاکستان جانے

والوں نے یہ نہ سوچا کہ ہمارے بعد ان مقامات مقدسہ کا کیا حشر ہوگا۔

پنجاب و ہریانہ کی مساجد اور درگاہوں کی بے حرمتی اور ان کے تقدس کی پامالی کو دیکھ کر مسلم لیگی قائدین کی بے شعوری بلکہ بد اندیشی پر ماتم کرنے کو جی چاہتا ہے۔

مسجد سید ناصر الدین

درگاہ سید ناصر الدین سے متصل ٹیلے پر ایک قدیم و تاریخی مسجد ہے جو مسجد درگاہ ماموں بھانجے کے نام سے مشہور ہے جس کے دو دروازے ہیں، ایک دروازہ جانب غرب ہے اور دوسرا دروازہ جانب جنوب ہے، غربی دروازہ میں دو مینار تقریباً ۷ر فٹ کے ہیں، ان کے درمیان بھی ۵ر معمولی برجیاں چھوٹے چھوٹے مٹکوں کی بنی ہیں۔

یہ مسجد ۵۱ر فٹ لمبی اور ۳۰ر فٹ چوڑی ہے اور اس کا برآمدہ ۲۰×۵۰ فٹ کا ہے، اور تین محرابی در کی ہے درمیانی در کی چوڑائی ۴ر فٹ کی ہے اور دائیں بائیں در کی چوڑائی ۳ر فٹ کی ہے اور تین ہی گنبد کی ہے درمیانی گنبد بڑا اور دائیں بائیں کے گنبد قدرے چھوٹے ہیں اور یہ تینوں گنبد شلغمی طرز پر بنے ہوئے ہیں۔

جنوبی گنبد کا کلس قدیمی اور عمدہ حالت میں ہے باقی دائیں بائیں کے گنبدوں کے کلس کالے رنگ کے جدید معلوم ہوتے ہیں، مغربی دیوار نہایت ہی سنگین و مضبوط ہے لیکن اس کے آگے ملبہ پڑا ہوا ہے جس کی وجہ سے مسجد کی بے حرمتی ہوتی ہے۔

فارسی کتبہ

مسجد کے جنوبی دروازہ پر ایک لوحی تحریر ہے جس میں خط کوفی ۸ر فارسی اشعار منقوش ہیں اور بڑے جاذب نظر ہیں مگر جنہیں پڑھنا و سمجھنا نہایت ہی دشوار

ہے، اگر کتبہ پڑھنے میں آجاتا تو مسجد کی تاریخ تعمیر اور اس کے بانی و مؤسس کے نام کا علم ہو جاتا، اتفاق سے مسجد کے اندر بھی کئی پتھر رکھے ہوئے ہیں جن کے اوپر فارسی اشعار کندہ ہیں اور بہت ہی خوشخط ہیں لیکن یہ بھی پڑھنے میں نہیں آتے محکمہ آثار قدیمہ کے ماہرین کتبات کو، کتبہ شناسی کی طرف توجہ کرنی چاہئے تاکہ ہریانہ کی قدیم ترین عمارت کی فنی اہمیت سامنے آسکے اور ان تاریخی پتھروں کی حفاظت و نگہداشت کی بھی سخت ضرورت ہے، ان کو کسی میوزیم میں جمع کرا دینا چاہئے ورنہ یہ قیمتی قومی و ثقافتی اثاثہ ضائع ہو جائے گا، اور اس قسم کے بہت سے قومی و ثقافتی آثار ہماری بے توجہی ولا پرواہی کی نذر ہو چکے ہیں۔

مسجد کا اندرونی حصہ

مسجد کا اندرونی حصہ بڑا خوشنما ہے، اس میں بڑی اچھی سنگ تراشی کی گئی ہے۔ گنبد کی تعمیر میں تکونے پتھر نصب ہوئے ہیں جو بڑے خوبصورت نظر آتے ہیں اور ان ہی تکونے اور نکیلے پتھروں کی وجہ سے مسجد میں بڑی دلکشی ورعنائی ہے۔

پنجاب و ہریانہ میں اس نمونہ کی کوئی اور مسجد نظر نہیں آتی، یہ فن تعمیر لودھیوں کے عہد کا معلوم ہوتا ہے۔ دہلی میں بعض عمارتیں اسی نمونے کی ہیں، مسجد میں جدید سنگ مرمر کا تین سیڑھیوں کا منبر بنا ہوا ہے اور اس کا فرش بھی سنگ مرمر کا ہے، مسجد آباد ہے پنجوقتہ نمازوں کے علاوہ جمعہ کی نماز بھی ہوتی ہے۔

قدیم قبرستان

مسجد کے آگے ایک قدیم قبرستان ہے جس میں ۸ر پختہ قبریں ہیں اور صحیح حالت میں ہیں باقی قبریں زمین میں دب گئی ہیں۔ قبرستان کی احاطہ بندی کردی گئی ہے، احاطہ کے اندر کچھ درخت بھی ہیں، مسجد اور قبرستان پنجاب وقف بورڈ کے زیر انتظام ہیں۔

اسکول اور مدرسہ

احاطہ درگاہ میں ماموں بھانجہ ماڈل اسکول (اسلامیہ) کے نام سے ایک اسکول اور مدرسہ قائم ہے جس کی دو منزلہ عمارت ہے۔ فوقانی منزل میں اسکول اور تحتانی حصہ میں شعبۂ دینیات ہے۔ پنجاب وقف بورڈ کی جانب سے اسکول اور مدرسہ کو ۵۰۰۰ روپے کی ماہانہ امداد ملتی ہے، اسکول اور مدرسہ کے ذمہ دار محمد حسین صاحب انصاری ہیں جو سرکاری ملازم ہیں۔

مقبوضہ جامع مسجد

سونی پت میں ایک عظیم الشان مسجد ہے جو جامع مسجد سونی پت کے نام سے مشہور ہے جو تین در اور تین گنبد کی ہے جس پر ناجائز قبضہ ہے، اس ناجائز قبضہ کے خلاف مقدمہ زیر سماعت ہے، کورٹ نے پہلے بھی ۱۹۷۵ء اور ۱۹۸۲ء میں پنجاب وقف بورڈ کے حق میں فیصلہ دیا تھا، دونوں دفعہ انخلاء کا حکم ہو گیا تھا لیکن قبضہ نہ لیا جا سکا ۱۹۸۲ء میں پندرہ روز تک نماز ہوئی تھی مگر وہاں کے مقامی ہندو لڑنے مرنے کے لئے تیار ہو گئے تھے چنانچہ قبضہ باقی نہ رہ سکا۔

عیدگاہ

سونی پت میں ایک عیدگاہ بھی ہے جو لکھوری اینٹوں کی بنی ہوئی ہے اور کافی وسیع و عریض ہے جس کی مغربی محرابی دیوار صحیح و سالم حالت میں ہے، عیدگاہ کے قرب و جوار میں وقف زمین میں کچھ مسلمان آباد ہیں جن میں کچھ پنجاب وقف بورڈ کے کرایہ دار بھی ہیں، یہ عیدگاہ آباد ہے، اس عیدگاہ کے قریب پنجاب وقف بورڈ کی اراضی پر ایک مدرسہ کی عمارت بھی تعمیر ہو رہی ہے۔

مسجد شیخ چلی تھانیسر

تھانیسر ، ہریانہ کا مشہور و تاریخی مقام ہے جو صدیوں سے روحانی، علمی، ثقافتی اور تحریکی مرکز رہا ہے، جس کو کوروکشیتر کہتے ہیں، جہاں کوروکشیتر یونیورسٹی بھی ہے جو دلی سے ۹۰ کیلو میٹر اور کرنال سے ۲۶ کیلو میٹر انبالہ ریلوے لائن پر واقع ہے۔ شیخ جلال الدین تھانیسریؒ جیسے روحانی پیشوا، مولانا امام بخش صہبائی شہیدؒ جیسے مجاہد آزادی اور ادیب و شاعر اور مولانا محمد جعفر تھانیسریؒ جیسے ۱۸۵۷ء کے سر فروش و جانباز مجاہد آزادی بھی اسی قصبہ تھانیسر سے وطنی تعلق رکھتے تھے۔

تھانیسر جہاں مسلم تہذیب و تمدن کا گہوارہ تھا وہاں ہندوؤں کیلئے بھی مقدس تیر تھ کی حیثیت رکھتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ مہابھارت کی جنگ، کوروں پانڈوں کے درمیان اسی سر زمین میں ہوئی تھی اور ہندوؤں کی مشہور مذہبی کتاب گیتا بھی یہاں لکھی گئی تھی، جس کا فارسی ترجمہ عہد اکبری کے مشہور عالم دین و ادیب حاجی سلطان تھانیسریؒ نے کیا تھا جو خود اسی قصبہ تھانیسر کے رہنے والے تھے، جن کی صاحبزادی حضرت مجدد الف ثانیؒ سے منسوب تھیں۔

اکبر بادشاہ نے حاجی سلطان تھانیسری کو تھانیسر و کرنال کا کروڑی بھی بنایا تھا اور ۱۵۹۸ء میں جب اکبر بادشاہ قصبہ تھانیسر آیا تو وہاں کے مقامی ہندوؤں نے شیخ تھانیسریؒ کے خلاف شکایات کیں، ان شکایات کی روشنی میں اکبر بادشاہ نے ان کے لئے سزائے موت کا حکم دیا چنانچہ ۱۵۹۹ء میں شیخ تھانیسریؒ کو

تختہ دار پر لٹکا دیا تھا۔

۱۹۴۷ء سے پہلے یہاں مسلمانوں کی اکثریت تھی، یہاں شرفاء آباد تھے اور اس قصبہ میں ۱۳ مسجدیں تھیں اور کچھ دینی مدارس و مکاتب تھے، ۱۹۴۷ء کے حوادثات میں ۴ مسجدوں کو شہید کر دیا گیا اور باقی مسجدوں پر ناجائز قبضہ ہو گیا اور ۹ / نو مسجدوں میں سے بمشکل ایک مسجد چمن والی، کو واگزار کرایا گیا جو پنجاب وقف بورڈ کی تولیت میں ہے، ۱۹۹۰ء میں بورڈ نے خطیر رقم صرف کر کے اس کی جدید تعمیر کرائی تھی جو آباد ہے اور بورڈ کی طرف سے امام مقرر ہے۔

مسجد چمن والی کے بالمقابل مشرقی جانب ایک حویلی ہے جس میں جھروکے بنے ہوئے ہیں اور یہ حویلی لکھوری اینٹوں کی بنی ہوئی ہے اس حویلی میں مشہور عالم دین اور مجاہد آزادی مولانا محمد جعفر تھانیسریؒ کا خاندان آباد تھا، خود مولانا تھانیسریؒ مرحوم بھی اسی حویلی میں رہتے تھے مگر آج اس حویلی پر ناجائز قبضہ ہے اور اس میں کم و بیش سو گھر آباد ہیں۔ ۱۹۴۷ء کے مجاہد آزادی کی ذاتی حویلی پر یہ ناجائز قبضہ نہ صرف تکلیف دہ ہے بلکہ پچاس سالہ جشن آزادی منانے کے جذبۂ حب الوطنی پر سوالیہ نشان بھی ہے حکومت ہند خاص طور پر حکومت ہریانہ کو اس امر کی طرف خصوصی توجہ کرنی چاہئے اور اس حویلی میں مولانا محمد جعفر تھانیسریؒ کی یادگار میں کوئی ایسا ادارہ قائم کرنا چاہئے جس سے تھانیسر کے باشندوں کو فائدہ پہنچ سکے۔

۱۹۹۱ء کی مردم شماری کے مطابق کوروکشیتر کی مجموعی آبادی چھ لاکھ اکتالیس ہزار (۶،۴۱،۹۴۳) ہے، جس میں مسلمانوں کی تعداد ۲۵،۲۰ ہے، وہ بھی مزدور پیشہ طبقہ ہے۔

۱؎ رود کوثر، ص ۶۳۹

کورکشیتر کو مندروں کا شہر کہا جاتا ہے جس میں گوشت، انڈے کھانا اور شراب پینا حکومتی سطح پر ممنوع ہے۔

شیخ چلی

مسجد چمن والی (حویلی مولانا محمد جعفر تھانیسریؒ) سے تھوڑے فاصلہ پر مغرب میں مدرسہ، مقبرہ شیخ چلی یا شیخ چہلی ہے، جن کا اصل نام سید عبدالکریم تھا، مصنف غرابت نگار کی تحریر کے مطابق آپ کا نام، عبدالرحیم [1] تھا، جو شیخ چلی کے نام سے مشہور تھے، شیخ چلیؒ کے نام سے مشہور ہونے کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ انہوں نے اپنے پیر و مرشد (جلال الدین تھانیسریؒ) کو چالیس سال تک وضو کرایا تھا یا خود چالیس سال چلّے کیے تھے جو بڑا مجاہدہ تھا، شیخ چلی صوبہ دار بھی تھے، آپ کے صاحبزادے سید عبدالرزاقؒ بادشاہ کے شاہزادوں کے اتالیق تھے۔

شیخ چلیؒ بڑے نیک آدمی تھے، مزاج میں مزاح تھا، تصوف اور صوفیا کی طرف طبعی میلان تھا رشی منیوں سے بھی محبت کرتے تھے حضرت شیخ جلال الدین فاروقیؒ (تھانیسری) کے خلیفہ بکثرت تھے مگر ان میں سے دو کا شمار، اجل خلفاء میں ہوتا ہے، ایک حضرت خواجہ نظام الدین فاروقی بلخیؒ تھے جن کو جہانگیر بادشاہ نے جلاوطن کر دیا تھا، جن کا مزار بلخ افغانستان میں، مرجع خلائق ہے۔

دوسرے خلیفہ شیخ چلیؒ تھے جنہوں نے بڑی عقیدت و محبت میں اپنے شیخ و مرشد جلال الدین تھانیسریؒ کے لئے یہ عظیم الشان مقبرہ تعمیر کرایا تھا مگر پہلے شیخ چلیؒ کا انتقال ہو گیا تھا چنانچہ حضرت شیخ جلال الدین تھانیسریؒ نے فرمایا کہ یہ مقبرہ شیخ چلیؒ، کا ہے، انکو اس میں دفن کر دو، مجھے اسکی ضرورت نہیں ہے، حضرت شیخ تھانیسریؒ کے ارشاد کے مطابق شیخ چلیؒ کو دفن کر دیا گیا [2]۔

---

[1] غرابت نگار، ص ۲۲، [2] قلمی مکتوب،

مدرسہ شیخ چلیؒ

مدرسہ، مقبرہ شیخ چلیؒ کا مرکزی دروازہ مشرق میں ہے، اسی طرف محکمہ آثار قدیمہ کا ہدایتی بورڈ لگا ہوا ہے، مرکزی دروازے کی سیڑھیاں بہت دور تک پھیلی ہوئی ہیں اور لکھوری اینٹوں کی بنی ہوئی ہیں ان سیڑھیوں سے گزرنے کے بعد دروازہ پر پہنچتے ہیں، دروازہ کی پیشانی پر سنگ مرمر کی تختی پر ایک فارسی کتبہ ہے مگر صاف پڑھنے میں نہیں آتا ہے البتہ اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اس عمارت کی تزئین واضافہ کے وقت یہ تختی لگی ہے۔

محکمہ آثار قدیمہ کی سروے رپورٹ کے مطابق اس عمارت و مدرسہ، مقبرہ اور مسجد کی تعمیر ۱۶۵۰ء میں ہوئی ہے جسکے بانی شیخ چلیؒ تھے، مرکزی دروازہ میں داخل ہوتے ہی وسیع و عریض صحن میں ایک خوشنما حوض نظر آتا ہے جو ۲۰/ فٹ لمبا اور ۱۸/ فٹ چوڑا ہے، اور بے یار و مددگار پڑا ہوا ہے، اسکے چاروں طرف ۳۶/ ہال نما حجرے ہیں جن میں مدرسہ کے مدرسین کی درسگاہیں اور طلباء کی رہائش گاہیں تھیں، محکمہ آثار قدیمہ کی رپورٹ کے مطابق یہاں شیخ چلیؒ کا مدرسہ تھا [1]۔

مولوی ابوالحسنات ندوی اپنی کتاب "ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں" میں مدرسہ شیخ چلی کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

"تھانیسر علاقہ پنجاب میں درگاہ شیخ چلی کے قریب مدرسہ تھا جو مدرسہ شیخ چلی کے نام سے مشہور بھی تھا، مدرسہ کی عمارت ایک سو چوہتر ۱۷۴/ فٹ مربع ہے، اسکے ہر طرف نو، نو، در اور جانب مشرق دروازہ مع سیڑھیوں کے بنا ہوا ہے۔ اسکے دروازے ہندوانہ وضع کے ہیں، جب سکھوں نے زور پکڑا اور درگاہ شیخ چلی کو مندر بنایا تو اس عمارت میں گرنتھ رکھا گیا،

---

[1] غرابت نگار، ص ۲۲.

اب یہ عمارت شکستہ حال اور مرمت طلب ہے اثریات ہند کے بیان سے منکشف ہوتا ہے کہ اس مدرسہ کو ۱۰۷۰ھ مطابق ۱۶۶۱ء میں دارشکوہ نے تعمیر کرایا تھا۔[1] ''۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ یہاں شیخ چلی کی خانقاہ تھی۔ ممکن ہے کہ مدرسہ کے ساتھ کوئی خانقاہ بھی رہی ہو چونکہ پہلے عموماً مدرسوں کے ساتھ خانقاہوں کو بھی بنانے کا رواج تھا اور طالب علموں کو ظاہری علوم کے ساتھ علوم باطنی کے حصول کا بھی موقع فراہم کیا جاتا تھا جس کا تقریباً اب چلن ختم ہو گیا ہے۔

مقبرہ شیخ چلیؒ

احاطۂ مدرسہ میں واقع حوض سے شمال میں شیخ کا مقبرہ ہے جس میں جانے کے لئے سرنگ نما راستہ ہے، اندر ہی اندر کچھ دور جانے کے بعد شیخ چلی کا مقبرہ آتا ہے۔ شیخ چلیؒ کے مزار کے دائیں طرف ایک مزار ہے اور بائیں طرف دو مزار ہیں جن کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا ہے کن لوگوں کے مزارات ہیں، گمان غالب ہے کہ آپ کے خاندان کے افراد ہیں۔ بعض مکاتیب میں آپ کے صاحبزادے کا ذکر آیا تھا، ممکن ہے کہ وہ بھی یہاں مدفون ہوں، بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ شیخ چلی کی نسل زیادہ دنوں نہیں چلی، یہی وجہ ہے کہ شیخ کے مقبرہ کا مجاور منیر نامی ایک شخص تھا جو انبالہ چھاؤنی کا رہنے والا تھا۔

مقبرہ شیخ چلی کے نچلے حصہ سے اوپر چھت پر جانے کے لئے ایک زینہ ہے جہاں ایک عمدہ سنگ سرخ (مائل بہ زردی) کا ہشت پہلو گنبد ہے جس کا کلس سنگ مرمر سے مزین و مرصع ہے اور اس کی جالیاں ہمایوں کے مقبرے جیسی ہیں اور یہ گنبد اپنی آرائش و زیبائش کے اعتبار سے ہمایوں کے مقبرے کے گنبد سے کچھ

---

[1] ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں، ص ۷۲،

کم جاذب نظر و دلآویز نہیں ہے، واضح رہے کہ اوپر صرف دو ہی سنگ مرمر کے تعویذ بنے ہوئے ہیں حالانکہ تحتانی حجرہ میں چار مزار ہیں۔

بڑے گنبد کے بغل میں ایک اور گنبد ہے جس میں دو قبریں ہیں۔ گنبد کی باہری دیوار پر گلدستہ ہے جو دو چراغوں کے درمیان میں ہے، جس کے بیچ میں پھول کی پتیاں بنی ہوئی ہیں اور مغل آرٹ کا نمونہ ہیں، یہ گنبد ۳۱×۳۰/ر فٹ مربع ہے، چھت کا رقبہ ۱۶۳/ر فٹ مربع ہے چھت کے چاروں کونوں پر چار برجیاں ہیں جو مرمت طلب ہیں اور ان چاروں کونوں پر نیچے اترنے کے لئے زینے ہیں چھت کے علاوہ تحتانی حجروں اور صحن کا رقبہ تقریباً ۱۰۰/ر فٹ مربع ہے، جہاں ایک حوض ہے۔

مسجد شیخ چلی

مدرسہ، مقبرہ شیخ چلی کے احاطہ میں مغربی کونہ پر کنواں کے سامنے ایک خوش نما سنگین مسجد ہے جس کو "پتھریا مسجد" کے نام سے بھی جانا جاتا ہے، پتھریا مسجد نام رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ مسجد خالص سنگ خارا کی بنی ہوئی ہے حالانکہ درگاہ کی پوری عمارت باستثناء گنبد لکھوری اینٹوں کی بنی ہے۔

یہ مسجد پانچ در کی ہے جس کے دہرے در نہایت ہی خوبصورت و تراشیدہ ہیں جس میں سنگ تراشی و جدت طرازی کی مہارت دکھائی گئی ہے۔ ایک پیمائش کے مطابق مسجد ۲۶/ر فٹ ۱۰/ر انچ لمبی اور ۱۱/ر فٹ ۶/ر انچ چوڑی ہے جس کا صحن ۱۱/ر فٹ ۷/ر انچ چوڑا اور ۲۶/ر فٹ ۱۰/ر انچ لمبا ہے، صحن کے چاروں طرف ۶/ر فٹ ۸/ر انچ کی چہار دیواری ہے۔ مغربی دیوار میں ۵/ر محرابیں ہیں جن میں دو چھوٹی ہیں اور یہ چھوٹی محرابیں ۴/ر فٹ ۵/ر انچ چوڑی اور ۵/ر فٹ اونچی ہیں، انکے دونوں جانب خوشخط اللہ لکھا ہوا ہے باقی تین محرابیں ۴/ر فٹ چوڑی اور ۶/ر فٹ اونچی

ہیں جن میں سے درمیان میں تو اللہ لکھا ہوا ہے اور اندورن مسجد بسم اللہ اور بعد میں احادیث بھی لکھی ہوئی ہیں اگرچہ احادیث سمجھ میں نہیں آرہی ہیں، شمالی جانب ایک نہایت ہی خوشنما، محراب نما طاق ہے جو صرف چراغ رکھنے کے لئے بنا ہوا ہے مسجد کی چھت نہایت ہی مرصع اور نقش ونگار سے مزین و آراستہ ہے ۱۶ ر سیڑھیاں چڑھ کر چھت پر پہنچتے ہیں، مسجد کی چھت پر کوئی گنبد نہیں ہے البتہ اس کی پشت پر دو مینار خوبصورت اور وضعدار بنے ہوئے ہیں اور یہ دونوں عقبی مینار فیروز شاہ تغلق کی مسجد کے میناروں کے طرز پر (گاؤدم) بنے ہوئے ہیں، اسی وجہ سے محکمہ آثار قدیمہ (A S I) کی رپورٹ میں لکھا ہے کہ یہ مسجد عہد تغلق کی بنی ہوئی ہے جو بنیادی طور پر غلط فہمی پر مبنی رپورٹ ہے، یہ مسجد دور اکبری کی تعمیر کردہ ہے اور شیخ چلی کی بنائی ہوئی ہے جو اکبر بادشاہ کے درباری تھے، مسجد میں تاریخ تعمیر وغیرہ کا کوئی کتبہ نظر نہیں آیا ہے۔

مقبرہ شیخ جلال الدین تھانیسریؒ

مسجد شیخ جلال الدین تھانیسریؒ سے ۵۰ ر فٹ کے فاصلہ پر مغرب میں ایک ٹیلہ پر شیخ جلال الدین تھانیسریؒ کا مقبرہ ہے۔ شیخ جلال الدین اصلاً بلخ کے رہنے والے تھے، آپ کے جد امجد محمود شاہ نے بعہد سلطان شمس الدین التمش قلعہ تھانیسر کو فتح کیا تھا جس پر پرتھوی راج چوہان کے کسی صوبہ دار کا قبضہ تھا۔ شیخ جلال الدین تھانیسریؒ اپنے عہد کے مشہور عالم دین بلند پایہ فقیہ اور قوی الاستعداد مدرس اور صاحب کشف وکرامات بزرگ تھے، آپ حضرت شیخ عبد القدوسؒ گنگوہی کے اجل خلفاء میں تھے، اکبر بادشاہ آپ کا بڑا معتقد و گرویدہ تھا۔ ایک قلمی مکتوب میں مرقوم ہے کہ اکبر بادشاہ دہلی اور آگرہ سے کئی مرتبہ آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، ایک دفعہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ حجرہ میں یاد الٰہی میں

مشغول تھے، اکبر بادشاہ اجازت لے کر حجرہ شریف میں داخل ہوا اور تمام فوج باہر کھڑی رہی، چونکہ حجرہ بہت چھوٹا تھا، آپ نے اکبر سے فرمایا کہ سب کو اندر بلا لو چنانچہ تمام فوج اندر بیٹھ گئی پھر بھی حجرہ میں آدھی جگہ خالی رہی، اکبر بادشاہ نے آپ کو کئی گاؤں کی جاگیر دینے کی پیش کش کی لیکن آپ نے لینے سے انکار کر دیا کہ میں تو فقیر ہوں، فقیر کو جاگیر سے کیا کام، اکبر بادشاہ نے کہا کہ آپ کی اولاد کے کام آئے گی، آپ نے فرمایا کہ ان کا بھی اللہ تعالیٰ رازق ہے، مجھے ضرورت نہیں [1]۔

شیخ تھانیسریؒ نے ''ارض الھند'' کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی جس میں آپ نے ثابت کیا ہے کہ بادشاہ وقت کو کوئی بھی زمین کسی بھی شخص کو دینے کا حق ہے، ارض الہند کا قلمی نسخہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی لائبریری میں موجود ہے۔ حضرت تھانیسریؒ کے وصال کی تاریخ میں اختلاف ہے۔ شیخ تھانیسریؒ کی عمر صاحب منتخب التواریخ نے ۹۳/ سال اور صاحب سفینۃ الاولیاء نے ۹۶/ سال لکھی ہے، آپ کے مزار کے اوپر یہ کتبہ موجود ہے۔

کتبہ

مزار شیخ جلال الدین تھانیسری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون

قطب الاقطاب حضرت شیخ جلال الدین فاروقی تھانیسری

قدوسی صابری رحمۃ اللہ علیہ

ولادت ۲۹/ شعبان المعظم ۸۹۴ھ

وفات ۲۵/ ذی الحجہ ۹۸۹ھ

[1] قلمی مکتوب

قطعات تاریخی

شیخ ما چوں برفت از دنیا   مرحبا ہفت آسماں گفتہ
سال فوت جلال دین علمی   حافظ و عزت آستاں گفتہ

حضرت بندگی جلال الدین   قطب الاقطاب بے گماں کہئے
سال ہجری میں فوت کی تاریخ   حافظ اور عزت آستاں کہئے

بحکم شیخ طریقت مرشد کامل الحاج حکیم شاہ قریش احمد صاحب دامت برکاتہم نصب کردہ۔

تنویر احمد چشتی صابری قدوسی حافظی ابن مولانا عبداللہ فاروقی مرحوم نبیرہ و سجادہ نشیں، مہتمم و متولی درگاہ حضرت قطب الاقطاب شیخ جلال الدین تھانیسری فاروقی صابری قدوسیؒ۔

یہ درگاہ شیخ تھانیسریؒ پنجاب وقف بورڈ کے زیر انتظام ہے بورڈ کی جانب سے درگاہ کا نگراں، متعین ہوتا ہے۔

مسجد شیخ تھانیسریؒ

شیخ تھانیسریؒ کے مقبرہ کے احاطہ، میں شمال مغرب میں نقار خانہ کی شکستہ عمارت ہے اور اسی احاطہ میں کہیں آپ کا مدرسہ بھی تھا۔ اور احاطہ ہی میں ایک کنواں ہے جس میں حضرت تھانیسریؒ نے ریاضت معکوس کی تھی۔ اور ان کی درگاہ سے ۲۰/ فٹ کے فاصلہ پر احاطہ میں ہی ایک قدیم مسجد تھی جسکو ۱۹۴۷ء کے ۲۰/ سال بعد شرنارتھیوں نے شہید کر دیا تھا۔ جو ۲۵/ فٹ لمبی اور ۱۲/ فٹ چوڑی تھی جس کے آثار اب بھی موجود ہیں اور اس کا ایک تاریخی کتبہ درگاہ کی الماری میں محفوظ ہے جو سنگ سرخ کا ہے اور نہایت ہی عمدہ ہے وہ یہ ہے۔

شد ایں مسجد بناز فضل بیچوں   بعہد دولت شاہ ہمایوں

ماہ تاریخ ہفصد با چہل سال　　بہمت شاہ بردی نیک افعال

یہ کتبہ ایک فٹ ایک انچ چوڑااور ۲ر فٹ پانچ انچ لمبااور پانچ انچ موٹا ہے اس مسجد کی تعمیر نو کی طرف پنجاب وقف بورڈ کو فوری توجہ کرنی چاہیئے تاکہ زائرین ومعتقدین کے لئے نماز و عبادت میں آسانی ہو۔

کھنڈرات

مقبرہ شیخ چلیؒ اور مقبرہ شیخ تھانیسریؒ کے شمال کی طرف کھنڈرات ہیں جو لکھوری اینٹوں کے ہیں، جن کی آثار قدیمہ کی طرف سے کھدائی بھی ہورہی ہے، ان کے متعلق کہاجاتا ہے کہ کوروں پانڈوں کی لڑائی بھی اسی خطہ میں ہوئی تھی اور یہ ان کے شکستہ محلات ہیں جو زمین میں دھنس گئے ہیں جن کے عہد کے تعین کے سلسلے میں محکمہ آثار قدیمہ (A S I) کے ماہرین غور کررہے ہیں، کیونکہ ان کے لئے یہ مسئلہ درپیش ہے کہ لکھوری اینٹوں کا عہد سلطان شمس الدین التمشؒ کے دور سے شروع ہوتا ہے اور کوروپانڈوں کے عہد میں اس طرح کی اینٹوں کارواج نہیں تھا۔ ان کے عہد میں لکڑی اور مٹی کے مکانات تعمیر کئے جاتے تھے، ایسی صورت میں ان شکستہ کھنڈرات کاانتساب کوروپانڈوں کی طرف بے معنی ہے، راقم الحروف کو محکمہ آثار قدیمہ کے فیصلہ کاانتظار رہے گا۔ محکمہ آثار قدیمہ کے ماہرین کواخبارات میں بیانات جاری کرنے سے پہلے لکھوری اینٹوں کے عہد کے تعین کے سلسلے میں ایک سیمینار کاانعقاد کرناچاہیئے اوراس میں ماہرین آثار قدیمہ کو جمع کرناچاہیئے تاکہ ان کے خیالات کوسامنے رکھ کر کوئی فیصلہ کیاجاسکے، یہی فیصلہ معتبر ہوگا۔

مسجد لکھی شاہؒ شہر انبالہ

انبالہ، ایک مشہور شہر ہے، جو زرخیزی و مردم خیزی کی بنا پر ہریانہ کے نقشے میں اپنا خاص مقام رکھتا ہے۔

شہر انبالہ راجدھانی دلی سے ۱۹۸ر کلومیٹر کے فاصلے پر پچھم میں جی ٹی روڈ کے کنارے آباد ہے، یہ شہر مسلم دور حکومت میں وجود میں آیا، سلطان شہاب الدین غوری نے یہ علاقہ قاضی تقی متقیؒ کو ان کی وسیع خدمات کے صلہ میں بطور جاگیر دے دیا تھا بابر بادشاہ نے اپنے دور میں اس کو صدر الدین صدر جہاں کے، سپرد کردیا تھا، جو بابر کے معاصر تھے۔

انبالہ میں ریلوے جنکشن انگریزوں کے دور حکومت کی یادگار ہے، یہاں انہوں نے فوجی چھاونی بھی قائم کی تھی، جو پہلے کرنال میں تھی، وہاں مچھروں کی کثرت، تھی، اسلئے فوجی چھاونی انبالہ میں منتقل کی گئی تھی ابتک یہ چھاونی یہاں موجود ہے۔

۱۸۵۷ء کے مسلم مجاہدین آزادی کے خلاف یہیں مقدمہ چلایا گیا تھا، اور انہوں نے یہیں قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں رضا علی عابدی صاحب اپنی کتاب "جرنیلی سڑک" میں لکھتے ہیں کہ :

"دہلی سے ۱۸۵۷ء کی شورش کی اطلاع کا پہلا تار انبالہ چھاونی ہی میں موصول ہوا تھا، سید احمد شہید کے ساتھیوں پر یہیں مقدمہ چلا تھا، یہیں کے راجاؤں، رئیسوں اور نوابوں نے ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کا ساتھ دیا تھا، اس

کے صلہ میں لارڈ کیننگ نے انہیں خطابات سے بھی نوازا تھا[1]"۔

مولانا جعفر تھانیسریؒ کا شمار "انبالہ سازش کیس" کے بڑے ملزمان میں ہوتا ہے، آپ تھانیسر کے رئیس اور بڑے زمیندار تھے، آپ نہ صرف مجاہد آزادی تھے، بلکہ ۱۸۵۷ء کے مسلم مجاہدین آزادی کو بھرپور مالی تعاون دیا کرتے تھے، اس وجہ سے انگریزوں کی نگاہوں میں خار کی طرح کھٹکتے تھے، ایک رات برطانوی پولیس نے آپکے گھر کی تلاشی لی، تلاشی کے دوران برطانوی پولیس کو ایک خط ملا جو محمد شفیع ٹھیکیدار انبالہ کے نام لکھا گیا تھا، جس میں مجاہدین کو روپے دینے کا ذکر تھا، بعض دوسرے قابل اعتراض خطوط بھی پولیس کو ہاتھ لگ گئے تھے، جس کے نتیجہ میں مولانا محمد جعفر تھانیسریؒ کے خلاف مقدمہ چلا، اور پھانسی کا حکم ہوا، بعد میں پھانسی کا حکم منسوخ کر کے عمر قید بہ عبور دریائے شور مع ضبطی جائداد کی سزا دی گئی، اور آپ کو کالا پانی بھیجدیا گیا، آپ نے اپنی سرگزشت "کالا پانی" کے نام سے لکھی، جو بہت ہی دردناک ہے، آپ نے بڑی اذیت بھری زندگی گزاری لیکن آپ نے صبر و استقامت کا دامن نہیں چھوڑا۔

انبالہ سازش کیس کے ملزمان میں شیخ محمد شفیع ٹھیکیدار، مولانا یحیٰ علی عظیم آبادی، مولانا عبدالرحیم عظیم آبادیؒ، میاں عبدالغفارؒ، قاضی میاں جانؒ، عبدالکریم انبالویؒ، حسینی بن محمد بخش، عبدالغفور شاہ آباد، حسینی عظیم آبادیؒ اور الٰہی بخشؒ شامل تھے، یہ مقدمہ انبالہ سازش کیس کے نام سے مشہور ہوا، یہاں کا جیل خانہ انگریزوں کے دور کا ہے، اس جیل میں بڑے بڑے سیاسی قیدی رہے ہیں، آج کل اس جیل کے دروازہ پر اس جیل میں رہے ہوئے، ممتاز سیاسی قیدیوں کے نام لکھے ہوئے ہیں، لیکن ان میں محمد جعفر تھانیسریؒ اور ان کے رفقاء کے نام نہیں

---

[1] جرنیلی سڑک (ص ۱۴۵)

ہیں، جو حیرت انگیز بات ہے۔

انبالہ علم و ادب کا گہوارہ رہا ہے، یہاں بڑے بڑے صاحب علم و فن پیدا ہوئے، عہد عالمگیری کے مشہور مورخ اور ادیب صادق مطلبی بھی انبالہ کے رہنے والے تھے، آپ کی مشہور کتاب ''آداب عالمگیری'' ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔

یہاں کی نامور سیاسی ہستیوں میں خوشی محمد ناظر مرحوم تھے، جو غالباً جموں میں گورنر بھی تھے، اور خان عبدالغفار خاں انبالویؒ مشہور مجاہد آزادی اور حکومت ہریانہ کے وزیر بھی رہے ہیں، تقسیم وطن کے بعد اپنے وطن انبالہ ہی سے الیکشن لڑتے تھے اور جیتتے تھے، حالانکہ انبالہ میں کوئی مسلم ووٹر نہیں تھا۔

''اسمبلی الیکشن میں حلقہ انبالہ سے ٹکٹ دینے کے متعلق کانگریسی رہنماؤں نے کہا کہ اکثریتی فرقہ کے کسی آدمی کو یا کسی سکھ کو ٹکٹ دیا جائے، لیکن مولانا ابو الکلام آزادؒ نے خان عبدالغفار خاں انبالویؒ کا نام پیش فرمایا، تو کچھ لوگوں نے کہا کہ وہاں تو صرف خان عبدالغفار خاں انبالوی ہی مسلم ووٹر ہیں وہ کیونکر کامیاب ہو سکتے ہیں؟، مولانا آزادؒ نے فرمایا پھر بھی خان عبدالغفار خاں ہی کو ٹکٹ دیا جائے، چنانچہ خاں صاحب کو ٹکٹ دیا گیا، اور خان عبدالغفار خاں انبالوی، حلقہ انبالہ سے کامیاب ہوئے [۱]''۔

یہ مرحوم خان عبدالغفار خاں صاحب کی ہر دلعزیزی اور مقبولیت کے ساتھ مولانا ابو الکلام آزاد مرحوم کی سیاسی بصیرت اور مردم شناسی کی واضح دلیل ہے۔

انبالہ شہر میں بھی تحریک آزادی وطن کے سلسلہ میں مجاہدین آزادی آیا کرتے تھے، ام الاحرار (والدہ ماجدہ مولانا محمد علیؒ اور مولانا شوکت علیؒ) بھی آچکی ہیں، بی اماں کے ہمراہ امجدی بیگم (بیگم مولانا محمد علی جوہرؒ) بھی تھیں، خان عبدالرشید

---

[۱] الواح الصنادید (ج دوم ص ۱۸۱)

خاں بیرسٹر کی "کوٹھی" پر ٹھہری تھیں "غلہ منڈی" کے میدان میں اجلاس عام ہوا تھا، اس اجلاس میں بی اماں اور بیگم مولانا محمد علی کی خدمت میں اھل شہر کی طرف سے ایک عقیدت نامہ پیش کیا گیا تھا، جسے خاں عبدالغفار خاں صاحب نے پڑھا تھا[۱]۔

اسلامیان انبالہ نے تحریک آزادی وطن میں زبردست حصہ لیا تھا، مگر جب آزادی ملی اور بعض ناعاقبت اندیش قائدین کی وجہ سے ملک تقسیم ہوا، تو انبالہ بھی فسادات کی زد میں آگیا۔

انبالہ کے مشہور شاعر وصحافی مولانا وقار انبالوی تھے، جو ۱۹۴۷ء کے فسادات کے چشم دید گواہ ہیں، خود ان کا بیان ہے کہ :

"انہی دنوں ان کے فرزند عارف وقار (جن کی اس وقت عمر بمشکل ڈیڑھ برس تھی) کو وحشیوں (فسادیوں) نے اسوقت برچھے کی نوک پر اچھالا تھا، جب اسے شدید بخار کی حالت میں ڈاکٹر کے پاس لے جایا جارہا تھا"

مولانا وقار انبالوی، نے ۱۹۴۷ء کے فسادات کی منظر کشی اپنے ان شعر میں کی ہے آپ کے دردناک اشعار ملاحظہ فرمائیں :

ہو نہیں سکتا بیاں آنکھ نے کیا کیا دیکھا
دیر تک اپنے مقدر کا تماشا دیکھا

دیر تک صبح وطن شام غریباں ہی رہی
دیر تک دیس میں پردیس کا نقشہ دیکھا

ہم نے بدلے ہوئے احباب کے تیور دیکھے
ہم نے بپھرے ہوئے اغیار کا تیہا دیکھا

---

[۱] ہندوستان کی جنگ آزادی میں مسلم خواتین کا حصہ، ص ۶،

ہم نے توہین مساجد کے مناظر دیکھے
ہم نے تذلیل مقابر کا تماشا دیکھا
ہم نے جس سوز حمیت سے قفس پھونکے تھے
آشیانوں کو اسی آگ میں جلتا دیکھا

۱۹۹۱ء کی مردم شماری کے اعتبار سے انبالہ کی مجموعی آبادی سات لاکھ ستانوے ہزار چار سو اسی (۷,۹۷,۴۸۰) ہے، جس میں مسلمانوں کی تعداد بمشکل ایک ہزار ہوگی اور وہ بھی محنت کش طبقہ ہے۔

انبالہ میں تقریباً دو سو مسجدیں ہیں، اس وقت ان میں، چار پانچ مسجدیں آباد ہیں، باقی مسجدیں ویران اور غیر آباد ہیں، عید گاہ اور مقبرے بھی ہیں، دوسری مسجدوں کی طرح عید گاہ پر بھی ناجائز قبضہ ہے، جسکے خلاف عدالتی کارروائی کی جارہی ہے۔

مقبرہ لکھی شاہؒ

شہر انبالہ میں مدفون صوفیا و مشائخ میں لکھی شاہؒ کا مقام و رتبہ بلند وارفع ہے، یہ بلا تفریق مذہب و ملت عقیدت و احترام کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں۔

لکھی شاہؒ بارہویں صدی عیسوی کے مشہور بزرگ تھے، حضرت لکھی شاہؒ کا اصل نام تاج الدین تھا، چونکہ آپ کے مریدین کی تعداد لاکھوں سے متجاوز تھی، اس لئے آپ کو لکھی شاہؒ پکارا جانے لگا۔

کہا جاتا ہے کہ لکھی شاہؒ قطب الدین ایبک کے دور کے بزرگ تھے، آپ حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے، آپ کے متعلق مشہور ہے کہ آپ نے ایک جنگ میں شہادت حاصل کی ہے، بعد شہادت آپکو انبالہ میں سپرد خاک کیا گیا، آپ کا مزار اناج منڈی انبالہ شہر میں ہے، آپ کے قرب وجوار کا علاقہ ''گنج شہیداں'' کہا جاتا ہے، مشہور ہے کہ آپ کے مزار پر حضرت سائیں

توکل شاہ صاحبؒ اکثر مراقب ہوا کرتے تھے۔

حضرت لکھی شاہ صاحبؒ کی قبر ۱۳ر فٹ لمبی اور ار فٹ ۱۰ر انچ چوڑی ہے، جس کے کنارے ۷ر فٹ لمبا اور ۵ر فٹ چوڑا پتھر کا پرانا جنگلا ہے، اسطرح کی لمبی اور چوڑی قبریں عموماً پنجاب میں ہوا کرتی ہیں جو نو گزہ قبریں کہلاتی ہیں۔

آپ کی قبر کے علاوہ دو قبریں اور ہیں، جو ۸ر فٹ ۱۰ر انچ لمبی اور ۲ر فٹ چوڑی ہیں، ان کا احاطہ ۱۲ر فٹ ۲ر انچ لمبا اور ۸ر فٹ ۶ر انچ پتھر کا جالی دار، جنگلا ہے ان قبروں پر ٹین کا سائبان ہے، ایک قبر شرع کے مطابق ہے، اور دو قبریں مشرقی جانب ہیں، ۸ر فٹ لمبے اور ۶۱ر فٹ چوڑے احاطے میں یہ مزارات ہیں۔

۲۶ر رجب المرجب کو یہاں عرس بھی ہوتا ہے، یہ درگاہ پنجاب وقف بورڈ کے زیر انتظام ہے۔

مسجد لکھی شاہؒ

حضرت لکھی شاہ کے مزار کے ملحق ایک پرانی مسجد ہے، جو "مسجد لکھی شاہؒ" کے نام مشہور ہے، جس کا اندراج گزٹ میں ہے، جس کے تین در تین گنبد اور چار مینار ہیں، جن میں سے جانب مشرق کا ایک مینار شہید ہو چکا ہے۔

مسجد لکھی شاہ لکھوری اینٹوں کی بنی ہوئی ہے، صحن ۳۵ر فٹ لمبا اور ۱۵ر فٹ چوڑا ہے، فرش پختہ ہے، اندرونی حصہ ۳۲ر فٹ لمبا اور ۱۳ر فٹ چوڑا ہے، جس کا فرش مرمت طلب ہے، مسجد کا بر آمدہ بھی ہے۔

مسجد کے جانب جنوب میں، امام کے لئے قدیم حجرہ بنا ہوا ہے، مسجد کے ملحق مغرب اور شمال میں پنجاب وقف بورڈ کی دکانیں ہیں، جن کے کرایہ دار غیر مسلم ہیں، مسجد کے چاروں طرف غیر مسلم آباد ہیں، اس میں جمعہ اور پنجوقتہ نمازیں ہوتی ہیں، مسجد پنجاب وقف بورڈ کے زیر انتظام ہے۔

جامع مسجد سائیں توکل شاہ

شہر انبالہ کی تاریخی مساجد میں ''جامع مسجد سائیں توکل شاہ'' ایک اہم تاریخی و ثقافتی یادگار ہے اس مسجد کے بانی کے بارے میں کوئی حتمی رائے قائم کرنا مشکل ہے، البتہ قیاس و وجدان کا فیصلہ ہے کہ حضرت سائیں توکل شاہ صاحبؒ کے دور کی تعمیر ہے، اور کچھ مستبعد نہیں کہ حضرت سائیں توکل شاہ صاحبؒ نے تعمیر کرائی ہو، چونکہ مسجد میں توسیع کی جاچکی ہے، اس لئے مسجد کی اصل ہیئت وحالت کا علم نہیں ہوسکتا، البتہ اسکے آثار خاص طور پر دونوں قدیم میناروں سے اسکی قدامت کا تھوڑا بہت علم وادراک حاصل ہوجاتا ہے، مگروہ بھی تعیین عہد کے لئے ناکافی ہے۔

سب سے حیرت انگیز بات یہ کہ مسجد میں کوئی نوشتہ دیوار اور لوحی ثبوت موجود نہیں ہے، درانحالیکہ احاطہ مسجد میں واقع درگاہ حضرت سائیں توکل شاہؒ کی دیوار پر کتبہ نصب ہے، یہ کتبہ قرآنی آیات پر مشتمل ہے، اور بہت ہی دیدہ زیب کتبہ ہے۔

مسجد گزٹ ہے، جس کے تحت متعدد دکانیں اور وقف جائیدادیں ہیں۔

مسجد کی فنی خصوصیت

مسجد سائیں توکل شاہؒ، لکھوری اینٹوں کی بنی ہوئی ہے، جس کے تین در اور دو مینار ہیں، کوئی گنبد نہیں ہے، حالانکہ مسجد ملحق مقبرہ سائیں توکل شاہؒ پر

شاندار گنبد ہے، جو دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے، پہلے مسجد کی چھت خام تھی، اب پختہ ہے، بر آمدہ، بعد کا اضافہ ہے، جسے پنجاب وقف بورڈ نے تعمیر کرایا ہے، جس کے چار ستون ہیں۔

ایک پیمائش کے مطابق مسجد ۳۲ ر فٹ ۶ ر انچ لمبی اور ۱۱ ر فٹ ۳ ر انچ چوڑی ہے، بر آمدہ صحن ۴۷ ر فٹ ۶ ر انچ لمبا اور ۱۳ ر فٹ چوڑا ہے، اور ۱۱ ر فٹ ۹ ر انچ چوڑا کھلا صحن ہے۔

مسجد میں تین سیڑھیوں کا منبر ہے، اس مسجد میں پنجوقتہ نمازوں کے علاوہ جمعہ اور عیدین کی نمازیں ہوتی ہیں، مسجد سائیں توکل شاہ پنجاب وقف بورڈ کے زیر اہتمام ہے، بورڈ کی طرف سے حضرت مولانا قاری محمد اسحٰق حافظ سہارنپوری صاحب امام و خطیب مقرر ہیں، حضرت قاری صاحب اردو کے مشہور شاعر اور پندرہ روزہ "نوائے وطن" کے ایڈیٹر ہیں، حضرت قاری صاحب یہاں یکم دسمبر ۱۹۶۲ء میں تشریف لائے تھے، اسوقت اس مسجد میں بمشکل ایک دو نمازی ہی ہوتے تھے، اب ماشاء اللہ دس بیس نمازی ہر نماز میں ہوتے ہیں، اور جمعہ میں توبڑی تعداد میں آپ کے مواعظ حسنہ اور پند و نصائح سے مستفیض ہوتے ہیں۔

مسجد سائیں توکل شاہ کی تاریخی حیثیت مسلم ہے۔

حضرت قاری صاحب نے رضا علی عابدی صاحب، نمائندہ بی بی سی لندن سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا تھا:

"یہ بڑی تاریخی حیثیت کی مسجد ہے، ایسی مسجد آپ کو ہریانہ، پنجاب میں ایک بھی نہیں ملے گی، اسکی تاریخی حیثیت یہ ہے کہ پارٹیشن کے بعد جب پنجاب اور ہریانہ کی ہزاروں مسجدیں ویران ہو گئیں، اور انکے اندر رہائش ہو گئی یا ان کا استعمال بدل دیا گیا تو یہ واحد مسجد ہے، اور یہ درگاہ توکل

شاہ ایسی ہے کہ پارٹیشن کے بعد بھی ایک دن بھی اس کا غلط استعمال نہیں ہوا، کیسے ؟ (نمائندہ نے سوال کیا) اسلئے کہ جب یہاں مسلمان باقی نہ رہے، تو قدرت خداوندی سے ایسا ہوا کہ اس جگہ کو حکومت کی طرف سے لڑکیوں کا کیمپ بنا دیا گیا جو فسادات کے دوران اغوا کی گئیں، تو مشرقی پنجاب میں جتنی مسلمان لڑکیاں برآمد کی جاتی تھیں، وہ اس کیمپ میں رکھی جاتی تھیں اس زمانے میں اس مسجد میں ایک ایک وقت میں پانچ پانچ سو لڑکیاں رہی ہیں، مجھے ایسی لڑکیوں سے ملنے کا اتفاق ہوا جو اس زمانے میں کیمپ کی انچارج بن کر یہاں رہیں، تو یہ مسلمان لڑکیوں کا کیمپ رہا، جب کہ اور کسی مسجد میں نہ اذان ہوتی نہ نماز ہوتی تھی، نہ تلاوت کلام پاک ہوتی تھی، یہاں کئی کئی سو لڑکیاں قرآن پاک پڑھتی تھیں[۱]"۔

مسجد حضرت سائین توکل شاہ میں کیمپ

جیسا کہ معلوم ہوا کہ ۱۹۴۷ء کے حوادث وفسادات کے دوران مشرقی پنجاب میں بھاری تعداد میں مسلم عورتوں کو اغوا کیا گیا تھا، ان مغویہ مسلم خواتین کے لئے مسجد اور درگاہ حضرت سائیں توکل شاہ میں حکومتی سطح پر کیمپ قائم کیا گیا تھا، جہاں مشرقی پنجاب کی مظلوم عورتوں کو جمع کیا جاتا تھا، پھر وہاں سے ایک معاہدہ کے تحت ان مغویہ عورتوں کو انکے وارثین کے پاس پاکستان بھیجدیا جاتا تھا۔

حکومت کی طرف سے رضاکار خواتین پر مشتمل حفاظتی عملہ کی سربراہ مشہور مجاہد آزادی مردولہ سارہ بائی تھیں، جو گاندھی جی کی خاص تربیت یافتہ تھیں اور پورے مشرقی پنجاب خاص طور پر اس مسجد اور درگاہ میں پناہ گزیں لڑکیوں اور عورتوں کی حفاظت و دیکھ بھال میں پیش پیش تھیں۔

---

[۱] جرنیلی سڑک، ص ۱۵۳۔

حضرت قاری محمد اسحٰق صاحب حافظ سہارنپوری نے راقم الحروف سے بیان فرمایا کہ :

"۱۹۶۵ء میں کناڈا سے ایک خاتون یہاں آئیں جو اصلاً پنجاب کی رہنے والی تھیں انہوں نے بیان فرمایا کہ میں اس عملہ کی ممبر تھیں، جب یہاں مغویہ خواتین کی حفاظت کے لئے کیمپ قائم کیا گیا تھا، یہاں وہ لڑکیاں رو رو کر دعائیں کرتی تھیں"۔

جب مغویہ خواتین یہاں سے پاکستان منتقل ہو گئیں تب حکومت ہند نے اس مسجد کو مقفل کر دیا۔

پنجاب وقف بورڈ کی تشکیل

موجودہ پنجاب وقف بورڈ، پنجاب، ہریانہ اور ہماچل پردیش تینوں صوبوں کا مشترکہ بورڈ ہے پنجاب وقف بورڈ کی تشکیل کے بعد سب سے پہلے اس کا دفتر ۱۹۶۰ء میں مسجد درگاہ حضرت سائیں توکل شاہ صاحب کے حجروں میں قائم ہوا تھا، اس کے سب سے پہلے چیئرمین کرنل خواجہ محمد سعید صاحب شملویؒ اور اہم ممبران میں حضرت مولانا لقاء اللہ عثمانیؒ پانی پتی، مولانا خلیل الرحمٰن لدھیانویؒ، خان عبد الغفار خاں انبالویؒ (اس مسجد کے تحفظ وبقا کی تحریک میں آپ زندگی بھر سرگرم رہے) ماسٹر محمد اشرفؒ گوڑگاؤں، محمد شفیع مالیر کوٹلوی، علی حسن صاحب (شیعہ نمائندہ) اور سید مقبول احمد سجادہ نشین درگاہ حضرت مجدد الف ثانی سرہندیؒ تھے، ۱۹۶۲ء میں دفتر یہاں سے کوٹھی نمبر ۵۰ / سردار پٹیل مارگ پر منتقل ہو گیا جہاں اب پنجاب وقف بورڈ کا مرکزی دفتر ہے۔

حضرت سائیں توکل شاہ کی شخصیت

حضرت سائیں توکل شاہ صاحب، سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے مشہور

صوفی تھے، سائیں دراصل شاہ کی بگڑی ہوئی صورت ہے، سائیں فقیر کو کہتے ہیں "سائیں" حضرت توکل شاہ صاحب کے نام کا جزو لاینفک ہے۔

آپ کا وطن قصبہ خیلان ضلع ہوشیارپور ہے، آپ اوائل عمری میں انبالہ آگئے تھے، کہا جاتا ہے کہ آپکو انبالہ شہر کی ولایت، بہ عمر ۱۲/ سال سپرد کردی گئی تھی، آپکے مریدین و منتسبین کی تعداد لاکھوں میں تھی، آپ کا ایک بڑا حلقہ پاکستان میں موجود ہے، جہاں سے آپ کی سوانح عمری بھی شائع کی گئی ہے۔

آپ نے زندگی میں دو شادیاں کیں، لیکن کوئی اولاد نہیں ہوئی، آپ کا انتقال ۴/ ربیع الاول ۱۳۱۵ھ میں انبالہ میں ہوا اور انبالہ ہی میں مدفون ہوئے۔

قطعۂ تاریخ

حضرت قطب زماں، عارف کامل، سائیں توکل شاہ صاحب نقشبندی مجددی انبالوی نور اللہ مرقدہ بروز چہار شنبہ و چہار ربیع الاول ۱۳۱۵ھ مطابق ۴/ اگست ۱۸۹۷ء از دنیا ناپائیدار رحلت نمودند۔

رفت از دنیا چوں آں قطب زماں — پیر کامل خواجہ انبالوی
مقتدائے عارفان نقشبند — پیشوائے ہر کس و ہر متقی
صوفی روشن ضمیر و پاکباز — آفتاب فیض انوار نبی
سال وصلش نامیٔ مسکین گفت — شہ توکل بود متوکل ولی

از حسن خاں طیب المتخلص بہ نامی — ۱۳۱۵ھ

حضرت سائیں توکل شاہ صاحب کا مقبرہ نہایت ہی عالیشان ہے، جسکو محمد صدیق سوداگر دہلی نے تعمیر کیا ہے، کہا جاتا ہے کہ محمد صدیق سوداگر انگریزی دور حکومت میں ٹھیکیدار تھے، جن کے کسی کام میں نقص و کمی کی وجہ سے حکومت نے انکی تمام بقایا جات کو رد کردیا تھا، حضرت سائیں توکل شاہ صاحب کی دعاء

سے آپ کے کل بقایا جات کی یک مشت ادائیگی ہو گئی، جس سے آپ کے اعتقاد میں اضافہ ہوا، آپ حضرت سائیں توکل شاہ صاحب کے مریدین میں شامل ہو گئے، آپکی قبر بھی اسی احاطہ میں ہے۔

حضرت سائیں توکل شاہ صاحب کے مقبرہ کی پیشانی پر آپ کی مناسبت سے یہ آیت لکھی ہوئی ہے، اور بہت ہی خوشخط ہیں۔

ومن یتوکل علی اللہ فھوحسبہ وعلی اللہ فلیتوکل المتوکلون ان اللہ یحب المتوکلین ☆

مقبرہ حضرت سائیں توکل شاہؒ اپنے مخصوص فن تعمیر کے اعتبار سے مغل فن تعمیر کا عمدہ نمونہ ہے، مقبرہ ۴۲۰ / فٹ گول ہے، جس کے برآمدے کے ۴۲ / سنگی ستون ہیں اور برآمدہ ۷ / فٹ ۱۰ / انچ چوڑا ہے، برآمدہ کے چاروں طرف شاندار چھجے ہیں، جس کے اندر صناعی و میناکاری کی گئی ہے۔

مقبرہ سائیں توکل شاہؒ کے ملحق ایک اور مقبرہ ہے، جس کے تین در ہیں دو معمولی مینار ہیں، جن پر کلس نہیں ہیں، صرف لوہے کے سریے ہیں، البتہ درمیان میں کوہان نما برج ہے، یہ آپ کی اہلیہ کا مقبرہ ہے، اسی احاطہ میں آپ کی دوسری اہلیہ بھی مدفون ہیں اور دوسرے لوگوں کے مزارات ہیں۔

ٹیکنیکل ادارے

احاطہ درگاہ حضرت سائیں توکل شاہ میں کمپیوٹر سنٹر، آئی ٹی آئی اور توکل شاہ پرینٹنگ پریس اور اسکرین پرینٹنگ وغیرہ ٹیکنیکل ادارے قائم ہیں، اور چل رہے ہیں، منظور احمد صاحب، ایڈ منسٹریٹر پنجاب وقف بورڈ کے دور میں جن کا سنگ بنیاد رکھا گیا تھا، ان اداروں کی عمارتیں بھی شاندار ہیں۔

مسجد میراں جی بھیکؒ

کوروکشیتر...... صوبہ ہریانہ کا مشہور و معروف، ضلع ہے جو ہندوؤں کا ایک مذہبی مقام ہے جہاں انڈے گوشت اور شراب پر قانوناً پابندی ہے، اسی کوروکشیتر کے گردونواح میں اسمٰعیل آباد کے نزدیک ٹھسکہ میراں جی بھیکؒ ہے، راقم الحروف اپنے مجوزہ پروگرام کے مطابق ٹھسکہ میراں جی بھیکؒ جارہا تھا جو اسمٰعیل آباد سے کوئی ۴ر کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے، ٹھسکہ میراں جی بھیکؒ کے راستے میں اسمٰعیل آباد آتا ہے جو ایک قدیم چھوٹا سا گاؤں ہے جس میں درجنوں مسجدوں کے بلندو بالا گنبد اور مینار ''مسافران رہ گزر'' کو دعوت نظارہ دیتے ہوئے نظر آتے ہیں اور اہل ایمان کے قلوب کو تڑپاتے ہیں۔

راقم السطور کے استفسار پر بورڈ کے بعض ذمہ داروں نے بتایا کہ یہ پہلے مسلمانوں کا گاؤں تھا۔ ۱۹۴۷ء میں انتقال آبادی ہو جانے کی وجہ سے یہاں سکھوں اور ہندوؤں نے مسلمانوں کے ذاتی مکانات واملاک پر قبضئہ غاصبانہ کرلیا جو تاریخ ہند کا ایک سیاہ باب ہے اور آج اس گاؤں میں سکھوں اور ہندوؤں کی مخلوط آبادی ہے، ہم لوگ تنگی وقت کی وجہ سے ان مساجد و آثار پر دور ہی سے سرسری نگاہ ڈالتے ہوئے دیکھنے کی حسرت اور قبضہ کا صدمہ لیئے ہوئے گزر گئے لیکن دل گواہی دیتا ہے کہ پنجاب وہریانہ کی مقبوضہ بستیوں کی طرح اس مقبوضہ بستی کی کچھ مسجدوں میں رہائشیں ہوں گی اور کچھ میں جانور باندھے جاتے ہوں گے کچھ

میں تالے لگے ہوں گے اور کچھ میں پرندوں کے آشیانے بنے ہوں گے، چونکہ ان مساجد کے (بظاہر) محافظین یا تو پاکستان چلے گئے یا رب السموات والارض کے دربار عالیہ میں پہنچ گئے، اب اللہ کی بے نیاز و مستغنی ذات ان مساجد کی محافظ و نگراں ہے۔

میراں جی بھیکؒ

ٹھسہ میراں جی بھیکؒ دراصل ایک چھوٹی سی بستی ہے جو کبھی رشد و ہدایت کی نگری تھی، اسی بستی کے ایک گوشہ میں میراں جی بھیکؒ محو استراحت ہیں۔

میراں جی بھیکؒ شاہ ابو المعالیؒ (جو خاندان چشتیہ کے ایک نامور شیخ تھے) کے خلیفہ اور بڑے صاحب کشف و کرامات تھے، آپ کے معتقدین بکثرت تھے جن میں محمد شاہ بادشاہ کے وزیر روشن الدولہ بھی تھے جن کا نام خواجہ مظفر تھا جو خواجگان خاندان نقشبندیہ میں تھے جنہوں نے اپنے شیخ میراں جی بھیکؒ کے نام پر دلی میں دو عالیشان مسجدیں بھی تعمیر کی ہیں جو آج بھی مسجد روشن الدولہ (دریا گنج) اور سنہری مسجد (چاندنی چوک) کے نام سے مشہور اور آباد ہیں ان دونوں مسجدوں میں میراں جی بھیکؒ کے نام کے تاریخی کتبے موجود ہیں، راقم الحروف کی کتاب ''دلی کی تاریخی مساجد حصہ اول'' میں یہ کتبات نقل کیے گئے ہیں۔

میراں جی بھیک کے متعلق مصنف حیات خلیل نے لکھا ہے کہ:

''محمد شاہ بادشاہ کے وزیر روشن الدولہ نے جو شاہ ابو المعالیؒ کے خلیفہ شاہ بھیکؒ کا بڑا معتقد تھا اپنے شیخ کے شیخ شاہ ابو المعالیؒ کے پوتے شاہ نظام الدین کو صوبے دار بنایا، اس کے ساتھ معافی دوام شاہی عطیہ شاہ

ابو المعالی کی اولاد کے نام وقف کی جسکی آمدنی چھ ہزار تھی ۔ ؎"

میراں جی بھیکؒ کے متعلق مصنف تذکرۃ الخلیل نے یہ عجیب و غریب واقعہ نقل کیا ہے جس سے حضرت بھیکؒ کے روحانی تصرف کا علم ہوتا ہے۔

"ایک مرتبہ ملک میں امساک باراں ہوکر قحط پڑا اور مخلوق گھبرا گئی تو محمد شاہ نے وزیر سے کہا کہ میں تو تمہارے پیر کا معتقد اس وقت ہوں گا جب کہ کل کو بارش ہو، روشن الدولہ نے عرض کیا کہ حضور میرا پیر خدا تو نہیں کہ بارش برسانا، اس کے اختیار میں ہو البتہ خدا کا مقبول بندہ تھا اسلئے واسطہ دیکر اللہ سے دعا کروں گا کیا عجب ہے کہ قبول ہو جائے چنانچہ عشاء سے فارغ ہو کر تمام رات جاگا اور دعا مانگی یا اللہ شاہ بھیکؒ کا واسطہ مجھ فقیر کو بھیک دے، آخر شب میں غنودگی طاری ہوئی اور خواب میں شاہ بھیکؒ کی زیارت ہوئی کہ فرماتے ہیں کیوں گھبراتے ہو تمہاری دعا قبول ہوئی اور فلاں وقت بارش ہوگی، صبح کو روشن الدولہ دربار میں آیا تو بادشاہ نے پوچھا کہ کہو دعا بھی مانگی ؟ عرض کیا کہ ہاں جہاں پناہ مانگی اور الحمد للہ قبولیت کی بشارت بھی ملی کہ فلاں وقت بارش ہو جائے گی، چنانچہ اسی وقت بارش ہوئی اور اتنی موسلادھار کہ مخلوق نہال ہو گئی۔ بادشاہ نے خوش ہو کر وزیر سے کہا کہ مانگو کیا مانگتے ہو، وزیر نے جواب دیا کہ میرے پاس حضور کا دیا ہوا سب کچھ ہے جو دینا ہو وہ میرے پیر کی اولاد پر وقف کر دیجئے چنانچہ بائیس گاؤں مزار کوہ رام پر وقف کئے گئے مگر شاہ بھیک کے جانشین سجادہ نے لینے سے انکار کیا اور کہا کہ یہاں جو کچھ آیا ہے وہ حضرت ابو المعالیؒ کی عنایت و توجہ سے آیا ہے لہذا وہی مقدس جگہ اس کی مستحق ہے کہ اس پر وقف ہو،

؎ حیات خلیل حصہ اول، (ص ۲۹)

اس بنا پر معافی دوام شاہی عطیہ شاہ ابو المعالیؒ کی اولاد کے نام منتقل ہوا جسکی آمدنی چھ ہزار تھی اور اب تک سجادگان شیخ اس پر قابض و متصرف ہیں [1]"

مقبرہ

میراں جی بھیک کا وصال ۹ / رجب ۱۰۴۲ھ مطابق ۲۷ / مارچ ۱۶۳۲ء میں ۸۴ / سال کی عمر میں ہوا تھا، کہا جاتا ہے کہ میراں جی اسی مقام پر رہے اور انتقال کے بعد اسی جگہ پر مدفون ہوئے جہاں آپ کا عالیشان مقبرہ بنا ہوا ہے جس کے بانی کے متعلق کوئی حتمی رائے قائم کرنا مشکل ہے لیکن مقبرے کے طرز تعمیر و ساخت اور وقف اراضی کی وسعت سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کے معتقد نواب روشن الدولہ ہی کی تعمیر اور وقف ہے۔

مقبرہ کے احاطہ میں مقیم لوگوں کے بیانات کے مطابق اسکی ۶۰۰۰ / ہزار گز زمین ہے جس میں سے کچھ میں مقبرہ ہے اور کچھ میں مسجد ہے، اور باقی مقبرہ کے اطراف و جوانب میں ہے جو پنجاب وقف بورڈ کی تولیت و ملکیت میں ہے۔

مقبرہ میراں جی لکھوری اینٹوں اور سنگ خارا کا (مغل طرز پر) بنا ہوا ہے اور بہت ہی حسین و جمیل ہے جو ۶۰ / فٹ مربع ہے اور گنبد بلند و مرتفع ہے، مزار کا مجاور مسلمان تھا لیکن اپنی وضع قطع اور شکل و صورت سے سکھ معلوم ہوتا تھا۔

مقبوضہ مسجد

مقبرہ میراں جی بھیک کے احاطے میں لکھوری اینٹوں کی بنی ہوئی ایک لاجواب مسجد ہے جس کی تاریخ تعمیر اور بانی مسجد کا نام معلوم نہ ہو سکا، گمان غالب ہے کہ یہ مسجد مقبرہ کے ساتھ ہی تعمیر ہوئی ہو گی جو مغل طرز تعمیر کا عمدہ نمونہ ہے۔ یہ تین دروں اور تین گنبدوں کی مسجد ہے درمیانی در پر دو چھوٹے مینار

---

[1] تذکرۃ الخلیل مصنفہ محمد عاشق الٰہی میرٹھی، (ص ٦)

ہیں اور شمالی و جنوبی جانب بھی دو بڑے مینار ہیں، ان میناروں اور گنبدوں پر بھی سنہرے کلس ہیں جن کے متعلق سونے کا شبہ ہوتا ہے۔

مسجد کا صحن ۷۰ / فٹ چوڑا اور ۵۰ / فٹ لمبا ہے اور اندر سے مسجد ۳۰ / فٹ چوڑی اور ۵۰ / فٹ لمبی ہے، مسجد کے صحن میں سکھوں کا قومی جھنڈا گڑا ہوا تھا اور مسجد کے اندر گرنتھ صاحب رکھا ہوا تھا اور گرنتھ صاحب بالکل منبر کے ملحق تھا، ظاہر بات ہے کہ مسجد غیر آباد ہے، مسجد اور مقبرے کے درمیان ایک حوض اور لنگر خانہ ہے اور حوض اور لنگر خانہ کے ملحق ایک بلند کرسی پر بارہ دری ہے جس میں محراب بنی ہوئی ہے اور یہ بارہ دری بہت بڑی ہے۔ اس بارہ دری کے علاوہ بھی بہت ساری عمارتیں ہیں جو مسلم طرز پر بنی ہوئی ہیں مسجد میراں جی کے شمالی جانب چار قبروں کا احاطہ ہے جو قدرے نشیب میں ہے، مسجد سے بالکل ملحق ایک مزار ہے جس پر بہت ہی عمدہ شلغمی گنبد ہے۔

درگاہ محمد شاہ

ٹھٹھہ میراں جی سے ۵ / کلومیٹر کے فاصلے پر ڈیرہ محمد شاہ گاؤں ہے جہاں ایک درگاہ ہے جو درگاہ محمد شاہ کے نام سے مشہور ہے درگاہ ۲۰ / فٹ چوڑی اور ۳۰ / فٹ لمبی ہے، درگاہ کے احاطہ میں ایک مزار ہے اس کے دائیں جانب بھی ایک قبر ہے، درگاہ کے سامنے ایک چھوٹی سی مسجد ہے جس میں حسب معمول گوردوارہ بنا ہوا ہے، اس درگاہ کا مجاور ایک سکھ ہے، جس نے درگاہ کے دروازہ پر ایک کمرہ تعمیر کرلیا ہے جس میں وہ رہتا ہے، درگاہ کی ایک ایکڑ وقف زمین ہے یہ درگاہ مع وقف اراضی پنجاب وقف بورڈ کی تولیت میں ہے۔

جامع مسجد کیتھل

کیتھل ہریانہ کا مشہور وقدیم شہر ہے، یہ دلی سے ۱۲۲؍ کلومیٹر اور انبالہ سے ۸۰؍ کلومیٹر کی مسافت پر واقع ہے، اب صدر مقام (ضلع) بھی ہے، کیتھل دراصل کیس تھل تھا جسکے معنی ہیں بندروں کا مقام، جو بگڑ کر کیتھل ہو گیا ہے۔

امپیریل گزیٹیئر کی تحقیق کے مطابق یہ فصیل بند شہر تھا جس کے سات دروازے تھے جو ۱۹۴۷ء تک رات میں بند ہو جایا کرتے تھے، آج بھی یہ دروازے ریلوے گیٹ، چندانہ گیٹ، قصاب گیٹ، کیوڑک گیٹ، کوٹھی گیٹ، ڈوگرہ گیٹ اور سیون گیٹ کے ناموں سے مشہور ہیں، اور مقامی لوگوں کی نوک زبان پر رہتے ہیں اور جابجا ان کے آثار وکھنڈرات بھی ملتے ہیں، یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ یہاں کبھی ہری سنگھ کا قلعہ بھی تھا جس کو ڈھا کر اس کی جگہ پر اب گورنمنٹ اسکول تعمیر ہو گیا ہے۔

اس شہر کو صوفیائے کرام ومشائخ عظام کا مولد ومدفن ہونے کا بھی شرف حاصل ہے ۱۹۴۷ء سے پہلے یہاں مسلمانوں کی اکثریت تھی اور ان کا بڑا اثر ورسوخ تھا، یہاں نواب خاندان کے ایک مسلمان تھے جن کا نام معلوم نہ ہو سکا وہ میونسپلٹی کے چیئرمین ہوا کرتے تھے، تقسیم ملک کے بعد یہاں کی مسلم آبادی پاکستان منتقل ہو گئی اور ان کی مسجدوں، درگاہوں اور جائیدادوں پر شرنارتھیوں کا قبضہ ہو گیا، آج بھی اس شہر میں گزٹ کے مطابق ۸۵؍ اور مقامی لوگوں کے

بیانات کے مطابق ۱۴۰ر مسجدیں ہیں جن میں سے کچھ ۱۹۴۷ء میں شہید ہو گئی تھیں اور کچھ پر آج بھی ناجائز قبضہ ہے اور چند آباد ہیں۔

۱۹۹۱ء کی مردم شماری کے اعتبار سے یہاں کی مجموعی آبادی آٹھ لاکھ بیس ہزار چھ سو بچاسی ہے جس میں بمشکل دو ہزار مسلمان ہوں گے اور وہ بھی غریب و مزدور لوگ ہیں جو مختلف صوبوں سے آکر آباد ہوئے ہیں، مگر اب پنجاب و ہریانہ اور ہماچل پردیش میں مسلم آبادی بہت تیزی سے بڑھ رہی ہے، جو ایک خوش آئند بات ہے۔

جامع مسجد

کیتھل کے قلب شہر میں محلہ قصاب ہے (جو اپنے محل وقوع کے اعتبار سے مسلم طرز تعمیر کی نمائندگی کرتا ہے) جس میں لکھوری اینٹوں کی بنی ہوئی ایک منہدم مسجد ہے جو جامع مسجد کیتھل کے نام سے مشہور ہے، صحن کے علاوہ صرف اندرون مسجد ۸۴ر فٹ لمبی اور ۱۷ر فٹ چوڑی ہے، صحن تو کافی وسیع و عریض ہے جس میں اب صرف ملبہ کا ڈھیر ہے گویاوھی خاویۃ علی عروشہا کا دردناک منظر پیش کرتا ہے۔

پنجاب گزٹ میں اس مسجد کا مجموعی رقبہ ۸۲۷ر فٹ مربع لکھا ہوا ہے جس سے مسجد اور اس کے صحن کی وسعت و کشادگی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، انقلاب روزگار کا تصور کیجئے کہ کل اتنی بڑی مسجد بنانے والے موجود تھے اور آج اس کو آباد کرنے والا کوئی نہیں رہا۔

یہ مسجد پانچ در اور پانچ گنبد کی ہے شمالی گنبد بالکل صحیح حالت میں ہے جس میں یا کریم یا رحیم اور یا نعیم وغیرہ لکھا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور گنبد ہے جس میں یامنان، یاوھاب، اور یابرھان لکھا ہے باقی گنبد نیم

شکستہ ہورہے ہیں، جو چند سالوں میں بالکل منہدم ہو جائیں گے، مسجد کا بر آمدہ تو بالکل شہید ہو چکا ہے۔

وہاں کے مقامی لوگوں کا بیان ہے کہ چند سال قبل تک مسجد کا عقبی حصہ محفوظ تھا البتہ اگلا حصہ شہید ہو چکا تھا اور دو سال قبل مسجد کی واگزاری کی کوشش کی گئی تھی تو مقامی غیر مسلموں نے سخت مزاحمت کی تھی جس کی وجہ سے مسلمانوں کو خاموش ہونا پڑا تھا۔

مسجد میں "سپر شو جین بال سدن" کے نام سے ایک انگلش اسکول چلتا ہے جس کا مالک وکرم جین ہے جو پنجاب وقف بورڈ کا کرایہ دار ہے۔

واضح رہے کہ مسجد سے ملحق اتنی وقف اراضی اور مکانات ہیں کہ اگر ان کا مناسب و معقول کرایہ لیا جائے تو یہ مسجد دوبارہ تعمیر ہو سکتی ہے، اور تمام اخراجات کی کفالت کی جا سکتی ہے، بورڈ کو انکے کرائے میں اضافہ کی کوشش کرنی چاہیے۔

اس مسجد سے ملحق شاہ ولایتؒ کا مقبرہ ہے جس کا گنبد بوسیدہ و خستہ ہو رہا ہے، جس کے اطراف میں بھی ناجائز قبضہ ہے البتہ مقبرہ محفوظ ہے، غیر مسلم حضرات اس کو عقیدت و احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

درگاہ شاہ کمال کیتھلیؒ

حضرت شاہ کمال کیتھلی سلسلئہ قادریہ کے برگزیدہ بزرگوں میں تھے، آپ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے والد ماجد عبدالاحد فاروقی سرہندیؒ کے شیخ و مرشد تھے، جب حضرت مجدد صاحبؒ پیدا ہوئے تو ان کے والد نے ان کو اپنے شیخ کے سامنے پیش کیا حضرت شاہ کمال کیتھلیؒ نے حضرت مجدد صاحب کے منہ میں انگلی دی جسے حضرت مجدد صاحبؒ بہت دیر تک چوستے رہے، جب بہت دیر ہو گئی تو حضرت شاہ کمال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بس کر، تو ساری نسبتیں

حاصل کرنا چاہتا ہے [1]۔

حضرت شاہ کمال کیتھلی کی درگاہ کیتھل کے جواہر میونسپلٹی پارک میں ہے درگاہ کے نزدیک ایک بڑا تالاب بھی ہے، یہ بڑا سبز و شاداب پارک ہے، جس کی وضع، قطع پر پوری توجہ دی جاتی ہے۔

یہ پارک مع تالاب، پنجاب وقف بورڈ کی زمین پر بنا ہوا ہے جس کا مجموعی رقبہ ۱۶۳ / کنال ۶ مرلے ہے ۱۹۶۵ء میں جب میوات کے چودھری طیب حسین صاحب پنجاب وقف بورڈ کے چیئرمین ہوئے تھے تو انہوں نے ۱۵۸ / کنال ایک مرلے زمین میونسپلٹی کو ۹۹ سال کے لئے لیز پر دے دی تھی اور بورڈ اور میونسپلٹی کے درمیان ایک معاہدہ کے تحت ۱۵۰۰ / گز زمین بورڈ گیسٹ ہاؤس کیلئے چھوڑ دی گئی تھی لیکن میونسپلٹی کی طرف سے بعد میں اس معاہدہ کی خلاف ورزی کی گئی اور گیسٹ ہاؤس کی جگہ پر دوکانیں بنانی شروع کردی گئی تھیں تو ۱۹۹۴ء میں پنجاب وقف بورڈ نے میونسپلٹی کے خلاف مقدمہ دائر کیا اور اسٹے آڈر لے لیا، مقدمہ زیر سماعت ہے۔

درگاہ حضرت شاہ کمال پنجاب وقف بورڈ کے زیر انتظام ہے، اور مرجع خلائق ہے۔

درگاہ شاہ سکندرؒ

حضرت شاہ سکندر قادری کا شمار صوفیاء کاملین میں ہوتا ہے، آپ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے پیرو مرشد تھے، حضرت مجدد صاحب آپ کی خدمت میں کیتھل آئے تھے اور آپ سے بیعت ہوکر خلافت سے مشرف ہوئے تھے۔

آپ کے متعلق آپ کے معاصر بزرگ حضرت نظام الدین بلخی تھانیسریؒ

---

[1] ماہنامہ ضیاء وجیہ، ص ۲، جولائی ۱۹۹۶ء

نے لکھا ہے کہ :

"حضرت شاہ سکندر قادری قدس سرہ اولیائے وقت میں جتنی فضیلت رکھتے تھے وہ بہت کم دیکھی گئی ہے، آپ کی بھی درگاہ کیتھل کے، جواہر میونسپلٹی پارک میں ہے جو مرجع خلائق ہے اور پنجاب وقف بورڈ کے زیر انتظام ہے۔"

عید گاہ

کیتھل میں ایک قدیم و تاریخی عید گاہ بھی ہے جو لکھوری اینٹوں کی بنی ہے اور ۱۸۵/ فٹ چوڑی اور ۱۲۵/ فٹ لمبی ہے۔ اس کے دونوں کناروں پر دو مینار ہیں اور محراب نہایت ہی عمدہ ہے، تقسیم کے بعد اس میں ناجائز قبضہ ہو گیا تھا، اب عید گاہ آباد ہے اور پنجاب وقف بورڈ کے زیر انتظام ہے اور عید گاہ کے چاروں طرف قدیم قبرستان ہے۔

گم نام مقبرہ

عید گاہ سے ایک کلو میٹر کے فاصلے پر جانب مشرق، بابالدانہ روڈ ہے، بابا لدانہ روڈ پر کھیتوں کے درمیان ایک شکستہ مسجد ہے جس کی صرف مغربی دیوار موجود ہے اور لکھوری اینٹوں کی بنی ہوئی ہے مسجد سے ملحق ۱۱/ کنال ۱۹/ مرلہ وقف زمین ہے جو کسی سردار جی کے قبضہ میں ہے، اس مسجد کے مشرق میں تھوڑے ہی فاصلہ پر ایک چبوترہ ہے جو لکھوری اینٹوں کا بنا ہوا ہے جس میں ایک مزار ہے، مقامی لوگوں کا بیان ہے کہ یہ رضیہ سلطان کا مقبرہ ہے جو سلطان شمس الدین التمش کی صاحبزادی تھیں[1] حالانکہ رضیہ سلطان کا مقبرہ بلبلی خانہ نزد ترکمان گیٹ دہلی میں

---

[1] رضیہ سلطان کو بھٹنڈہ سے جانب دلی آتے ہوئے کیتھل میں کچھ زمینداروں نے قتل کر دیا تھا، کوئی بعید نہیں کہ وہی قتل گاہ ہو، جہاں آج (باقی اگلے صفحہ پر)

واقع ہے جو محکمہ آثار قدیمہ کے زیر انتظام ہے مگر بہت ہی مخدوش حالت میں ہے۔

درگاہ مخدوم شاہ صاحب

مقبرہ رضیہ سلطان سے کچھ فاصلے پر بابالدانہ روڈ پر درگاہ مخدوم شاہ ہے، مخدوم شاہ صاحب کی درگاہ کی عمارت خوبصورت ہے، لیکن مخدوم شاہ صاحب کے حالات اور انکے کارناموں کا علم نہ ہوسکا، آپ کے مزار پر ایک غیر مسلم مجاور ہے، جو مزار کی دیکھ بھال کرتا ہے، مخدوم شاہ صاحب کے نام سے ایک ایکڑ ۸ ر کنال زمین جانب مشرق، روڈ کے کنارے وقف ہے۔ جو پنجاب وقف بورڈ کے قبضہ میں ہے۔

(بقیہ ۴۱۴ حاشیہ) رضیہ سلطان کا مفروضہ مزار ہے، ورنہ حقیقت یہ کہ اسکا مدفن دلی میں ہے، جیسا کہ الواح الصنادید حصہ دوم میں مرقوم ہے، کہ

"رضیہ سلطان کا مقبرہ دلی کے مشہور محلہ بلبلی خانہ میں واقع ہے، محلہ بلبلی خانہ کے اندر بہت دور جانے کے بعد ایک ٹوٹی سی چہار دیواری کے اندر دو قبریں ہیں، یہ دونوں قبریں شکستہ ہیں ان میں سے ایک قبر لا علی التعین رضیہ سلطان کی ہے، اور دوسری رضیہ سلطان کی بہن شجیعہ بیگم کی ہے، ان دونوں قبروں پر کوئی کتبہ نہیں ہے، البتہ دروازہ پر انگریزی میں ایک بورڈ لگا ہوا ہے، جس پر رضیہ سلطان کے مختصر حالات درج ہیں۔

ان دونوں قبروں کی بے حرمتی اور بے رونقی دیکھ کر بڑا رنج ہوتا ہے، اور جوش کے یہ اشعار پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔

جا گور غریباں پر نظر ڈال بہ عبرت ۔۔۔ کھل جائے گی تجھ پر تری دنیا کی حقیقت
عبرت کے لئے ڈھونڈ کسی شاہ کی تربت ۔۔۔ اور پوچھ کدھر ہے وہ تری شانِ حکومت

بحوالہ الواح الصنادید حصہ دوم، ص ۱۴۱، ۲۔

شاہی مسجد بوڑیہ

سہارنپور اور انبالہ کے بیچ میں زرعی اراضی کے درمیان ایک قدیم و تاریخی بستی بوڑیہ ہے جو ضلع جمنانگر میں واقع ہے۔

کہا جاتا ہے کہ اکبر بادشاہ کے دور اقتدار میں یہ بستی آباد ہوئی تھی، اکبر کے نورتنوں میں راجا بیربل بھی تھا جس کا آبائی وطن بوڑیہ ہے، چنانچہ بوڑیہ میں ایک قدیم دروازہ ہے جس پر بیربل کا نام لکھا ہوا ہے اور بیربل کے خاندان کے افراد اس بستی میں آباد ہیں، اور بیربل کے آبائی وطن ہونے کے دعویدار ہیں، شاجہاں بادشاہ نے یہاں رنگ محل کے نام سے ایک شاندار محل بنایا تھا جو آج آبادی سے نصف فرلانگ پر سبز و شاداب کھیتوں کے درمیان موجود ہے اور قدامت و عدم نگہداشت کی بنا پر خستہ و شکستہ حالت میں ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ شاجہاں بادشاہ نے اس محل میں قیام کیا تھا اور یہاں کی آب و ہوا سے لطف اندوز ہوا تھا، یہ بستی کوئی خاص بڑی نہیں ہے لیکن اس میں بہت ساری تاریخی مسجدیں، شاندار حویلیاں، پختہ مزارات اور بعض قلعے کے آثار بھی پائے جاتے ہیں، بوڑیہ میں قلعہ منہدمہ کے علاوہ بھی ایک عظیم الشان قلعہ ہے جس میں آج کل مہاراجہ بوڑیہ کے خاندان کے لوگ آباد ہیں، یہ دراصل مسلم پٹھانوں کا قلعہ تھا، انگریزوں کے دور میں مسلمانوں اور سکھوں کے درمیان جنگ ہوئی تھی جس میں انگریزوں نے سکھوں کی طرفداری کی تھی، اور انگریزوں

کی حمایت اور طرفداری کی وجہ سے سکھوں نے قلعہ پر قبضہ کر لیا تھا اور پٹھان شکست کھانے کے بعد جلال آباد (افغانستان) چلے گئے تھے اور اسی وقت سے قلعہ میں سکھ خاندان آباد ہو گیا تھا جو آگے چل کر مہاراجہ بوڑیہ کے نام سے مشہور ہوا، یہاں ایک عرصہ تک راجہ رتن انمول سنگھ کی ایک بااختیار حکومت بھی قائم رہی مقامی لوگوں کا بیان ہے کہ مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم سے مہاراجہ بوڑیہ کا خاص تعلق تھا، مہاراجہ، مولانا آزاد کا بڑا ادب واحترام کیا کرتا تھا، مہاراجہ بوڑیہ نے ۱۹۴۷ء کے پرآشوب دور میں مسلمانوں کو پناہ دی تھی۔ اور آج بھی اس خاندان کے افراد، مولانا آزاد کا نام بڑے ادب واحترام سے لیتے ہیں اور ان سے تعلق دیرینہ کا اظہار کرتے ہیں، مقامی لوگوں کا بیان ہے کہ اس بستی میں ۲۵/ مسجدیں ہیں پانچ غیر آباد ہیں جن کے انخلاء وواگزاری کا مقدمہ زیر سماعت ہے، یہ جملہ مسجدیں تاریخی نوعیت کی ہیں ۱۹۴۷ء کے حوادث میں انتقال آبادی کی وجہ سے کچھ دنوں غیر آباد رہی ہیں پھر پنجاب وہریانہ کے حالات بہتر ہوئے تو مسلمان یہاں آنے لگے اور آباد ہونے لگے اور یہ مسجدیں بھی آہستہ آہستہ آباد ہونے لگیں آج اس بستی میں مسلمانوں کی اچھی آبادی ہے اور یہاں کے مسلمان آسودہ وخوش حال ہیں، اور یہاں ان کے کئی دینی ادارے بھی ہیں۔

شاہی مسجد پیر والی

یہ بوڑیہ کی قدیم وتاریخی مساجد سے میں ایک اہم مسجد ہے جو قدیم آبادی کے ایک کنارے واقع ہے، یہ مسجد لکھوری اینٹوں کی بنی ہوئی ہے لیکن اپنے طرز وانداز کے اعتبار سے قابل دید ہے جس کا صحن ۸۴/ فٹ لمبا اور ۴۰/ فٹ چوڑا ہے، تین طرف سے خشتی دیواریں ہیں اور جنوب میں اصل دروازہ ہے جو محراب نما ہے، دوسرا مشرق میں ہے اور اسی طرف ۵/ فٹ کی گولائی میں،

کنواں ہے جو بہتر حالت میں ہے، مسجد کے لئے پانی اسی سے لیا جاتا ہے اور اسی طرف قلعہ کے آثار ہیں جو مسجد سے کچھ ہی فاصلہ پر واقع ہے، اور مسجد کے نزدیک ہی ایک قدیم قبرستان ہے جس میں ملا عبد الکریم صاحب سابق مہتمم ونگراں مدرسہ فیض العلوم بوڑیہ محو استراحت ہیں۔

اس مسجد کا اندرونی حصہ (بیت الصلوۃ) ۵۳/فٹ لمبا اور ۱۳ /فٹ چوڑا ہے اور تین در کی ہے جس کے درمیانی در کی اونچائی ۶/فٹ ۹/انچ اور ۵/فٹ چوڑائی ہے، آثار ۲/فٹ کے ہیں، تین سیڑھیوں کا منبر ہے محراب کے اوپر یہ فارسی کا شعر کندہ ہے۔

ہزار و چاردہ از سال ہجری حضرت بود

ساخت مرد بہشتی کعبہ را

مسجد کے شمالی جانب سقف مسجد پر جانے کے لئے چودہ سیڑھیوں کا ایک زینہ ہے اور جنوبی جانب امام کا حجرہ ہے، اس مسجد کے دو مینار اور تین گنبد شلغمی طرز کے بنے ہوئے ہیں حسن اتفاق سے درمیانی گنبد کا کلس موجود ہے باقی دو کلس نہیں ہیں، مجموعی طور پر یہ خوبصورت مسجد ہے، اور الحمد اللہ آباد ہے۔

جامع مسجد

راقم الحروف شاہی مسجد بیر والی کی زیارت کے بعد جامع مسجد حاضر ہوا جو گھنی آبادی میں واقع ہے اور لکھوری اینٹوں کی بنی ہوئی ہے۔ مقامی لوگوں کا بیان ہے کہ یہ چار سو سال پرانی مسجد ہے جسکے بانی کا نام پردۂ گمنامی میں ہے، اتفاق سے اس پر کوئی لوحی تحریر بھی نہیں ہے جس سے صحیح تاریخ تعمیر اور بانی مسجد کے نام کی نشاندہی ہو سکے البتہ طرز تعمیر سے عہد مغل کی بنی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔

مسجد کا صحن ۴۱/فٹ چوڑا اور ۵۳/فٹ ۶/انچ لمبا ہے جس کا فرش

قدیم طرز تعمیر کا بنا ہوا ہے خشتی دیواریں بنی ہوئی ہیں جو کافی اونچی ہیں اور باب الداخلہ مشرق میں ہے، یہ مسجد تین در کی ہے، درمیانی در کی اونچائی ۶/ فٹ ۱۰/ انچ ہے اور ۹/ فٹ دو انچ موٹائی ہے، اندرون مسجد ۵۱/ فٹ لمبی اور ۱۵ فٹ ۶/ انچ چوڑی ہے اور جنوب میں ۱۹/ سیڑھیوں کا زینہ اوپر جانے کے لئے ہے، مسجد کے چار مینار تھے لیکن ایک شہید ہو چکا ہے جو جنوبی جانب میں تھا اور صرف ایک گنبد کنول نما ہے جو ۶۴/ فٹ گول ہے اور نہایت ہی بلند و بالا ہے جس کے اندر داخل ہونے کے بعد پوری بستی کے قدیم و جدید مکانات اور آثار کو دیکھا جا سکتا ہے۔

مسجد میں اصطبل اور انخلاء

جب قلعہ پر سکھ خاندان قابض ہوا تو اس قابض خاندان کے جیون سنگھ نے مسجد میں اصطبل بنا دیا تھا اس کے بعد کسی ولی اللہ سے اس کی ملاقات ہوئی، اس کے سامنے اہم مسئلہ درپیش تھا، ولی اللہ نے کہا کہ تو اس مسجد کو خالی کر دے تو تیرا مسئلہ خود بخود حل ہو جائے گا۔ چنانچہ جوں ہی جیون سنگھ نے اس مسجد کو خالی کیا اس کا مسئلہ من جانب اللہ حل ہو گیا اور اسی وقت سے یہ مسجد آباد ہو گئی تھی، پھر ۱۹۴۷ء میں کچھ دنوں کے لئے بند ہوئی تھی پھر کچھ دنوں کے بعد آباد ہو گئی۔

کنواں

قلعہ کے شمال میں ایک کنواں اچھی حالت میں ہے جسکا پانی صاف شفاف ہے، اسی سے وضو کے لئے پانی حاصل کیا جاتا ہے اور اسی جانب ایک دروازہ ہے اور ایک دروازہ مشرق میں بھی ہے جس میں لوہے کا دروازہ ہے اور اسی جانب رتن ناتھ کی سرائے بھی ہے اور اس طرف مدرسہ کی عمارتیں ہیں۔

راقم الحروف نے بوڑیہ کی صرف دو تاریخی مسجدوں کا ذکر کیا ہے چونکہ

تنگی وقت کی بنا پر صرف چند مخصوص مساجد ہی کو دیکھ سکا ہے اور وہ بھی ہنگامی حالت میں، ورنہ تو یہاں اتنے آثار اور اتنی مسجدیں ہیں کہ ان پر بسط و تفصیل کے ساتھ لکھا جائے تو ایک مستقل کتاب ہو سکتی ہے، راقم الحروف نے اس مسجد کی چھت پر چڑھ کر بوڑیہ میں واقع قدیم وجدید عمارتوں کو دیکھا تو حیران رہ گیا کہ جگہ جگہ بلند وبالا گنبد اور مینار نظر آرہے تھے، راقم الحروف کا خیال ہے کہ "پنجاب و ہریانہ کی تاریخی مساجد کی" اشاعت کے بعد علاقائی سطح پر تاریخی و ثقافتی یادگاروں کو جمع کرنے کا شعور پیدا ہوگا اور اگر یہ جذبہ پیدا ہو گیا تو اس کتاب کا مقصد حاصل ہو جائے گا۔

مدرسہ

بوڑیہ کی مساجد و آثار کا ذکر کیا جائے اور یہاں کے ایک دینی مدرسہ کا ذکر نہ کیا جائے تو بڑی ناانصافی ہو گی جو مدرسہ اسلامیہ قرآنیہ فیض العلوم کے نام سے مشہور ہے، یہ مدرسہ ۱۳۳۱ھ میں قائم ہوا تھا، جسکے بانی شاہ محمد اسماعیل قادری مجددیؒ تھے ۱۹۴۷ء کے خوفناک حالات میں انتقال آبادی کی وجہ سے یہ مدرسہ کچھ دنوں کے لئے غیر آباد ہو گیا تھا تو ملا محمد عبدالکریم بوڑوی نے مدرسہ کی نشاۃ ثانیہ کی اور ۱۹۴۷ء کی قیامت صغریٰ میں جو مسلمان مرتد ہو گئے تھے، ان کے گھروں میں جا جا کر کلمہ پڑھوایا اور انکے بچوں کو مدرسہ میں داخل کیا، اب تو یہاں ایک معیاری مدرسہ موجود ہے جس کے اندر حفظ قرآن کریم، تجوید، قرآت، ابتدائی عربی، فارسی، اور دینیات کی تعلیم دی جاتی ہے، مدرسہ کی عالیشان عمارت ہے اور اس کے زیر تعمیر مسجد بھی شاندار ہے مدرسہ کا موجودہ مہتمم حافظ حسین احمد بوڑھوی ہیں جو اپنے علاقہ میں پیر جی کے نام سے مشہور ہیں اور نیک نام ہیں اس مدرسہ کو پنجاب وقف بورڈ سے بھی ماہانہ امداد ملتی ہے۔

جامع مسجد خضرآباد

ہریانہ کا مشہور مقام خضر آباد ہے جو پپلی مزرعہ اور تاجے والا کے درمیان واقع ہے، اس میں ایک قدیم و تاریخی مسجد ہے جس کی تاریخ کا علم نہیں ہو سکا البتہ سنگ خارا کا ایک پتھر جو تقریباً ۲/ فٹ چوڑا اور ۱½ فٹ لمبا تھا، اب وہ صحن میں رکھا ہوا ہے جس کے اوپر کچھ لکھا ہوا ہے لیکن پڑھنے میں نہیں آتا ہے، غالباً تعمیر مسجد کا کتبہ ہے، یہ مسجد سنگ خارا اور لکھوری اینٹوں کی بنی ہوئی ہے اور مغل طرز کی نمائندگی کرتی ہے اس کا صحن ۵۹/ فٹ لمبا اور ۳۹/ فٹ چوڑا ہے، باب الداخلہ مشرق میں ہے، یہ تین در کی مسجد ہے اور ایک بڑا گنبد ہے جو شلغمی طرز پر بنا ہوا ہے، یہ مسجد بھی بوڑیہ کی مساجد کے طرز پر بنی ہوئی ہے جس کے دو بلند مینار ہیں، اندر سے مسجد ۶۶/ فٹ لمبی اور ۱۶/ فٹ ۶/ انچ چوڑی ہے مغربی دیوار ۷/ فٹ چوڑی ہے، منبر بھراؤ میں چھپ گیا ہے، درمیانی محراب پر یہ شعر ہے۔

روز محشر کہ جاں گداز بود   اولیں پرسش نماز بود

اس مسجد کا برآمدہ ۵۸/ فٹ لمبا اور ۱۶/ فٹ ۹/ انچ چوڑا ہے، مسجد کے مشرقی جنوبی جانب بہت بڑا کنواں ہے جو مسجد کے احاطہ میں ہے جس سے مسجد کے لئے پانی حاصل کیا جاتا ہے، اس کنویں کے بغل میں کچھ مسلمانوں اور ہندوؤں کے مکانات ہیں ۱۹۵۰ء میں حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی امیر

جماعت تبلیغ، نے کچھ مبلغین کو خضر آباد اور اس کے اطراف میں بھیجا تھا تاکہ مرتدین کو دوبارہ اسلام میں داخل کر سکیں، وہاں کے مقامی لوگوں کا بیان ہے کہ حضرت مولانا انعام الحسن صاحبؒ سابق امیر جماعت تبلیغ اور حضرت مولانا محمد میاں صاحبؒ شیخ الحدیث مدرسہ امینیہ کشمیری گیٹ اس مسجد میں تشریف لا چکے ہیں، خضر آباد اور اس کے اطراف میں بھی بہت کام کیا ہے، یہ مسجد آباد ہے اور پنجاب وقف بورڈ کے زیر انتظام ہے۔

قتل عام

۱۹۴۷ء میں خضر آباد اور اسکے اطراف میں قتل عام ہوا تھا۔ خضر آباد اور اس کے نواح میں قتل عام کی وجہ یہ ہوئی کہ مہاراجہ چھچھرولی اور مہاراجہ بوڑیہ کے مسلمانوں سے اچھے تعلقات و مراسم تھے، مقامی لوگوں کا بیان ہے کہ دونوں مسلمانوں کے بڑے ہمدرد تھے، جب ۱۹۴۷ء میں یہاں کے حالات خراب ہوئے تو مہاراجہ چھچھرولی نے اعلان کر دیا کہ ہماری ریاست میں امن رہے گا۔ اگر کسی کو کسی قسم کی تکلیف ہو تو وہ ہمارے یہاں آجائے چنانچہ بہت سارے لوگ مہاراجہ کے قصبہ میں جمع ہو گئے، بد قسمتی سے اسی دوران مہاراجہ چھچھرولی کی وفات ہو گئی، مہاراجہ چھچھرولی کے گھر میں مہاراجہ پٹیالہ کی بیٹی تھی اسنے مہاراجہ پٹیالہ کے اشارہ پر (جو ایک متعصب، تنگ نظر مہاراجہ تھا جس نے اپنی ریاست پٹیالہ میں بھی مسلمانوں کا قتل عام کرایا تھا) تمام پناہ گزینوں سے کہا تم سب کو پرامن طریقے سے ٹرک میں پولیس کی نگرانی میں پاکستان بھیج رہی ہوں، چنانچہ تمام پناہ گزینوں کو یکے بعد دیگر ٹرکوں میں بھر بھر کے شاہ نہر بھڑو کے پل پر لے جاتے تھے اور وہاں ان کو گولیوں سے بھون دیا کرتے تھے اور نہر میں ڈالدیا کرتے تھے اور نوجوان لڑکیوں کو اپنے قابو میں کر لیا کرتے تھے خضر آباد کے علاقہ کے

مسلمانوں کو تاجے والا جمنا کے پل کے پاس لے جاکر بڑی بے دردی کے ساتھ قتل کر کے نہر میں ڈالدیا کرتے تھے۔ اتفاق سے ۱۹۴۷ء میں جمنا میں زبردست سیلاب آیا ہوا تھا اور کشت و خون کی وجہ سے اس کا پانی سرخ ہو گیا تھا، اور مسلسل کئی روز تک سرخ پانی بہتا رہا۔

راقم الحروف اپنے رفقاء سفر کے ہمراہ تاجے والا کے اس مقام پر گیا تھا جہاں پر تقسیم کے وقت مسلمانوں کو ٹرکوں میں بھر بھر کر لایا جاتا تھا اور ان کو وہاں تہہ تیغ کر دیا جاتا تھا جس کی وجہ سے دریا سرخ ہو گیا تھا، عام دنوں میں بھی تاجے والا کے پل کے نیچے پانی کی طغیانی اور تصادم سے دہشت پیدا ہو جاتی ہے، یہاں کا منظر بڑا ہی خوفناک ہوا کرتا ہے، دور دراز کے علاقوں کے لوگ یہاں کے خوفناک مناظر دیکھنے آتے ہیں۔ غرضیکہ یہ مقام ہزاروں مسلمانوں کی قتل گاہ ہے اور ان تمام بے گناہ مسلمانوں کا خون ناحق تقسیم ملک کرانے والوں کی گردن پر ہے۔

مسجد رسول پور پلول

پلول ہریانہ کا ایک قدیم قصبہ ہے، جو دلی سے ۸ ۷ رکلومیٹر کے فاصلے پر جنوب مشرق میں شیر شاہ سوری سڑک (جی ٹی روڈ) کے کنارے جنوب میں واقع ہے، امپریل گزیٹیر کے مطابق بکرماجیت کے دور میں یہ بہت بارونق قصبہ تھا۔[۱] طبقات ناصری میں بھی پلول کا ذکر آیا ہے، جس سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے، کہ خاندان غلامان کے عہد میں یہ قصبہ کسی امیر کی جاگیر میں تھا۔

آئین اکبری کے بیان کے مطابق اکبر بادشاہ کے دور میں پلول ایک پرگنہ تھا، ۱۸۵۷ء کی جنگ میں آزادی سے قبل پلول، نواب مرتضیٰ خاں کی جاگیر میں تھا "نواب مرتضیٰ خاں، نواب محمد خاں بنگش، رئیس فرخ آباد کے ہجد تھے، پہلے فرخ آباد ہی میں رہتے تھے، عرصہ تک مہاراجہ جسونت راؤ ہلکر کی فوج میں ممتاز عہدہ پر فائز رہے، مہاراجہ جسونت راؤ اور نواب امیر علی والی ٹونک "لارڈ لیک" سے مقابلہ ہو رہا تھا، تو نواب مرتضیٰ خاں نے کارہائے نمایاں انجام دیئے اور پھر آپ ہی کی موقع شناسی اور اصابت رائے کی بدولت صلح ہوئی، اس اثنا میں لارڈ لیک کو نواب مرتضیٰ خاں کے جوہر قابل ہونے کا تجربہ ہوا، تو پلول کا علاقہ نواب صاحب کے حوالہ کر دیا، جس کا سالانہ محصول تین لاکھ روپیہ تھا، ۱۸۱۴ء میں آپ نے جہانگیر آباد کا علاقہ جو پہلے راجہ کھودس رائے کی ملکیت تھا، اور مال گذاری

---

[۱] امپریل گزٹیر آف انڈیا، ج ۱۹ ص ۴ ۷ ۳،

ادا نہ ہو سکنے کے باعث نیلام ہو رہا تھا، نواب مصطفےٰ خاں صاحب کے نام پر خرید لیا، نواب صاحب کی رحلت کے بعد پلول کا علاقہ گورنمنٹ نے واپس لے لیا، اور اس کے عوض اراکین خاندان کی پینشن کر دی، جو ہنگامہ ۱۸۵۷ء تک جاری رہی" اور ان کے صاحبزادے اور اردو زبان وادب کے مشہور شاعر وادیب مصطفےٰ خاں شیفتہ بھی یہیں پیدا ہوئے تھے [1]

۱۹۴۷ء سے قبل یہاں مسلمانوں کی اچھی خاصی تعداد تھی ۱۹۴۷ء کے حوادث میں یہاں کی مسلم آبادی نقل مکانی کر کے پاکستان چلی گئی، اور یہ قصبہ مسلمانوں سے خالی ہو گیا۔

مقامی لوگوں کے بیان کے مطابق یہاں آج ۳۰/ مسجدیں ہیں، مگر ان میں سے صرف تین مسجدیں کھلی ہیں اور دو نئی بنی ہیں، سرکاری گزٹ کے مطابق یہاں ۲۷/ مسجدیں ہیں، جن میں سے صرف ۵/ مسجدیں آباد ہیں۔

بعض معاصر تذکرہ نویسوں کا خیال ہے کہ پلول میں ایک ایسی مسجد ہے جو دلی کی مسجد قوت الاسلام کے دور کی تعمیر ہے، اور اسکے فارسی کتبہ میں سلطان قطب الدین ایبک کا نام کندہ ہے، اور یہاں ایک ایسی عیدگاہ ہے، جو شمس الدین التمشؒ کے عہد کی بنی ہوئی ہے، اور جس کی دیوار پر شمس الدین التمشؒ کا نام منقوش ہے۔

چنانچہ مصنف تاریخ صوفیائے میوات لکھتے ہیں کہ:

"یہاں کی جامع مسجد اتنی پرانی ہے کہ دلی کی کوئی عمارت اس عہد کی نہیں البتہ مہرولی کی مسجد قوۃ الاسلام اسکے ساتھ بنی ہے، ممبر کے پاس ایک کتبہ بہت اہم ہے، یہ خط نسخ میں سنگ خارا پر ہے، اس میں

---

[1] بہادر شاہ ظفر اور انکا عہد، ص ۴۸۱، بحوالہ علمائے ہند کا شاندار ماضی، ج چہارم ص ۲۳۲،

قطب الدین ایبک کا نام درج ہے، مسجد کے ستون ایک ڈال کے پتھر کے ہیں، جن پر نقش و نگار ہیں، پورا دالان چھوٹے چھوٹے مربعوں پر تقسیم ہے، جن پر لگن کی شکل کے چپٹے گنبد بنے ہوئے ہیں، پوری چھت ان ہی گنبدوں سے بنی ہے، اس کے سوانح اپی گرافیکا انڈو مسلمکا ۱۹۱۴ء ۱۹۱۳ء میں چھپے ہیں، قصبہ کی عید گاہ بھی اسی زمانہ کی ہے، یہاں قبلہ کی دیوار میں شمس الدین التمش کا کتبہ نصب ہے [1]"

مسجد رسول پور

رسول پور پہلے قاضیوں کے محلّہ کے نام سے موسوم تھا، اسی محلّہ میں سڑک کے کنارے مسجد رسول پور ہے، جو لکھوری اینٹوں کی بنی ہوئی ہے، جو تین در کی مسجد ہے، جس کی چھت کوہان نما ہے، اور اس کی مغربی جانب کی دیوار میں تینوں محرابوں میں ۸ر چھوٹے چھوٹے طاق ہیں، اور شمالی و جنوبی جانب بھی ۳، ۳ر طاق ہیں، اور مشرقی دیوار میں بھی ۴ر طاق ہیں، اسکا بر آمدہ ماربل کا جدید تعمیر کردہ ہے، جو ۳۰ر فٹ لمبا اور ۱۱ر فٹ چوڑا ہے، مسجد ۲۶ر فٹ ۱۰ر انچ لمبی اور ۱۳ر فٹ چوڑی ہے، اور اس کا صحن ۳۲ر فٹ لمبا اور ۱۱ر فٹ چوڑا ہے، جو ماربل کا جدید بنا ہوا ہے۔

بعض مقامی لوگوں کا بیان ہے کہ یہ مسجد پہلے جنگل میں واقع تھی، جسکے چاروں طرف زرعی اراضی تھی، اب کچھ عرصہ سے آبادی میں آگئی ہے، در حقیقت یہ مسجد حسب ذیل مقبرہ کے دور کی تعمیر ہے، اور مسجد اور مقبرہ کی عمارتوں میں بڑی یکسانیت ہے۔

مقبرہ سید چراغ

---

[1] تذکرہ صوفیائے میوات، ص ۷، ۱۰۶،

مسجد رسولپور سے متصل صحن کے دائیں سید چراغ کا شاندار مقبرہ ہے، جو نیچے سے اوپر تک سنگ سرخ کا بنا ہوا ہے، جس کے چاروں طرف جالیاں ہیں، اور شمال و مغرب کی جالیاں قد آدم ہیں، مقبرے کی کشیدہ کاری و نقش نگاری اب بھی بہت ہی خوبصورت اور حسین معلوم ہوتی ہے، مقبرہ پر جانے کے لئے کوئی زینہ نہیں ہے، البتہ تہہ خانہ ضرور ہے، جس میں مقبرہ سے ملحق مدرسہ کے طلباً آتے جاتے رہتے ہیں، اس کا گنبد شلغمی طرز کا ہے، اور نہایت ہی لاجواب ہے، جس کا سرخ پتھر بتدریج گرتا جارہا ہے، جس سے گنبد بدنما ہو گیا ہے، اور فوری مرمت طلب ہے۔

لوح

سید چراغ کے مقبرہ کے سنگین دروازہ کی پیشانی پر یہ فارسی کتبہ نصب ہے۔

سید چراغ کہ از سکان مدینہ　　چو رسیدم از مثل تاریخ آں

نیا بد چو او ہیچ کس اہل راز　　گفتا شد این روضہ غم گداز

۴ رذی الحجہ ۱۰۲۷ھ

بیان کیا جاتا ہے کہ روڈ کے کنارے ایک خدا رسیدہ درویش رہتے تھے، اور اسوقت لال قلعہ زیر تعمیر تھا اور آگرہ سے سنگ سرخ سے لدی ہوئی گاڑیاں یہاں سے گزرتی تھیں، تو ہر گاڑیبان ایک ایک پتھر اس درویش کی نذر کرتا تھا، ان ہی سرخ پتھروں سے یہ مقبرہ تعمیر ہوا، مگر اردون شوری کو نذرانے اور چندے کے ان پتھروں میں بھی مندر کے استعمال شدہ پتھر نظر آنے لگے ہیں، جو تعجب خیز امر ہے، ان کی آنکھوں پر تعصب و تنگ نظری کی عینک لگی ہوئی ہے، اور وہ اسی عینک سے دیکھنے کے عادی ہو چکے ہیں۔

بی بیوں کی مسجد

بی بیوں کی مسجد عرف کالی مسجد محلہ شیخ پورہ میں تالاب اور قبرستان کے بیچ میں واقع ہے، یہ لکھوری اینٹوں کی بنی ہوئی تین در اور تین گنبد کی مسجد ہے، جس کے تینوں گنبدوں کے کلس نہیں ہیں، مغربی دیوار کی تینوں محرابوں میں روشندان ہیں اور شمالی جانب بھی ایک روشندان ہے۔

یہ مسجد ۵۵/ فٹ لمبی اور ۲۰/ فٹ چوڑی ہے اور اس کا صحن ۵۸/ فٹ ۱۲/ انچ لمبا اور ۲۸/ فٹ ۸/ انچ چوڑا ہے، پہلے اس مسجد میں ہاتھی بندھتے تھے، اس کے بعد ایک بنیئے نے اس پر قبضہ کر لیا، اور اس میں اسی کے دروازے لگوائے ہوئے ہیں، جو آج تک موجود ہیں۔

مسجد کے مشرق میں قبرستان تھا جس میں اب مکانات بنے ہوئے ہیں، مسجد کے شمال و مغرب میں تالاب ہے، اور اس کو "بی بیوں کا تالاب" کہتے ہیں، جنوب میں مسجد کا کنواں تھا، جس پر ناجائز قبضہ ہے اس مسجد کے اطراف میں کچھ مسلم آبادی بھی ہے، اس میں پنجوقتہ نمازیں ہوتی ہیں۔

اس مسجد کو بنظر غائر دیکھنے کے بعد مغلی اندازہ ہوتا ہے کہ طرز تغلق پر بنی ہوئی ہے، اور نہایت ہی پر شکوہ ہے۔

قلعہ

پلول میں سنجیو کالونی بہت مشہور ہے، اس کالونی میں قلعہ ہے، اس میں دراصل ایک ہشت پہلو مقبرہ ہے، جو کتالی پتھر کا ہے، اور راجستھانی پتھر کا چھجہ بہت ہی مضبوط ہے، البتہ اس کے اوپر ایک اور چھجہ معلوم ہوتا ہے، جو تقریباً ختم ہو گیا ہے۔

یہ مقبرہ تقریباً ۹۶/ فٹ مربع ہے، اس کا چبوترہ ۱۰۰/ فٹ مستطیل ہے اس میں سرنگ بھی ہے، اس کے جنوب و مغرب میں ایک مسجد بھی تھی، جو کہ شہید

ہو چکی ہے، لیکن اسکے آثار باقی ہیں، چھت پر جانے کے لئے ۲۳ ر سیڑھیوں کا ایک زینہ ہے، مقبرہ کے شمال میں وقف زمین میں بجلی کا سرکاری ٹرانسفارمر ہے، مقبرہ میں خنزیر PIG (سور) گھومتے پھرتے ہیں، جس روز اس کا سروے کیا تھا اس روز عین مقبرہ کے اندر ایک خنزیر نے بچہ جنا تھا۔

کربلا

مقبرہ سے کچھ ہی فاصلے پر کربلا ہے، جس کا قدیم دروازہ اور اسکی حد بندی ابھی موجود ہے، اس کے اندر تالاب بھی ہے، یہاں ایک پیر کا مزار بھی ہے، مقبرہ اور کربلا کے درمیان قبرستان ہے، کربلا میں بلبیر اور رنجیت کا ناجائز قبضہ ہے، مگر یہاں ابھی کوئی عمارت نہیں بنی ہے، پنجاب وقف بورڈ کو کربلا کی وقف اراضی کے تحفظ کی کوئی نہ کوئی شکل نکالنی بہت ضروری ہے۔

یہاں پر کافی وقف اراضی ہے، مقامی لوگوں نے بتایا کہ یہاں کی زیادہ تر وقف زمین کو ہڈا (HUDA) نے ایکوائر کر لیا ہے، جو بہت معمولی معاوضہ دیتا ہے ابھی باضابطہ قبضہ نہیں کیا گیا ہے، ابتدائی مرحلہ میں ہے، بورڈ کو اس سلسلے میں خصوصی دھیان دینا چاہیۓ اور وقف اراضی پر سرکار کو قبضہ کرنے سے روکنا چاہیۓ۔

جامع مسجد میہم

میہم ضلع روہتک کا ایک مشہور تاریخی قصبہ ہے، جو انبالہ سے ۷۵ ارکلو میٹر مغرب میں اور دلی سے ۶۰ رکلو میٹر کی مسافت پر شمال میں واقع ہے، یہاں بڑے بڑے اولیاء اکرام ومشائخ عظام پیدا ہوئے ہیں، جنہوں نے علم ومعرفت کی شمعیں روشن کیں، اور اپنے فیوض وبرکات اور علوم ومعارف سے اس خطہ کو بقعۂ نور بنادیا، اس سرزمین کو اولیاً اللہ وصوفیائے اسلام کا مدفن ہونیکا شرف حاصل ہے، مگر حوادث روزگار نے آج ان کی قبروں کے نشانات کو مٹادیا ہے، اور یہ قبریں بے نشاں ہو چکی ہیں، رحمہم اللہ رحمۃ واسعۃ۔

میہم کے مشہور بزرگوں میں حضرت شاہ محمد رمضان شہید ماہمی ہیں، جو"ہادی ہریانہ" کے لقب سے معروف ہیں، آپ سراج الہند شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے معاصر ہیں، آپ نے ہریانہ کے مسلم راجپوتوں میں زبردست دعوتی واصلاحی کام کیا ہے، آپ ہندوؤں ومسلمانوں میں یکساں طور پر مقبول تھے، آپ کی سیرت اور بزرگانہ صفت وکردار سے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ بھی متأثر تھے مصنف روضۃ الرضوان کا بیان ہے کہ:

"ایک مرتبہ مسٹر ولیم فریزر اور دہلی کے ریزیڈنٹ مسٹر آکٹر لونی کو حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کا وعظ سننے کا شوق ہوا، حضرت دہلویؒ نے اپنے وعظ میں خلفاً راشدینؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ کے فضائل و

مناقب بیان فرمائے اختتام وعظ پر آکٹرلونی نے دریافت کیا کہ کیا اب بھی مسلمانوں میں کوئی ایسا ہے، جو صحابہؓ کے مشابہ ہو؟ آپ نے فرمایا: ہاں ہے، انہوں نے شوق زیارت کا اظہار کیا، تاریخ مقرر ہو گئی، میہم سے محمد شاہ رمضانؒ کو بلا کر اندر بٹھالیا مگر انہیں بتایا کچھ نہیں، اس روز مدرسہ میں ایک جم غفیر تھا مسٹر آکٹرلونی بھی آئے، حضرت شاہ صاحب دہلویؒ شاہ رمضانؒ کا ہاتھ پکڑے باہر نکلے اور فرمایا:

"میں اپنا وعدہ پورا کرتا ہوں، مثل اصحاب کرامؓ یہ صاحب میاں محمد رمضان صدیقی میہمی ہیں"

مجمع میں سے کسی نے پوچھا کہ مثل اصحاب کرامؓ، در سیرت یا در صورت؟ آپ نے فرمایا: "ہم در صورت و ہم در سیرت"

اسوقت شاہ محمد رمضانؒ پر رقت طاری ہو گئی اور روتے ہوئے فرمایا:

ہاتھی کا بوجھ گھوڑے پر رکھا جا رہا ہے [1]"۔

آپ کا وصال ۱۸۲۵ھ میں ہوا، اور آپکو میہم میں سپرد خاک کیا گیا، آپ کی قبر پر شیخ بہاول بخش تحصیلدار اور رئیس باول کانٹی نے سادہ مقبرہ بنوادیا، کچھ دنوں کے بعد ریاست جھجر کے نواب عبدالصمد خاں نے اسپر استرکاری کرائی، آپ کا مقبرہ مرجع خلائق ہے۔

میہم کے دوسرے بزرگ حضرت شاہ نصر اللہ نصرتیؒ ہیں، جو چوٹی کے فارسی شاعر تھے، مثنوی جنون المجانین آپ کی یادگار ہے، آپ فنا فی الرسول تھے، ہمہ وقت عشق نبوی میں ڈوبے رہتے تھے، حضرت شاہ نصرتیؒ مسلکاً حنفی تھے، چنانچہ خود نصرتیؒ اپنے مسلک و عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

---

[1] تذکرہ صوفیائے میوات، ص ۷۷۴، بحوالہ روضۃ الرضوان، ص ۶۷، ۶۸

نصرتیؒ دارد عقائد را درست　　بر طریق اہل سنت نیست ست

بو حنیفہؒ آں سراج امت است　　پیشوائے عالمان ملت است

کوہ طور ایں دیدۂ بینا بود　　بے علوم بو علی سینا بود

حضرت نصرتیؒ نے اپنی مثنوی کی تکمیل کے موقع پر اور اپنی عمر کی مدت اور اپنے وطن میھم کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

سال عمر من سی وسہ سال بود　　کایں جنون الاولیا در من نمود

از زمان ہجرت خیر الانام　　یک ہزار و یک صد و نہ بود تام

در میھم بودیم در شہر صیام　　فتمہا شد ایں کتاب نیک نام

آپ بھی میھم میں مدفون ہوئے، مگر آپ کی قبر کا کوئی اتا پتا نہیں چلتا، رہے نام اللہ کا۔

میھم میں جہاں اولیا کاملین پیدا ہوئے ہیں، وہیں مجاہدین آزادی نے بھی جنم لیا، یہاں کے قابل ذکر مجاہدین آزادی میں شاہ محمد اسمٰعیل شہید مہمیؒ کا نام سر فہرست ہے، شاہ محمد اسمٰعیل شہید مہمیؒ جید عالم دین اور درجنوں کتابوں کے فاضل مصنف اور مجاہد آزادی تھے، آپ کو ۱۲ر فروری ۱۸۵۸ء میں جیل خانہ حصار میں اذیت ناک سزا دیکر شہید کیا گیا تھا، مہتاب خاں نے ان کا قطعہ تاریخ شہادت رقم کیا ہے۔

جناب شاہ اسمٰعیل مہمیؒ　　وہ تھے مقبول اور اللہ کے پیارے

اذیت اور سختی بہت دیکھی　　سوا اسلام کے کچھ نہ پکارے

کیا اسلام پر جی کو فدا ان　　پکڑ کر لے گئے تھے جب نصارے

کہی ماہتاب نے تاریخ رحلت　　شہید ہو، جنت اعلیٰ میں سدھارے

یہاں کے دوسرے مسلمانوں کا بھی تحریک استخلاص وطن میں زبردست

حصہ ہے، ۱۹۴۷ء سے قبل یہاں ۹۰٪ فیصد مسلمان تھے جن میں زیادہ تر رئیس وزمیندار تھے، ۱۹۴۷ء کی قیامت صغریٰ میں ہریانہ کے دوسرے قصبات وشہروں کی طرح یہاں کی مسلم آبادی بھی نقل مکانی کرنے پر مجبور ہوگئی تھی، اور اپنی مسجدوں وخانقاہوں اور درگاہوں کو برادروطن کے رحم وکرم پر چھوڑ گئی تھی، یہاں کی مشہور مسجدوں میں پیرزادوں کی مسجد (جو بابر بادشاہ کے عہد میں بنی ہے) ۱۵۲۹ء میں، ہمایوں کی جامع مسجد ۱۵۳۱ء میں، قصائیوں کی مسجد گمنام مسجد ۱۶۶۹ء میں، اور دولت خاں کی مسجد ۱۶۹۶ء میں، (تعمیر ہوئی ہیں) قابل ذکر ہیں ان کے علاوہ یہاں کی چھوٹی بڑی مسجدیں تقریباً ۶۰٪ ہیں، جن میں صرف ایک مسجد آباد ہے، یہاں پر مسلم اوقاف بھی بکثرت ہیں لیکن ان تمام مسجدوں اور وقف جائیدادوں پر ناجائز قبضے ہیں، اور بہت معمولی وقف جائیداد یں بورڈ کے قبضے میں ہیں۔

جامع مسجد میھم

میھم کی سب سے زیادہ تاریخی مسجد "جامع مسجد" ہے جو سنگ خارا اور لکھوری اینٹوں کی بنی ہوئی ہے، اور یہ مسجد ہمایوں بادشاہ کے دور کی ہے، اور کتبہ اورنگزیب عالمگیرؒ کے عہد کا ہے، جسکے دور میں اس کی مرمت ہوئی تھی، یہ مسجد ٹیلے پر آبادیوں کے قلب میں واقع ہے، جسکے تین در اور عالیشان شلغمی طرز کا ایک گنبد ہے، جسکا کلس اب بھی خالص سونے کی طرح سنہرا ہے، کوئی بڑا مینار نہیں ہے، چھوٹے چھوٹے مینار ضرور ہیں، مسجد کی پیشانی پر حسب ذیل فارسی وعربی کتبہ نصب ہے۔

کتبہ

در عہد............زمین و زماں خلد مکیں ومکاں

سلطان السلاطین ظل اللہ فی العالمین محمد.........بہادر عالمگیر

بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ و سلطانہ تعمیر مسجد جامع قصبہ میھم
حسب الحکم اقدس باہتمام بندہ درگاہ خواجہ رحمۃ اللہ
باہتمام رسید اللہ تعالیٰ مجاب مستجاب کرد انا بمنہ
وفضلہ فی التاریخ شہر محرم الحرام ثمان و تسعین والف ھجری
وسنہ عاشر جلوس مبارک

مسجد کی اندرونی دیواروں کے چاروں طرف قرآنی آیات واحادیث اور فارسی واردو اشعار کے نہایت ہی خوشخط کتبے ہیں، اس کی محرابی دیوار پر اعلیٰ قسم کی نقاشی ومیناکاری کی گئی ہے، مسجد میں منبر موجود ہے، اور مصلیٰ کے دائیں بائیں پانچ پانچ محرابیں ہیں، جو بہت ہی خوبصورت معلوم ہوتی ہیں، مسجد ۵۰/ فٹ لمبی اور ۲۵/ فٹ چوڑی ہے، اور اس کا صحن ۷۰/ فٹ لمبا اور ۵۰/ فٹ چوڑا ہے، صحن کے شمالی جانب مسجد کا کنواں ہے، جو بہت مضبوط ہے جس کے اندر لوہے کی سیڑھی ہے کنواں ۷۰، ۸۰/ فٹ گہرا ہے، صحن کی قدیم چہار دیواری ہے اور اس کا صدر دروازہ مشرق میں ہے، جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ یہ مسجد کافی بلندی پر ہے اور اس قصبے کی سب سے اونچی عمارت ہے، صحن سے اس کی چھت ۴۰/ فٹ بلند ہے، مسجد ایک چبوترے پر بنی ہے، جس کی بنیادیں دہلی کی جامع مسجد کی طرح مضبوط ہیں، مسجد کی چھت پر جانے کے لئے زینہ ہے، چھت پر چڑھنے کے بعد قصبہ میھم اور اس کے اطراف واکناف کا نظارہ کیا جا سکتا ہے۔

مسجد میں گوردوارہ

مگر افسوس صد افسوس اس جامع مسجد میں گوردوارہ ہے، جس کے اندر گرنتھ صاحب رکھا ہوا تھا، مسجد میں داخل ہونے کے بعد ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ابھی نمازی نماز ادا کر کے گئے ہیں۔

راقم الحروف اپنے رفقاء کے ساتھ اس مسجد کو دیکھنے گیا تو مسجد کے ایک حصہ میں جہاں گرنتھ صاحب رکھا ہوا تھا، ایک بوڑھی سکھنی عورت موجود تھی، ہم لوگوں کو دیکھ کر تپاک سے ملی اور کہنے لگی کہ آپ لوگ مسجد میں ٹھہریں میں پرشاد لانے جارہی ہوں مگر اس کے آنے میں تاخیر ہوئی اس دوران ہم لوگوں نے مسجد کی تصویر اور اسکی پیمائش اور کتبے کی نقل کا کام مکمل کرلیا تھا چنانچہ ہم لوگ یہاں سے دوسری تاریخی عمارتوں کو دیکھنے کے لئے چل پڑے، یہاں راقم لحروف یہ انکشاف کرنا چاہتا ہے کہ جن جن مسجدوں میں سکھوں نے قبضہ کیا ہے، اور ان میں گوردوارہ وغیرہ بنالیا ہے ان سکھوں کی شرافت کی بات ہے کہ انہوں نے ان مسجدوں کی ھیئت وحالت میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں کی ہے، صرف گرنتھ صاحب وغیرہ رکھنے کا جرم کیا ہے، بر خلاف ہندوؤں کے جن مسجدوں میں انہوں نے ناجائز قبضہ کیا ہے اور مندر بنالیا ہے، انہوں نے مسجدوں کی ہیئت وشکل کو بدلنے کی مذموم کوششیں کی ہیں، حالانکہ ان مسجدوں کی تعمیری ھیئتیں انکے اس قسم کے عمل شنیع کے باوجود توحید پرستوں کی سجدہ گاہ ہونے کی شہادت فراہم کرتی ہیں۔

باولی

میھم میں تاریخی مساجد ومقابر کے علاوہ ایک تاریخی باولی بھی ہے، جس کو شاہ جہاں بادشاہ نے تعمیر کیا ہے، یہ ہانسی روڈ پر ہے، ڈاکٹر سبھاش پریہار نے بھی لکھا ہے کہ یہ شاہ جہاں کی بنائی ہوئی ہے، دیگر آثار کی طرح یہ باولی بھی عوامی بے توجہی کی نذر ہوگئی ہے، مگر باولی اپنی پوری ہیئت کے ساتھ موجود ہے۔

جامع مسجد روہتک

روہتک ہریانہ کا ایک معروف زرعی و صنعتی ضلع ہے، جو دلی سے ۷۰ ر کلو میٹر کی مسافت پر سمت مغرب میں واقع ہے، یہاں کے مسلمانوں نے تحریک آزادی وطن میں زبردست حصہ لیا تھا، مگر ملک آزاد ہو گیا، تو انہی حریت پسندوں اور آزادی کے متوالوں کا قتل عام کرایا گیا، اور ان کو جلا وطن کیا گیا، ۱۹۴۷ء کے مسلم کش فرقہ وارانہ فسادات کے دوران روہتک میں ۱۹ ر ہزار بے گناہ مسلمانوں کو شہید کیا گیا تھا، اسوقت انسان، درندوں سے زیادہ سفاک ہو گیا تھا، اور یہاں اس کی سفاکی و درندگی کی کہانی بہت ہی دردناک ہے۔

ضلع روہتک دارالسلطنت دہلی سے قریب ہونے کی وجہ سے بابر، ہمایوں اور اکبر کے دور کی عمارتیں بھی خوب موجود ہیں، ان قدیم عمارتوں میں رہائشی محلات کے علاوہ مذہبی عمارتیں بھی بڑی تعداد میں موجود ہیں، ان میں مسجدیں سرفہرست ہیں، یہاں کی تاریخی نوعیت کی مسجدوں میں "دینی مسجد" (۱۳۰۹) قلعہ کی مسجد (۱۳۲۴) باہر کی مسجد خرد (۲۸-۱۳۲۷) باہر والی راجپوتوں کی مسجد (۱۵۲۸) قلعہ کی ہمایوں مسجد (۱۵۳۸) ڈونگروں والی مسجد (۱۵۷۱) مست خاں کی مسجد (۵۹-۱۵۵۸) اور گوکرن کی مسجد (۱۵۵۸) شامل ہیں، ان کے علاوہ کھوکڑا کوٹ روہتک کی مسجد اکبر بادشاہ کے دور کی تعمیر ہے، جس کے متعلق ڈاکٹر سبھاش پریہار لکھتے ہیں کہ :

Once over the gateway of the village (Perhaps now in the Lahore Museum)

Ramzan, 973 (the month began the 22nd March, 1566)

66 cmx50 cm Persian and Hindi

"In the days of the empire of the slave (of God), His Majesty Jalaluddin Akbar,Badshahi-Ghazi-may God perpetuate his Kingdom for ever (and) His Highness in Paradise-Aba Shamsher Khan, the Shiqdar of Pargana Rohtak has laid the foundation of this gateway. In this blessed month Ramzan, anno973 it has been finished."

روہتک میں بعض مسجدیں حضرت شاہ محمد رمضان شہید مہمی ہادی ہریانہ، کی تحریک وترغیب پر بھی تعمیر ہوئی ہیں، یہاں کی قدیم عیدگاہ بھی آپ ہی کی تحریک پر تعمیر ہوئی ہے، اور یہاں کی مسجد جو "بیوپاریوں کی مسجد" کہلاتی ہے، آپ ہی کے ایماواشارہ پر تعمیر ہوئی ہے، جو آپ کی یادگار، کی حیثیت رکھتی ہے۔

۴۷ء سے پہلے روہتک کی بعض مسجدوں میں درس قرآن کا بھی اہتمام کیا جاتا تھا، مدرسہ امینیہ کشمیری گیٹ کے سابق شیخ الحدیث مولانا عبدالسمیع صاحب ۴۷ء سے پہلے یہاں کی ایک مسجد میں درس قرآن دیا کرتے تھے، اور یہاں مسلمانوں کے حالات وواقعات سنایا کرتے تھے، اب چونکہ کافی معذور ہو چکے ہیں اور ثقل سماعت کے مرض میں بھی مبتلا ہیں، اس وجہ سے ان سے وہاں کے حالات کے بارے میں مزید واقفیت حاصل کرنا ممکن نہیں، حالانکہ ان کے سینے میں وہاں کے مسلمانوں کے دینی، سماجی اور سیاسی اَنگنت واقعات وحالات محفوظ ہیں، ۴۷ء

کے حوادث میں مولانا بھی دہلی آگئے تھے، روہتک شہر میں ۶۵/ مسجدیں ہیں جن میں صرف ۳/ مسجدیں آباد ہیں، ۱۹۹۱ء کے مردم شماری کے مطابق یہاں کی مجموعی آبادی ۸،۰۸،۶۰۶/ ہے، جس میں مسلمانوں کی تعداد بمشکل دوڈھائی سو ہوگی، مگر یہاں کے مسلمانوں میں بھی شدید آپسی اختلاف وانتشار ہے، اور ہمہ وقت ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی مہم جاری رہتی ہے، حالانکہ یہاں وہ آٹے میں نمک کے برابر ہیں۔

جامع مسجد روہتک

جامع مسجد رہتک جو شیشہ والی مسجد کے نام سے مشہور ہے، لکھوری انیٹوں کی بنی ہوئی ہے، اسکے بارے میں کہا جاتا ہے کہ دو سو سال پرانی ہے، اور عوامی چندے سے تعمیر ہوئی ہے، جس کا صدر دروازہ سنگ خارا کا نہایت ہی عالیشان ہے جس پر چھجہ ہے، اور دو مینار ہیں دروازہ کے قریب ہی صحن میں ایک حوض بھی تھا، صحن ۶۰/ فٹ چوڑا اور ۳۱/ فٹ ۱۰/ انچ لمبا ہے، اور نہایت ہی عمدہ ہے، اسکے تینوں جانب سہ دریاں ہیں جنوبی جانب مکتب تھا، لیکن اب اسکو کمرہ کی شکل میں تبدیل کر لیا گیا ہے، اور اس میں پنجاب وقف بورڈ کا ضلعی دفتر ہے۔

اس مسجد کے تین در تین گنبد اور دو مینار ہیں، اور تین زینوں کا سنگ مرمر کا منبر ہے، مسجد کی محرابیں پھول پتیوں سے مرصع ہیں، اور مسجد کے چاروں طرف دیواروں میں جاپانی ٹائلس نصب ہیں، جن کے اوپر اعلیٰ قسم کے نقش ونگار بنائے گئے ہیں، مگر امتداد زمانہ کی وجہ سے یہ نقش ونگار کچھ مدھم پڑ رہے ہیں، مشرقی و مغربی جانب چھ چھ طاق ہیں، شمالی وجنوبی جانب دو بڑے طاق ہیں، لیکن جنوبی طاق کے اوپر ایک روشندان بھی ہے۔

یہ مسجد ۵۲/ فٹ لمبی اور ۱/۲ ۱۵/ فٹ چوڑی ہے، مسجد کے امام مولانا

عبداللہ صاحب ہیں، جو بورڈ کی طرف سے امام نامزد ہیں مسجد گزٹ ہے، جس کے ماتحت دس دکانیں ہیں، اور گھنی آبادیوں کے بیچ میں ہے، جس کے چاروں طرف غیر مسلموں کی دکانیں اور رہائشی مکانات ہیں۔

مسجد فردوس

مسجد فردوس عرف لال مسجد، روڈ کے کنارے ہے، یہ یہاں کی سب سے اونچی اور خوبصورت مسجد ہے، جو ۱۹ر ربیع الاول ۱۳۵۸ھ مطابق ۱۰ر مئی ۱۹۳۹ء میں تعمیر ہوئی تھی، اس کے اندر قرآنی آیات و احادیث کے کتبے ہیں، اور اس کے اندر و باہر کی دیواروں پر بیش قیمت نقاشی و منبت کاری کی گئی ہے، اس مسجد سے زیادہ خوبصورت مسجد اس شہر میں نہیں ہے، اس مسجد کی خوبصورتی کی وجہ سے یہاں کے غیر مسلم حضرات بھی اس کا فخریہ ذکر کیا کرتے ہیں، اس کے دو مینار نہایت ہی پرشکوہ ہیں، جس سے پورے شہر کا نظارہ کیا جاسکتا ہے، ان میناروں پر چڑھنے کے لئے چکردار زینے ہیں، یہ مسجد گزٹ ہے، اور اس کے امام مولانا محمد تسلیم صاحب ہیں، جو بورڈ کی طرف سے نامزد ہیں، مسجد کے ماتحت کچھ دکانیں ہیں، جو غیر مسلموں کے تصرف میں ہیں، اور بورڈ کے کرایہ دار ہیں۔

روہتک میں ایک نئی عیدگاہ بھی تعمیر ہورہی ہے، اور اسی کے اطراف میں ایک اسکول بھی قائم کیا گیا ہے، جو یہاں کے مسلمانوں کی دلچسپی سے قائم ہوا ہے، کاش کہ یہاں کے مسلمان آپس میں مل جل کر کام کرتے تو ان کے حال و مستقبل کیلئے زیادہ مفید و کارآمد ثابت ہوتا، یہاں اس حقیقت کا انکشاف بھی ضروری ہے، کہ اس شہر میں زیادہ تر شرنارتھی، اور جاٹ برادری کے لوگ آباد ہیں، اور ان کے اندر تعصب و تنگ نظری دوسرے شہروں (باستثناً حصار) کے مقابلے میں کچھ زیادہ ہی ہے، اور یہاں جگہ جگہ ہندو تہذیب کی چھاپیں نظر آتی ہیں، یہاں کے

ہندوؤں نے مسجدوں کو کافی نقصان پہونچایا ہے، جو لوگ مسجدوں میں رہائش پذیر ہیں، وہ خوشحالی وترقی سے یکسر محروم ہیں، اس حقیقت کا اعتراف مسجدوں میں رہائش اختیار کرنیوالے لوگ بھی کرتے ہیں، بلکہ اب ان میں سے بیشتر لوگ مسجدوں کو خالی کرنے کے لئے متبادل جگہوں کی تلاش میں ہیں، بورڈ کو ان مسجدوں کی آبادکاری اور ان قابضین کی رہائش کے مسئلوں پر غور کرنا چاہیئے۔

مسجد علی وردی خاں گوڑگانواں

گوڑگانواں، صوبہ ہریانہ کا ایک زرعی و صنعتی ضلع ہے، جو دلی سے ۳۲؍ کلو میٹر کے فاصلے پر جنوب میں واقع ہے، جہاں نوع بنوع کارخانوں کے علاوہ راجدھانی دلی جیسی فلک بوس رہائشی عمارتیں بنتی جارہی ہیں، اب تو گوڑگانواں دلی کا ایک حصہ معلوم ہوتا ہے، اس کی صاف ستھری پاکیزہ فضا میں دلی والے راحت کی سانس لینے جایا کرتے ہیں، مگر یہاں بھی اپارٹمنٹوں اور دیگر عمارتوں کی تعمیر کی جو برق رفتاری ہے، اس کے پیش نظر بلا تکلف کہا جاسکتا ہے کہ چند سالوں کے بعد یہ علاقہ بھی فضائی آلودگیوں اور کثافتوں سے بری طرح متأثر ہو جائیگا، اور دلی کی طرح پولوشن Pollution والا شہر ہو جائیگا۔

۱۹۹۱ء کی مردم شماری کے اعتبار سے گوڑگانواں کی مجموعی آبادی ۱۱,۴۲,۰۹۰، ہے، جس میں مقامی مسلمانوں کی تعداد ۱۲؍ ہزار سے زیادہ ہوگی، اور باہر سے آئے ہوئے مسلمانوں کی تعداد تقریباً ۳۰؍ ہزار سے زیادہ ہوگی، یہاں پنجاب وقف بورڈ کا ضلعی دفتر بھی ہے۔

گوڑگانواں میں تاریخی عمارتیں اور تاریخی مسجدیں بھی ہیں، یہاں کی قابل ذکر مسجدوں میں مسجد باون (۵۶۰) جامع مسجد فرخ نگر (۱۲۷۶)اور جامع مسجد گوڑگانواں شامل ہیں اول الذکر دونوں مسجدوں کے محل وقوع کے بارے میں واقفیت حاصل نہ ہوسکی اور، پنجاب وقف بورڈ کے ذمہ داران کو بھی ان کے بارے

میں معلومات نہیں ہیں، حالانکہ ارون شوری نے ان دونوں مسجدوں کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ دونوں مسجدیں مندر کے میٹریل سے بنائی گئیں ہیں، راقم الحروف نے ان مسجدوں کو تلاش کرنے کی پوری کوشش کی لیکن یہ مسجدیں نہیں مل سکیں، جس کا بے حد افسوس ہے، البتہ آخر الذکر مسجد گوڑ گاؤں کی جامع مسجد ہے جو قلب شہر میں واقع ہے، یہ بہت ہی وسیع و عریض ہے، اور اس کے گنبد و مینار بلند وبالا ہیں، مسجد میں تقریباً تین ہزار نمازیوں کی گنجائش ہے۔

مسجد علی وردی خاں

ان تینوں مسجدوں کے علاوہ گوڑگاؤں کی موجودہ مسجدوں میں، سب سے اہم تاریخی مسجد، علی وردی خاں کی مسجد ہے، جو سرائے علی وردی خاں میں دلی اور ریواڑی ریلوے لائن کے کراسنگ کے پاس واقع ہے، پہلے یہ مسجد محکمہ آثار قدیمہ کے ماتحت تھی، مگر اب پنجاب وقف بورڈ کے انتظام وانصرام میں آچکی ہے، محکمہ آثار قدیمہ میں اس کا نام مسجد علی وردی خاں درج ہے، مگر یہاں کے عوام اس کو "سرائے اللہ وردی کی مسجد" کہتے ہیں، مسجد علی وردی خاں کا بانی علی وردی خاں تھا، جو بہار کا صوبہ دار تھا، اور آخر میں بہار واڑیسہ کا حکمراں ہو گیا تھا، اس نے مراٹھوں سے جنگ کی تھی اور انکو مار بھگایا تھا، نواب علی وردی خاں کے متعلق کالی کنکر دتا، اپنی کتاب "علی وردی اور اس کا عہد" میں لکھتے ہیں:

> "اس کی والدہ خراسان میں بسنے والے ایک تورانی قبیلہ افشار سے تعلق رکھتی تھیں اور اس نسبت سے شجاع الدین محمد خاں کی رشتہ دار تھیں جو مرشد قلی جعفر خاں کا داماد تھا، اور اس کے عہد میں اڑیسہ کا نائب ناظم تھا، اس کا دادا جو عربی النسل تھا، شہنشاہ اورنگزیب کا رضاعی بھائی تھا اور اس کے دور حکومت میں مغل منصب دار کے مرتبہ پر فائز تھا اس کے والد

مرزا محمد اولاً اورنگزیب کے فرزند دوم، اعظم شاہ کے جام بردار کی حیثیت سے ملازم تھے، اورنگزیب کے ابتدائی دور حکومت میں مرزا محمد کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا، جس کا نام مرزا احمد رکھا گیا، مرزا محمد علی دس سال بعد دکن کے شہروں میں سے ایک شہر میں پیدا ہوئے، اپنے والدین کے اثرورسوخ کے بدولت بچپن میں مرزا محمد علی اور اس کے بھائی کی آمدورفت شاہی محل میں بہ آسانی اور بہ کثرت رہتی تھی، جب یہ دونوں بھائی سن بلوغ کو پہنچے تو اعظم شاہ نے مرزا احمد کو دہلی میں آبدرا خانہ کا منتظم بنادیا، مرزا محمد علی کو اسی طرح فیل خانہ کا مہتمم مقرر کردیا، اور زردوز خانہ کا انتظام بھی اسی کے سپرد کردیا گیا[۱]"۔

مسجد علی وردی خاں لکھوری اینٹوں کی آمیزش سے بنی ہوئی ہے، اسکے اندرونی حصہ میں لکھوری اینٹیں اور اس کے بیرونی حصہ میں لال پتھر لگے ہوئے ہیں، اس کی محرابی دیوار پر سنگ سرخ میں نہایت ہی اعلیٰ قسم میں نقاشی وکشیدہ کاری کی گئی ہے، اس کی پیشانی پر لوح بھی تھی مگر وہ لوح حوادث کی نذر ہو گئی ہے یہ تین در اور تین گنبد کی شاندار مسجد ہے، ان گنبدوں کے کلس نہیں ہیں، اس کے چار مینار تھے جن میں سے صرف ایک مینار صحیح وسالم حالت میں موجود ہے، اور باقی تین میناروں کو تقسیم کے وقت نقصان پہونچادیا گیا تھا، غرضیکہ یہ تینوں مینار شہید ہوچکے ہیں، یہ مسجد ۴۲ /فٹ ۱۰/انچ لمبی اور ۲۴ /فٹ ۱۰/انچ چوڑی ہے اس کا فرش ۱۹۹۳ء میں جدید طرز پر بنایا گیا تھا، جو پہلے چونے پتھر کا تھا، جیسا کہ صحن کا فرش چونے پتھر کا آج بھی موجود ہے، صحن ۴۶ /فٹ لمبا اور ۳۰ /فٹ چوڑا ہے، جس کی چہار دیواری ہوئی ہے، مسجد کے مشرق وجنوب میں مسجد کا کنواں

---

[۱] علی وردی اور اس کا عہد، ص ۱۹۔۱۸،

اور اسی طرف وضو خانہ ہے، اور اس کے مشرق وشمال میں حجرۂ امام ہے، مسجد کے موجودہ امام مولانا شمیم صاحب میواتی ہیں، جو پنجاب وقف بورڈ کی طرف سے امام متعین کیے گئے ہیں، مسجد سے ۲۵/ فٹ کی دوری پر شمال ومغرب میں دو تین مزارات ہیں، مسجد علی وردی خاں گزٹ ہے، جس کا خسرہ نمبر ۱۶٫۲۹/ ہے، اور اس کی وقف اراضی ۶/ کنال ۴/ مرلے ہے۔

سرائے علی وردی خاں میں مخلوط آبادی ہے، یہاں سوا سو مسلمان رہتے ہیں، خود مسجد کے اطراف میں بھی مسلمان آباد ہیں، اور کچھ لوگ مسجد کی وقف اراضی پر مکانات بنائے ہوئے ہیں۔

مسجد موضع چومہ کھیڑہ

یہ مسجد موضع چومہ کھیڑہ ضلع گوڑگانواں میں ہے، جس کے چاروں طرف عالیشان کالونیاں بنتی جارہی ہیں، خود اسی مسجد سے ملحق کئی کالونیاں ہیں، جن میں دہلی کے اعلیٰ درجے کے ملازمین رہتے ہیں۔

یہ مسجد تین در کی ہے، اور نہایت ہی مضبوط اور کوہان نما ہے، اس کا جدید فرش بنا ہوا ہے، اور صحن بھی جدید تعمیر کردہ ہے سائبان بھی نیا ہے، مسجد کے ارد گرد دو تین مکان ہیں، یہ مسجد پنجاب وقف بورڈ کے زیر انتظام ہے، اور بورڈ کی طرف سے امام مقرر ہے۔

مسجد بارہ ہزاری ریواڑی

ریواڑی، صوبہ ہریانہ کا ایک ضلع ہے، جو انبالہ سے ۳۰۰ / کلو میٹر اور دھلی سے ۱۰۰ / کلو میٹر کی دوری پر پچھم میں واقع ہے، جو تاریخی حیثیت سے کوئی خاص مشہور نہیں، مگر ۱۹۴۷ء سے قبل یہاں مسلمانوں کی بھاری اکثریت تھی، مولانا مسلم صاحب سابق ایڈیٹر "سہ روزہ دعوت" کے آباء واجداد بھی ریواڑی کے رہنے والے تھے، ریواڑی کے محلہ قاضیان میں رہتے تھے، جہاں آج بھی آپ کی آبائی حویلی موجود ہے، جس کا نمبر ۸۰ / ہے، پرانے کاغذات کی بنا پر ۱۹۴۷ء کے بعد کسٹوڈین نے آپ کے نام کر دی تھی، مسلم صاحب مرحوم کے صاحبزادگان اب بھی ریواڑی جایا کرتے ہیں، اور اپنی جائیداد کی دیکھ ریکھ کرتے ہیں، انکے آباء واجداد کو انگریزوں نے حکومت برطانیہ کی مخالفت کرنے کی وجہ سے پھانسیاں دے دی تھیں، آپ کے خاندان میں سے صرف ایک بچہ بچ گیا تھا۔

آپ کے علاوہ یہاں کوئی قابل ذکر شخصیت نہیں نظر آتی، ریواڑی میں ۸۰ / مسجدیں ہیں، جن میں سے ۳ / مسجدیں آباد ہیں، زیادہ تر مسجدیں ناجائز قبضوں میں ہیں ۱۹۹۱ء کی مردم شماری کے مطابق یہاں کی مجموعی آبادی ۶،۲۳،۳۰۱ / تھی جس میں اب سو گھر مسلمانوں کے ہیں، جو ۱۹۴۷ء کے بعد آباد ہوئے ہیں۔

مسجد بارہ ہزاری

ریواڑی کی قدیم ترین مسجد، مسجد بارہ ہزاری ہے، یہ محلہ بارہ ہزاری میں

واقع ہے، جہاں شیخ ابراہیم بارہ ہزاری کی درگاہ ایک احاطہ میں ہے، درگاہ کے اندر یہ کتبہ موجود ہے، جس کے چند الفاظ نقل ہو سکے ہیں، یعنی

در عہد زماں جلال الدین اکبر بادشاہ

جس سے اندازہ ہوتا ہے، کہ یہ اکبر بادشاہ کے بارہ ہزاری تھے، اس کے بعد یہ جملہ نقش ہے۔

افراخت چنیں بنائے روح افزاے تاریخ بنا زہر کہ پرسیدم

وگفت .... مقبول عمارتی

اسکے بعد تختی کی شکل میں فارسی کتبہ ہے، جس کے چاروں کناروں پر اللہ، اللہ لکھا ہوا ہے، اور بیچ میں شیخ ابراہیم بارہ ہزاری کے متعلق سوانحی خاکہ ہے، جو بالکل پڑھنے میں نہیں آتا، اور اسکے ایک طرف آیۃ الکرسی بھی کندہ ہے، اس درگاہ سے ملحق ایک مسجد بھی ہے، جو بہت ہی اہم اور نہایت ہی تاریخی ہے، جس کے تین گنبد اور تین در ہیں، چونے اور سنگ سیاہ کی بنی ہے، اور جس کے گنبد شلغمی طرز کے ہیں مسجد تقریباً ۴۰ ر فٹ لمبی اور ۱۵ ر فٹ چوڑی ہے، اس کا صحن مختصر ہے، اس کا شمار ریواڑی کی اہم مسجدوں میں ہوتا ہے، اس مسجد میں ایک بڑھیا کی رہائش ہے، اور اسکی سہ دری میں بھی رہائش ہے، مسجد اور درگاہ کے باہری صدر دروازہ پر ایک کتبہ ہے، جو حسب ذیل ہے۔

کتبہ

ھو الحفیظ

مادہ تاریخ طبع زاد منشی رفیق اللہ قادری در ۱۳۰۵ھ منصب

بارہ ہزاری یافت از محمود شاہ سید ابراہیم از بہر جہاد کافریں

شد شہید از دست کافر و وقت شب سال وفات از رفیق ایں

گفت ھاتف جاں فدائے راہ دیں۔

لال مسجد ۴۲۰

لال مسجد محلہ بخارہ واڑہ سے ملحق ہے، جس کا صدر دروازہ لاجواب ہے، اس کے چہرہ پر عمدہ نقش و نگاری کی گئی ہے، یہ مسجد صدر دروازہ کی طرح لال پتھر کی بنی ہوئی ہے، جس کے تین گنبد ہیں، اور ان گنبدوں کے کلس لال پتھر کے نہایت ہی مضبوط ہیں اور خاص بات یہ ہے کہ ان تینوں گنبدوں میں لوہے کے جال چڑھے ہوئے ہیں، جو بہت ہی مضبوط ہیں۔

اس مسجد میں آٹھ مینار ہیں، جن میں ۴/ مینار بڑے بڑے اور ۴/ چھوٹے چھوٹے ہیں، اور یہ تین در کی مسجد ہے، جس کی محرابی دروں کی بلندی پر لال پتھر کے چھجے نہایت ہی مضبوط ہیں، اور اسکے محرابی دروں کی روکار پر اعلیٰ قسم کی نقاشی کی گئی ہے۔

یہ مسجد تقریباً ۴۳/ فٹ لمبی اور ۵۰/ فٹ چوڑی ہے، اس مسجد کے اندرونی حصہ کا معائنہ نہیں کیا جاسکا، چونکہ مسجد میں ایک خاندان آباد ہے، صحن کے دائیں جانب پتھروں کے حجرے بنے ہوئے ہیں، صحن کے بائیں طرف بھی حجرہ ہے۔

خیال کیا جاتا ہے کہ پہلے کوئی مدرسہ تھا، اس کا صحن بھی بہت ہی وسیع و عریض ہے، صحن کے کنارے خالی وقف زمین ہے، موھن لال مسجد پر قابض ہیں ان کا بیان ہے کہ مسجد بنانے والے پاکستان میں ہیں، دو تین مرتبہ یہاں آئے، اور بتایا کہ ہم لوگوں نے اس طرز کی مسجد پاکستان میں بھی بنوائی ہے، موہن لال کا بیان ہے کہ مسجد میں رہنے والا خوشحال نہیں رہتا، اور ہمیں معاوضہ مل جائے تو ہم مسجد کو خالی کردیں گے، اس مسجد کے انخلاء کے لئے بات چیت کی جاسکتی ہے، بورڈ کے مقامی ذمہ داروں کو اس سلسلہ میں گفت و شنید کرنی چاہئے، موہن لال ایک

سنجیدہ انسان ہیں، اور مسجد کو خالی بھی کرنا چاہتے ہیں، البتہ ان کی رہائش کا مسئلہ دردسر بنا ہوا ہے!

یہ ریواڑی کی خوبصورت ترین مسجد ہے، جس کے سنگین حجروں میں بورڈ کا دفتر بھی قائم کیا جا سکتا ہے۔

مسجد گاردہ

یہ ریواڑی کی جامع مسجد ہے، اور بہت ہی عالیشان ہے، جس کے تین گنبد ہیں دو بڑے مینار، اور دو قدرے چھوٹے مینار ہیں ایک چھوٹا مینار شہید ہو گیا، اس میں ایک فیملی آباد ہے۔

جامع مسجد لوہارو

لوہارو، صوبہ ہریانہ کی ایک مسلم ریاست تھی، جو دلی سے تقریباً ۲۰۰ر کلو میٹر کی مسافت پر مغرب، شمال میں واقع ہے، جو مدتوں علم وادب کا مخزن وگہوارہ رہی ہے، جہاں بڑے بڑے قادر الکلام شعراء پیدا ہوئے، خود والیان ریاست لوہارو بھی شعر و سخن کا مزاق رکھتے تھے، اور زبان وادب کی سرپرستی کرتے تھے، خاندان لوہارو کے، شعراء میں مرزا اعزالدین احمد خاں اعظم، مرزا اعتمادالدین خاں اعتماد مرزا شجاع الدین احمد خاں تاباں، مرزا شہاب الدین احمد خاں ثاقب، مرزا سراج الدین احمد خاں سائل، مرزا حسین علی خاں شاداں، مرزا سعید الدین احمد خاں طالب، مرزا زین العابدین خاں عارف، مرزا علاء الدین احمد خاں علائی، اور مرزا جمیل الدین احمد خاں عالی، بلند مقام رکھتے ہیں، خاندان لوہارو کے پہلے والی ریاست نواب امین الدین احمد خاں صاحب تھے، اور آخری والی ریاست نواب امین الدین احمد خاں ثانی تھے، جو اپنے والد کے انتقال کے بعد والی ریاست ہوئے تھے، اور انہی کے دور میں ۱۹۴۸ء میں ملک کی دوسری ریاستوں کی طرح ریاست لوہارو بھی ختم ہو گئی تھی، نواب امین الدین احمد خاں ہماچل پردیش کے گورنر بھی رہے، اور صوم وصلوٰۃ کے نہایت ہی پابند تھے، اور گورنری کے زمانہ میں بھی ہمہ وقت مصلی ساتھ رکھتے تھے، انکے دور میں ہماچل پردیش میں بہت سی مسجدیں واگذار ہوئی ہیں، نواب صاحب بھی اپنے پیش رو والیان ریاست کی طرح شعر و سخن کا ذوق رکھتے

تھے، اور سخن فہم تھے آپ نے ریاست لوہارو کی ترقی ارو خوشحالی پر روشنی ڈالتے ہوئے یہ اشعار کہے ہیں:

مرا کلک موتی پروتا ہے اب — بیاں کارناموں کا ہوتا ہے اب
بنا ایک دیوان خانہ سجل — تو اس کا رکھا نام رفعت محل
دفاتر، مطب اور بازار کی — بنا، نیک ساعت میں رکھی گئی
مدارس بنے اور سرائے بنی — تو بنیاد مسجد کی رکھی گئی
ہوا خوری کو اک بنائی سڑک — جو دیکھا کسی نے گیا وہ پھڑک
بنا ہشت لاوا کنواں اک بڑا — لگایا وہاں باغ فرحت فزا
کنویں کے چلانے کو ستر تھے بیل — فراوانیٔ آب تھی اس طفیل
بنایا پھر اس باغ میں اک مکاں — تھیں چاروں طرف جسکے نہریں رواں
یہاں چند جوڑے بھی چھوڑے گئے — بڑے خوشنما دودھیا ہنس کے
کھلے تھے کنول جا بجا آب پر — نگاہ تماشا کو خلد نظر
کہیں سرو، قمری کی سرگوشیاں — کہیں بلبل شاد نغمہ کناں
کہیں رقص طاؤس مستانہ وار — کہیں چشم غنچہ میں کیف وخمار
وہ نرگس، جوہی، موتیا، یاسمن — کہیں تھا گلاب اور، کہیں نسترن
ادھر موگرا جو، تو چمپا ادھر — یہ تسکین جاں، وہ بہار نظر
کہیں ہار سنگھار اور چاندنی — کہیں رات رانی مدو کامنی
ثمر تھے وہ انواع اقسام کے — پھلوں کی وہ افراط اللہ رے
خراماں خراماں وہ چلتی نسیم — لٹاتی ہوئی خواب آور شمیم
فضائیں معطر ہوا عطر بار — وہ صحن چمن نو عروس بہار
بیاباں میں گل لہلہاتے لگے

عنادل وہاں چہچہانے لگے

آپ کے دور میں لوہارو نے بہت ترقی کی، آپ ہی کی کوششوں سے ریل لوہارو تک پہونچی، اناج منڈی بھی آپ ہی کے دور میں بنی، اور مسجد کے علاوہ کچھ نئی عمارتیں بھی وجود میں آئیں، لوہارو مغلیہ دور حکومت میں ریاست فیروزپور جھرکہ کا ایک پرگنہ تھا اسوقت فیروزپور جھرکہ لوہارو ریاست کہلاتی تھی، یہاں ۱۴ر مسجدیں ہیں، جن میں سے صرف تین مسجدیں آباد ہیں، ۱۹۴۷ء میں ریاست لوہارو میں کلی امن رہا، نواب لوہارو نے یہاں سے مسلمانوں کو ہجرت کرنے سے روکا، مگر مسلمان ہجرت کرنے پر مصر تھے، نواب صاحب نے مجبوراً ان کو ٹرکوں پر پاکستان بھجوادیا، اور نواب صاحب اپنے پورے خاندان کے ساتھ لوہارو میں رہے، آپ کے دو صاحبزادے ہیں، ایک عماد الدین احمد خاں ممبر راجیہ سبھا، اور دوسرے علاء الدین احمد خاں صاحب جو لوہارو میں رہتے ہیں، اور آپکی لڑکی بیگم نور بانو رامپور سے لوک سبھا کی ممبر ہیں، نواب صاحب کے خاندان کے علاوہ یہاں تیس گھر مسلمانوں کے ہیں، اور یہاں دو تین ہزار کی مسلم آبادی ہے۔

جامع مسجد

جامع مسجد لوہارو پرانے شہر میں ہے، اور ایک عالیشان مسجد ہے، مسجد کے بانی، نظر محمد تھے، یہاں کے زیادہ تر عمارتوں کے بانی نظر محمد ہی تھے، جیسا کہ نواب امین الدین احمد خاں نے اپنی مثنوی میں لکھا ہے، اور کتبہ میں بھی آپ ہی کا نام درج ہے۔

مسجد کے صدر دروازے میں ۱۲ر سیڑھیاں چڑھنے کے بعد داخل ہوتے ہیں، جو سنگ سرخ کی بنی ہوئی ہیں، صدر دروازہ کے دائیں طرف امام کا رہائشی حجرہ ہے، اسکے بعد حوض ہے، جو ۲۴ر فٹ مربع ہے، اور نہایت ہی مضبوط ہے

مگر سو کھار ہتا ہے ،اور حوض کے قریب ہی وضو خانہ اور مسجد کا کنواں ہے ، مسجد کا صحن بھی نہایت ہی نفیس و عمدہ ہے ، جو ۵۳ / فٹ لمبا اور ۳۲ / فٹ چوڑا ہے ، یہ تین در تین گنبد اور چار مینار کی خوبصورت مسجد ہے ، مغربی جانب کے دو مینار چھوٹے چھوٹے ہیں ، اور مشرقی جانب کے دو مینار بڑے بڑے ہیں ، جنکے کلس بھی صحیح و سالم ہیں ، البتہ ان مشرقی دو میناروں کے درمیان میں بھی دو معمولی مینار تھے جو شہید ہیں ، مگر انکے آثار موجود ہیں ، مسجد کی پیشانی پر یہ تاریخی اشعار کندہ ہیں۔

کتبہ

هوالغنی

لطف رب المشرقین و مغربین   گشت چوں نظر محمد رانصیب
ساخت مسجد بہر تسبیح و صلوٰۃ   چاہ کابش ہست شہد زینب
وقف کردہ دہ دکاں از بہر حق   نیز یک مہماں سرائے دلفریب

چوں عزیز از غیب سالش خواستہ
گفت مسجد ہست بنیاد غریب

۱۲۷۹ھ

درمیانی محراب کے دونوں جانب دو گول دائروں میں ۸،۸ / یا غفار لکھا ہوا ہے ، مسجد کا فرش قدیم اور مضبوط ہے ، مگر اس کا کچھ حصہ خستہ ہو رہا ہے ، یہ مسجد ۳۱ / فٹ ۷ / انچ لمبی اور ۲۰ / فٹ ۱۱ / انچ چوڑی ہے ، اور تین سیڑھیوں کا خوبصورت منبر ہے اس مسجد کے ابتدائی امام و خطیب سیدولی تھے ، جیسا کہ مثنوی میں مذکور ہے ؎

امامت کی خاطر ہوئی جستجو   نظر خوب ڈالی گئی چار سو
ملے تب کہیں جا کے سیدولی   جو تھے مولوی ، عالم و متقی

وطن سے وہ اپنے نکالے گئے　　وہ کابل سے دلی میں لائے گئے
وہاں سے بھیجے گئے رام پور　　رہیں تا کہ دلی سے کچھ اور دور
ہوا علم یہ، تو بلایا گیا　　لوہارو میں ان کو بسایا گیا
ہوئے مسجد جامع میں وہ امام
ہوا ان کا سرکار میں احترام

۱۹۴۷ء کے بعد یہاں کے حالات بھی خراب ہی رہے، لیکن نواب صاحب کے خاندان کی وجہ سے یہ مسجد زیادہ دنوں غیر آباد نہ رہ سکی، کچھ ہی دنوں کے بعد مسجد آباد ہوگئی تھی اور آج بھی آباد ہے اور اب یہ پنجاب وقف بورڈ کے زیر انتظام ہے، اور بورڈ کی طرف سے امام مقرر ہیں۔

مسجد قلعہ نواب لوہارو

لوہارو میں ایک عالیشان قلعہ ہے، جو قلعہ نواب لوہارو کے نام سے مشہور ہے، جس کے چار دروازے ہیں، اور یہ قلعہ لکھوری اینٹوں کا بنا ہوا ہے، جس کو نواب امین الدین احمد خاں نے ۱۹۷۰ء میں حکومت کو فروخت کردیا تھا، چونکہ اس قلعہ کی صفائی ومرمت کا کام بہت ہی مشکل تھا، ریاست ختم ہی ہوگئی تھی، البتہ اس قلعہ میں نواب صاحب کے محلات کے قریب واقع مسجد کو مستثنیٰ کرلیا تھا جس کے انتظام وانصرام کو ایک ٹرسٹ کے حوالہ کردیا گیا ہے، اس مسجد کی پیشانی پر یہ کتبہ نصب ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم
لاالٰہ الا اللہ محمدرسول اللہ
سال بنا سنہ ۱۲۵۲ھ

یہ مسجد قلعہ کے شمالی مغربی دروازہ سے ملحق ہے، جس کے آگے نواب

صاحب کے محلات ہیں، اب عام لوگوں کے لئے شمالی مغربی دروازہ کھلا رہتا ہے، مسجد کی احاطہ بندی کر دی گئی ہے، جس کی وجہ سے مسجد قلعہ سے علیحدہ ہو گئی ہے جس کے احاطہ میں وضوخانہ استنجاخانہ اور پانی کی ٹنکی وغیرہ ہے، جواب سوکھی رہتی ہے، مسجد کا صحن ۵۲ / فٹ ۵ / انچ لمبا اور ۳۵ / فٹ ۴ / انچ چوڑا ہے، اندرون مسجد ۳۰ / فٹ لمبی اور ۲۰ / فٹ ۸ / انچ چوڑی ہے، تین سیڑھیوں کا منبر ہے، مسجد اور اسکے صحن کا فرش عمدہ ہے، یہ تین در کی مسجد ہے، جس کے دو دروں میں نہایت ہی غیر مناسب ٹاٹ ہیں جو بہت ہی برے معلوم ہوتے ہیں، نواب صاحب کی مسجد میں اس طرح کے بوسیدہ اور پیوند لگے ہوئے ٹاٹ نہایت ہی افسوسناک معلوم ہوتے ہیں۔

وہاں کے بعض مقامی لوگوں کا بیان ہے، کہ مسجد کی کچھ وقف اراضی بھی ہے، اس قلعہ کے نزدیک ہی امین منڈی ہے، جو بہت ہی اہم ہے، جو اگرچہ سادہ ہے، لیکن خوش وضع ہے، اسکے نزدیک ہی لوہارو ریلوے اسٹیشن بھی ہے، وہاں بھی ایک مسجد ہے، جو معمولی سی ہے، جسکے تین در اور چار مینار ہیں، اور لکڑی کے شہتیر کی چھت ہے، اور تین سیڑھیوں کا منبر ہے، مسجد کی احاطہ بندی کر دی گئی ہے، یہ مسجد آباد ہے، بورڈ کے زیر انتظام ہے، یہاں کی سب سے قدیم مسجد پرانے پولیس اسٹیشن کے قریب ہے، جو نواب صاحب کی بیوی کی بنوائی ہوئی ہے، یہاں عیدگاہ بھی ہے، اور قبرستان بھی ہے، بعض ناعاقبت اندیش مسلمانوں کی وجہ سے یہاں کی کچھ وقف جائیدادیں بھی تباہ ہوئی ہیں، نواب لوہارو کی وقف جائیدادوں کے متعلق کاغذات رضا لائبریری رام پور میں موجود ہیں، یہاں کی لائبریری میں نواب صاحب کی ذاتی ڈائری بھی ہے، جس میں بہت سارے رازہائے سربستہ مرقوم ہیں، نواب لوہارو کا ذاتی کتب خانہ نواب امین الدین

احمد خاں صاحب نے بیگم نوربانو کے جہیز میں، رضا لائبریری کو دے دیا تھا، چنانچہ رضا لائبریری رام پور میں خاندان لوہارو کے نوادرات و ذخائر پر مشتمل ایک علیحدہ شعبہ قائم ہے۔

کالی مسجد جھجر

جھجر صوبہ ہریانہ کا ایک تاریخی و ثقافتی مقام ہے، جو دلی سے ۷۰ رکلو میٹر کی دوری پر سمت جنوب (SOUTH) مغرب (WEST) میں واقع ہے، جہاں ایک قدیم مسلم ریاست تھی، جس کے ماتحت بہادر گڑھ، مہندر گڑھ، رہتک نارنول اور فرخ نگر وغیرہ تھے، ریاست جھجر میں ممتاز علماؑ اور دانشور آیا کرتے تھے، اور ریاست کے کاموں کو انجام دیا کرتے تھے، علامہ فضل حق خیر آبادیؒ مشہور عالم دین اور مجاہد آزادی تھے، جو برطانیہ دور حکومت میں ایک اعلیٰ عہدہ پر فائز تھے مگر جب آپ کے آبگینہ عزت پر بال آنے لگا تو آپ نے انگریزوں کی ملازمت ترک کردی تھی بلکہ دلی کی بود و باش بھی ترک کردی، نواب فیض محمد خاں والی جھجر نے موقع کو غنیمت جانا اور مبلغ ۵۰۰ روپۓ ماہانہ کی پیش کش کردی، علامہ فضل حق خیر آبادیؒ نے اسکو منظور کرلیا، اور جھجر تشریف لے گئے اور ایک عرصہ تک جھجر میں رہے۔

۱۸۵۷ء میں ریاست جھجر ہندوستان کی واحد مسلم ریاست تھی جو انگریزوں کے خلاف تھی، نواب عبد الرحمٰن والی ریاست جھجر بھی انگریزوں کے شدید مخالف تھے، جنکو انگریزوں نے ۱۸۵۷ء میں فوارہ چاندی چوک (دہلی) پر بڑی بے دردی و بے رحمی کے ساتھ سرعام پھانسی دیدی تھی حالانکہ یہاں کی دوسری ریاستیں انگریزوں کی خوشامد اور چاپلوسی میں مصروف تھیں۔

جھجر میں ۱۹۴۷ء سے قبل ۷۰ر فیصد مسلم آبادی تھی، انقلاب زمانہ دیکھئے کہ آج یہاں کی ۳۰ر ہزار کی آبادی میں صرف حکیم شوکت علی صاحب کا ایک مکان ہے، اور یہ بھی پٹودی سے آئے ہوئے ہیں، موصوف ایک اچھے حکیم اور معالج ہیں، یہاں ان کا مطب بھی ہے، یہاں کی مسجدوں کی آبادکاری میں پنجاب وقف بورڈ کے ساتھ خصوصی تعاون کرتے ہیں جھجر میں تقریباً ۳۰ر مسجدیں ہیں، جن میں سے دس مسجدوں میں مندر ہیں، باقی مسجدیں لائسنسی ہیں، اور ایک میں رہائش ہے، صرف یہاں کی جامع مسجد آباد ہے، جس کے احاطہ میں پنجاب وقف بورڈ کا دفتر ہے، جو تین در تین گنبد اور دو مینار کی مسجد ہے، جس کی پیشانی پر یہ کتبہ ہے۔

نصر من اللہ وفتح قریب

سنہ ۱۳۰

جامع مسجد جھجر بنا کردہ ہادی راہ مستقیم جناب مولوی حافظ حاجی شاہ محمد عبدالرحیم صاحب مرحوم دہلوی

جناب منظور احمد صاحب، سابق ایڈمنسٹریٹر پنجاب وقف بورڈ کے دور میں اس مسجد کی مرمت وتزئین ہوئی تھی، مسجد اور صحن کا فرش بھی بنا تھا، ۱۹۴۷ء کے بعد اس مسجد میں بھی اسکول قائم ہو گیا تھا، تقریباً ۳۴ر سال قبل مسجد کو نماز کے لئے واگزار کرایا گیا تھا جب سے یہ مسجد آباد ہے۔

مسجد کا صحن ۱۸ر فٹ چوڑا اور ۴×۵۴ر فٹ لمبا ہے، اور برآمدہ ۴×۵۴ر فٹ لمبا اور ۵×۱۲ر چوڑا ہے، اور مسجد ۲×۴۴ر فٹ لمبی اور ۲×۱۴ر فٹ چوڑی ہے، جس کی محرابی مغربی دیوار میں ایک طاق ہے، شمالی وجنوبی جانب دو دو طاق ہیں، مشرقی جانب بھی دو طاق ہیں، اور ۳ر فٹ ۱۰ر انچ کے آثار ہیں صحن کے بغل

میں وضوخانہ وغیرہ کا انتظام ہے، مسجد کے چاروں طرف غیر مسلموں کے مکانات اور دکانیں ہیں، مسجد کے ماتحت بھی کچھ دکانیں اور وقف جائیدادیں ہیں، یہ مسجد گزٹ ہے، اور بورڈ کے زیر انتظام ہے، اور بورڈ ہی کی طرف سے امام مقرر ہے۔

کالی مسجد

یہ مسجد محلہ دمدمہ میں ہے، جو بالکل شہید ہو گئی ہے، ۱۹۷۸ء میں یہاں سیلاب آیا تھا، اسی وقت یہ مسجد شہید ہوئی تھی لکھوری اینٹوں کی بنی ہوئی تھی، جس کی اب مغربی دیوار اور چھت گری ہوئی ہے، اور مسجد کے دوسرے آثار بھی موجود ہیں، اس کی تقریباً ایک ہزار گز وقف زمین ہے، مسجد کے مشرق میں ایک مزار بھی ہے، اس مسجد کو محکمہ آثار قدیمہ والے بھی دیکھنے آتے ہیں، یہ ۱۲۹۷ کی بنی ہوئی ہے، مسجد میں گری ہوئی دیواروں اور چھت سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ بہت ہی وسیع وعریض ہوگی، اب مسجد کی ان شکستہ دیواروں اور چھت کے بغل میں بھینسیں بندھتی ہیں، گزٹ کے مطابق مسجد ہے، اور یہاں کے مقامی لوگ بھی اس کو گری ہوئی مسجد کہتے ہیں، بلکہ وہاں کے بعض غیر مسلموں نے اس مسجد کے معائنہ کے دوران کہا کہ بورڈ کی طرف سے اسکی احاطہ بندی کیوں نہیں کردی جاتی ہے، پنجاب وقف بورڈ کے ذمہ داران کو اس مسجد کی احاطہ بندی کرنے کے مسئلہ پر غور کرنا چاہئے اور فوری طور پر اس کی احاطہ بندی ہو جانی چاہئے تاکہ مسجد کا تقدس بحال ہو سکے۔

مسجد باغ جہاں آرا جھجر

مسجد باغ جہاں آرا کا شمار یہاں کی خوبصورت ترین ووسیع ترین مسجدوں میں ہوتا ہے، یہ مسجد نواب جھجر کی تعمیر کردہ ہے، جس کی پیشانی پر پہلے کتبہ موجود تھا، مگر اس کو دانستہ طور پر نقصان پہونچادیا گیا ہے، صحن کے شروع میں

۲۷×۳۷/ فٹ کا ایک خوبصورت حوض ہے، جو اب خشک رہتا ہے، حوض کے بعد مسجد کا صحن شروع ہوتا ہے، جس کے اندر لال پتھر بچھے ہوئے ہیں، اور نہایت ہی عمدہ فرش ہے، صحن ۱۳۰/ فٹ لمبا اور ۸۶/ فٹ چوڑا ہے، مسجد کی محرابی دیوار میں اعلیٰ قسم کی نقش ونگاری اور استر کاری کی گئی ہے، جس کی وجہ سے مسجد بہت ہی خوبصورت معلوم ہوتی ہے، یہ تین در، تین گنبد اور چار مینار کی مسجد ہے، مشرقی جانب کے دونوں مینار عالیشان ہیں اور مغربی جانب کے دونوں مینار قدرے چھوٹے ہیں، اور شمالی مغربی جانب کا مینار آدھا شہید ہو چکا ہے۔

مسجد ۱۵/ فٹ لمبی اور ۱۲/ فٹ ۶/ انچ چوڑی ہے، جس میں تین سیڑھیوں کا خوبصورت منبر ہے، اور اس کا فرش بھی عمدہ حالت میں ہے، درمیانی دروازہ کھلا ہوا ہے، اور دائیں بائیں کے دروازے بند کردیئے گئے ہیں، درمیانی محراب میں ایک طاق ہے، اور اس کے دائیں بائیں بھی قدرے چھوٹے بڑے دو طاق ہیں، اور انکے دائیں بائیں دو لور بڑے بڑے طاق ہیں، ان کے علاوہ بھی متعدد چھوٹے بڑے طاق ہیں، اور متعدد روشندان ہیں، جن کی وجہ سے مسجد بہت ہی ہوادار ہو گئی ہے، مسجد کی باونڈری حکومت کی طرف سے کی گئی ہے، اور اس پر حکومت ہی کا قبضہ ہے، مسجد کے اطراف میں .S. D.M اور .D. S. P کی رہائشی کوٹھیاں ہیں، اور یہ سرکاری افسران نواب جھجر کی کوٹھیوں میں رہتے ہیں، مسجد کی وقف اراضی ۱۲/ کنال ۴/ مرلہ ہے، اور اس کا خسرہ ۵۱۱/ ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ حکومت کے قبضے سے جلد از جلد خالی کرالی جائے چونکہ یہاں مسجد کی سخت ضرورت ہے، اور یہاں کی جامع مسجد نمازیوں کے لئے ناکافی ہوتی ہے۔

مسجد مقبرہ بہادر گڑھ

بہادر گڑھ، دہلی روڈ کے کنارے متعدد عالیشان مقبرے اور قناتی مسجدیں

ہیں، اور ہر عالیشان مقبرہ کے ساتھ ایک عالیشان قناتی مسجد ضرور ہے، یہ مقبرے سنگ خارا کے بنے ہوئے ہیں، اور بہت ہی قدیم معلوم ہوتے ہیں، جن کے طرز تعمیر سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد تغلق کے ہیں، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ لودھیوں کے دور کے مقبرے اور قناتی مسجدیں ہیں، ان مقبروں کے آخر میں ایک عالیشان مسجد ہے، جو کافی بلندی پر بنی ہوئی ہے، جس کے تین در ایک گنبد اور دو مینار ہیں، چاروں کونوں پر ہشت پہلو چار برجیاں ہیں، مسجد کی محرابی دیواروں پر قرآنی آیات اور احادیث کے کتبے ہیں، آیۃ الکرسی بھی بہت اچھی لکھی ہوئی ہے مسجد ۳۲/ فٹ لمبی اور ۱۸/ فٹ چوڑی ہے، صحن شمالی و جنوبی جانب ۸۷/ فٹ لمبا اور مشرقی و مغربی جانب ۵۴/ فٹ لمبا ہے، مسجد کا صحن کچھ ترچھا ہے، اور اس کا فرش نہایت ہی پختہ اور سنگ سیاہ کا بنا ہوا ہے، اس کی چھت مخدوش حالت میں ہے، مسجد سے ملحق ½۶/ ایکڑ وقف زمین ہے جو پنجاب وقف بورڈ کی تولیت میں ہے، مسجد کے بغل میں ۲۵۰/ فٹ مربع تالاب ہے تالاب وقف ہے، تالاب کے بغل میں ہر سال میلہ ہوتا ہے، جس میں میوات کے مسلمان بھی گائے بیل فروخت کرنے آتے ہیں، اس مسجد کے علاوہ میلہ کے بیچ میں بھی ایک چھوٹی سی مسجد ہے جو آباد ہے، یہ تمام مقبرے اور قناتی مسجدیں پنجاب وقف بورڈ کے زیر انتظام ہیں، اور بورڈ کے پاس ان کے متعلق تمام ریکارڈ موجود ہیں۔

جامع مسجد بلب گڑھ

قصبہ بلب گڑھ، ہریانہ کا ایک قدیم قصبہ ہے، جو دلی سے کوئی ۴۵ ؍ کلو میٹر کی دوری پر شیر شاہ سوری سڑک کے کنارے جنوب میں واقع ہے، جہاں فرید آباد کی سرحد ختم ہوتی ہے، وہاں سے بلب گڑھ کا آغاز ہوتا ہے، یہ اب ایک مستقل شہر کا درجہ حاصل کرچکا ہے، جس کے اندر مختلف قسم کی فیکٹریاں اور کارخانے ہیں، مقامی لوگوں کا بیان ہے کہ بلب گڑھ کو راجہ بلو نے بسایا تھا، اور اسی نام کی مناسبت سے اسکو بلب گڑھ کہا جاتا ہے۔

یہاں کے لوگوں کا بیان ہے کہ بلب گڑھ کی جامع مسجد راجہ بلو کی تعمیر کردہ ہے، جو دو سو سال سے زیادہ پرانی ہے، مگر اس کا کوئی تحریری ثبوت نہیں ملتا، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بلب گڑھ کی عید گاہ بھی اسی راجہ بلو کی بنوائی ہوئی ہے اس کا وزیر اعظم اکرام تھا، جو موضع فیروز پور نمک، ضلع گوڑگانواں کا رہنے والا تھا، جس کو گاؤں میں دادا اکرام کے نام سے جانتے ہیں، جس کا خاندان آج بھی فیروز پور نمک میں آباد ہے۔

جامع مسجد بلب گڑھ کے تین در، تین گنبد اور چار مینار ہیں، جس کے وسطی مینار کا کلس محفوظ ہے، اور دائیں بائیں کے میناروں کے کلس حوادث روزگار کی نذر ہو گئے ہیں، جن میں اب صرف لوہے کے سریے موجود ہیں۔

مسجد کافی کشادہ ہے، جو ۳۸ ؍ فٹ ۹ ؍ انچ لمبی اور ۱۱ ؍ فٹ چوڑی ہے،

اس کا فرش پختہ ہے، بر آمدہ ۶۸ / فٹ لمبا اور ۱۵ / فٹ چوڑا ہے، جس کے ۷ / در ہیں، حالانکہ اصل کے صرف تین ہی در ہیں، مسجد کا صحن ۶۸ / فٹ لمبا اور ۱۵ / فٹ چوڑا ہے، اس کا بھی فرش پختہ ہے، مسجد کا اصل دروازہ جنوب مغرب میں ہے، مگر ایک دروازہ شمال میں بھی ہے، جو لوہے کا ہے، جنوب میں مسجد کا کنواں ہے۔

یہ مسجد مین بازار محلہ بنیاواڑہ میں واقع ہے، جس کے امام مولوی انوار صاحب ہیں، جو پنجاب وقف بورڈ کی طرف سے مقرر ہیں، مذکورہ مسجد پنجاب وقف بورڈ کی تولیت میں ہے، اس مسجد کے علاوہ یہاں ۵ / مسجدیں ہیں، جو حسب ذیل صورت حال میں ہیں، مسجد تھانہ بلب گڑھ، مسجد سقہ واڑہ، مسجد تیلی واڑہ، مسجد قصائی واڑہ یہ تینوں مسجدیں ۱۹۴۷ء کے حوادث کی نذر ہو گئی ہیں، بالفاظ دیگر شہید ہو گئی ہیں، اور مسجد محلہ پنجابی واڑہ موجود ہے، مگر اس میں مندر بنا ہوا ہے۔

عید گاہ بلب گڑھ

عید گاہ بلب گڑھ سیکٹر ۶ / فرید آباد میں واقع ہے، جس کے اندر کافی وقف اراضی ہے، ریونیو ریکارڈ کے مطابق والی ریاست فرید کورٹ کی وقف کردہ ہے، مقامی لوگوں کا بیان ہے کہ، راجہ بلو نے عائشہ نامی رقاصہ کو عید گاہ کے لئے وقف کیا تھا، وہاں ایک قبر بھی ہے، جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اسی کی قبر ہے۔

کل وقف زمین ۱۶ / ایکڑ ہے، جس میں صرف ½ ۲ ایکڑ مسلمانوں کے قبضہ میں ہے، باقی وقف اراضی پر ناجائز قبضہ ہے، یہاں بھی ایک دل خوش نام کا باغ تھا اور ۷ / کنویں تھے، یہ عید گاہ ۱۹۷۰ء کے بعد آباد ہوئی ہے، اب اس عید گاہ کو مسجد کی شکل دے دی گئی ہے، جس میں پنجوقتہ نمازوں کے علاوہ جمعہ و عیدین کی نمازیں بھی ہوتی ہیں، اسی عید گاہ کے احاطہ میں مولانا ابوالکلام آزاد سینئر سکنڈری اسکول ہے" اس میں ابتدائی سے آٹھویں تک تعلیم ہوتی ہے، پنجاب وقف بورڈ

سے تمام اسٹاف کو تنخواہ دی جاتی ہے، یہ "مسجد عید گاہ" پنجاب وقف بورڈ کے زیر انتظام ہے، جس کے موجودہ امام مولوی محمد رمضان صاحب میواتی ہیں۔

قلعہ

بلب گڑھ میں ایک قلعہ بھی ہے، جو اب آثار و کھنڈرات کی شکل میں ہے مصنف صوفیائے میوات نے لکھا ہے کہ:

"اس قصبہ کی آبادی اگرچہ کافی قدیم ہے، مگر پہلے یہ ایک بڑا گاؤں تھا، اور چھوٹی سی ریاست کی راجدھانی، اسکے راجہ بڑے ملنسار اور رواداد تھے چنانچہ راجہ ناہر سنگھ نے اپنے قلعے کے اندر سنگ مرمر کی مسجد بنوائی[۱] اور اپنے پارک کے نزدیک عید گاہ اور بس! یہاں کسی دور میں بڑی اہم اور باأثر خانقاہیں اور تربیتی مراکز تھے[۱]"۔

مزارات

۱۹۴۷ء میں یہاں اچھی خاصی مسلم آبادی تھی، جو نقل مکانی کر کے پاکستان چلی گئی، اور ان کی مسجدیں و خانقاہیں بے آواز ہو گئیں، کہا جاتا ہے کہ یہاں بھی بڑی بڑی خانقاہیں، روحانی تربیت گاہیں تھیں، آج بھی یہاں کے گلی کوچوں میں مسلمانوں کے مکانات اور مزارات نظر آتے ہیں، یہاں کے صاحب کشف و کرامات بزرگوں میں حاجی اعظم شاہ اور سید نصیر الدینؒ بلند مقام رکھتے ہیں۔

حاجی اعظم شاہ پولیس تھانہ بلب گڈھ کے قرب و جوار میں مدفون ہیں، اور آپ کا مزار مرجع خلائق ہے، سید نصیر الدینؒ عرف بھورے شاہ صاحب کا مزار راجہ بلو کے محل کے شمال میں قلعہ کے باہر ہے، ان دونوں بزرگوں کے مزارات محفوظ رہ گئے ہیں۔

---

[۱] تذکرۂ صوفیائے میوات، ص ۱۶۹،

جامع مسجد کرنال

درگاہ بو علی شاہ قلندر کی پر شکوہ عمارت کے بعد کرنال کی سب سے تاریخی عمارت میر اگھاٹی کی جامع مسجد ہے، جو مغل فن تعمیر و آرٹ کا دلآویز و دلکش نمونہ ہے، اور دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

تاریخ بنا

یہ جامع مسجد ۱۹۲۶ء مطابق ۱۳۴۴ھ میں راؤ محمد فرزند علی مرحوم کے انتظام واہتمام میں تعمیر ہوئی تھی۔ جس کے بانی نواب عظمت علی خاں مرحوم رئیس کرنال تھے، جو لیاقت علی خاں مرحوم اول وزیر اعظم پاکستان کے چچا تھے، جنہوں نے اس مسجد کے علاوہ کرنال اور اس کے اطراف میں بہت سی جائدادیں وقف کی ہیں جن کا انتظام "وقف نواب عظمت علی خاں" کی جانب سے (جسکا صدر دفتر مظفر نگر میں ہے) کیا جاتا ہے، جس کے زیر انتظام بہت ساری وقف جائیدادیں ہیں، مظفر نگر میں بھی نواب لیاقت علی خان مرحوم کی زمینداری تھی۔

فارسی کتبہ

اس مسجد کی پیشانی پر نواب عظمت علی خاں کے نام کا یہ کتبہ ہے، جس میں تاریخ تعمیر بھی بیان کی گئی ہے جو منظوم کتبہ ہے۔

اللہ اکبر

تاریخ جامع مسجد عظمت نشان کرنال ۱۹۲۵ء

از سر نو ساختہ رکن الدولہ نواب عظمت علی خاں صاحب رئیس اعظم کرنال کہ
بسعی واہتمام قاضی محمد یعقوب منیجر وقف حسن انجام پذیرفتہ۔

وہ چہ زیبا ست مسجد جامع — جلوہ بخشد زشان بیت خلیل
یادگار ست از ہمایوں شاہ — بجز از خویش مخواہ دلیل
شان محراب رونق صحنش — حسن می یابد از جمال جمیل
آب صافی ز چاہ و حوض او — روح پرور شود چو رود نیل
رکن دولہ چہ خوش بنا انداخت — مرحبا گفتہ از فلک جبرئیل
ہست سعئی محمد یعقوب — شوق افزائے ہمت تکمیل
ناصر از غیب سال تاریخش — شد ندا از خانۂ خدائے جلیل

۱۳۴۴ھ

صدر دروازہ

اس مسجد کا مرکزی دروازہ مشرق میں ہے جو نہایت ہی پر جلال و پر جمال ہے۔ اس کے اوپر ایک شاندار ڈیوڑھی بنی ہوئی ہے۔ اس دروازے کی اونچائی و بلندی کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ پندرہ سیڑھیاں چڑھنے کے بعد دروازہ میں داخل ہو پاتے ہیں، یہ دروازہ اپنے نقش و نگار اور وضع قطع میں بے مثال ہے لیکن دروازہ سے ملحق وقف اراضی پر ناجائز قبضہ کیوجہ سے دروازہ کا تعمیری حسن ختم ہو کر رہ گیا ہے، حیرت تو یہ ہے کہ دروازے کی سیڑھیوں سے ملحق پندرہ فٹ کا راستہ نکال دیا گیا ہے، جس پر لوگوں کی آمد و رفت رہتی ہے۔ اور اسکے بعد مکانات بنے ہوئے ہیں۔ جن کی وجہ سے مسجد کے دروازے کی (جو کہ عظیم الشان ہے) تصویر لینی مشکل ہے، اور اس مرکزی دروازے کے علاوہ شمالی و جنوبی جانب بھی دو دروازے ہیں، جو عموماً بند رہتے ہیں، غالباً جمعہ کو کھلتے ہیں۔

حوض اور در

اس ڈیوڑھی کے بعد مسجد کا صحن شروع ہو جاتا ہے جسکا فرش سنگ مرمر کا ہے جو ۷۵/ فٹ چوڑا ۷۸/ فٹ لمبا ہے اندر ایک خوشنما حوض بھی ہے جو ۳۳×۳۳/ فٹ ہے۔ جس میں پانی بھرا رہتا ہے، صحن کے دونوں طرف سہ دریاں ہیں۔

یہ مسجد پانچ دروں کی ہے۔ ان محرابی دروں کی پیشانی پر نہایت ہی عمدہ نقش و نگار اور منبت کاری کی گئی ہے، اور انہیں دروں کی پیشانی پر مندرجہ بالا منظوم فارسی کتبہ کندہ ہے، ان میں دو در چھوٹے ہیں تمام دروں پر جاپانی ٹائلس لگے ہوئے ہیں، اندر سے مسجد ½۲۵/ فٹ چوڑی اور ۷۵/ فٹ لمبی ہے، ۶/ فٹ کے آثار ہیں، منبر تین سیڑھیوں کا سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے، خصوصاً تین محرابوں پر (اندرون) بکثرت جاپانی ٹائلس لگے ہوئے ہیں، جو بیل بوٹوں اور سنہرے نقش و نگار سے مرصع ہیں، لیکن جابجا (Crack) کریک بھی ہو رہے ہیں۔

محرابوں میں بخط کوفی (درمیان میں) مکمل قل ھواللہ احدتا کفواً احد کندہ ہے۔ دائیں بائیں نصرمن اللہ وفتح قریب اور اس کے اوپر کلمہ لاالٰہ الااللہ محمدرسول اللہ لکھا ہے اور اسکے دائیں بائیں ومن یتو کل علی اللہ فھو حسبہ بالکل صحیح و سالم موجود ہے، دائیں بائیں بڑے متناسب و توازن کے ساتھ یااللہ، یارحمن بھی ۱۲/ جگہ ہیں۔

گنبد

اس کے تین گنبد ہیں درمیانی گنبد بڑا اور دائیں بائیں کے گنبد قدرے چھوٹے ہیں، اور دو عالیشان مینار ہیں، مینار میں کٹہرے بنے ہوئے ہیں، جن کے سنہرے کلس ہیں۔

تقسیم وطن اور مسجد

۱۹۴۷ء کے بعد اس مسجد پر ناجائز قبضہ ہو گیا تھا، مشہور مجاہد آزادی راؤ محمد حسین نے مرن برت رکھ کر مسجد کو خالی کرایا تھا، تقسیم کے بعد اس میں گوردوارہ بنادیا گیا تھا، راؤ صاحب تاحیات اسی میں مقیم رہے، آپنے مسجد کے انخلاء کے بعد اس میں ایک مدرسہ بھی قائم کیا، جو اب بھی موجود ہے، طلباء کو فارسی وغیرہ کی تعلیم دی جاتی ہے، راؤ صاحب کی جدوجہد سے مسجد ضرور خالی ہو گئی لیکن صدر دروازہ کی بڑی ڈیوڑھی کے دائیں بائیں دونوں چھوٹی ڈیوڑھیوں کو کسٹوڈین نے کرایہ پر دیدیا تھا جن پر آج بھی ناجائز قبضہ ہے۔

الحمدللہ مسجد آباد ہے، اس کے امام و خطیب سید انور حسین صاحب دیوبندی ہیں، یہ حاجی عابد حسین صاحبؒ کے حفید رشید ہیں، حاجی عابد حسین دیوبندیؒ، مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کے ہم عصر تھے۔

جامع مسجد کینٹ انبالہ

شہر انبالہ کی طرح کینٹ انبالہ، میں بھی محفوظ و غیر محفوظ، آباد و غیر آباد مساجد و اوقاف بکثرت ہیں، ان مساجد میں جامع مسجد بانس منڈی صدر بازار، اپنی وسعت و کشادگی اور تاریخی عظمت کی حیثیت سے خاصی شہرت رکھتی ہے۔

بعض مقامی لوگوں کا بیان ہے کہ یہ مسجد عہد برطانیہ میں فوجی چھاونی کے قیام کے دوران تعمیر ہوئی، ۱۸۶۳ء میں برطانہ کے عہد میں گزٹ ہوئی، مسجد کے موجودہ امام مولانا محمد اصغر قاسمی صاحب نے رام کرشن تمنا انبالوی (جو شہر انبالہ کے معروف اردو شاعر تھے اور اس مسجد کے جوار میں رہتے تھے، جن کی وفات ۸۵/ سال کی عمر میں ہوئی) کے حوالہ سے بیان کیا تھا کہ تمنا صاحب کہا کرتے تھے کہ جب میں نوخیز عمر کا تھا تو اس مسجد کی تعمیر ہو رہی تھی۔

راقم الحروف کا خیال ہے کہ یہ مسجد تو پرانی ہے، البتہ ان کے عہد میں اس کی جدید تعمیر ہوئی ہوگی، جس کا تذکرہ تمنا صاحب کیا کرتے تھے۔

مسجد کی پیشانی پر کتبہ نصب ہے، مگر یہ کتبہ بھی تاریخ تعمیر کی تعیین کے باب میں کوئی خاص ممد و مددگار ثابت نہیں ہوتا ہے، چونکہ کتبہ کے بیشتر حروف مٹ چکے ہیں، صحن میں ایک حمام ضرور ہے، جس کی دیوار پر کتبہ ثبت ہے، جس کے مطابق اس کی تعمیر ۱۹۳۶ء مطابق ۱۳۵۵ھ میں ہوئی تھی، اور اسکی تعمیر پر ۲۸۶ روپئے صرف ہوئے، مگر حمام کی تعمیر بعد کی ہے، یہ مسجد ۱۹۷۲ء میں

گزٹ ہوئی ہے ،بعد تقسیم ملک کے سروے کرنے پر پنجاب وقف بورڈ نے مسجد ھذا کو دوبارہ گزٹ کرایا اور وہی گزٹ آج بھی موجود ہے۔

مسجد کی وسعت

یہ مسجد چونے اور بڑی اینٹوں کی بنی ہے، اور سات در کی ہے، اندرون مسجد تین انتہائی بلند در بھی ہیں، مسجد میں ۸/ صفوں کی گنجائش ہے۔

اندر سے مسجد ۵۷/ فٹ لمبی اور ۳۶ فٹ چوڑی ہے ،اس کا بر آمدہ ۶/ فٹ لمبا اور ۱۶/ فٹ چوڑا ہے، صحن کا جنوبی حصہ ۲۲/ فٹ اور شمالی ۵۲/ فٹ ہے مسجد کی باونڈری شمالاً اور جنوباً ۶۳/ فٹ ہے اور ۶/ فٹ اونچی ہے، صحن کے ایک طرف وضو خانہ اور غسل خانہ ہے۔

کھڑکیاں

مسجد کی دیواروں میں بکثرت کھڑکیاں ہیں، محراب کو چھوڑ کر باقی تمام اطراف وجوانب میں دروازے اور کھڑکیاں ہیں، شمالی اور جنوبی طرف تین تین دروازے ہیں مغربی جانب ۶/ کھڑکیاں ہیں، دو بڑے مینار ہیں ،اس کے بعد بر آمدے کے دو مینار دونوں کناروں پر ہیں جو چھوٹے ہیں ،ان کے علاوہ دو اور چھوٹے مینار ہیں ،بر آمدے کے ۱۴/ حجری عمود (ستون) ہیں، سقف مسجد گاڈر اور ڈاٹ کی ہے، فرش پنجاب وقف بورڈ نے تعمیر کیا ہے۔

باب الداخلہ

مسجد کے دو دروازے ہیں، ایک چھوٹا دروازہ ہے، جو شمال میں ہے ،اور ایک بڑا دروازہ ہے، جو اصل باب الداخلہ ہے جو جنوب میں ہے، جس پر افضل الذکر کلمہ لاالہ الااللہ محمدرسول اللہ لکھا ہوا ہے، اور خلفاء راشدین کے نام بھی منقوش ہیں، دروازے کے سامنے دو تین درخت بھی کھڑے ہیں، ان میں سے

ایک درخت خشک بھی ہو گیا ہے، دروازہ ۸ / فٹ چوڑا اور ۱۲ / فٹ اونچا ہے۔

مولانا مبین الدینؒ کی خطابت

جامع مسجد بانس منڈی بازار میں مولانا مبین الدین مرحوم ۱۹۴۷ء تک امام و خطیب تھے، مولانا مبین الدین مرحوم حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ اسیر مالٹا کے تربیت یافتہ تھے، حضرت شیخ الہندؒ نے چند تربیت یافتہ علماء کو ہندوستان کے مختلف مقامات پر دعوت و تبلیغ کیلئے بھیجا تھا، ان میں مولانا مرحوم کو بھی منتخب کیا تھا، انہوں نے انبالہ کینٹ میں ایک مدرسہ قائم کیا تھا جس میں علوم قرآن وحدیث کی تعلیم ہوتی تھی، جس میں اب کانگریس کمیٹی کا دفتر قائم ہے، جو نکلسن روڈ پر واقع ہے، موصوف نے ایک مسجد بھی تعمیر کرانی شروع کردی تھی، جو کہ ادھوری رہ گئی تھی، مولانا مبین الدین صاحب تقسیم ملک کے بعد پاکستان ھجرت کر گئے تھے، اور پاکستان ریڈیو سے ان کی تقریریں بھی نشر ہوتی تھیں۔

مسجد کی واگزاری

۱۹۴۷ء میں پنجاب و ہریانہ کی دوسری مساجد کی طرح اس مسجد میں پاکستان سے آئے ہوئے شرنارتھی آباد ہو گئے تھے، پنجاب وقف بورڈ نے ناجائز قابضین کے خلاف مقدمہ دائر کیا، عدالت نے قابضین کے خلاف، بورڈ کے حق میں فیصلہ دیا، چنانچہ پنجاب وقف بورڈ نے ۱۹۶۴ء میں انخلاء کرایا، جس کی تفصیل مولانا قاری محمد اسحٰق حافظ سہارنپوری کی زبانی سنیئے!

"غالباً ۷۵ء میں انڈوپاک مشاعرہ ہوا، قتیل شفائی، طفیل ہوشیار پوری اس مشاعرے میں آئے تھے، مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اس جامع مسجد کے سامنے ایک ہندو شاعر رام کشن تمنار ہتے تھے، بڑے بزرگ شاعر تھے، اور پاکستان کے مشہور شاعر وقار انبالوی صاحب کے

خاص دوستوں میں تھے، تو مشاعرہ ختم ہونے کے بعد تقریباً تین بجے ہم سب رام کشن تمنا صاحب کے ہاں آئے، وہاں ہندوستان اور پاکستان کے سارے ہی شاعر موجود تھے، تو تین بجے کے قریب مجھے احساس ہوا کہ یہ عمارت، جس کی پشت پر ہم کھڑے ہیں، یہ مسجد معلوم ہوتی ہے، تو میں نے رام کشن صاحب سے پوچھا کہ یہ کیا عمارت ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ مسجد ہے، اور یہ بڑی آباد مسجد تھی، یہاں ہزاروں مسلمان نماز پڑھنے آتے تھے، عید، بقر عید پر باہر سڑکوں پر جماعت ہوتی تھی، اور ہم بڑے خوش ہوتے تھے، دیکھ کر، لیکن اب اسکی بڑی بے حرمتی ہو رہی ہے، اس میں لوگوں کی رہائش ہے۔

انکی یہ بات سن کر میرے دل پر چوٹ سی لگی اور خدا شاہد ہے کہ میں نے اپنے ان دوستوں طفیل ہوشیار پوری، قتیل شفائی اور سب سے کہا کہ آؤ خدا سے دعا کریں، یہ تہجد کا وقت ہے، دعاؤں کی قبولیت کا وقت ہے، ہم اس وقت دعا کریں کہ یہ مسجد جو ہے، اس میں خدا ہماری زندگی میں ایک موقع ایسا دے کہ ہم اس میں نماز پڑھ سکیں۔

خدا کی شان دیکھئے کہ وہ دعا جو اس رات کی گئی تھی، وہ اس طرح قبول ہوئی کہ میں نے جتنا مانگا تھا اس سے بہت زیادہ ملا، یعنی میں نے صرف ایک دفعہ نماز پڑھنے کی دعا مانگی تھی لیکن ہوا کیا؟ جب میں پنجاب وقف بورڈ کی طرف سے انبالہ کا خطیب ہو کر آ گیا تو میں نے اس مسجد کے ناجائز قابضین پر مقدمہ دائر کیا، وہ مقدمہ کچھ سال بعد کامیاب ہو گیا، اور وقف بورڈ نے ان لوگوں کو بے دخل کر دیا، پھر اس مسجد کو دھلوایا گیا، اور وہاں کے حکام نے بڑا تعاون کیا اور جتنے غیر مسلم قریب رہتے تھے سب نے ساتھ دیا اور

ناجائز قابضین کو نکالنے میں کوئی رکاوٹ نہیں آئی، مجھے بڑا فخر ہوا اس بات پر اور بڑی خوشی ہوئی کہ ہمارے ملک میں...... ہمارے ہی ملک میں کیا ہر جگہ ابھی انسانیت زندہ ہے، اور جہاں کچھ لوگ خراب ہیں اکثریت تو اچھے ہی لوگوں کی ہے، اچھے لوگ نہ ہوں تو دنیا ہی قائم نہ رہے، تو ہم نے اس مسجد کو جب خالی کرالیا، اس میں سفیدی ہوئی تو اس میں پنجاب وقف بورڈ کے سکریٹری کی طرف سے جمعہ کی نماز پڑھانے کا جو آرڈر ہوا وہ میرے نام ہوا اور میں نے جب وہ جمعہ کی نماز پڑھائی وہاں جاکر تو کئی سو آدمی تھے، اس میں ہماری آرمی اور ایئر فورس کے مسلمان آفیسر بھی موجود تھے، تو جب میں خطبہ دینے کے لئے منبر پر گیا تو میں خطبہ پڑھ نہیں سکا، اور مجھے اتنا رونا آیا کہ مجھے ہچکیاں بندھ گئیں، اور جس قدر وہاں لوگ تھے سب رونے لگے، اتنے روئے کہ یوں لگتا تھا کہ کوئی قیامت یہاں ہوگئی ہے، کیونکہ ہمارے دلوں پر واقعی ایک عجیب وغریب قیامت گزر رہی تھی [۱]"۔

الحمد اللہ مسجد ۱۹۶۴ء ہی میں خالی ہوگئی ہے، لیکن تقسیم ملک پر نصف صدی گزرنے کے بعد بھی مسجد کی وقف عمارتوں پر ناجائز قبضہ باقی ہے، منجو نامی غیر مسلم عورت اس میں پرائمری اسکول چلاتی ہے. جس کے خلاف مقدمہ کیا گیا تھا، جس کے نتیجہ میں عورت مقدمہ ہار چکی ہے، اسکے باوجود یہ عورت خود اپنا قبضہ جائز بتاتی ہے اور اپیل کر رکھی ہے۔

اس عورت کے علاوہ ایک اور غیر مسلم نے ناجائز قبضہ کر کے دودھ کی ڈیری کھول رکھی ہے جس کے خلاف بھی مقدمہ زیر سماعت ہے، ان دونوں کے علاوہ چار دکانیں ہیں، جو وقف بورڈ کو کرایہ دیتے ہیں۔

---

[۱] جرنیلی سڑک، ص ۱۵۶،۵۷،۵۸،

دینی ادارہ

پنجاب وہریانہ کی مساجد میں عموماً دینی مکاتب قائم ہیں، پنجاب وقف بورڈ ان مکاتب کی دیکھ بھال کرتا ہے، اس مسجد میں حمایت الاسلام کے نام سے ایک دینی ادارہ قائم ہے جس میں کچھ مقامی کچھ غیر مقامی طلباء تعلیم حاصل کرتے ہیں، بیرونی طلباء احاطہ مسجد میں مقیم بھی رہتے ہیں۔

افتخار المساجد

پٹودی ضلع گوڑگاؤں کی ایک تحصیل ہے، یہ گوڑگاؤں سے ۳۰/ کلو میٹر کی مسافت پر مغرب میں واقع ہے، یہاں پہلے ایک مسلم ریاست تھی، جس کے متعلق ''روسائے بااختیار و نامی خاندان پنجاب'' کے مصنف لکھتے ہیں کہ :

''پٹودی چھوٹی سی نیم خود مختار ریاست پنجاب کے جنوب میں ہے صاحب کمشنر دہلی اس کے پولٹیکل ایجنٹ ہیں، اس کا رقبہ پچاس مربع میل ہے آمدنی ۱۸۸۸ء میں ایک لاکھ ساٹھ ہزار روپئے تھی، آبادی بیس ہزار کے قریب ہے، اس کی حدود پر ضلع گوڑگانوہ اور رہتک ہیں، ۱۸۰۶ء میں لارڈ لیک کے عطیہ سے یہ ریاست قائم ہوئی تھی۔

نواب پٹودی کے مورث اعلیٰ ایک افغان تھے، جن کا نام شیخ پرمت تھا، یہ شہنشاہ اکبر کے عہد میں ہندوستان میں آئے تھے، الف خان جو شیخ پرمت سے سات پشت بعد ہوئے نجابت علی خان نواب جھجر کے باپ مرتھلے خان کے رفیق جنگ تھے، پہلے کئی سال تک الف خان اودھ کے نواب شجاع الدولہ کی سرکار میں ملازم رہے، بعد ازاں شاہ عالم بادشاہ دہلی کی فوج میں ایک بڑے عہدے پر ممتاز ہو گئے، یہ ایک نامی سپاہی تھے، جنہوں نے کئی معرکوں میں خوب داد مردانگی دی، مرتھلے خاں نے اپنی بیٹی کی شادی الف خاں کے بیٹے فیض طلب خاں سے کر دی جو بہادری

میں اپنے باپ سے بھی سبقت لے گئے تھے، اور یہی ریاست پٹودی کے موجودہ حکمراں خاندان کے بانی ہوئے [۱]"

ریاست پٹودی کے نوابین میں نواب محمد اکبر علی خاں، عنایت حسن خاں صادق خاں، نواب جعفر علی خاں، اصغر علی خاں، نواب محمد تقی علی خاں، محمد حسن خاں، احمد حسن خاں، حبیب الرحمٰن خاں، معظم علی خاں، نواب وصیت علی خاں، نواب محمد مختار حسین علی خاں، نواب محمد ممتاز علی خاں اور نواب افتخار علی خاں مرحوم تھے۔

آزادی کے بعد جہاں دوسرے صوبوں کی ریاستیں ختم ہوئیں، وہاں ریاست پٹودی بھی ختم ہوگئی، اس وقت نواب افتخار علی خاں والیٔ ریاست تھے، جو مشہور کرکٹ کھلاڑی تھے، اور پنڈت جواہر لال نہرو کے سکریٹری بھی رہے، آپ کا انتقال ۱۹۵۲ء میں ہوا تھا۔

پٹودی میں نواب صاحب کے محل کے علاوہ ریاست کی مختلف دفتری عمارتیں ہیں، جو موجودہ نواب صاحب کی تحویل میں ہیں، نواب صاحب کے محل کے قرب وجوار میں تین مسجدیں ہیں، ان میں سب سے زیادہ مشہور اور خوبصورت افتخار المساجد ہے، پٹودی میں کل دس مسجدیں ہیں، اور سبھی آباد ہیں، یہاں پندرہ ہزار کی آبادی ہے، جس میں سات ہزار مسلمان ہیں، پنجاب اور ہریانہ کی مسلم ریاستوں میں مالیر کوٹلہ کے بعد دوسری ریاست ہے، جہاں اتنی بڑی تعداد میں مسلمان آج بھی موجود ہیں۔

افتخار المساجد

یہ مسجد ابراہیم پلیس میں نواب صاحب کے محل سے تھوڑے فاصلے پر

---

[۱] رؤسائے بااختیار و نامی خاندان پنجاب، ص ۱۱۵،

واقع ہے، جس کے ارد گرد باغات ہیں، خود یہ مسجد نواب صاحب کے باغ ہی میں بنی ہوئی ہے، مسجد کے بانی نواب افتخار علی خاں مرحوم تھے، کہا جاتا ہے کہ، فوجی چھاونی کے پٹھان مسلمانوں نے نواب صاحب سے درخواست کی تھی، کہ ایک مسجد تعمیر کرادی جائے، جس میں جمعہ کی نماز بھی ہو، چنانچہ ان پٹھانوں نے تعمیر مسجد کے لئے ایک خطیر رقم پیش کی، نواب صاحب نے ان کی خواہش کے مطابق یہ مسجد تعمیر کرائی، یہ مسجد ۱۳۶۴ھ کی تعمیر ہے، جیساکہ محرابی دیوار کی پیشانی پر کتبہ منقوش ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحمن

افتخار المساجد

۱۳۶۴ھ

لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ

اس مسجد کے سات در ہیں، اور ان کے بر آمدہ کے بھی سات در ہیں، یہ جملہ در جدید طرز پر بنائے گئے ہیں، جس کے درمیانی در کے اوپر مذکورہ بالا کتبہ نصب ہے، اس کے دائیں بائیں دروں پر بھی اعلی قسم کے مختلف کتبات و الواح ہیں، جن میں قرآنی آیات واحادیث اور اشعار منقوش ہیں، جو حسب ذیل ہیں۔

دائیں جانب پہلے در پر، اقم الصلوة لدلوك الشمس الی غسق اللیل وقرآن الفجر ان قرآن الفجر کان مشھودا۔

دوسرے در پر، ان الصلوة تنھی عن الفحشاء والمنکر ولذکر اللہ اکبر

تیسرے در پر بلغ العلی بکما لہ کشف الدجی بجمالہ

حسنت جمیع خصالہ صلوا علیہ و الہ

اسی طرح بائیں جانب پہلے در پر، ان صلاتی و نسکی ومحیائی و مماتی للہ رب العالمین ،

دوسرے در پر، لا الہ الا نت سبحا نک انی کنت من الظا لمین ،

تیسرے در پر، یا صاحب الجمال و یا سید البشر

لا یمکن الثناء کما کان حقہ

من وجہک المنیر لقد نور القمر

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

مذکورہ بالا کتبات و الواح بخط نستعلیق لکھے گئے ہیں 'ان نادر و نایاب تحریروں سے مسجد کے حسن و جمال میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہے' بر آمدہ کی درمیانی محرابی دیوار پر بھی کتبہ نصب ہے۔

بتوفیق و مدد پروردگار

عجب ساختی مسجد شاندار

مقصد رسی شاد اے افتخار

بعالم بود لایق یادگار

یہ مسجد ۸۵ / فٹ لمبی اور ۲۳ / فٹ چوڑی ہے، جس کے اندر تین سیڑھیوں کا خوشنما منبر ہے، دو بڑے مینار آگے، اور دو بڑے مینار پیچھے ہیں، اور کچھ چھوٹے چھوٹے مینار بھی ہیں، ان تمام میناروں پر کلس ہیں مسجد کا صحن تقریباً ۹۳/ فٹ لمبا اور ۵۸ / فٹ چوڑا ہے، جس کی چہار دیواری کی گئی ہے صحن کے مشرقی دونوں کونوں پر مینار ہیں اور درمیان میں چبوترہ یہ صحن سے بلند ہے جو اذان دینے کے لئے بنایا گیا ہے، غرضیکہ یہ مسجد ایک شاہکار عمارت ہے اور نواب افتخار علی خان کے ذوق تعمیر کی آئینہ دار ہے، صحن کے بائیں جانب ایک احاطہ میں

شہزادی شہربانو بیگم صاحبہ پٹودی مدفون ہیں، جن کی تربت پر یہ لوح نصب ہے۔

کل نفس ذائقة الموت

آرام گاہ

شہزادی شہربانو بیگم صاحبہ پٹودی

زوجہ

نواب محمد ابراہیم علی خاں بہادر فرمانروائے پٹودی

دختر

نواب محمد سرامیر الدین احمد خاں فرمانروائے لوہارو

سن پیدائش ۲۰/مئی ۱۸۹۱ء

سن وفات ۱۸/جنوری ۱۹۶۵ء

تعمیر مزار عقیدتمند

فرزند جنرل محمد شیر علی خاں ہلال جرأت ۱۹۴۷ء میں

پاکستان ہجرت کرگئے،

اسی طرف مسجد سے ملحق وضوخانہ غسل خانہ اور امام کا حجرہ ہے، اس مسجد کے تھوڑے فاصلے پر نواب صاحب کا محل ہے، جس کے اطراف میں خوبصورت گارڈن ہے، جس میں مختلف انواع واقسام کے پھول ہیں اور اسکے کناروں میں اونچے اونچے درخت ہیں، اسی گارڈن کے ایک گوشے میں نواب افتخار علی خاں مدفون ہیں، جن کی قبر کے اوپر یہ تختی نصب ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیدائش بروز جمعرات ۵/ربیع الاول ۱۳۲۸ھ

مطابق ۱۷/مارچ ۱۹۱۰ء

وفات بروز ہفتہ ۷/ ربیع الثانی ۱۳۷۱ھ
مطابق ۵/ جنوری ۱۹۵۲ء
نواب افتخار علی خاں پٹودی
۱۳۷۱ھ

مرگ ناگاہ ہے شہادت　　گویا حق نے حیات نو دی
لکھئے سال وفات　　فخر نوابئے پٹودی

نواب افتخار علی خاں کی زوجہ محترمہ بھی یہیں مدفون ہیں، نواب افتخار علی خاں کے صاحبزادے نواب منصور علی خاں پٹودی ہیں، جو کرکٹ کے مشہور کھلاڑی اور پٹودی کے موجودہ نواب ہیں۔

افتخار المساجد کو دیکھنے کے بعد آس محمد اسٹیٹ آفیسر پنجاب وقف بورڈ (گوڑگاؤں) کے ہمراہ موتی مسجد، (جو احاطہ ابراہیم پلیس میں واقع ہے) گئے، جو ایک خوبصورت مسجد ہے اور آباد ہے، جس میں پنجاب وقف بورڈ کی طرف سے امام مقرر ہے، اس احاطہ میں ایک اور مسجد ہے، جس کی چھت بہت ہی مخدوش حالت میں ہے، اور بہت ہی چھوٹی ہے، اسی مسجد میں پہلے نواب افتخار علی خاں نماز پڑھتے تھے، ان مسجدوں کو دیکھنے کے بعد پٹودی کی عیدگاہ دیکھنے گئے، یہ عیدگاہ ریواڑی روڈ پر واقع ہے، اس کی چہار دیواری ہوئی ہے، اس کے تحت ساڑھے سات ایکڑ وقف زمین ہے، عیدگاہ آباد ہے، عیدگاہ کو دیکھنے کے بعد مسجد نواب صاحب ھیلی منڈی پٹودی روڈ ریلوے اسٹیشن گئے یہ مسجد ریلوے اسٹیشن کے عقب میں واقع ہے، جس کے چار مینار ہیں، کہا جاتا ہے یہ مسجد بھی نواب پٹودی افتخار علی خاں کی تعمیر ہے، پٹودی سے تین کلو میٹر پچھم میں واقع ہے، پٹودی کے بعد خرم پور گاؤں گئے، جس میں دو مسجدیں ہیں، ایک مسجد چھوٹی ہے، جو لکھوری اینٹوں

کی بنی ہوئی ہے، اور نہایت ہی مخدوش حالت میں ہے، اور اسکے قریب ہی ایک حویلی نما عمارت ہے، خرم پور کی دوسری مسجد خرم پور گاؤں سے باہر زرعی آراضی کے کنارے واقع ہے، یہ عظیم الشان مسجد ہے، جس کا صدر دروازہ مشرق میں ہے، مسجد تین در کی ہے، جس کی چھت کوہان نما ہے ، مسجد ۱۵ / فٹ چوڑی اور ۴۰ / فٹ لمبی ہے، جس کا صحن ۸۰ / فٹ لمبا اور ۵۰ / فٹ چوڑا ہے، جس کی چہار دیواری ہوئی ہے، مسجد لکھوری اینٹوں کی بنی ہوئی ہے، مسجد کے طرز تعمیر سے اندازہ ہوتا ہے کہ، لودھی دور کی ہے، مسجد کا خسرہ نمبر ۵۷ ۱۳ / میں ہے، ۱۹۴۷ء کے بعد مسجد میں اسکول قائم ہو گیا تھا، اب مسجد خالی پڑی ہوئی ہے، نہایت ہی مخدوش حالت میں ہے، اس مسجد کو دیکھنے کے بعد فرخ نگر چلے گئے، جہاں ایک شاندار مسجد ہے، جس کے تین در تین گنبد ہیں، مسجد میں ایک پنجابی خاندان آباد ہے، ان تاریخی مساجد کو دیکھنے کے بعد ہم لوگ گوڑ گاؤں آگئے، وہاں سے راقم الحروف دہلی واپس آگیا، یہ دورہ جناب آس محمد صاحب، اسٹیٹ آفیسر کی ذاتی دلچسپی سے ہوا، موصوف باذوق انسان ہیں اور علمی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں آپ کے نانا حکیم عبدالشکور صاحب نے تاریخ میؤ لکھی ہے، یہ کتاب میوات کی تاریخ پر ایک مستند کتاب ہے۔

ہریانہ کی متفرق مسجدیں

جامع مسجد مہندر گڑھ

۲۹/اپریل ۱۹۹۹ء کو نارنول سے مہندر گڑھ پہونچے جو ہریانہ کا ایک ضلع ہے، جس کی مجموعی آبادی ۶,۸۱,۸۶۹/ ہے، جس میں مسلمانوں کی تعداد برائے نام ہے، البتہ مرتدین کی تعداد اچھی خاصی ہے، جنہوں نے ۱۹۴۷ء کے پر آشوب دور میں ترک اسلام کیا تھا، یہاں پیر چرک شہید یا شاہ ولایت کا مزار (۱۱۳۷ء) بہت مشہور ہے، اس کے علاوہ یہاں ۸۰/ مسجدیں ہیں جن میں سے زیادہ تر مسجدوں میں رہائشیں ہیں، کچھ میں منادر بنے ہیں، اور کچھ میں جانور بھی رہتے ہیں، یہاں کی جامع مسجد بہت مشہور ہے، جو نیابانس محلہ کھٹیکان میں واقع ہے، یہ مسجد ۲۵/۱/۲ فٹ لمبی ہے، جس کے تین در ہیں، مسجد کے منبر اور محراب اچھی حالت میں ہیں، یہ مسجد ۲۳/ سال قبل کھلی تھی، جس کے محرک جناب نسیم احمد صاحب، آئی، اے، ایس (I.A.S.) تھے، جو اسوقت پنجاب وقف بورڈ کے سربراہ تھے، یہاں مدرسہ بھی تھا، جسکے مشرق میں وضو خانہ ہے، اور صحن میں سائبان بھی ہے، اور اسی طرف سہ دری بھی ہے، مسجد کے موجودہ امام مولوی مبارک حسین صاحب ہیں، جو ایک صالح نوجوان ہیں، اور بہت ہی مستعد و فعال ہیں، وہ اس علاقہ میں دعوت و تبلیغ کا کام کرتے رہے ہیں۔

مسجد بھوانی

بھوانی ہریانہ کا ایک ضلع ہے، جہاں اونچے اونچے مکانات اور خستہ وخراب سڑکیں ہیں، ۱۹۹۱ء کی مردم شماری کے مطابق اسکی مجموعی آبادی ۱۸،۷۹،۳۹،۱۱ر ہے، ضلع کے قصبات ودیہات میں تقریباً دو ہزار مسلمان رہتے ہیں، شہر بھوانی میں ۲۲ر مسجدیں ہیں، ان میں سے صرف مسجد بیتر ام گیٹ آباد ہے، اس میں ۱۹۸۶ء میں نماز شروع ہوئی تھی جو الحمد اللہ ابتک جاری ہے، باقی مسجدوں پر ناجائز قبضے ہیں۔

مسجد لاھالی

یہ گاؤں رہتک سے مغرب میں ۱۵ر کلو میٹر دور، روڈ کے کنارے واقع ہے، اس گاؤں میں روڈ کے کنارے ایک عالیشان مسجد ہے، جس کے تین در تین گنبد اور چار مینار ہیں، یہ مسجد ۴۸ر فٹ لمبی اور ۲۲ر فٹ چوڑی ہے، جس کے مشرق میں ایک مزار ہے، اور یہ مسجد کے صحن سے نظر آتا ہے، جس کے متعلق سبھاش چند ملہوترا سابق ممبر گرام پنچایت نے بتایا کہ اس مسجد کو تعمیر کرانے والے بزرگ کا مزار ہے، ملہوترا جی نے یہ بھی بتایا کہ یہاں پاکستان سے لوگ آتے رہتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہم اسی گاؤں کے باشندے ہیں، اور اپنے گھروں اور اپنی مسجدوں کو بڑی حسرت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں، اس مسجد اور مزار کے بیچ میں ایک بڑا تالاب ہے، لاہالی گاؤں میں مذکورہ بالا مسجد کے علاوہ دو مسجدیں اور ہیں، ایک مسجد میں گوردوارہ ہے، اور دوسری مسجد میں بت خانہ ہے، یہاں مسلم وقف جائیدادیں ہیں جن کا سروے کرنا ضروری ہے۔

جامع مسجد جند (JIND)

جند صوبہ ہریانہ کا ایک ضلع ہے، یہاں بھی اونچے اونچے مکانات خستہ و شکستہ سڑکیں اور تنگ گلیاں ہیں، جس کی مجموعی آبادی ۹،۴۳،۱۰۴ر ہے، شہر

جند کی کل آبادی ۲۰ ر ہزار کے قریب ہے، اور یہاں تین سو مسلمان ہیں شہر کی جامع مسجد چھاجج گیٹ میں ہے، جس کے تین در تین گنبد اور دو مینار ہیں، اس عظیم مسجد میں گوردوارہ بنا ہوا ہے، یہاں ایک قلعہ بھی ہے، جو کسی راجہ کا بنوایا ہوا ہے، اور اس میں ایک مسجد بھی ہے جو آباد ہے، یہاں کے مقامی لوگوں کے بیان کے مطابق ۲۰ ر مسجدیں ہیں، جن میں سے زیادہ تر مسجدوں پر ناجائز قبضے ہیں جند کی عیدگاہ بہت مشہور ہے، جس میں دو ہزار کے قریب نمازی ہوتے ہیں، یہاں بھی وقف جائیدادیں بکثرت ہیں، کچھ بورڈ کے قبضے میں ہیں، اور زیادہ تر ناجائز قبضے میں ہیں۔

جامع مسجد کلانور

کلانور، صوبہ ہریانہ میں ہے، یہاں بھی اچھے اچھے مکانات، خوبصورت دکانیں اور گھنی آبادیاں ہیں، کلانور میں روڈ کے کنارے جامع مسجد کلانور ہے، جس کے زیریں حصہ میں دکانیں اور بالائی حصہ میں مسجد ہے، جس کے تین در تین گنبد اور دو مینار ہیں، کلس صحیح حالت میں ہیں، مسجد کا صحن ۴۹ ر فٹ لمبا اور ۳۷ ر فٹ چوڑا ہے، مسجد کا اندرونی حصہ ۳۸ ر فٹ لمبا اور ۱۴ ر فٹ چوڑا ہے، مغربی جانب کے دائیں بائیں دونوں محرابوں میں روشندان ہیں، اس کے علاوہ دو دو طاق ہیں، اسی طرح شمالی جانب بھی دو طاق ہیں، درمیان میں محراب بنی ہوئی ہے، جنوبی جانب بھی ایسے ہی دو طاق ہیں، اندر تین سیڑھیوں کا منبر ہے، صحن کے مشرق میں وضوخانہ ہے، اور حجرۂ امام بھی، مسجد کی حدود سے باہر ۵۰ ر فٹ کے فاصلے پر ایک مقبرہ ہے، جس کے ہر چہار جانب مینار ہیں، صاحب مقبرہ کے نام کا علم نہیں ہوسکا۔

جامع مسجد دوجانہ

دوجانہ ہریانہ کا ایک قصبہ ہے، جہاں نواب دوجانہ رہا کرتے تھے، قصبہ میں مسلمانوں کی اکثریت تھی، ۱۹۴۷ء کے سنگین حالات میں یہاں کے زیادہ تر مسلمان پاکستان منتقل ہوگئے، اب یہاں بھی غیر مسلموں کی اکثریت ہے، اور دوسو سے زیادہ قدیم مسلمان ہیں، یہاں نواب صاحب کے دور کی بہت سی تاریخی عمارتیں موجود ہیں، ان کے محلات کے علاوہ ہاسپٹل اور مسجدیں بھی ہیں، یہاں کا اقتدار ہاسپٹل مشہور ہے، جو نواب صاحب کا بنوایا ہوا ہے۔

جامع مسجد نواب دوجانہ جسکو لال مسجد بھی کہتے ہیں جو نواب دوجانہ کے محل کے اندر ہے، جس کا دروازہ نہایت ہی عالیشان ہے، اور سنگ سرخ کا بنا ہوا ہے، یہ مسجد تین در، تین گنبد اور چار مینار کی ہے، جو کچھ عرصہ پہلے کھلی تھی، جس میں پنجوقتہ نمازیں ہونے لگی تھیں، مگر بعض ناعاقبت اندیش مبلغین کی بے شعوری وبے عقلی کی بنا پر گورنمنٹ نے دوبارہ اسکو مقفل کردیا، دوجانہ میں ۱۲/ مسجدیں ہیں، جن میں صرف دو مسجدیں آباد ہیں، آباد مسجدوں میں نواب دوجانہ کی بیبوی کی بنوائی ہوئی مسجد بھی ہے، جو قصبہ کے کنارے مسلم آبادی کے اندر ہے جسکے تین در، تین گنبد اور دو مینار ہیں، مسجد ۳۰/ فٹ لمبی اور ۱۱/ فٹ چوڑی ہے، صحن کے احاطہ میں مسجد کا کنواں اور وضوخانہ ہے، اور مسجد کی چھت پر چڑھنے کے لئے زینہ ہے۔

اس مسجد کے دائیں بائیں دو عالیشان مسجدیں ہیں، جو ویران اور غیر آباد ہیں، جن کے گنبد و مینار صحیح وسالم ہیں، یہ دونوں مسجدیں پتھروں کی بنی ہوئی ہیں، جن کی استرکاری خستہ ہورہی ہے، اور میناروں و گنبدوں پر کائیاں جم گئی ہیں یہ دونوں مسجدیں مسلم آبادی ہی کے اطراف میں ہیں، ان کو بھی آباد کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، نواب دوجانہ کی وقف جائیدادوں کے بارے میں بھی تحقیق

ہونی چاہیے، غالباً اب یہاں نواب دوجانہ کے خاندان کا کوئی فرد نہیں رہتا۔

Iqtidar Hospital
Dujana
Foumdation Stone Laid by The Hon, ble
Mr. A. Latifi,O.B.E,I.C. S,
on30 th January 1928 Opening Ceremony
Performed by the Hon, ble Mr. Miles Irving
C.I.E,O.B.E,I.C.S,
On 14 th Jan, 1929

جامع مسجد فیروزپور جھرکہ

فیروزپور جھرکہ، میوات کا اہم قصبہ ہے، سلطان فیروز شاہ تغلق نے ۷۵۷ھ میں اس کو بسایا تھا، جیسا کہ امین الدین احمد صاحب لوہارو اپنی مثنوی میں فیروزپور جھرکہ کے بانی اور یہاں کی خصوصیات کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں ؎

یہ فیروزپور جھرکہ ہے، وہ مقام
رہا جو شجاعت کا مرکز مدام
یہ فیروز تغلق کی ہے یادگار
بنا عہد شاہی سے ہے استوار
بہادر تھے اکثر یہاں کے سپوت
شجاعت کا دیتے تھے ہر دم ثبوت
مقدر سے وہ جو مسلمان ہوئے
مشرف بہ اسلام وایماں ہوئے

فیروزپور جھرکہ میں بابر بادشاہ بھی آیا تھا، اور قصبہ کے جھرنے کے کنارے رات میں قیام کیا تھا، اسی مقام پر حسن خاں میواتی، بابر سے زور آزمائی کے لئے گیا تھا جس پر بابر کو تعجب ہوا تھا۔

یہاں قلعہ کے علاوہ قدیم مدارس اور مساجد بھی ہیں، یہاں کی مشہور یادگار، جامع مسجد ہے، جو نواب احمد بخش کی تعمیر ہے، اور یہ مسجد ۱۸۲۴ء میں بنی تھی، جیسا کہ اس کی پیشانی پر قطعۂ تاریخ نصب ہے۔

شکر اللہ کہ ساخت احمد بخش
مسجد خوب وضع وخوش ترتیب
سال تاریخ اختتامش را
ہاتف پختہ داں خیر ولبیب
سر اعدائے دین برید وبگفت
کہ خوشا مسجد لطیف و عجیب

اس مسجد کے تین در، تین گنبد ہیں، نواب صاحب کی تعمیر کردہ مسجد میں توسیع ہوئی ہے، اصل مسجد ۴۴/ فٹ ۱۰/ انچ لمبی اور ۱۹/ فٹ ۱۱/ انچ چوڑی تھی، اضافہ شدہ مسجد ۴۸/ فٹ ۵/ انچ لمبی اور ۱۲/ فٹ ۱۰/ چوڑی ہے، مسجد کے اندر حوض بھی ہے جو ⅛۲۴/ مربع ہے، مسجد آباد ہے، نواب احمد بخش کے صاحبزادے نواب شمس الدین احمد خاں والی ریاست جھرکہ کو فریزر کے قتل کے سلسلہ میں ۱۸۳۵ء میں دلی میں پھانسی دی گئی تھی۔

جامع مسجد بیوان

آئین اکبری کی رو سے بیوان ایک پرگنہ تھا، جو صوبہ آگرہ کی سرکار تجارہ میں تھا، عہد عالمگیری میں محمد امین نام کا کوئی فوجی سردار بیوان میں جاگیر دار تھا،

جو اپنی آخری عمر میں عابد و زاہد بزرگ بن گیا، اس کی وفات پر ایک شاندار بارہ دری اور ایک گنبد تعمیر کیا گیا، گنبد اب گر چکا ہے، بارہ دری اور دیواروں پر گنبد تھا، ہنوز باقی ہے، لیکن خستہ حالت میں ہے، اس مزار کی نسبت سے مزار کے مغرب میں مسجد تعمیر کی گئی، جو آج تک صحیح و سالم حالت میں ہے، مزار اور مسجد کا متولی سب سے پہلے سید احسن اللہ شاہ تھے۔

مسجد کے تین گنبد اور تین در ہیں، مسجد ۴۳ / فٹ ۹ / انچ لمبی اور ۱۱ / فٹ ۴ / انچ چوڑی ہے، اور توسیع شدہ مسجد ۵۷ / فٹ ۹ / انچ لمبی اور ۲۰ / فٹ ۷ / انچ چوڑی ہے، اور اس کا صحن ۴۷ / فٹ ۹ / انچ لمبا اور ۵۱ / فٹ چوڑا ہے۔

جامع مسجد موضع شاہ چوکھاؒ

میوات (ہریانہ) کے مشہور بزرگ سید اکبر علی، عرف شاہ چوکھاؒ تھے، جو اصلاً خراسان کے رہنے والے تھے، آپ کے والد سید محمدؒ شیراز میں منصب قضا پر فائز تھے، اور سید علی ہمدانیؒ کے خلیفہ تھے، حضرت سید علی ہمدانیؒ، کا مزار کشمیر میں ہے۔

حضرت شیخ نظام الدین نارنویؒ کے خلیفۂ اعظم و اکبر اور حضرت شیخ سلیم چشتیؒ کے معاصر تھے، اکبر بادشاہ بھی آپ کا بڑا معتقد تھا، مولانا حبیب الرحمٰن خاں میواتی لکھتے ہیں کہ!

> "اکبر بادشاہ کئی شادیوں کے باوجود لاولد تھا، بغرض اولاد نرینہ جو وارث تخت و تاج ہو سکے، ایک اور شادی کی اور اس غرض و خواہش نے شہنشاہ ہند کو شیخ سلیم چشتیؒ کی بارگاہ میں جبیں سائی پر مجبور کر دیا حاضر ہو کر دعا کی درخواست کی، شیخ سلیمؒ نے فرمایا: "ایک شرط پر دعا کرتا ہوں کہ نام سلیم رکھنا ہو گا، جاؤ انشاء اللہ لڑکا پیدا ہو گا" خوشی خوشی دل سے اقرار کر کے آگرہ واپس آگیا، ادھر اکبر نے شاہ چوکھاؒ کی خدمت میں اپنے

خصوصی لوگوں کو دعاء کے لئے بھیجا، انھوں نے درخواست کی کہ دعا فرمائیں، شاہ صاحبؒ نے فرمایا: ''بھائی محمد سلیم دعا کر چکے، میں ان کی دعا کے ساتھ ہوں''، یہ جملہ سن کر اکبر کے کارندے حیران ہو گئے کیوں کہ انہوں نے شیخ سلیم چشتیؒ کی بارگاہ میں حاضری کے متعلق کوئی تذکرہ نہ کیا تھا، یہ لوگ شاداں و فرحاں آگرہ واپس آگئے اور جلال الدین اکبر کو اطمینان دلایا اور اپنا پورا ماجرا سُنادیا۔

بزرگوں کی دعاء اور حکم خدا ۱۷۵۹ھ میں اکبر کے شہزادہ محمد سلیم پیدا ہوا، بادشاہ نے شہزادے کی خوشی میں اولاً خانقاہ شیخ سلیم چشتیؒ فتح پور سیکری میں تعمیر کرائی، اس کی تکمیل کے بعد یہ تعمیری عملہ ملک میوات میں اس پہاڑی پر آیا اور شاہ چوکھاؒ کی خانقاہ تعمیر کرنی شروع کی، کافی لمبی چوڑی خانقاہ ہے، بہت کام ہو چکا تھا مگر ابھی تکمیلی مراحل طے نہ ہوئے تھے کہ ۱۰۱۴ھ میں اکبر اعظم کا انتقال ہو گیا خانقاہ شاہ چوکھاؒ کی تعمیر جہاں تک ہوئی تھی، وہیں بند ہو گئی اور تاحال اسی حال میں ہے۔

مصارف خانقاہ کے لئے اکبر بادشاہ نے ایک ہزار بانوے (۱۰۹۲) بیگھ زمین معافی میں بطور جاگیر عنایت کی اور ان آٹھ خلفاء کے نام عہدہ نمبرداری دیا جنہوں نے شادی کر لی تھی جو آج تک برقرار ہے'' [۱]۔

موضع شاہ چوکھاؒ جہاں حضرت شاہ چوکھاؒ مدفون ہیں، آپ کی نسبت سے اس کو موضع شاہ چوکھا کہا جاتا ہے یہاں کی مسلم آبادی ۵/ ہزار کی ہے، اور ۵۰/ مکانات غیر مسلموں کے بھی ہیں، اس موضع میں کل گیارہ مسجدیں ہیں، یہاں کی سب سے مشہور مسجد، ''مسجد شاہ چوکھا'' ہے یہ مسجد بھی دور اکبری کی تعمیر ہے، تقریباً ۳۰۰/

[۱] تذکرۂ صوفیائے میوات، ص، ۳۱۸۔

سال قبل اس کی جدید تعمیر ہوئی تھی۔

مسجد تین گنبد، ۴/ مینار اور ۵/ دوہرے در کی ہے، ۶+۶۲/ فٹ لمبی اور ۶+۲۹/ فٹ چوڑی ہے، اور صحن ۴+۸۳/ فٹ لمبا اور ۵۵/ فٹ چوڑا ہے، اور برآمدہ بھی ہے، اس مسجد میں مدرسہ اسلامیہ عربیہ درگاہ شاہ چوکھا کے نام سے ایک مدرسہ قائم ہے۔

جہانگیری مسجد قلعہ کانگڑہ

ہماچل پردیش کا مشہور و معروف ضلع، کانگڑہ ہے جسے کوٹ کانگڑہ اور نگر کوٹ بھی کہتے ہیں، یہ دھرم شالہ سے تقریباً ۲۰ / کلو میٹر کے فاصلے پر جنوب میں واقع ہے۔

کانگڑہ، کوہستانی علاقہ ہے، جو پہلے صوبہ پنجاب کی ایک پہاڑی ریاست تھی، اب حکومت ہماچل کا ایک اہم حصہ ہے، جہاں اونچی اونچی ہری بھری پہاڑیاں، بہتی ہوئی ندیاں اور کچھ ہموار و مسطح زمینیں بھی ہیں جن میں دھان، گیہوں، اور چائے کی کھیتیاں ہوتی ہیں راستے میں چائے کے بڑے خوبصورت پودے نظر آتے ہیں۔

ویسے تو پورے ہماچل میں بلند و مرتفع پہاڑوں، سبز و شاداب درختوں اور رواں دواں ندیوں کا سلسلہ لامتناہی ہے، بعض علاقوں میں ایسی اونچی پہاڑیاں بھی ہیں، جو ہمہ وقت برف سے ڈھکی رہتی ہیں۔

یہ علاقہ اپنے محل وقوع کے اعتبار سے دو حصوں میں بٹا ہوا ہے ...... نیا کانگڑہ اور پرانا کانگڑہ، نیا کانگڑہ میں ایک قدیم منہدم مسجد ہے، جو لکھوری اینٹ کی بنی ہوئی ہے، جس کی اب صرف محراب بچی رہ گئی ہے، مسجد اور اسکے صحن میں ملبوں اور روڑوں کا ڈھیر ہے، راقم السطور نے اس منہدم و شہید مسجد کا

دردناک منظر دیکھا ہے، یہ مسجد مین مارکیٹ سے کچھ اندر ایک پتلی گلی میں واقع ہے، اس مسجد کے علاوہ نیا کانگڑہ میں وقف جائیدادیں بھی ہیں، جو پنجاب وقف بورڈ کی تولیت میں ہیں، اس میں آج بد قسمتی سے ایک گھر بھی مسلمانوں کا نہیں ہے حالانکہ مسجد اور یہاں کے اوقاف سے واضح ہوتا ہے کہ ۱۹۴۷ء سے قبل یہاں مسلمانوں کی آبادی تھی۔ ۱۹۴۷ء کے حوادث میں انتقال آبادی ہو گیا۔

نیا کانگڑہ سے...... کچھ فاصلے پر پرانا کانگڑہ واقع ہے، جہاں کا قلعہ مشہور ہے، جس کا ذکر قدیم تاریخ کی کتابوں میں بکثرت آیا ہے، قلعہ سے ملحق غیر مسلم آبادی ہے، جس میں ایک مسجد بھی ہے، جس پر ناجائز قبضہ ہے، راقم الحروف نے اس مسجد کو دیکھا ہے، جس کے دروازہ پر تالا لگا ہوا تھا، اسوقت وہاں کوئی موجود نہیں تھا غالباً قابض کہیں باہر گیا ہوا تھا۔

بد قسمتی سے اس کانگڑہ میں بھی کوئی مسلمان نہیں رہتا ہے، پرانے کانگڑہ کے دوسرے اوقاف اور مساجد کا علم نہیں ہو سکا اور دیہی علاقوں کی مساجد و اوقاف کا بھی علم نہیں ہو سکا، چونکہ تنگی وقت کی بنا پر چند تاریخی مقامات ہی کا دورہ کر سکا جس میں قلعہ کانگڑہ سرفہرست تھا۔

قلعہ کانگڑہ

پرانے کانگڑہ کی تاریخی یادگار...... یہ قلعہ کانگڑہ ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ مہابھارت کی جنگ کے بعد راجہ سوسرما چندرائے نے بنوایا تھا، فاضل مورخ فرشتہ کی تحقیق ہے کہ یہ قلعہ راجہ بھیم کے دور میں تعمیر ہوا تھا، جو قلعہ بھیم کے نام سے مشہور ہے، ہندوں کے عقیدہ کے مطابق یہ ''بتوں کا گڑھ'' کی حیثیت رکھتا ہے۔

یہ قلعہ ایک بلند و مرتفع پہاڑ کی چوٹی پر بنا ہوا ہے، جس کے تین جانب

سے بن گنگا اور ماجھی (پستل گنگا) جیسی ندیاں بہتی ہیں، جو اس مصنوعی قلعہ کے قدرتی محافظ و پاسباں کی حیثیت رکھتی ہیں۔ قلعہ کی سنگین اور مضبوط دیواریں چار کلو میٹر میں پھیلی ہوئی ہیں۔

قلعہ کے متعدد دروازے ہیں، سب سے پہلے رنجیت سنگھ دروازہ ہے[1] جو کوئی خاص قابل دید نہیں ہے اس دروازہ سے ایک پتلا راستہ بتدریج بلندی کی طرف جاتا ہے، اس راستہ پر کچھ ہی دور چلنے کے بعد امیری دروازہ آتا ہے، جسے مغل گورنر نواب الف خاں نے بنوایا تھا، اسکے بعد کچھ دور اور چلنے کے بعد جہانگیری دروازہ ملتا ہے، جسے جہانگیر بادشاہ نے تعمیر کرایا تھا، اسکے بعد اندھیری دروازہ ہے اندھیری دروازہ کے بعد قلعہ کی مختلف عمارتوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

راقم الحروف نے قلعہ کی بلندی کے متعلق محکمہ آثار قدیمہ کے ایک آفیسر جناب سی اے اتری صاحب سے دریافت کیا تو انہوں نے کوئی اطمینان بخش بات نہیں بتائی۔ راقم کا خیال ہے کہ اسکی اونچائی قطب مینار کی اونچائی سے کم نہیں ہے، ناچیز اپنے رفقاء کے ساتھ اس قلعہ کی پہلی منزل پر گیا تو پنجاب وقف بورڈ کے بعض افسران تھک کر چور چور ہو گئے تھے، جب دوسری منزل پر قدم رکھا تو راقم کے رفقاء ہار چکے تھے، جہاں جین مندر ہے وہیں بیٹھ گئے تھے، اور وضو کرنے لگے تھے۔

راقم الحروف نے دوسری منزل پر اکتفا نہیں کیا بلکہ تیسری منزل اور چوتھی منزل پر بھی گیا، جو اس کی آخری منزل ہے، جس کی محراب نما دیواروں

---

[1] اس قلعہ پر مہاراجہ رنجیت سنگھ کا بھی قبضہ رہا ہے، مہاراجہ رنجیت سنگھ بھی کانگڑہ آیا تھا اور اس کی ایک رانی کانگڑہ ہی کی تھی جو رنجیت سنگھ کے ساتھ ہی ستی ہو گئی تھی دیکھئے تاریخ پنجاب، ص، ۱۸۶،۱۶۷ (قاسمی)

کی مرمت وتزئین ہو رہی تھی، قلعہ کا نچلا حصہ کافی وسیع وعریض ہے، لیکن جیسے جیسے قلعہ کی عمارت بلندی کی طرف جاتی ہے، اسکی وسعت وکشادگی کا دائرہ تنگ ہوتا چلا گیا ہے، آخری منزل کی چھت کی وسعت بمشکل ۵۰۰/فٹ مربع ہو کر رہ گئی ہے، جس کے چاروں طرف محراب نما دیواریں ہیں، قلعہ کی چھت سے ہماچل کی ہری بھری پہاڑیاں بہت دلفریب ودلکش نظر آتی ہیں۔

قلعہ کانگڑہ ہندو مذہب کا مقدس مقام تھا، جہاں متعدد شوالے (منادر) تھے جن میں سونے چاندی اور ہیرے جواہرات کا بڑا ذخیرہ تھا جن کی شہرت محمود غزنوی تک پہونچ گئی تھی، سلطان محمود غزنوی نے ۱۰۰۹ء میں نگر کوٹ (قلعہ کانگڑہ) پر لشکر کشی کی، قلعہ کی تسخیر کے لئے خود کانگڑہ روانہ ہوا، اور قلعہ کا محاصرہ کیا، قلعہ کے برہمنوں اور پجاریوں نے کسی قسم کی مزاحمت کے بغیر قلعہ کا دروازہ کھول دیا، اور محمود غزنوی فاتحانہ قلعہ میں داخل ہوا، اور قلعہ سے قیمتی اشیاء کو لیکر غزنی واپس ہوا۔

فاضل مورخ فرشتہ نے قلعہ کانگڑہ کے محاصرہ اور اس کی فتح کے متعلق لکھا ہے کہ:

"گردو پیش کے تمام مہاراجہ انواع واقسام کی اعلیٰ درجے کی اشیاء بطور نذرانہ وہاں بھیجتے تھے۔ اور اپنے اس فعل کو تقرب خداوندی کا ایک بہت بڑا وسیلہ تصور کرتے تھے، چونکہ اس قلعہ میں ہر چہار طرف سے دولت آ، آکر جمع ہوتی تھی۔ اسلئے یہاں سونے، چاندی، جواہرات اور موتیوں وغیرہ کا جس قدر بڑا ذخیرہ تھا، ویسا شاید ہی کسی بادشاہ کے خزانے میں ہو، یہ قلعہ بہادر سپاہیوں سے خالی تھا، یہاں کے مکین زیادہ تر برہمن اور مندر کے پجاری تھے اس لئے سلطان محمود کے عظیم الشان لشکر کا رعب وداب ان لوگوں پر اس

قدر ہوا کہ وہ سخت ہراساں ہو گئے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ محاصرے کے تیسرے روز ان لوگوں نے قلعے کا دروازہ کھول دیا اور سلطان کی خدمت میں حاضر ہو کر جان کی امان مانگی۔ سلطان نے یہ درخواست قبول کی اور ان کی جان بخشی کی اور خود اپنے چند خاص ندیموں کے ہمراہ قلعے کے اندر داخل ہوا۔ (اس قلعے سے سلطان نے بہت سی دولت اپنے قبضے میں کی) سات لاکھ اشرفیاں سات من سونے اور چاندی کے اوزار، دو سو من خالص سونا، دو ہزار من خالص چاندی اور بیس من انواع و اقسام کے جواہرات جو راجہ بھیم کے زمانے سے اس مندر میں جمع ہو رہے تھے محمود کی ملکیت بن گئے۔ اور وہ اس دولت فراواں کو اپنے ساتھ لے کر غزنی کی طرف لوٹا"

۴۰۰ھ میں محمود، غزنی پہنچا، وہاں اس نے شہر سے باہر ایک مکان بنوایا اور چند سونے اور چاندی کے تخت اس مکان میں بچھوائے، اور جو مال و اسباب وہ نگر کوٹ سے لایا تھا اس کو قرینے سے سجایا، تمام رعایا، کیا شہری اور کیا دیہاتی سبھی اس "نمائش" کو دیکھنے کے لئے جوق در جوق آتے رہے۔ یہ نمائش تین دن تک جاری رہی، سلطان نے بے شمار جشن کئے اور نیکوں اور مستحقوں کو اعزاز و اکرام اور عطیوں وغیرہ سے مالا مال کیا[1]۔

قلعہ پر محمد شاہ تغلق کا قبضہ

سلطان محمد شاہ تغلق (متوفی ۱۳۵۱ء) کا شمار عہد وسطی کے عظیم المرتبت سلاطین میں ہوتا ہے، جس کے بارے میں مشہور معاصر مؤرخ ضیاء الدین برنی نے لکھا ہے کہ:

جامۂ جہانبانی و قباء جہانداری بر قدو جامہ جہانبانی اور قباء جہانداری خاص اسی

[1] تاریخ فرشتہ، ج۱ ص ۱۱۳،

قامت اودوختہ بود، یااورنگ سلطنت   جسم کے لئے تیار کیا گیا تھا، یا تاج و تخت
و تخت بادشاہی ازبرے جلوس اودر   بادشاہی صرف اسکے جلوس کیلئے وجود میں
آفرینش آمدہ [1]۔   آئے تھے۔

سلطان محمد شاہ تغلق ایک علم پرور، منصف، عادل، سخی بادشاہ تھا، لیکن سخت گیر تھا، اس کی طبیعت میں بڑی سیما بیت تھی، اس کے باوجود اپنے عہد کا ایک کامیاب حکمراں تھا، سلطان کے اوپر مختلف دور گزرے ہیں، ایک وقت وہ بھی آیا کہ سلطان محمد شاہ تغلق نے کوہ ہماچل کی تسخیر کا عزم راسخ کر لیا، اسکے بعد چین پر قبضہ کرنے کا آرزو مند تھا، چنانچہ اپنے بھانجے خسرو ملک کی قیادت میں ۷۳۸ھ میں ایک لاکھ تجربہ کار سوار، درباری امراء اور اراکین دولت کو مہم خاص پر روانہ کیا، خسرو ملک نے پہلے قلعہ کانگڑہ کا محاصرہ کیا، اور کچھ ہی دنوں کے بعد قلعہ کانگڑہ فتح ہو گیا، لیکن فتح چین کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا، فتح کانگڑہ میں محمد شاہ تغلق بنفس نفیس شریک تھا۔

محمد شاہ تغلق کے درباری معاصر شاعر بدر چاچ نے قلعہ نگرکوٹ کی فتح کا قطعہ تاریخ کہا۔

چو بادشاہ جہاں گیر عالم بالا   بفر دخانہ سرو دوزیر شد تنہا
کشاد حصن نگرکوٹ راکہ سنگین بود   شہ زمانہ بتاریخ او خلو فیہا

۷۳۸ھ

زہے حصار کہ بہ بعی زحلقۂ دراو   محیط نہ رلبض ہفت قلعۂ مینا

(بدر چاچ)

محمد شاہ تغلق بڑا فراخ دل و وسیع نظر تھا، اپنے مذہب پر سختی سے قائم

---

[1] سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، ص ۴۵۸،

ہونے کے باوجود دوسروں کی عبادت گاہوں کا بڑا احترام کرتا تھا، نگر کوٹ کی مہم کے دوران اس نے مندروں کے انہدام سے کلی اجتناب کیا تھا، سیرت فیروز شاہی میں مرقوم ہے:

سلطان مغفور مرحوم محمد شاہ انار اللہ برہانہ جب نگر کوٹ پر سایہ فگن ہوئے تھے تو انہوں نے رائے نگر کوٹ کے التماس پر جوالا مکھی کے مندر کو چھوڑ دیا تھا۔	سلطان مغفور، مرحوم محمد شاہ انار اللہ برہانہ کہ در نگر کوٹ سایہ افگندہ بود بالتماس رائے نگر کوٹ بت خانہ جوالا مکھی را گذشتہ[1]

قلعہ پر فیروز شاہ تغلق کا قبضہ

سلطان فیروز شاہ تغلق (متوفی ۱۳۸۸ء) عہد وسطی کا ایک دیندار، رعیت پرور اور علم نواز حکمراں تھا، جس کے متعلق اسکے معاصر مورخین و مصلحین امت نے بڑے وقیع القاب و خطابات استعمال کئے ہیں، شیخ قطب الدین منور مشہور بزرگ ہیں انہوں نے یہاں تک فرمایا ہے کہ:

سلطان فیروز شاہ تو مشائخ طریقت میں سے ایک شیخ ہے جو سر پر تاج بادشاہی رکھتا ہے،	سلطان فیروز شیخ است از مشائخ طریقت کہ تاج بادشاہی بر سر دارد[2]

سلطان فیروز شاہ تغلق .... اپنے آقا محمد شاہ تغلق کی وفات کے بعد ملک کا حکمراں ہوا تھا، سلطان فیروز شاہ کو محمد شاہ تغلق سے اس قدر قلبی لگاؤ تھا کہ اپنی تاجپوشی کے موقع پر خلعت شاہی کے اوپر محمد شاہ تغلق کی یاد میں ماتمی لباس پہن لیا تھا۔

فیروز شاہ تغلق نے اپنے مربی و آقا کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ان تمام کاموں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی مخلصانہ کوششیں کیں جن کو اس کا آقا ادھورا

---

[1] سیرت فیروز شاہی، ص ۴۰ "قلمی"، [2] تاریخ فیروز شاہی عفیف، ص ۲۲، ۲۳۔

چھوڑ کر راہی ملک عدم ہوا تھا۔

فیروز شاہ تغلق نے ۱۳۵۱ء میں محمد شاہ تغلق کی طرح کانگڑہ کو فتح کرنے کیلئے نگر کوٹ کا، پر صعوبت سفر کیا اور قلعہ نگر کوٹ کا محاصرہ کیا اور معمولی مزاحمت ومقابلہ کے بعد قلعہ فتح ہو گیا تھا، فاضل مورخ فرشتہ نے لکھا ہے کہ:

(سرہند کے بعد) پھر نگر کوٹ چلا گیا، فیروز شاہ تغلق نگر، کوٹ پہاڑی کی وادی میں پہنچا، جیسے ہی وہاں لوگ اس کی خاطر ومدارات میں برف لے کر حاضر ہوئے، بادشاہ کو یہ دیکھ کر محمد تغلق کے زمانے کا ایک واقعہ یاد آگیا کہ جس وقت اس کے آقا محمد تغلق کا یہاں سے گزر ہوا تو لوگ اسکے پاس خاطر کیلئے برف کا شربت بنا کر لائے لیکن اس وقت چونکہ فیروز شاہ تغلق موجود نہ تھا، لہذا بادشاہ نے اس کی غیر موجودگی میں شربت پینا مناسب نہ سمجھا کیونکہ اسکو فیروز شاہ تغلق سے دلی لگاؤ اور بڑا تعلق تھا، یہ واقعہ بیان کر کے فیروز شاہ تغلق نے حکم دیا کہ لشکر کے ساتھ جتنی شکر ہاتھیوں اور اونٹوں پر لد کر آئی ہے، اسکا شربت بنایا جائے، اور اسکو برف میں ٹھنڈا کیا جائے، پھر محمد تغلق کی یادگار کے طور پر ساری سپاہ کو شربت پلایا جائے، تھوڑے سے محاصرہ اور جنگ کے بعد نگر کوٹ کا راجہ اپنے درباریوں کے ساتھ بادشاہ کے حضور میں آیا اور بادشاہ نے اس پر رحم وکرم کی بارش کی، نگر کوٹ کا نام "محمد آباد" محمد تغلق کی یادگار کے طور پر رکھا، بادشاہ کو معلوم ہوا کہ سکندر ذوالقرنین کی یہاں آمد پر ہندو برہمنوں نے نوشابہ کا مجسمہ بنا کر اپنے گھروں میں رکھ لیا ہے، اب شہر میں اسی بت کی پوجا کی جاتی ہے، یہ بھی سنا کہ بت خانہ میں ایک ہزار تین سو کتابیں موجود ہیں، اور اس بت خانہ کو "جالا مکھی" کہتے ہیں، وہاں کے برہمن عالموں فاضلوں سے، ان کتابوں کا حال بادشاہ نے دریافت کیا، اور ان میں سے کچھ کتابوں

کا ترجمہ کرایا، عہد فیروز شاہی کے مشہور شاعر اعز الدین خالد ثانی نے حکمت طبعی، شگون اور فال کی کتاب کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا۔ اور اپنی اس تالیف کو ''دلائل فیروز شاہی کا نام دیا[1]''

مشہور مورخ سبحان رائے نے لکھا ہے کہ سلطان فیروز شاہ تغلق کو یہ کتاب بہت پسند آئی تھی، اسکے ترجمہ پر انعام واکرام کی بارش کی تھی۔

درصلئہ آں بسیارے نقود از طلا نقر	اسکے صلہ میں بہت سی نقدی سونے،
وجامہ وجاگیر مرحمت کرد۔	چاندی کی صورت میں اور جاگیر عطا فرمائی،

قلعہ پر، جہانگیر بادشاہ کا قبضہ

سلطان فیروز شاہ تغلق کے بعد قلعہ کانگڑہ پر مقامی راجاؤں کا تسلط ہو گیا تھا، اسکے بعد کسی بادشاہ کو اس کی تسخیر کا خیال نہیں ہوا، اور کسی کو خیال بھی آیا تو قلعہ کانگڑہ کی حفاظتی بندوبست کی وجہ سے اس کی طرف رخ کرنے کی ہمت نہ ہو سکی، اکبر بادشاہ نے اسکی تسخیر کا ارادہ ضرور کیا تھا، اور قلعہ کا محاصرہ بھی کر لیا تھا، لیکن اس کے عہد میں قلعہ فتح نہ ہو سکا اکبر بادشاہ کے ولی العہد جہانگیر بادشاہ نے ۱۶۲۰ء میں نواب مرتضٰی خاں شیخ فرید بخاریؒ کی سرکردگی میں فوج کشی کی، چنانچہ جہانگیر بادشاہ ''تزک جہانگیری'' میں لکھتا ہے کہ:

> ''اسی دن میں نے مرتضٰی خاں کو قلعہ کانگڑہ کی تسخیر کیلئے جو پنجاب کے کوہستاں میں بلکہ تمام عالم میں اپنی مضبوطی اور استحکام میں نظیر نہیں رکھتا، رخصت کیا، اس وقت سے لیکر جب کہ ہندوستان میں اسلام کا غلغلہ بلند ہوا ہے، اس مبارک زمانے تک جب کہ تخت ہندوستان میرے جلوس سے مزین ہوا ہے، سلاطین سلف اور حکام

[1] تاریخ فرشتہ، ج اول ص ۴۶۲۔

میں سے کوئی شخص اس قلعہ کو فتح نہ کر سکا میرے والد بزرگوار کے زمانے میں ایک مرتبہ اس قلعہ کو فتح کرنے کیلئے پنجاب سے ایک لشکر بھیجا گیا تھا، جو ایک مدت تک اس کا محاصرہ کئے رہا، آخر یہ منصوبہ ناکام ہو گیا، اور یہ قلعہ فتح نہ ہو سکا اور وہ لشکر کسی اور مہم پر، جو اس سے زیادہ ضروری تھی متعین کیا گیا، میں نے مرتضیٰ خاں کو رخصت کرتے وقت اسے ایک خاص ہاتھی مع سازوسامان عنایت کیا، راجا سورج مل ولد راجا باسو کو بھی اس مہم میں متعین کیا گیا، اور اسکے سابق منصب میں پانصدی ذات کا اضافہ کیا، کیونکہ اس کا علاقہ اس قلعے سے متصل ہے [۱]"

نواب مرتضیٰ خاں نے قلعہ کانگڑہ کے محاصرہ کے دوران انتقال کیا، آپ کے وصال کی خبر سے جہانگیر بادشاہ کو بڑا رنج وملال ہوا، چنانچہ تزک جہانگیری میں لکھتا ہے کہ :

"اس زمانے میں جب کہ وہ پنجاب کا صوبے دار تھا، اس نے قلعہ کانگڑہ کو فتح کرنے کا عہد کیا تھا، جو پنجاب کے کوہستانی علاقے میں واقع ہے، اور اس کا استحکام ایسا ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے مستحکم قلعے بھی اسکو نہیں پہنچتے، وہ وہاں پہونچ کر اس مہم میں مشغول ہو گیا تھا، اس بری خبر سے مجھے بہت صدمہ پہنچا، حقیقت یہ ہے کہ ایسے بہی خواہ سلطنت کی وفات سے صدمہ ہونا ہی چاہئے، چونکہ اس نے سلطنت کی بہی خواہی میں ایک عمر گذاری تھی، میں نے اللہ تعالیٰ سے اسکی مغفرت کیلئے دعا کی [۲]"

شیخ فرید بخاری کو حضرت مجدد الف ثانی سے بڑی عقیدت تھی، شیخ فرید بخاری نے تسخیر قلعہ کانگڑہ کی مہم کے دوران حضرت مجدد الف ثانی سے تسخیر

---

[۱] تزک جہانگیری، ج اول ص ۴۶۵، [۲] تزک جہانگیری، ص ۵۲۰،

قلعہ کی خاطر دعا کی درخواست کی تھی، حضرت مجدد صاحب نے فرمایا تھا کہ :

"یہ قلعہ تمہارے ہاتھ پر فتح نہیں ہوگا[1]"

جہانگیر بادشاہ نے مرتضیٰ خاں کی وفات کے بعد راجہ مان سنگھ کو کانگڑہ کی تسخیر کی مہم پر مامور کیا تھا، راجہ مان سنگھ جہانگیر کے عہد میں منصب ہزاری ذات و ہشت صد سوار تھا، شیخ فرید کے انتقال کے بعد اس نے فوج کے نظم و نسق کو برقرار رکھا تھا، اور فوج کو منتشر نہیں ہونے دیا تھا، ۱۶۲۰ء میں یہ قلعہ فتح ہوا، جہانگیر بادشاہ کو اس فتح پر بڑا ناز تھا، اور فتح قلعہ کے ایک سال بعد بادشاہ کانگڑہ گیا، چنانچہ خود جہانگیر لکھتا ہے کہ :

"متوجہ سیر قلعۂ کانگڑہ شدم و حکم کردم کہ قاضی و میر عدل و دیگر علمائے اسلام کہ در رکاب بودہ، آنچہ شعار اسلام و شرائط دین محمدی است، در قلعہ مذکور بعمل آورند، بتوفیق ایزد سبحانہ بانگ نماز و خواندن خطبہ و کشتن گاؤ وغیرہ کہ از ابتدائے بناء ایں قلعہ تاحال نشدہ بود، ہمہ را در حضور خود بعمل آوردم۔ سجدات شکر ایں موہبت عظمی کہ ہیچ بادشاہے توفیق براں نیافتہ بود بتقدیم اسانیدہ حکم فرمودم کہ مسجد عالی درون قلعہ بنا نہند[2]"

(۲۴ ماہ آبان ۱۶ جلوس، اکتوبر ۱۶۲۱ء کو قلعہ کانگڑہ کی سیر کی طرف متوجہ ہوتے وقت قاضی اور میر عدل کو جو ہم رکاب تھے حکم دیا کہ قلعہ میں داخل ہونے پر جن اسلامی اور شرعی امور کو بجالانا ضروری سمجھیں بجالائیں اور (قلعے تک پہنچنے کیلئے ایک کوس پہاڑ کی چڑھائی طے کرنے کے بعد جب اندر داخل ہوا تو) بتوفیق ایزدی نماز کے لئے اذان اور خطبہ اپنے سامنے دلوایا، .... ان امور میں سے کسی ایک پر بھی آج تک اس قلعے میں

---

[1] حضرات القدس، تا ۱۹۸ء ص ۱۹۷، [2] تزک جہانگیری، ص ۲۹۶ و ۲۹۷،

عمل نہیں ہوا تھا، میں نے اس توفیق ایزدی کیلئے جو کسی بھی بادشاہ کو اس سے قبل نصیب نہیں ہوئی تھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدۂ شکرانہ بجالا کر اس قلعہ کے اندر ایک عالیشان مسجد تعمیر کئے جانے کا حکم دیا"۔

شکستہ مسجد اندرون قلعہ

جیسا کہ "تزک جہانگیری" میں تعمیر مسجد کے متعلق جہانگیر بادشاہ کا شاہی فرمان موجود ہے کہ اس نے قلعہ کانگڑہ میں ایک عالیشان مسجد تعمیر کرنے کا حکم دیا تھا، اور نہ صرف حکم دیا تھا، بلکہ ہدایت کے مطابق تعمیر بھی ہوئی تھی، جس کا ذکر مختلف تاریخی کتابوں میں آیا ہے، راقم الحروف کو مسجد جہانگیری کا علم تھا، چنانچہ قلعہ کانگڑہ میں مسجد کو ڈھونڈنے کے لئے داخل ہوا، قلعہ کے اندر اونچائی پر چڑھنے کے بعد دائیں ہاتھ پر نشیب میں "پھانسی گھر" سے چند قدم پہلے، ایک شکستہ مسجد پر نظر پڑی، بڑی مسرت ہوئی کہ گوہر مقصود مل گیا، یہ مسجد سنگ خارا کی بنی ہوئی تھی، جس کی چھت اور نصف سے زیادہ دیواریں منہدم ہو چکی تھیں البتہ مسجد کے آثار کے جو حصے موجود ہیں، ان سے مسجد کے استحکام و مضبوطی کا علم ہوتا ہے، اور حیرانی ہوتی ہے کہ اتنی مضبوط و مستحکم مسجد کیونکر منہدم ہو گئی۔

یہ مسجد ۲۵/ فٹ لمبی اور ۱۵/ فٹ چوڑی ہے، جس کی دیواریں ۳/ فٹ موٹی ہیں، اور بمشکل ۵/ ۶ فٹ اونچی بچی رہ گئی ہیں، محراب بالکل صحیح وسالم ہے، صحن کا فرش بھی ٹھیک ٹھاک ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ قناتی مسجد ہے (جس کے اوپر عموماً چھت نہیں ہوا کرتی) پھانسی گھر کے ملحق ہونے کی وجہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ جن لوگوں کو پھانسی دی جاتی تھیں، انکو آخری وقت میں نماز پڑھنے کا موقع دیا جاتا تھا، ہم لوگ اس مسجد کو دیکھنے کے بعد محکمہ آثار قدیمہ کے دفتر میں گئے جو قلعہ کانگڑہ ہی کے

احاطہ میں تھا، وہاں جناب سی اے اتری صاحب سے ملاقات ہوئی جو محکمہ آثار قدیمہ کے ایک ذمہ دار آفیسر ہیں، ان سے قلعہ کانگڑہ کی تاریخ اور اس کی عمارتوں کے متعلق گفتگو ہونے لگی، دوران گفتگو اتری صاحب نے بیان کیا کہ اس قلعہ میں دو مسجدیں ہیں، جو جہانگیر بادشاہ کے دور کی تعمیر کردہ ہیں، ان کے کہنے پر ہم لوگ دوبارہ قلعہ میں گئے، اور ان کی رہنمائی کے مطابق شکستہ مسجد اور پھانسی گھر کے مزید نشیب میں تقریباً ۵۰/ قدم کے فاصلے پر درختوں کے جھنڈ میں گئے جہاں ایک خوبصورت خوشنما مسجد پر نظر پڑی۔

مسجد جہانگیری اندرون قلعہ

یہ جہانگیری مسجد بہت ہی مضبوط و مستحکم ہے جو کتالی پتھروں سے تعمیر ہوئی، پیشانی پر تاریخ تعمیر کا کوئی پتھر نصب نہیں ہے، اور اس کا کوئی نشان بھی موجود نہیں ہے، غالباً کوئی کتبہ نصب نہیں کیا گیا تھا۔

یہ مسجد ۲۵/ فٹ لمبی اور ۲۰/ فٹ چوڑی ہے، جس کے اوپر کوئی مینار نہیں ہے، البتہ شلغمی طرز پر بنا ہوا ایک چھوٹا سا گنبد ہے، جو کوئی خاص نمایاں نہیں ہے، مغربی جانب محراب میں کافی بڑا روشندان ہے، مسجد بہت ہی پر فضا مقام پر ہے۔

اس مسجد کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ مغربی اور مشرقی جانب دو دو محراب اور ہیں مشرقی جانب کی دیوار میں باہری جانب دو دو طاق ہیں مسجد کی بلندی زمین کی سطح سے گنبد تک ۱۷/ ۱۸/ فٹ ہے۔

یہ جہانگیری مسجد مغل فن تعمیر کا عمدہ نمونہ ہے، قلعہ کی عمارتوں سے بالکل مختلف طرز پر بنی ہوئی ہے، جن میں اسلامی فن تعمیر کا مکمل ظہور ہوا ہے، حالانکہ قلعہ کی عمارتوں میں ہندو فن تعمیر کا بھرپور مظاہرہ کیا گیا ہے، ان دونوں عمارتوں کو دیکھنے کے بعد اسلامی فن تعمیر اور ہندی فن تعمیر کے درمیان جو فرق

ہے اس کو واضح طور پر محسوس کیا جا سکتا ہے۔
علم میں رہے کہ قلعہ کانگڑہ اور اس میں واقع مسجد جہانگیری دونوں محکمہ آثار قدیمہ کے زیر انتظام ہیں، لیکن مسجد کی صفائی پر کوئی توجہ نہیں دی جاتی، مسجد میں پیشاب پاخانہ واضح طور پر نظر آیا تھا، محکمہ آثار قدیمہ کو اس کی صفائی و مرمت کی طرف خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے، کیونکہ مسجد بھی تاریخی نوعیت کی عمارت ہے، مزید بر آں عبادت گاہ ہے، عبادت گاہ کسی مذہب کی ہو لائق احترام ہوا کرتی ہے۔
راقم الحروف نے دیکھا کہ جو لوگ قلعہ کانگڑہ کو دیکھنے آتے ہیں وہ لوگ اس مسجد میں بھی ضرور آتے ہیں، ان کی نگاہ میں اس مسجد کی تاریخی اہمیت مسلم ہے، لیکن محکمہ آثار قدیمہ کے ذمہ داروں کی نگاہ میں اس کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے۔
اندرون قلعہ کانگڑہ ایک جین مندر ہے، جس میں باضابطہ پجاری متعین تھے، اور مندر کی صفائی ستھرائی پر خوب توجہ دی گئی تھی، وہاں باقاعدہ لکھا ہوا تھا کہ جوتے اتار دیں، اسکے برعکس ان دونوں مسجدوں میں کوئی امام و مؤذن نہیں تھا۔
درانحالیکہ مندر اور مسجد دونوں محکمہ آثار قدیمہ کے زیر انتظام ہیں، لیکن مندر میں پجاری کا متعین کرنا اور مسجد میں امام و مؤذن کا نظم نہ کرنا، باعث تشویش ہے۔
سب سے حیرانی کی بات یہ ہے کہ محکمہ آثار قدیمہ اس بات کا دعویدار ہے کہ اسکے زیر انتظام عبادت گاہوں میں کسی قسم کی عبادت کی اجازت نہیں دی جا سکتی ہے، اسکے باوجود مندر میں محکمہ آثار قدیمہ کی نگرانی میں پجاریوں کا متعین کیا جانا اسکے دعویٰ اور اس کے قانون کے صریح خلاف ہے۔

مسجد قلعہ نور پور

نور پور، صوبہ ہماچل پردیش کا مشہور تاریخی مقام ہے، جو پٹھان کوٹ سے ۴۰/ کلومیٹر اور دھرمشالہ سے ۶۰/ کلومیٹر کے فاصلے پر مغرب میں واقع ہے، ریاست نور پور کا اصل بانی جیٹھ پال توار راجپوت تھا، جو دلی سے آیا تھا اور پٹھانکوٹ میں آباد ہو گیا تھا، اسی وجہ سے اس کی اولاد کو پٹھانیہ کہتے ہیں، راجہ باسو کے عہد میں نور پور دارالحکومت بھی بن گیا تھا، نور پور نام رکھنے کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ایک دفعہ جہانگیر بادشاہ کے ساتھ نور جہاں بھی یہاں آئی تھی، اور یہاں کی سبز و شاداب پہاڑیوں کو دیکھ کر نور جہاں کو یہ علاقہ بہت پسند آیا تھا، اس نے جہانگیر پر زور ڈالا کہ یہاں کوئی محل تعمیر کیا جائے، اسی موقع پر نور پور کے راجہ نے جہانگیر کا شاندار استقبال کیا، اور استقبال کرانے میں نور پور کے ان تمام لوگوں کو جمع کیا، جن کی گردنیں پھولی ہوئی تھیں، بیگم نور جہاں نے دریافت کیا آخر ان لوگوں کی گردنیں کیوں پھولی ہیں، اس پر راجہ نے کہا یہاں جو بھی باہر سے آکر آباد ہوتا ہے، تو یہاں کی آب وہوا سے ان کی گردنوں میں یہ بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں، چنانچہ نور جہاں نے یہاں محل تعمیر کرنے کا خیال ترک کر دیا، البتہ یہ ضرور ہوا کہ نور جہاں کے آنے کیوجہ سے یہ علاقہ نور پور کے نام سے مشہور ہو گیا۔

ویسے تو پٹھان کوٹ ہی سے پہاڑیوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، مگر نور پور

میں زیادہ اونچی اونچی پہاڑیاں ہیں، اور ان پہاڑیوں پر مختلف قسم کے سبز وشاداب درخت کھڑے ہیں، یہ علاقہ اپنی شادابی وہریالی کے اعتبار سے ہندوستان کی مشہور تفریح گاہوں وسیر گاہوں میں شامل ہے، جہاں ملک اور بیرون ملک سے ٹورسٹ اور سیاح آتے ہیں، اور یہاں کے قدرتی مناظر سے لطف اندوز ہوتے رہتے ہیں۔

نورپور اس لحاظ سے بھی مشہور رہا ہے، کہ تقسیم سے پہلے یہاں پشمینہ کا کام ہوتا تھا، اور پشمینہ کی چادریں ملک وبیرون ملک سپلائی کی جاتی تھیں، اور بہت ہی عمدہ اور مہنگی ہوا کرتی تھیں، تقسیم کے بعد یہاں پشمینہ کا کام کچھ سست پڑ گیا، چونکہ ۱۹۴۷ء کے بعد یہاں کے مسلمان کاریگر پاکستان منتقل ہوگئے، اب تو نورپور میں مسلمان خال خال ہی ہیں، راقم الحروف کو نورپور اور اسکے اطراف میں کوئی مسلمان نظر نہیں آیا۔

قلعہ نورپور

"نورپور" قلعہ نورپور کی وجہ سے زیادہ مشہور ہے، یہ قلعہ، بلند پہاڑ کی چوٹی پر سنگ سیاہ سے بنا ہوا ہے، قلعہ کی تاریخ تعمیر کا صحیح علم نہیں ہو سکا مگر یہ قلعہ بہت ہی قدیم العہد ہے، اندرون قلعہ متعدد محل ہیں اور عبادت گاہیں ہیں جو مختلف بادشاہوں اور سلاطین کے دور میں تعمیر ہوئی ہیں، قلعہ نورپور پر محمود غزنوی سے لیکر جہانگیر بادشاہ تک کئی مسلم سلاطین نے حملے کئے، بعض سلاطین نے قلعہ کو فتح کر لیا، اور بعض سلاطین ناکام رہ گئے، یہ قلعہ کئی حصوں میں بٹا ہوا ہے، اب تو قلعہ کی بیشتر عمارتیں منہدم ہو رہی ہیں، کچھ عمارتیں بہتر حالت میں کھڑی ہیں، قلعہ تو محکمہ آثار قدیمہ کے زیر انتظام ہے، مگر محکمہ آثار قدیمہ کا جس طرح کا انتظام ہوا کرتا ہے اسی طرح کا انتظام یہاں بھی ہے، یعنی صرف ہدایتی بورڈ لگا ہوا ہے، نگراں ملازمین حسب دستور غائب ہی رہتے ہیں۔

مسجد قلعہ نور پور

راقم الحروف قلعہ کانگڑہ میں موجود دفتر محکمہ آثار قدیمہ میں سی ڈی اتری (C.D.Attr i(C.A.)A.S.I.) کے ساتھ بیٹھا ہوا قلعہ کے بارے میں گفتگو کررہا تھا کہ اسی درمیان مسٹر اتری نے بتایا کہ نور پور کا قلعہ بھی بہت مشہور ہے، اور یہ قلعہ بھی محکمۂ آثار قدیمہ کے انڈر میں ہے، اس قلعہ میں بھی دوسری تاریخی عمارتوں کے ساتھ مسجد بھی ہے، جو بہت قدیم ہے [۱]۔

راقم الحروف نے انکی ہدایت کے مطابق اسی وقت ذھنی طور پر نور پور کے سروے کا پروگرام بنایا بالآخر بٹالہ، گرداسپور، اور پٹھانکوٹ ہوتے ہوئے نور پور پہنچا اتفاق سے قلعہ کے اندر، کے، کے مہاجن [۲] سے ملاقات ہوگئی، کے، کے مہاجن نے قلعہ کا معائنہ کرایا، اور قلعہ میں واقع چیزوں کا مختصر تعارف بھی کرایا، راقم الحروف ذھنی طور پر مسجد کی تلاش میں مصروف تھا، قلعہ کے جنوبی وشمالی اور مشرقی حصوں میں کہیں مسجد نظر نہیں آئی! اسی دوران مغرب کی طرف ایک شاندار عمارت دکھائی دی، جو درختوں کے جھنڈ میں واقع تھی، جس کے دو مینار محرابی طرز

---

[۱] واضح رہے کہ قلعہ کانگڑہ میں بھی مسٹر اتری کی رہنمائی پر جہانگیری مسجد ملی تھی ورنہ راقم الحروف اپنے رفقاء کے ساتھ مایوس ہوکر قلعہ کانگڑہ سے واپس آچکا تھا انکی رہنمائی وہدایت پر دوبارہ قلعہ کے نشیبی حصہ میں گیا، تو وہاں درختوں کے جھنڈ میں جہانگیری مسجد کھڑی تھی، جس کو دیکھ کر جی باغ باغ ہوگیا،

[۲] (Mr.K.K.Mahajan Noor Pur) نور پور کے باشندہ ہیں، اور پیشہ سے انجینئر اور بلڈر ہیں، اور ایک ایسے انسان ہیں کہ اگر ان جیسے چند انسان ہر ضلع، ہر صوبہ میں موجود ہوں تو محبت وانسانیت کا بجھا ہوا چراغ دوبارہ جل سکتا ہے، مگر اب ہندوستان میں ایسے لوگ کہاں دستیاب ہیں، (قاسمی)

پر بنے ہوئے تھے، جن پر سفیدی کی گئی تھی اور اسطرح کی سفیدی عموماً مسجدوں کے میناروں میں ہوا کرتی ہے۔

راقم الحروف کے، کے مہاجن کے ساتھ اس عمارت میں داخل ہوا، تو کے، کے، مہاجن صاحب نے کہا کہ راجا جگت سنگھ نے جو آخری بادشاہ تھا اپنے دور میں یہاں مورتیوں کو رکھوادیا تھا، یہ عمارت تقریباً ۴۰ر فٹ لمبی اور ۵۰ر فٹ چوڑی ہے جس کے اندر تین در اور باہر پانچ در ہیں، اور دوہرے در ہیں، جو نہایت ہی مستحکم ہیں، سہ دریوں میں سامان رکھا ہوا تھا، اور اسکی دیواروں میں ہندوانہ تصویریں پینٹ ہوئی تھیں۔

دراصل یہ مسجد ہے، اس عمارت کی پوری ہیئت شرعی اعتبار سے ہے، البتہ مسجد کی عمارت میں تھوڑی بہت ترمیم کر کے مندر میں تبدیل کر دیا گیا ہے، اور دونوں مینار مسجد کے وجود پر بطور شاہد موجود ہیں، کے، کے مہاجن نے قلعہ و مسجد وغیرہ کا معائنہ کرانے کے بعد راقم الحروف سے کہا کہ آپ میرے گھر پر چائے اور ناشتہ ضرور کریں گے، راقم الحروف کے انکار کے باوجود انہوں نے اصرار کے ساتھ تمام رفقاء کی مشروبات سے تواضع کی، اور انہوں نے یہ بھی کہا کہ اس قلعہ سے تھوڑے ہی فاصلے پر ایک تاریخی مقبرہ ہے اس کو اگر آپ دیکھنا پسند کریں تو میں آب کے ساتھ چلوں گا، راقم الحروف نے کہا کہ ضرور معائنہ کیا جائیگا، چنانچہ ہم لوگ اس مقبرہ کو دیکھنے کے لئے گئے، جو ایک اسکول کے پاس موجود تھا، یہ مقبرہ بہت قدیم معلوم ہوتا تھا، مگر صاحب مقبرہ کے نام وکام کا کوئی اتا پتانہ لگ سکا، ہندو لوگ اپنے عقیدہ و عقیدت کے مطابق اس مقبرہ پر پھول اور نذرانے چڑھاتے ہیں! اور اس مقبرہ کی حفاظت کرتے ہیں۔

اب اس علاقہ میں مسلمان کہاں رہے ہیں، جو اپنے بزرگوں کی قبروں کی

حفاظت کر سکیں! ان مرحومین کی کرامت ہی ہے کہ آج بھی ان قبروں کو ہندو حضرات ہی عقیدت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں، اور انہیں دل و جان سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔

مسجد نور پور

بلاسپور میں حضرت مولانا ظہیر عالم قاسمی صاحب جو ہماچل کی مساجد واوقاف کے بارے میں سند کی حیثیت رکھتے ہیں، اور موصوف ۷۴ء کے بعد ہی سے ہماچل میں مقیم ہیں، انہوں نے راقم الحروف کو بتایا کہ نور پور میں ایک آباد مسجد بھی ہے مگر وہ مسجد تلاش بسیار کے باوجود راقم الحروف کو نہیں ملی، جس کا افسوس ہے، حضرت مولانا ممتاز احمد قاسمی صاحب نے کہا کہ نور پور میں بہت سی مساجد شہید ہیں، اور آج بھی وہاں سترہ مسجدیں موجود ہیں، جو نور پور کے مختلف مقامات میں ہیں۔

جامع مسجد بالوگنج شملہ

شملہ، کا شمار صرف ہماچل پردیش ہی میں نہیں بلکہ ہندوستان کے خوبصورت و حسین ترین سیاحی و تفریحی مقامات میں ہوتا ہے، جو دلی سے ۳۴۵ ر کلومیٹر شمال اور انبالہ سے ۱۵۰ ر کلومیٹر کے فاصلے پر شمال میں ہرے بھرے پہاڑوں کے دامن میں واقع ہے، شملہ کے بعض بلند و بالا علاقے مثلاً مال روڈ، (جہاں ایک بار رانی جھانسی بھی آئی تھیں اسی وجہ سے یہاں رانی جھانسی باغ بھی ہے) ۲۱۸۰ ر میٹر سمندر کی سطح سے بلند ہے، غالباً شملہ کی سب سے اونچی چوٹی ہوگی۔

شملہ کو انگریزوں نے اپنے ذوق و مذاق کے مطابق آباد کیا تھا، اور یہاں کی جملہ عمارتیں مغربی طرز پر بنی ہوئی ہیں، ویسے تو پورے ہماچل میں عمارتیں اسی طرز و انداز پر بنائی گئی ہیں، مگر شملہ میں یوروپین آرٹ و اسٹائل کا کچھ زیادہ ہی مظاہرہ ہوا ہے، برطانوی دور میں شملہ، مارچ سے اکتوبر تک ہندوستان کی راجدھانی ہوا کرتا تھا، جس میں ہندوستان کے متعلق اہم فیصلے ہوا کرتے تھے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ بھی شملہ تشریف لا چکے ہیں، اسی موقع پر مولانا تھانویؒ نے فرمایا تھا کہ:

> ”جب شملہ گیا تو مجھے یہاں علم کی بو نہیں آئی، یہ علمی شہر نہیں ہے، سیر و سیاحت کا شہر ہے، اسی لئے میں نے صرف اس شہر میں ایک ہی رات قیام کیا، اور واپس ہوا“

شملہ وہ شہر ہے، جہاں مسلمانوں اور ہندوؤں کی قسمت کا فیصلہ ہوا ہے،
یعنی ۱۹۴۷ء میں اسی شہر کے وائسرائے ہاؤس میں ؎ تقسیم ملک کا ہنگامہ خیز

؎ شملہ کی سب پر شکوہ عمارت جو پہاڑ کی سب سے اونچی چوٹی پر بنی ہوئی ہے، وہ ہے وائسرائے ہاؤس جسکو ہندوستان کے وائسرائے لارڈ ڈفرنگ نے بنایا تھا، اسکی تعمیر ۱۸۸۴ء میں شروع، اور تکمیل ۱۸۸۸ء میں ہوئی اس کی تعمیر ۳۸/ لاکھ میں ہوئی تھی، اس عمارت کا انجینئر ہینری ارون تھا، جو اسکاٹ لینڈ کا رہنے والا تھا، اس عمارت میں جو بادامی و کتائی پتھر استعمال ہوئے ہیں وہ مقامی ہیں، اور ساگوان لکڑی برما سے آئی ہے، اور اخروٹ کی لکڑی کی چھت ہے جو کشمیر سے آئی ہے، یہ پانچ منزلہ عمارت ہے جس میں تقریباً ایک سو بیس (۱۲۰) کمرے ہیں، اسی وائسرائے ہاؤس میں ہندوستان کے وائسرائے لارڈ ڈفرنگ سے لیکر ہندوستان کے آخری وائسرائے لارڈ ماونٹ بیٹن تک رہے ہیں، اسی وائسرائے ہاؤس میں ۱۹۴۷ء میں تقسیم ملک کا فیصلہ ہوا تھا، کہا جاتا ہے کہ وائسرائے ہاؤس کے ایک کمرے میں جہاں تقسیم کے متعلق گفتگو کرنی تھی، مسٹر جناح، پنڈت نہرو، اور ماونٹ بیٹن ایک ہی ساتھ کمرے کے تین دروازوں سے داخل ہوئے تھے (یہ وہ کمرہ ہے جہاں اب عبد الجبار صاحب بیٹھے ہیں، راقم الحروف کو عبد الجبار صاحب نے بتایا کہ اسی کمرہ میں جہاں ہم لوگ ہیں مذکورہ بالا تینوں آدمی ایک ساتھ داخل ہوئے تھے) اور اسی وائسرائے ہاؤس کا نام بعد میں صدر ہاؤس ہو گیا، آزاد ہندوستان کے پہلے صدر جمہوریہ ڈاکٹر راجندر پرشاد سے لیکر ڈاکٹر رادھا کرشنن تک گرمیوں کی چھٹیوں میں رہا کرتے تھے۔

ڈاکٹر رادھا کرشنن نے ۲۰/ اکتوبر ۱۹۶۰ء میں اپنی صدارت کے دور میں صدر ہاؤس (وائسرائے ہاؤس) کو انڈین انسٹی ٹیوٹ آف اڈوانس اسٹیڈیز کو دے دیا تھا آج کل اس صدر ہاؤس میں یہ سرکاری ادارہ ہے اور اب صدر جمہوریہ ہند گرمی کی (باقی اگلے صفحہ پر)

فیصلہ ہوا تھا، جس میں مہاتما گاندھی، مسٹر محمد جناح، جواہر لال نہرو، خان عبد الغفار خاں، اور مولانا ابوالکلام آزادؒ وغیرہ شریک ہوئے تھے۔

مولانا آزادؒ حلقۂ کانگریس میں واحد لیڈر تھے، جو ازاول تا آخر تقسیم ملک کے مخالف رہے، مولانا آزادؒ نے شریک ہونے کے باوجود معاہدہ تقسیم پر دستخط نہیں کیے، حالانکہ گاندھی جی بھی اس معاہدہ پر دستخط کر چکے تھے۔

مولانا آزاد کا قیام سیسل ہوٹل میں تھا، جہاں دوسرے نیشنل قائدین ٹھہرے ہوئے تھے، ۱۹۷۳ء میں ہندوپاک جنگ کے بعد ان دونوں ملکوں کے مستقبل کے بارے میں اندرا گاندھی وزیر اعظم ہندوستان اور ذوالفقار علی بھٹو، وزیر اعظم پاکستان کے مابین چھوٹے شملہ میں ایک معاہدہ ہوا تھا، جو آج شملہ معاہدہ کہلاتا ہے، جہاں صدر جمہوریہ ہند موسم گرما میں اپنے عملہ کے ساتھ قیام پذیر ہوتے ہیں، یہ شملہ سے دو کلومیٹر کی دوری پر ہے۔

شملہ میں ۱۹۴۷ء سے قبل ۷۰٪ فیصد مسلمان تھے، اور مرفہ الحال تھے، جن میں رؤساء اور نوابین کی تعداد اچھی خاصی تھی، آج بھی شملہ میں مسلم نوابین کی کوٹھیاں بکثرت نظر آتی ہیں، جو یا تو حکومت کے قبضے میں ہیں یا انکے وارثین کے تصرف میں، اب شملہ میں پانچ ہزار مسلمان ہیں، جن میں ۲۵۰۰٪ سو ووٹر ہیں، اور شہر میں سات مساجد ہیں، الحمد للہ سب آباد ہیں، یہاں کوئی بھی مقبوضہ مسجد یا مقبوضہ قبرستان نہیں ہے، یہاں ایک درگاہ بھی ہے جس کا صحن ۳۹٪ فٹ دو انچ لمبا اور ۲۳٪ فٹ سات انچ چوڑا ہے، شملہ کے لکڑ بازار میں (جہاں پنجاب وقف بورڈ کا دفتر ہے) انجمن اسلامیہ اسکول تھا، اب جس کی عمارت میں گورنمنٹ

(بقیہ حاشیہ) چھٹیوں میں چھوٹے شملہ میں رہتے ہیں، جہاں ہندوپاک کے درمیان شملہ معاہدہ ہوا تھا، (قاسمی)

گرلس اسکول ہے، گورنمنٹ پنجاب وقف بورڈ کو کرایہ دیتی ہے۔

قدیم مسجد بالوگنج

مسجد بالوگنج پہلے قبرستان کی مسجد تھی اور بہت چھوٹی سی تھی، جس کے چاروں طرف قبرستان تھا، ایک دفعہ کچھ عرب مہمان، وائسرائے کے پاس آئے، جب نماز کا وقت ہوا تو اسی مسجد میں نماز پڑھنے آگئے، انہوں نے جب یہ چھوٹی سی مسجد دیکھی تو یہ خواہش ظاہر کی کہ اس مسجد کی توسیع کی جائے، چنانچہ عرب مہمانوں نے (جو دراصل عرب تجار تھے اور اپنے تجارتی معاملات کے سلسلے میں وائسرائے سے ملے تھے) اس مسجد کی توسیع کرائی جو مسجد کی موجودہ شکل ہے ورنہ یہ مسجد بہت ہی قدیم اور چھوٹی تھی، یہ مسجد وائسرائے ہاؤس سے بمشکل دس منٹ کی مسافت کی دوری پر واقع ہے۔

موجودہ مسجد

موجودہ مسجد شملہ کی عمارتوں کے طرز پر بنی ہوئی ہے، سادہ انداز ہے مگر بے حد خوشنما ہے، باہر سے چھوٹی معلوم ہوتی ہے، مگر اندر بہت وسیع وعریض ہے، بلکہ بالکل ہال نما ہے، یہ مسجد ۴۸/ فٹ ۳/ انچ لمبی اور ۲۵/ فٹ چوڑی ہے، اس کے علاوہ اس کا صحن ایک وسیع وعریض ہال ہے، اس مسجد میں تقریباً ۷۰۰/ سے زیادہ نمازیوں کی گنجائش ہے!

مسجد بالوگنج پر ناجائز قبضہ

یہ مسجد بالوگنج ۱۹۴۷ء میں ناجائز قبضہ میں تھی، اس میں ایک سرکاری اسکول قائم کیا گیا تھا، اور مسجد میں رام لیلا اور کرشن لیلا بھی ہوتی تھی، ۱۹۴۷ء میں یہاں کوئی مسلمان نہیں تھا، مسجد میں ناجائز قبضہ کا سلسلہ ۱۹۷۰ء تک قائم رہا، اس کے بعد کرنل محمد سعید صاحب شملوی، پنجاب وقف بورڈ کے چیئرمین ہوئے تو انہوں

نے اس مسجد کو حکومت سے اپنے قبضے میں لے لیا، اس طرح یہ مسجد آباد ہوئی۔

مسجد میں امام کا تقرر

کرنل محمد سعید صاحب، چیئرمین پنجاب وقف بورڈ نے مسجد کا انخلاء ضرور کرادیا تھا مگر ۱۹۷۰ء سے ۱۹۷۲ء تک اس میں کوئی باقاعدہ امام نہیں تھا ۱۹۷۲ء میں حضرت مولانا ظہیر عالم بدر قاسمی صاحب جب شملہ وقف کمیٹی کے چیئرمین ہوئے تو اس مسجد میں امام کا باقاعدہ تقرر کیا، حافظ ظہیر احمد سہارنپوری ۱۹۴۷ء کے بعد اس مسجد کے پہلا باضابطہ امام تھے، اسکے بعد آہستہ آہستہ مسلمان آباد ہونے لگے اب الحمد اللہ مسجد سے ملحق سات مسلمانوں کے مکانات ہیں، اور یہاں مسلمانوں کی اچھی خاصی آبادی ہے۔

دسمبر ۱۹۷۹ء میں مولانا ممتاز احمد قاسمی صاحب مسجد میں بحیثیت امام وخطیب کے آئے، اس وقت یہ مسجد بہت ہی خستہ حالت میں تھی مولانا قاسمی نے بڑی محنت ومشقت کے ساتھ مسجد کی مرمت کرائی، مسجد کی موجودہ شکل مولانا ممتاز احمد قاسمی کی محنتوں کا نتیجہ ہے۔

مدرسہ اصلاح الفکر

مولانا ممتاز احمد قاسمی صاحب فاضل دارالعلوم دیوبند ہیں، اور دینی جماعتوں سے وابستہ رہتے ہیں، اور ذاتی حیثیت سے ایک باغ وبہار، مرنجامرنج انسان ہیں، آپ نے مدرسہ مسجد بالوگنج میں مدرسہ اصلاح الفکر بھی قائم کیا ہے، جس میں غریب ونادار طلبہ زیر تعلیم رہتے ہیں، یہاں انہوں نے ایک اچھی لائبریری بھی قائم کی ہے، اور بڑے سلیقہ سے مہمان خانہ بھی بنایا ہے، جس میں ایک شب راقم الحروف نے بھی قیام کیا ہے۔

جامع مسجد مڈل بازار شملہ

شملہ میں جو بھی مسجد ہے، وہ عموماً اپنے علاقے کی جامع مسجد کہلاتی ہے، مگر شملہ کی جامع مسجد وہ ہے، جو مڈل بازار شملہ میں واقع ہے، اس کو "سوداگروں کی مسجد" بھی کہتے ہیں، مقامی لوگوں کا بیان ہے کہ یہ مسجد سو سال پرانی ہے، غرضیکہ یہ مسجد بھی شملہ کی عمارتوں کے طرز پر بنی ہوئی ہے، جس میں لکڑی اور شیشے کے دروازے لگے ہوئے ہیں لکڑی کی چھت ہے اور مسجد میں بارہ ستون لکڑی کے ہیں۔

یہ مسجد ۳۵/ فٹ لمبی اور ۱۵/ فٹ چوڑی ہے، اندرون صحن ۴۲/ فٹ لمبا اور ۳۸/ فٹ چوڑا ہے، اور باہری صحن ۴۵/ فٹ لمبا اور ۲۲/ فٹ چوڑا ہے، مشرق میں وضوخانہ اور جنوبی جانب بر آمدہ بھی ہے، اور مسجد کے مشرق و جنوب میں جنازہ گاہ ہے [لے]، جو ۵۶/ فٹ لمبی اور ۴۲/ فٹ چوڑی ہے، ۱۹۴۷ء کے پر آشوب دور میں یہ مسجد بند ہو گئی تھی اور اس میں اسکول قائم ہو گیا تھا، تقسیم ملک کے تقریباً ۱۳/ سال بعد یہاں نماز ہوئی تھی اسوقت پوری مسجد میں کنکر ہی کنکر تھے، اور منبر پر بندر رہا کرتے تھے، اور مسجد بہت ہی خستہ حالت میں تھی۔

۱۹۷۳ء میں جب ذوالفقار علی بھٹو "شملہ سمجھوتہ" کے موقع پر شملہ آئے تو سرکاری حلقہ میں یہ بات پھیلی کہ شاید بھٹو صاحب اس مسجد میں نماز

[لے] جنازہ گاہ پر بھی کشمیری قابض ہیں (قاسمی)

پڑھنے جائیں گے، چنانچہ حکومتی سطح پر مسجد کی صفائی ہوئی اور اسکے فرش کی جدید تعمیر ہوئی، مگر کسی وجہ سے ذوالفقار علی بھٹو صاحب مسجد میں نہیں آسکے، مگر انکی وجہ سے مسجد کی مرمت ضرور ہوگئی، اس مسجد میں امین الدین صاحب سابق گورنر ہماچل پردیش بھی نماز ادا کرتے تھے، شیخ عبداللہ سابق وزیر اعلیٰ کشمیر، بھی کبھی کبھی آتے تھے، اور بخشی غلام محمد سابق وزیر اعلیٰ کشمیر، بھی آتے تھے۔

سب سے افسوسناک معاملہ یہ ہے کہ آج کل اس مسجد میں کشمیری مسلمان رہائش اختیار کیے ہوئے ہیں، جسکی وجہ سے مسجد کا تقدس پامال ہورہا ہے، جب تک ان کشمیری مسلمانوں سے یہ مسجد خالی نہ ہوجائے، اسوقت تک مسجد کی حیثیت مجروح ہوتی رہے گی، سنا ہے کہ ناجائز رہائش اختیار کرنے والے کشمیریوں کیلئے پریم کمار دھومل وزیر اعلی ہماچل پردیش نے ۲۰/ لاکھ روپے دینے کا اعلان کیا ہے، تاکہ انکے لئے علیحدہ ہوسٹل تعمیر ہوجائے، اور ان سے مسجد کو خالی کرالیا جائے۔

جامع مسجد، لوور بازار، شملہ

یہ جامع مسجد شملہ کے لوور بازار میں واقع ہے، جو کشمیریوں کی مسجد کہلاتی ہے، مسجد کی پیشانی پر کتبہ موجود ہے۔

کتبہ

مسجد کشمیریان

تعمیر جدید ۱۳۴۶ھ مطابق ۱۹۲۸ء

یہ مسجد ۴۰/ فٹ لمبی اور ۲۲/ فٹ چوڑی ہے، اس کا صحن ۵۰/ فٹ لمبا اور ۴۰/ فٹ چوڑا ہے، یہ مسجد بھی ہماچل کی مسجد کے طرز پر بنی ہوئی ہے، جس کے تین در ہیں اور تین سیڑھیوں کا منبر ہے، محراب کے دائیں بائیں دو طاق ہیں، مسجد آباد ہے، اور مسجد کا خسرہ نمبر ۳۴۹/ ہے، یہاں سے باہر کی

آبادی بہت خوشنما معلوم ہوتی ہے، چاروں طرف رنگ برنگ کے مکانات ہیں، اور ان مکانوں کے پہلوؤں میں ہرے بھرے درخت کھڑے ہیں، جس کی وجہ سے وہاں کا منظر بہت ہی خوشنما لگتا ہے۔

عید گاہ، لکڑبازار، شملہ

یہ شملہ کی عید گاہ ہے، اسکے علاوہ شملہ میں کوئی دوسری عید گاہ نہیں ہے یہ بہت ہی قدیم ہے (کہا جاتا ہے کہ برطانوی دور کی ہے) اور وسیع و عریض ہے، جس کا خسرہ نمبر ۱۸۴ ہے، ریونیو ریکارڈ میں عید گاہ مسلم کمیٹی لکھا ہے، اس کا رقبہ ۲/ بیگھا سوا بسوہ ہے، اسکے علاوہ بھی وقف زمین ہے، یہاں ایک مسلم کالونی بھی ہے، جو وقف زمین پر آباد ہے جس میں تقریباً ۵۰۰/ مسلمان رہائش پذیر ہیں اور پنجاب وقف بورڈ کو کرایہ دیتے ہیں، اس عید گاہ کی تعمیر نو ہو رہی ہے، جس کیلئے حکومت ہماچل پردیش نے دو لاکھ روپئے کی امداد دی ہے، محمد جمیل صدیقی صاحب کی مساعی جمیلہ سے یہ رقم فراہم ہو سکی ہے، جس کیوجہ سے تعمیر کا کام شروع ہو گیا ہے، اس میں پنجاب وقف بورڈ کا تعاون بھی ضروری ہے، عید گاہ کے قریب ہی ایک مسجد بھی ہے جو آباد ہے، یہ عید گاہ پہاڑی کے دامن میں ہے۔

قطب مسجد (نزد تھانہ صدر) شملہ

قطب مسجد تین در کی ہے جسکی چھت لکڑی کی ہے، مسجد ۳۰/ فٹ لمبی اور ۲۲/ فٹ چوڑی ہے، جسکا صحن ۵۰/ فٹ لمبا اور ۳۰/ فٹ چوڑا ہے، اور اسکا بر آمدہ ۶۰/ فٹ لمبا اور ۱۵/ فٹ چوڑا ہے، مسجد کا خسرہ نمبر ۱۲۵/ ہے، اس مسجد پر بھی کشمیریوں کا ناجائز قبضہ ہے، یہ لوگ مسجد بطور رہائش استعمال کرتے ہیں، اور اپنے سامان سے مسجد کو بھرے ہوئے ہیں، یہ مسجد بھی پنجاب وقف بورڈ کے زیر انتظام ہے اور آباد ہے۔

اکثر و بیشتر ہماچل کے شہروں میں کشمیری آباد ہیں جن میں زیادہ تر مزدور پیشہ اور کچھ تجارت پیشہ بھی ہیں، اور یہ کشمیری لوگ زیادہ تر مسجدوں ہی میں مقیم رہتے ہیں، اور جہاں مقیم رہتے ہیں وہاں گندگی و غلاظت لازمی طور پر ہوتی ہے۔ شملہ کی ان مسجدوں کا حال دیکھ کر بڑا صدمہ ہوتا ہے۔

جامع مسجد سولن

سولن، ہماچل پردیش کا مشہور و معروف شہر ہے، جو انبالہ سے ۸۰؍ کلو میٹر کی مسافت پر شمال میں واقع ہے، وہاں سے شملہ ۱۵، ۲۰؍ کلو میٹر دور ہے، سولن میں مسلمان رؤسا و اثریا کی کوٹھیاں بھی تھیں، بدنام زمانہ سلمان رشدی کی کوٹھی اسی شہر میں ہے، بھارتیہ جنتا پارٹی کی سرکار نے اب اسکے حوالہ کر دی ہے، حالانکہ یہ کوٹھی گورنمنٹ کے قبضہ میں تھی، وزیر داخلہ لال کرشن اڈوانی نے ذاتی دلچسپی لیکر اس کو ہندوستان آنے کا ویزا دیا، اور ضبط شدہ کوٹھی شاتم رسول، ملعون کے سپرد کی، جس سے مسلمانوں کی دل آزاری ہوئی ہے۔

ہماچل پردیش کے دوسرے شہروں و قصبوں اور دیہاتوں کی طرح یہاں بھی وقف اراضی پر سرکاری قبضہ ہوا ہے، یہاں کئی قبرستان ہیں، جن پر حکومت کا قبضۂ غاصبانہ ہے، یہاں ڈی، سی، آفس کے ملحق (Kalher) علاقہ میں قدیم قبرستان ہے، اب جس پر نگر پالیکا کا قبضہ ہے، یہاں ۷؍ بیگھ ۲؍ بسوہ وقف زمین میں ایک قدیم قبرستان ہے، جس میں ایک مزار بھی موجود ہے، اب اس قبرستان میں چلڈرن پارک ہے، حالانکہ گزٹ میں قبرستان درج ہے، راقم الحروف نے اس قبرستان کا سروے کیا ہے، جس میں ایک خوبصورت پارک ہے، مگر یہ پارک ہمارے آباؤ اجداد کی ہڈیوں پر بنا ہوا ہے، اسکے علاوہ بھی یہاں کئی قبرستان اور مساجد ہیں۔

جامع مسجد

یہ مسجد تقسیم ملک سے قبل تعمیر ہوئی تھی، پہلے خام مسجد بنی تھی، اس کی دوسری تعمیر ۱۹۱۱ء میں ہوئی، اسوقت بھی ٹین کی چھت تھی، مسجد چھوٹی تھی یہ مسجد ۱۹۴۷ء میں غیر آباد ہو گئی تھی اگرچہ ۱۹۵۵ء میں نواب حلیم جنگ صاحب کو (جنہوں نے مسجد کی واگزاری کے لئے جے بی پنتھ وزیر اعلیٰ اتر پردیش اور سردار پٹیل وزیر داخلہ، حکومت ہند کو خط لکھا تھا،آپ کی کوٹھی مسجد سے ملحق تھی، آپ نواب ظفر جنگ کے والد تھے) اس کا متولی بنادیا گیا تھا، تاہم اس مسجد میں ۱۹۵۸ء تک پرائمری اسکول چلتا رہا، اور مسجد اچھی طرح آباد نہ ہو سکی، ۱۹۵۸ء میں یہاں اذان شروع ہوئی، اور ۱۹۷۳ء تک باد سموم کے مخالف جھونکے اس کو متاثر کرتے رہے، اور اذان کے ساتھ نماز کا اہتمام نہ رہ سکا، ۱۹۷۳ء میں سینٹرل گورنمنٹ نے یہاں ایک کمیٹی تشکیل دی، اور وزارت قانون کی طرف سے جناب انور علی خاں صاحب کو چیئرمین، مع، متولی بنایا گیا اور اس تقررنامہ پر جناب حسین الدین آئی اے ایس کے دستخط تھے، جو وزارت قانون میں سنیئر آئی اے ایس، آفیسر تھے، اسوقت اس مسجد کی حالت بہت خستہ تھی، مگر مسجد میں نماز شروع ہو گئی، چیئرمین، مع، متولی صاحب اپنے مخلص ممبران کے تعاون سے کام کرتے رہے، اور مسجد کی تعمیر نو کے لئے فکر مند رہے، بالآخر ۱۹۹۲ء کو چیئرمین (Cum) متولی نے اپنے ممبران کی رضامندی سے اس مسجد کو پنجاب وقف بورڈ کے سپرد کردیا تھا، اس مسجد کی ازسرے نو تعمیر پنجاب وقف بورڈ کے تعاون سے آرسی سی پلروں پر ہوئی ہے۔

یہ جامع مسجد سولن اور شملہ کی عمارتوں کے طرز و اسلوب پر بنی ہوئی ہے، جس کے ۵/ در ہیں، اور اسکے دروں میں اعلیٰ قسم کی لکڑیوں کے منقش کواڑ

لگائے گئے ہیں، مسجد کا صحن بہت ہی خوشنما ہے، اور حال ہی میں اس کا فرش جدید طرز پر بنایا گیا ہے صحن کافی وسیع و عریض ہے، علاوہ ازیں اندرون مسجد ۵۱/ فٹ لمبی اور ۴۷/ فٹ ۶/ انچ چوڑی ہے، اس کا فرش بھی جدید طرز تعمیر کا عمدہ نمونہ ہے، منبر ۲/ سیڑھیوں کا ہے، علاوہ محراب بھی ۳/ درا ہے، اور جدید ٹائلوں سے مرصع ہے، مغربی محرابی دیوار میں ۳/ شیشوں سے بند ۶,۶/ فٹ کے روشندان ہیں، جو بوقت ضرورت کھولے جاتے ہیں، اور عموماً بند ہی رہتے ہیں، چونکہ یہاں کا موسم ٹھنڈا ہوتا ہے، بسااوقات برفباری بھی ہوتی ہے، اس مسجد کی چھت ۱۲/ ستونوں پر قائم ہے، برآمدہ نہایت ہی اعلیٰ قسم کے سنگ مرمر کا ہے مسجد کے چاروں طرف کی دیواروں کی عمدہ آرائش وزیبائش کی گئی ہے، ہماچل پردیش کی واحد مسجد ہے جس میں غیر معمولی صفائی و ستھرائی اور نفاست ولطافت کا اہتمام کیا گیا ہے، پنجاب وقف بورڈ کی طرف سے اس کی تعمیر وتزئین پر لاکھوں کا سرمایہ صرف کیا گیا ہے، اتنا سرمایہ شاید ہی اس صوبہ میں کسی اور مسجد کے لئے صرف کیا گیا ہو۔

مسجد کے موجودہ امام مولانا محمد یونس صاحب نہایت ہی فعال و متحرک عالم ہیں انہوں نے اس مسجد کو فنی اعتبار سے شاہکار بنانے میں ایک اہم رول ادا کیا ہے، اس مسجد کے زیریں حصہ میں اور اس کے صحن کے کناروں پر کچھ وقف عمارتیں بھی ہیں، جن میں موجودہ امام صاحب کے علاوہ دوسرے لوگ بھی آباد ہیں، یہ گزٹ ہے، اور پنجاب وقف بورڈ کے زیر انتظام ہے۔

مسجد بلاسپور

بلاسپور، صوبہ ہماچل پردیش کا ایک اہم مقام ہے، جواب ضلع ہو گیا ہے، جہاں حضرت مولانا ظہیر عالم بدر قاسمی صاحب رہتے ہیں، جو ایک درویش صفت اور قلندر مزاج بزرگ ہیں، جنہوں نے ۴۷ء کے پرآشوب دور میں وہاں بڑا کام

کیا ہے، ایک دفعہ راقم الحروف نے مولانا اخلاق حسین قاسمی صاحب سے ان کا ذکر کیا تو انکو فوراً پہچان گئے، اور فرمایا کہ مولانا نے ہماچل پردیش میں بڑا کام کیا ہے، میں ۱۹۴۷ء کے بعد حضرت مولانا محمد میاں صاحبؒ کے ہمراہ ہماچل باربار گیا اور ان کے اخلاص اور ان کے مجاہدانہ کارناموں سے متأثر ہوا، موصوف شملہ وقف کمیٹی کے چیئر مین بھی رہے ہیں، بلاسپور میں ایک شاندار مسجد ہے، جو جدید تعمیر ہوئی ہے، جو پہلے راجہ بلاسپور کی مدد سے مسلمانوں نے بنائی تھی، شہر کے ڈوبنے کی وجہ سے مسجد بھی نیست ونابود ہو گئی تھی، مولانا ظہیر عالم قاسمی صاحب نے حکومت سے معاوضہ لیکر اور عام مسلمانوں کی مدد سے اس کو دوبارہ تعمیر کرایا ہے، اور مسجد کی موجودہ تعمیر مولانا کی مساعی جمیلہ کی بنا پر ہوئی ہے، مولانا نے اس مسجد کو پنجاب وقف بورڈ کے سپرد کر دیا ہے، مسجد کا موجودہ رقبہ ۵/ بیگھ ۱۲/ بسوہ ہے، جس کے مشرق شمال میں وضو خانہ، پائخانہ اور غسل خانہ ہے، اور اس کے بغل میں باغ ہے، جس میں مختلف قسم کے پھلدار درخت ہیں۔

بلاسپور قدیم میں بھی ایک مسجد ہے، جو ۵۰۰/ گز رقبہ پر محیط ہے، جس کو وجے چندر راجہ نے بنوایا تھا، بلاسپور کے اطراف میں ۱۰/ مسجدیں ہیں، الحمد اللہ تمام مسجدیں آباد ہیں، اور ان تمام مسجدوں کو بورڈ کی طرف سے مدد دی جاتی ہے، یہاں وقف دکانیں اور وقف جائیدادیں بھی ہیں، جو بورڈ کے زیر انتظام ہیں، بلاسپور شہر میں تقریباً ایک ہزار مسلمان ہیں، ۱۹۴۷ء میں یہاں کوئی فساد نہیں ہوا، اور کلی طور پر امن رہا، حالانکہ ہماچل پردیش کے دوسرے شہروں میں بھیانک فرقہ وارانہ فسادات ہوئے تھے۔

جامع مسجد کلو

"کلو" ہماچل پردیش کے ایک پر فضاو پر رونق مقام کا نام ہے، جو انبالہ سے ۳۰۰ ر کلو میٹر شمال میں سبز و شاداب پہاڑوں کے دامن میں واقع ہے، اور بیاس ندی کلو کے پہلو میں بہتی ہوئی گزرتی ہے، جس کا پانی اتنا صاف و شفاف ہوتا ہے، جس میں انسان کا چہرہ آئینہ کی طرح چمکتا ہوا دکھائی دیتا ہے، اور اس کا پانی اتنا ٹھنڈا ہوتا ہے کہ جون اور جولائی کے مہینوں میں وضو وغیرہ کرنے میں بے حد تکلیف ہوتی ہے، اور اس میں زیادہ دیر تک ہاتھوں کو ڈالے رکھنے میں ہاتھوں کو شل ہونے کا خطرہ لاحق ہو جاتا ہے، چونکہ بیاس میں برف کا پگھلا ہوا پانی بہتا ہے، جو بہت ہی تیز رفتار ہوتا ہے۔

مقامی لوگوں کا بیان ہے کہ بیاس ندی کی تاریخ ہے کہ اس میں جو بھی جاتا ہے، وہ واپس نہیں ہو پاتا، ۱۹۴۷ء میں کلو، میں بھی مسلم کش فساد ہوا تھا، یہاں خونین فساد کے دوران تمام کے تمام مسلمانوں کو قتل کر دیا گیا تھا، اور انکی لاشیں بیاس ندی میں ڈال دی گئی تھیں، کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں بیاس ندی سرخ ہو کر بہتی تھی، اسوقت کلو میں ۱۰ ر ہزار مسلمان تھے۔

جامع مسجد کلو کے امام صاحب نے راقم الحروف کو بتایا کہ مسجد کے جوار میں ایک بوڑھی عورت جن کا نام کانتی دیوی تھا، ان کو ۱۹۴۷ء میں اغوا کیا گیا تھا، اس وقت ان کی عمر ۱۳ ر سال کی تھی، ان کا ایک سال قبل انتقال ہوا ہے، انکے

انتقال کی کہانی بھی بہت دردناک ہے، کانتی دیوی کا یہ حال تھا کہ، جب مسجد میں بچیاں قرآن پڑھتی تھیں، تو یہ بوڑھی خاتون اپنی دیوار سے چھپ چھپ کر قرآن سنتی تھیں، اور روتی تھیں، کبھی کبھی بچوں اور بچیوں کے لئے مٹھایاں بھی بھیجوادیتی تھیں۔

میں جانتا تھا کہ مغویہ خاتون ہیں مگر جب بھی میں نے ان سے کہا کہ آپ ۱۹۴۷ء کے حالات بیان کریں تو وہ سہم جاتی تھیں، اور ان پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا، اور کہتی تھیں کہ مجھ سے اس وقت کے حالات بیان نہیں ہو سکتے!۔

موجودہ مقامی لوگوں کا بیان ہے کہ ''کلو'' کے راجہ نے یہاں قتل عام کرایا تھا، جو مہیشور پرساد ایم پی کے باپ تھے، مہیشور پرشاد بھارتیہ جنتا پارٹی کے آدمی ہیں جو حلقہ کلو، سے منتخب ہوئے ہیں، کلو میں بھی کچھ شہید اور کچھ مقبوضہ مسجدیں ہیں، اور یہاں اوقاف بکثرت ہیں، ان میں ۷ / بیگھ کا ایک قبرستان بھی ہے، جو آج بھی موجود ہے، آج کل کلو میں ۷,۸ / مکانات مسلمانوں کے ہیں، اور یہاں ۳,۴ / ہزار مسلمان مزدور اور تاجر ہیں۔

جامع مسجد

کلو کی جامع مسجد، اکھاڑا بازار (نزد سلطانپوری بازار اور سروری بازار) میں ہے، ریونیو ریکارڈ کے مطابق ۱۸۹۰ء سے قبل کی تعمیر ہے یہ راجاؤں کے دور کی مسجد ہے، جس کا صدر دروازہ کتائی پتھر سے بنا ہوا ہے اور لاجواب ہے، یہ مسلمانوں کی عظمت رفتہ کو یاد دلاتا ہے، مسجد کے تین در ہیں، جن میں لکڑیوں کے دروازے لگے ہوئے ہیں، یہ مسجد ۲۵ / فٹ لمبی اور ۲۴ / فٹ چوڑی ہے، تین سیڑھیوں کا لکڑی کا بنا ہوا منبر ہے، محراب بالکل سادہ ہے، مغربی جانب دو روشندان ہیں، جنوبی جانب بھی ایک روشندان ہے، مسجد کا برآمدہ ۲۸ / فٹ لمبا اور ۱۰ / فٹ ۱۰ / انچ چوڑا

ہے، اس کے شمالی جانب لکڑی کے پار ٹیشن کا ایک کمرہ ہے، جس میں کچھ کشمیری رہتے ہیں، جنوب مشرق میں وضو خانہ ہے، اور یہیں بالاخانہ میں حجرۂ امام ہے۔

یہ مسجد ۱۹۴۷ء میں بند ہو گئی تھی، علاقائی مسلمانوں کی مساعی سے دوبارہ کھلی ہے، جس میں بورڈ کا بھی بھرپور تعاون رہا ہے، مسجد سے ملحق وقف عمارتیں ہیں، مسجد میں پنجوقتہ نمازوں کے علاوہ جمعہ و عیدین کی نمازیں بھی ہوتی ہیں، اور اتنا مجمع ہو جاتا ہے کہ مسجد میں گنجائش نہیں رہتی، مصلین مکانوں کی چھتوں اور دروازوں پر بھی ہوتے ہیں، اس کے باوجود بہت سے نمازی رہ جاتے ہیں، یہ مسجد خستہ حالت میں ہے، اس کی مرمت کی سخت ضرورت ہے، بورڈ کو اسکی مرمت کی طرف توجہ کرنی چاہئے، مسجد میں مکتب بھی قائم ہے، جس میں مسلم بچے پڑھتے ہیں۔

منالی

کلو سے ۵۰ر کلو میٹر کے فاصلہ پر منالی ہے، جو ایک تفریحی مقام ہے جہاں دیودا (درخت) اور سیب کے درخت بکثرت ہیں، اول الذکر درخت بہت ہی خوبصورت اور قیمتی ہوتا ہے۔

منالی میں اب کوئی مسجد نہیں ہے، مگر یہاں کے مین بازار میں ایک قبرستان ہے، جس میں اب فائر بریگیڈ اسٹیشن بنا ہے، منالی میں ۱۹۴۷ء سے قبل ۷ر ہزار کے قریب مسلمان تھے، مگر اب یہاں ایک بھی مسلمان نہیں ہے، یہاں ایک مسلمان تھا جو ۱۹۴۷ء کے بعد حالت ارتداد میں مرا، وہ ۱۹۴۷ء کے دہشت ناک حالات سے خائف رہتا تھا، اور ہندوانہ رسم و رواج کا پابند ہو گیا تھا۔

مسجد، الرحمن، جگت سکھ

منالی سے تھوڑے فاصلے پر جگت سکھ ہے، جو کبھی کلو کی راجدھانی تھی، اکبر بادشاہ اس علاقہ میں آیا تھا، جگت سکھ میں راجہ جگت سکھ کا محل تھا، اس میں

آج کل حاجی شفیق خان صاحب رام پوری کا "نساء، محل ہوٹل " ہے، حاجی شفیق خان صاحب ایک شریف اور متواضع انسان ہیں، اس علاقہ میں آپ کی ذات غنیمت ہے، مہمان نوازی آپ کا محبوب مشغلہ ہے، اللہ تعالیٰ حاجی صاحب کا سایہ اس علاقہ میں تادیر قائم رکھے۔

نساء محل ہوٹل، کے سامنے مسجد، الرحمٰن ہے، جس کے بانی حاجی شفیق صاحب ہیں، یہ ۱۴۱۷ھ مطابق ۱۹۹۶ء میں تعمیر ہوئی تھی، جگت سکھ کے علاقہ کی یہ پہلی مسجد ہے، جب یہاں یہ مسجد تعمیر ہورہی تھی تو مقامی ہندوؤں میں بڑی بے چینی تھی ان کا خیال تھا کہ اس کی وجہ سے یہاں کے بتوں کو تکلیف ہوگی، اور یہاں سے بت بھاگ جائیں گے، حاجی شفیق صاحب کے ذاتی اثرورسوخ اور انکے رعب ودبدبے کی وجہ سے یہ مسجد تعمیر ہوگئی تھی۔

مسجد، الرحمٰن، بہت ہی چھوٹی ہے لیکن بہت ہی خوبصورت وخوشنما ہے، ایسی خوبصورت مسجد پورے ھماچل میں نہیں ہوگی، پوری مسجد قیمتی لکڑی کی بنی ہوئی ہے، اور اس کا منبر نہایت ہی خوشبودار لکڑی کا بنا ہوا ہے، جو تین سیڑھیوں پر مشتمل ہے، یہ مسجد ۲۴/ فٹ ۲/ انچ لمبی اور ۲۸/ فٹ ۲/ انچ چوڑی ہے، اس کا برآمدہ ۱۵/ فٹ ۲/ انچ چوڑا اور ۱۹/ فٹ ۲/ انچ لمبا ہے۔

یہ تین در کی ہے، جس کے دروں پر بیش قیمت لکڑی کے دروازے لگے ہوئے ہیں، اور اسکے اندر اعلیٰ قسم کے قالین اور دریاں بچھی ہوئی ہیں، جن کی وجہ سے بڑی نفاست وپاکیزگی کا منظر ہوتا ہے، غرضیکہ یہاں نماز پڑھنے میں بڑا سکون واطمینان حاصل ہوتا ہے، اس میں پنجوقتہ نمازوں کے علاوہ جمعہ کی نماز بھی ہوتی ہے، یہاں پنجاب وقف بورڈ کی طرف سے امام رکھنے کی سخت ضرورت ہے۔

مسجد مکلوڈ گنج دھرمشالہ

دھرمشالہ، ضلع کانگڑہ صوبہ ھماچل پردیش کا ایک اہم مقام ہے، جو انبالہ سے ۳۲۰ ر کلو میٹر شمال میں اور پٹھانکوٹ سے ۱۰۰ ر کلو میٹر شمال مشرق میں سبز و شاداب بلند و مرتفع پہاڑ کی چوٹی پر واقع ہے، اور یہاں سردیوں کے موسم میں اتنی برفباری ہوتی ہے، کہ جون و جولائی کے مہینوں تک اس پہاڑ کی چوٹیاں برف سے ڈھکی رہتی ہیں، اور یہ برف آہستہ آہستہ پگھل پگھل کر پانی کی شکل اختیار کر لیتی ہے، اور چوٹیوں سے پانی کے جھرنے جاری ہو جاتے ہیں، اور ایسے وقت میں انکے آبشاروں کا منظر بڑا ہی دلفریب و دلربا ہوتا ہے، دھرمشالہ میں بھی متعدد مسجدیں شہید اور متعدد مسجدیں مقبوضہ ہیں، اور کچھ آباد بھی ہیں، اب یہاں زیادہ تر کشمیری مسلمان ہیں جو محنت و مزدوری کرتے ہیں، ۱۹۴۷ء میں یہاں بھی مسلمانوں کی اچھی خاصی تعداد تھی۔

مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ، کئی مرتبہ دھرم شالہ جیل میں رہے ہیں دھرم شالہ جیل ہی میں پنجاب کے مشہور قومی رہنما لالہ لاجپت رائے سے ملاقات ہوئی تھی، لالہ جی بھی دھرمشالہ جیل میں قید تھے، چنانچہ مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ، جیل کی سرگزشت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"۱۸ ر جون ۱۹۲۲ء کو حکومت پنجاب کی طرف سے اچانک یہ حکم میانوالی جیل میں پہونچا کہ حبیب الرحمٰن کو فوری دھرمشالہ جیل

میں تبدیل کیا جائے، میں اس حکم سے بہت دل برداشتہ ہوا کہا اچھے ساتھیوں کی صحبت و معیت علمی مجالس کی پر لطف بحثوں سے محروم ہو جاؤں گا، لیکن قہر درویش بجان درویش کے مطابق پابدست دگرے، دست بدستے دگرے، مجبوراً دھرمشالہ جیل جانا پڑا، میاں والی جیل میں ساتھیوں سے جدا ہوتے وقت طبیعت پر انتہائی بوجھ اور سکوت طاری تھا، لیکن جب دھرم شالہ میں پہونچا تو یہ دیکھ کر مجھے بڑی مسرت ہوئی کہ مجھ سے پہلے پنجاب کے مشہور سیاسی رہنما لالہ لاجپت رائے وہاں موجود تھے، لالہ جی بوڑھے اور میں جوان تھا، میں نے اپنا اسلامی اور انسانی فرض سمجھ کر لالہ جی کی خدمت کی، لالہ جی جگراؤں ضلع لدھیانہ کے رہنے والے تھے، اس وطنی تعلق اور میری خدمت سے لالہ جی میرے دوست بن گئے۔

لالہ جی سے پولٹیکل معاملات پر اکثر تبادلہ خیال ہوتا رہتا تھا، بہت سی مفید معلومات مجھے ان سے حاصل ہوئیں، لالہ صاحب میرے غور و فکر کی بڑی قدر کرتے تھے، میرے حافظہ کی داد دیتے، میری ذہانت و فطانت میرے علم وذوق و شوق کو دیکھ کر لالہ جی نے مجھ سے کئی بار کہا، مولوی صاحب مجھ سے انگریزی پڑھ لیجئے، ملکی سیاسیات میں آگے چلکر انگریزی زبان آپ کی مدد کرے گی، میں نے جواب میں کہا کہ مجھے انگریز اور انگریزی دونوں سے غلامی کی بو آتی ہے، میں بدبو سے دور ہی رہنا چاہتا ہوں، اس پر لالہ جی کہتے، تمہارا جذبہ قابل قدر ہے، تمہارے یقین پر مجھے رشک آتا ہے، لالہ جی کیساتھ رہتے ہوئے ابھی تین مہینے گزرے تھے کہ پھر مجھے دھرمشالہ جیل سے لدھیانہ جیل میں منتقل کر دیا گیا، لالہ جی کا ساتھ چھوڑتے ہوئے بڑا رنج ہوا، جیل خانے کی مجبوریوں اور پابندی قفس کے لئے حکومت کا ہر حکم حرف

آخر ہو تا تھا، اسلئے میں پھر لدھیانہ آگیا[1]۔

مکلوڈ گنج

دھرمشالہ کا ایک مشہور پہاڑی علاقہ مکلوڈ گنج ہے، جو سطح سمندر سے ۷۰۰ ار میٹر بلند ہے، یہ دھرمشالہ کی پہاڑیوں میں (انسانی آبادی کے اعتبار سے) سب سے اونچی چوٹی ہے، جس پر جلاوطن تبتی لوگ آباد ہیں۔

۱۹۶۰ء میں جب تبت کے روحانی پیشوا دلائی لامہ اور انکے پیروکاروں کو جلاوطن کیا گیا، تو جواہر لال نہرو نے (جو اس وقت ہندوستان کے وزیر اعظم تھے) دلائی لامہ اور انکے عقیدت مندوں کو ہندوستان میں پناہ دی تھی، اور حکومت ہند کی طرف سے انکو مکلوڈ گنج دھرمشالہ میں آباد کیا گیا، اسی وقت سے یہاں تبتی لوگ آباد ہیں، روحانی پیشوا دلائی لامہ نے یہاں ایک شاندار بودھ مندر بھی بنایا ہے، جس میں گوتم بدھ کا مجسمہ خالص سونے کا بنا ہوا ہے، اور بہت ہی بڑا ہے، تبت کے جلاوطن روحانی پیشوا دلائی لامہ نے یہاں جلاوطن حکومت بھی قائم کی ہے، جس کے سارے دفاتر مکلوڈ گنج ہی میں ہیں۔

مسجد مکلوڈ گنج میں ویلفئیر کا دفتر

تبتی جلاوطن حکومت کے دفاتر میں سے ویلفئیر کا دفتر بھی ہے، جو مکلوڈ گنج کی ایک قدیم مسجد میں قائم ہے، اس مسجد کے صدر دروازہ پر تبتی حکومت کی طرف سے یہ بورڈ لگا ہوا ہے

Tibetan welfare offce, council for Home

Affairs Of. H. H. The Dalailama

P.O. Mcleod Ganj Dharamsala Kangra

---

[1] رئیس الاحرار در حدیث دیگراں ص ۲۱

District H.P.India.

اور اندرون کمرے کا بورڈ حسب ذیل ہے :

Branch Security Oppice of H.H. The
Dalai lama Security and pasport office

یہ مسجد ۳۰/ فٹ لمبی اور ۱۵/ فٹ چوڑی ہے، جس میں آج بھی محراب یعنی جائے مصلّٰی قدیمی حالت میں موجود ہے، جس پر ایک معمولی پردہ پڑا ہوا تھا جس کو ہٹانے کے بعد محراب صاف نظر آنے لگتی ہے، جائے مصلّٰی میں کافی سامان بھرا ہوا تھا، مسجد کا باضابطہ صحن بھی ہے، مسجد کی اندرونی دیواروں میں چاروں طرف فائلیں رکھی ہوئی تھیں، مسجد دھرمشالہ کی عمارتوں سے ملتی جلتی ہے، جس کی چھت ٹین کی ہے، جس کے نیچے لکڑیاں لگی ہوئی ہیں [۱]۔

مسجد میں موجود تبتی ملازمین سے گفتگو

راقم الحروف نے اپنے رفقاء عثمان خالد قریشی صاحب، حافظ محمد عرفان دہلوی صاحب اور مولی بخش صاحب، اسٹیٹ آفیسر پنجاب وقف بورڈ کے ہمراہ اس مسجد کا سروے کیا، راقم الحروف جب مسجد میں، قائم دفتر میں حاضر ہوا تو وہاں ایک لڑکی اور دو نوجوان موجود تھے جب ہم لوگوں نے ان تبتی نوجوان ملازمین سے مسجد

---

[۱] یہ مقبوضہ مسجد مکلوڈ گنج دھرمشالہ ۱۹۷۰ء میں گزٹ ہوئی ہے، جس کا گزٹ نمبر ۳۲۵/ ہے، اور گزٹ کے صفحہ ۵۸۰/ پر ہے، مسجد کا خسرہ ۲۷۳/ ہے، اور اس کا رقبہ ۱۰/ مرلہ ہے، اور اس مقبوضہ مسجد کے جنوب میں تقریباً ۲۰۰/ میٹر کے فاصلے پر ایک قبرستان بھی ہے جس میں ایک پختہ قبر آج بھی موجود ہے، مسجد اور قبرستان سے اندازہ ہوتا ہے، کہ ۱۹۴۷ء میں یہاں مسلم آبادی تھی، یہاں پر بعض مسلمانوں کے مکانات پر بھی تبتیوں کا ناجائز قبضہ ہے۔ (قاسمی)

کے متعلق گفتگو شروع کی تو وہ بہت گھبرائے ہوئے نظر آئے، اور ان لوگوں نے کہا کہ یہ مسجد ہے، لیکن کچھ عرصہ سے اس میں ہمارا دفتر قائم ہے، اور ہم لوگ اس سلسلہ میں زیادہ بات نہیں کر سکتے، البتہ کل صبح دفتر انچارج آئیں گے تو ان سے آپ لوگ بات کر سکتے ہیں، اور وہ مسجد اور دفتر کے متعلق زیادہ معلومات فراہم کر سکتے ہیں۔

تصویر کا قصہ

جب راقم الحروف کے رفقاء نے اندرون مسجد کی تصویر لینے کی خواہش کا اظہار کیا، تو ان تبتی ملازمین نے پہلے خاموشی اختیار کر لی، بلکہ دبے لفظوں میں اجازت بھی دیدی تھی، مگر تھوڑی دیر کے بعد تصویر لینے سے منع کر دیا کہا کہ دفتر انچارج کی غیر موجودگی میں فوٹو لینے کی اجازت دینا ہمارے لئے مناسب نہیں ہے۔

ہم لوگوں نے بھی یہی مناسب سمجھا کہ سردست مسجد کے اندر کا کوئی فوٹو نہ لیں، اور مسجد کے باہری حصہ کے فوٹو پر اکتفاء کریں۔

ایک فوٹو فروش کی شہادت

جب ہم لوگ ان تبتیوں سے گفتگو کرنے کے بعد مسجد کے باہر مسجد مکلوڈ گنج کی تصویر کھینچ رہے تھے، تو مسجد کے صدر دروازہ ہی پر ایک غیر مسلم شخص تھا، جو دلائی لامہ کی تصویروں کو فروخت کر رہا تھا، ہم لوگوں کو مسجد کی تصویر لیتے ہوئے دیکھ کر خود بخود کہنے لگا کہ :

"میں یہیں کا رہنے والا ہوں، میرا بچپن یہیں گزرا ہے، مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ یہ مسجد ہے۔

میں اپنے بڑوں سے بھی یہی سنتا آیا ہوں کہ یہ مسجد ہے۔"

پھر صبح مسجد میں

تبتی ملازمین نے ہم لوگوں سے کہا تھا کہ آج دفتر انچارج نہیں ہیں کل صبح دفتر انچارج آئیں گے چنانچہ ان کے کہنے کے مطابق راقم الحروف اپنے رفقاء کے ہمراہ ٹھیک صبح دس بجے مسجد میں حاضر ہو گیا تو پھر وہی تینوں تبتی ملازمین موجود تھے، ان لوگوں نے کہا کہ کل ہم لوگوں نے انچارج کو فون کر دیا تھا، وہ آنے ہی والے ہیں، ہم لوگ بڑی بیتابی سے انکا انتظار کرنے لگے، چونکہ ہم لوگوں کو قلعہ کانگڑہ اسی روز جانا تھا جو کافی دور تھا، گیارہ بجے پھر تقاضا کیا کہ آخر کہاں ہیں اور کیوں نہیں آرہے ہیں، تو ان تبتی ملازمین نے دوبارہ انکو فون کیا پھر کہنے لگے کہ وہ بیمار ہو گئے ہیں، اور ہسپتال میں داخل ہیں، بڑا تعجب ہوا، غالباً انچارج ہم لوگوں سے گفتگو کرنے سے کترا رہا تھا، اور ملازمین نے ہم لوگوں کو دھوکہ میں رکھا تھا، بہر حال ہم لوگ واپس آگئے۔

مسجد مکلوڈ گنج کے متعلق آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت کی تجویز

راقم الحروف نے آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت کی مجلس عاملہ میں (جسکا اتفاق سے راقم الحروف بھی ممبر ہے) اس مقبوضہ مسجد کا ذکر کیا کہ تبت کے روحانی پیشوا دلائی لامہ نے مسجد مکلوڈ گنج میں ویلفیئر کا دفتر قائم کر رکھا ہے، جو آج پوری دنیا میں حقوق انسانی کی بات کر رہے ہیں، اور اپنی مظلومیت کی تشہیر کرتے پھر رہے ہیں، وہ خود ایک مذہبی عبادت گاہ پر ناجائز قابض ہو کر اس مسجد کے تقدس کو پائمال کر رہے ہیں، اور ظلم و زیادتی کا ارتکاب کر رہے ہیں۔

آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت کی طرف سے ان کو مسجد کے انخلاء کیلئے خط لکھنا چاہئے، چنانچہ مشاورت کی مجلس علاملہ میں مسجد کے انخلاء کے لئے خط لکھنے کی تجویز منظور ہوئی، اتفاق سے اسی مجلس میں جناب سید شہاب الدین صاحب سابق ایم پی، بھی موجود تھے، انہوں نے کہا کہ میں دلائی لامہ صاحب کی ایک کمیٹی

کا نائب صدر ہوں میں ذاتی طور پر بھی انکو خط لکھوں گا۔

مسجد یول کینٹ

یہ مسجد دھر مشالہ سے ۸/ کلو میٹر دور، دھر مشالہ اور قلعہ کانگڑہ کے درمیان فوجی علاقہ میں ہے، اسکے دروازے مشرقی وجنوبی جانب ہیں، اس کا بورڈ روڈ ہی سے نظر آتا ہے، مسجد ۲۵/ فٹ چوڑی اور ۳۰/ فٹ لمبی ہے، اور ۶/ ستونوں پر مشتمل ہے، جس میں پنجوقتہ نمازوں کے علاوہ جمعہ و عیدین کی نمازیں ہوتی ہیں، یہاں فوج میں دو تین سو مسلمان فوجی ہیں، گلزار صاحب سابق گورنر ھماچل پردیش ۱۹۷۹ء میں اسٹیشن ہیڈ کوارٹر آرمی آئے تھے، انہوں نے معلوم کیا کہ یہاں کوئی مسجد ہے، تو یہاں کے کرنل اسعد اللہ صاحب نے کہا کہ مسجد خستہ حالت میں ہے، تو گورنر صاحب نے کہا کہ کیوں مسجد خستہ حالت میں ہے، تب کرنل اسعد اللہ صاحب آسامی کی کوششوں سے اس مسجد کی مرمت ہوئی۔

مسجد سے دو تین کلو میٹر دور ۷/ مکان مسلمانوں کے ہیں، غالباً وہاں بھی کوئی مسجد ہے۔

مسجد پالم پور

دھر مشالہ سے ۳۵/ کلو میٹر کے فاصلہ پر پالم پور ہے، جہاں ایک قدیم مسجد ہے جو تین در کی ہے، اور تقریباً ۵۰/ فٹ لمبی اور ۲۰/ فٹ چوڑی ہے، جو زیادہ تر پتھروں اور کچھ اینٹوں سے بنی ہے، اسکی چھت سائبان کی ہے، جس میں لکڑی کے شہتیر ہیں۔

مسجد کا دروازہ مشرق میں ہے، اور اسی طرف وضو خانہ غسل خانہ پیشاب خانہ وغیرہ ہیں، اور مشرقی وجنوبی جانب امام کا حجرہ ہے، مسجد آباد ہے، پنجوقتہ نمازوں کے علاوہ جمعہ اور عیدین کی نمازیں ہوتی ہیں۔

کتابیات

نام کتاب	مصنف	مطبوعہ
صحیح البخاری	محمد بن اسمٰعیل امام بخاری	مکتبہ عزیزیہ دیوبند
تاج العروس	سید محمد مرتضیٰ الزبیدی الحنفی	المطبعۃ الخیریہ مصر
نزہۃ الخواطر	حکیم عبدالحی صاحب	مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدر آباد
عجائب الاسفار	ابن بطوطہ	قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ، ثقافت اسلام آباد پاکستان
تاریخ فرشتہ	محمد قاسم فرشتہ	مکتبہ ملت دیوبند
تاریخ فیروز شاہی	ضیاء الدین برنی	ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ
قصائد بدر چاچ	بدر چاچ	نول کشور لکھنؤ
تاریخ فیروز شاہی	عفیف شمس سراج عفیف	ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ
تاریخ مبارک شاہی	یحییٰ بن احمد سرہندی	〃 کلکتہ
اخبار الاخیار	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	مطبع مجتبائی دہلی
آئین اکبری	ابوالفضل	دہلی
سیر المنازل	مرزا سنگین بیگ	غالب انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی
قران السعدین	امیر خسرو	مطبع انسٹی ٹیوٹ علیگڑھ

طبقات ناصری	منہاج سراج	اردو سائنس بورڈ اپر مال لاہور
عمل صالح	محمد صالح کنبوہ	ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ
آثار الصنادید ۳ر جلد	سر سید احمد خاں	دلی اردو اکادمی نئی دہلی
بابر نامہ	بابر بادشاہ	ترقی اردو بورڈ نئی دہلی
خلاصۃ التواریخ	سجان رائے بھنڈاری	مطبع جی، اینڈ سنس دہلی
منتخب التواریخ	ملا عبد القادر بدایونی	//
واقعات دار الحکومت	مولوی بشیر الدین احمد دہلوی	دلی اردو اکامی نئی دہلی
جلد سوم۔	//	//
الواح الصنادید حصہ اول	عطاء الرحمٰن قاسمی	۱۹۳ گلی گڑھیا بازار
الواح الصنادید حصہ دوم	//	ٹیا محل دہلی ۶
سلاطین دہلی کے	پروفیسر خلیق احمد نظامیؒ	ندوۃ المصنفین
مذہبی رجحانات		اردو بازار دہلی
رود کوثر	شیخ محمد اکرام	ادبی دنیا ٹیا محل دہلی
ہندوستان کی قدیم	مولوی ابو الحسنات ندوی	دار المصنفین
اسلامی درسگاہیں		اعظم گڈھ
نقوش خاطر	(مولانا) عطاء الرحمٰن قاسمی	مولانا آزاد اکیڈمی نئی دہلی
ہند میں فارسی ادب	ڈاکٹر محمد ادریس	شعبہ فارسی دلی یونیورسٹی
پانی پت اور بزرگان پانی پت	مولانا محمد میاں	کتابستان دہلی
علماء ہند کا شاندار ماضی	//	//
نقوش لاہور نمبر	مدیر محمد طفیل	ادارہ فروغ اردو لاہور
ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں	سید صباح الدین عبد الرحمٰن	

کے عہد کے تمدنی جلوے		دارالمصنفین اعظم گڑھ
تذکرہ صوفیائے میوات	مولانا حبیب الرحمٰن خاں	میوات اکیڈمی، میوات
مثنوی	امین الدین احمد خاں امین	لوہارو
باغ انبیائے پنجاب	صوفی محمد اسمٰعیل	مسجد صوفیاں مالیر کوٹلہ
تاریخ مساجد لاہور	ڈاکٹر عبداللہ چغتائی	کتاب خانہ نورس لاہور
خاندان لوہارو کے شعراء	حمیدہ سلطان احمد	غالب انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی
آل انڈیا مجلس احرار	مولانا حبیب الرحمٰن ثانی لدھیانویؒ	جامع مسجد لدھیانہ
رئیس الاحرار در حدیث	عزیز الرحمٰن جامعی	کوچہ رحمٰن دہلی
دیگراں جلد اول دوم ۔	〃	〃
سر سید احمد خاں پنجاب میں	مولوی سید اقبال علی	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی
یادرفتگاں	سید سلیمان ندوی	مجلس نشریات اسلام کراچی
بزم صوفیہ	سید ضیاء الدین عبدالرحمٰن،	دارالمصنفین اعظم گڈھ
اردو دائرۂ معارف اسلامیہ (متعدد جلدیں)		دانشگاہ پنجاب لاہور
حضرت مجدد لور انکے ناقدین	مولانا ابوالحسن زید فاروقیؒ	شاہ ابوالخیر مارگ دہلی
یادگار زمانہ ہیں یہ لوگ	مولانا سید اظہر شاہ قیصرؒ	دیوبند
مکتوبات حضرت امام	مولوی نور احمد	امرتسر
ربانی مجدد الف ثانی	〃	〃
تذکرہ	مولانا ابوالکلام آزاد	ساہتیہ اکادمی نئی دہلی
سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان	سید غلام علی آزاد بلگرامی	نول کشور لکھنؤ
سفینۃ الاولیاء	داراشکوہ	نول کشور لکھنؤ
تقریب التہذیب	علامہ ابن حجر عسقلانیؒ	دارالقلم، بیروت

امپریل گزیٹیر (متعدد جلدیں)		
تذکرہ نقشبندیہ خیریہ	محمد صادق قصوری	ضیاء القرآن پبلشرز، لاہور
فرحت الناظرین		ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ
خزینۃ الاصفیاء	مفتی غلام سرور لاہوری	نول کشور کانپور
جرنیلی سڑک	رضا علی عابدی	ایجوکیشنل بک ہاوس علیگڑھ
تاریخ و ثقافت اور فنون لطیفہ۔	ڈاکٹر عتیق انور صدیقی	عرشی پبلیکیشن نئی دہلی
تاریخ بنوڑ	سید علمدار حسین واسطی	(قلمی نسخہ)
مشکوٰۃ شریف جلد اول		کتب خانہ رشیدیہ اردو بازار دلی
بوستاں	شیخ شعدیؒ	"
سفرنامہ ابن بطوطہ	ابن بطوطہ	مجلس ترقی ادب کلب لاہور
ماثر الامراء	صمصام الدولہ شاہنواز خاں	مرکزی اردو بورڈ لاہور
تاریخ مگدھ	فصیح الدین بلخی	انجمن ترقی اردو دہلی
ذخیرۃ الخواتین	شیخ معروف بھکری	مطبوعہ کراچی
حضرت القدس	شیخ بدر الدین سرہندیؒ	
الاصابہ فی تمیز الصحابہ	ابن حجر عسقلانیؒ	دیوبند
سیر الاقطاب	الہدیۃ چشتی	مطبوعہ نول کشور لکھنؤ
تاریخ پنجاب	کنھیا لال ہندی	مجلس ترقی ادب کلب روڈ لاہور
تحریک آزادی اور مسلمان	اسیر ادروی	دار المولفین دیوبند
دلی کی تاریخی مساجد حصہ اول	عطاء الرحمٰن قاسمی	مولانا آزاد اکیڈمی نئی دہلی
دلی کی تاریخی مساجد حصہ دوم	"	"

حضرت قادر قمیص اعظمؒ حیات و کرامات	علامہ اخلاق حسین دہلوی	جمنا نگر، ہریانہ
تذکرۃ الخلیل	محمد عاشق الٰہی میرٹھی	دیوبند
ہندوستان کی جنگ، آزادی میں مسلم خواتین کا حصہ،	عابدہ سمیع الدین	ادارہ تحقیقات اردو پٹنہ
	//	//
علی وردی اور اسکا عہد	کالی کنکر دتا	ترقی اردو بورڈ نئی دہلی
فارسی ادب کے ارتقا میں پانی پت کا حصہ	ڈاکٹر محمد اقبال	مکتبہ جامعہ اردو نئی دہلی
وقف گزٹ	فیضی عزیز ہاشمی	پنجاب وقف بورڈ
ماہنامہ ضیاء وجیہہ	ڈاکٹر محمد شعائر اللہ خاں	رام پور
روزنامہ ہند سماچار		جالندھر پنجاب
Muslim Inscriptions in The Punjab, Haryana And Himachal Pradesh	Subhash Parihar	Inter-India Publications New Delhi 110015
Gazette of India Several Volumes		

وہ سجدہ روح زمیں جس سے کانپ جاتی تھی
اسی کو آج ترستے ہیں منبر و محراب

درگاہ حضرت مجددالف ثانیؒ کا اندرونی دروازہ۔

مسجد مجددیہ سرہند شریف۔

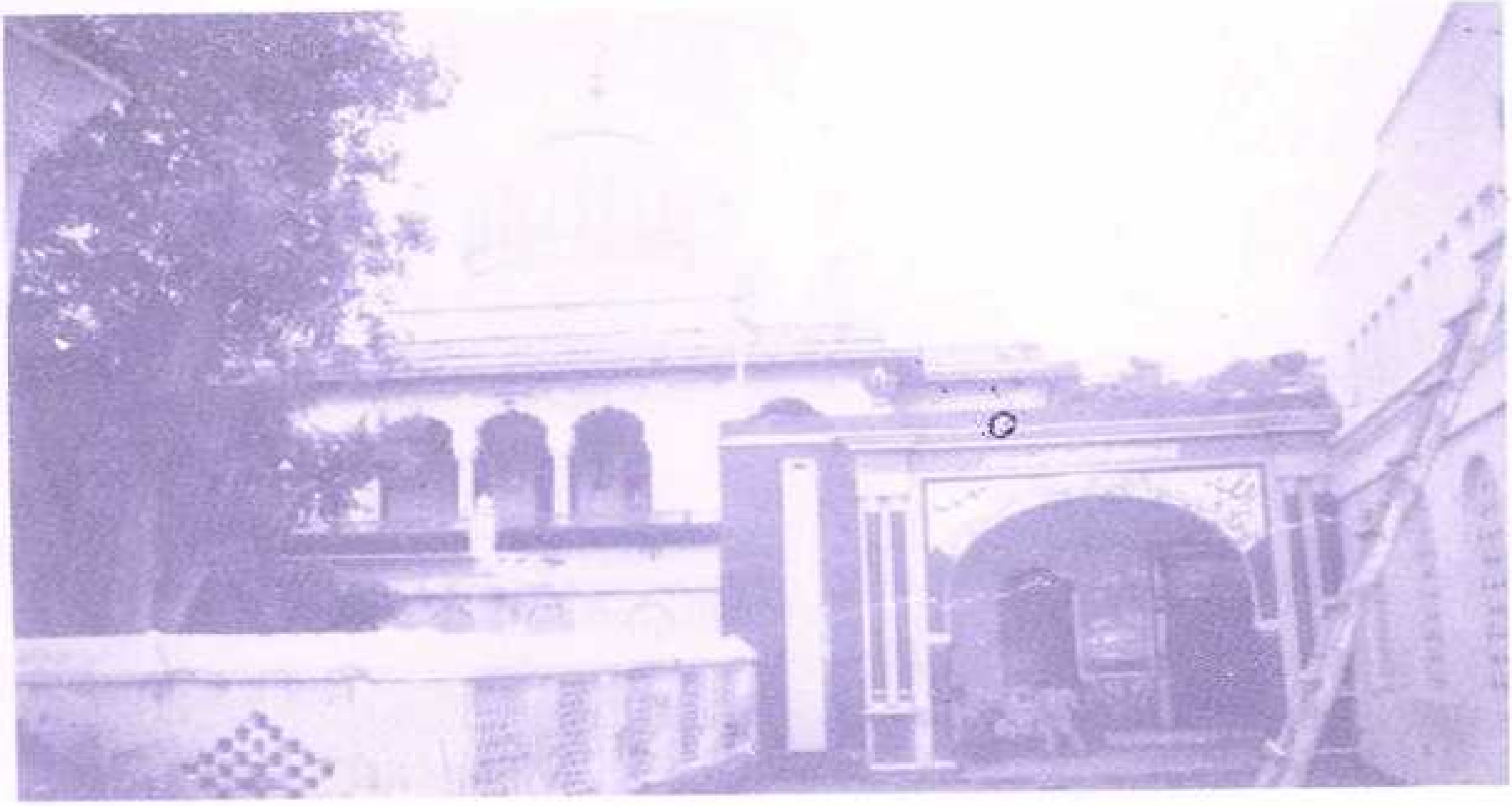

حضرت مجدد الف ثانی کا روضہ پاک، سرہند شریف۔

درگاہ حضرت مجدد الف ثانی میں واقع مسجد معصومیہ سرہند شریف۔

حضرت خواجہ محمد معصوم سرہند کا مقبرہ اور مسجد معصومیہ سرہند۔

منہدم مسجد ناصر علی سرہندی، سرہند۔

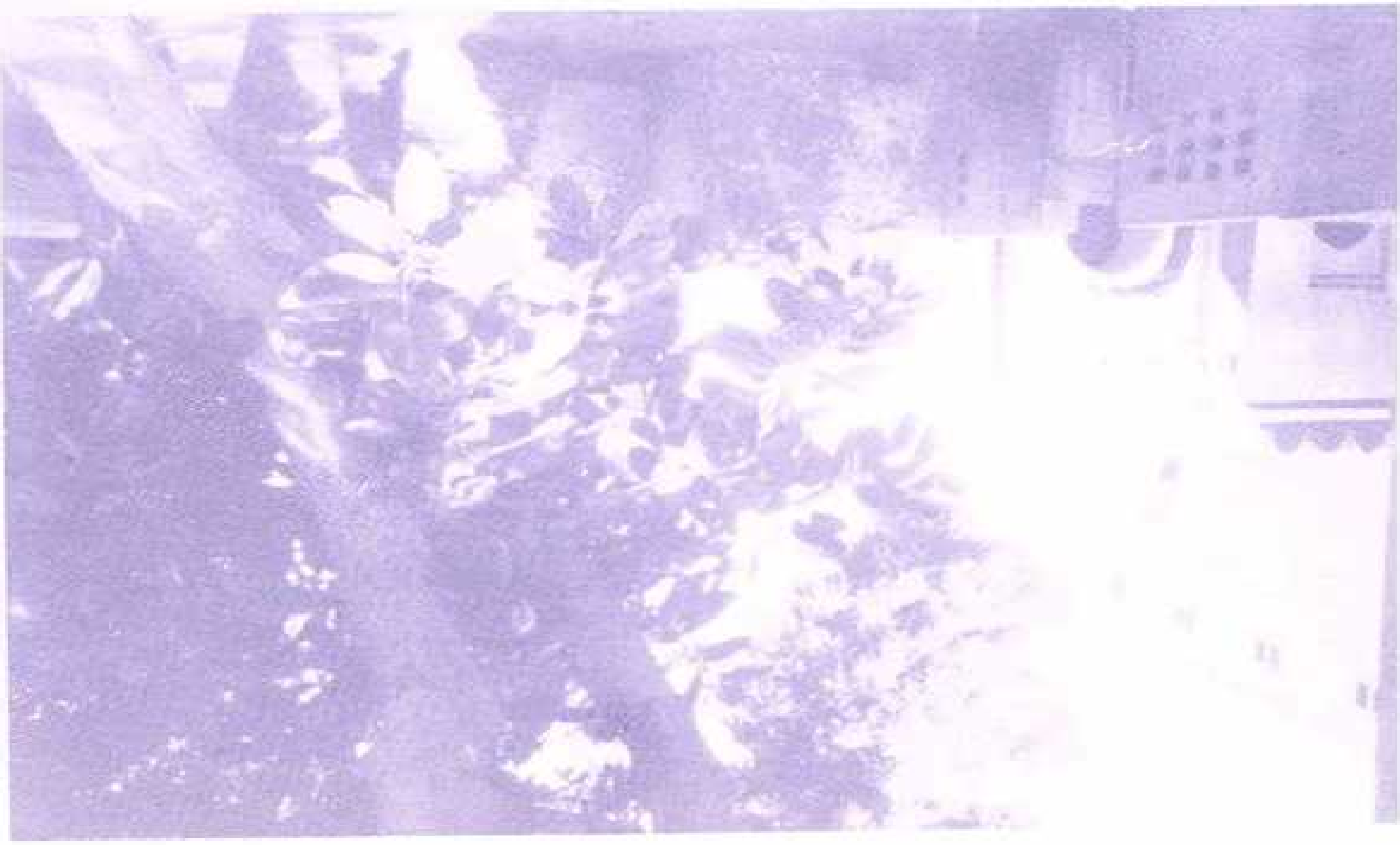

مسجد حاجی رتن ہندی مشہور بہ مسجد رضیہ سلطان بھٹنڈہ۔

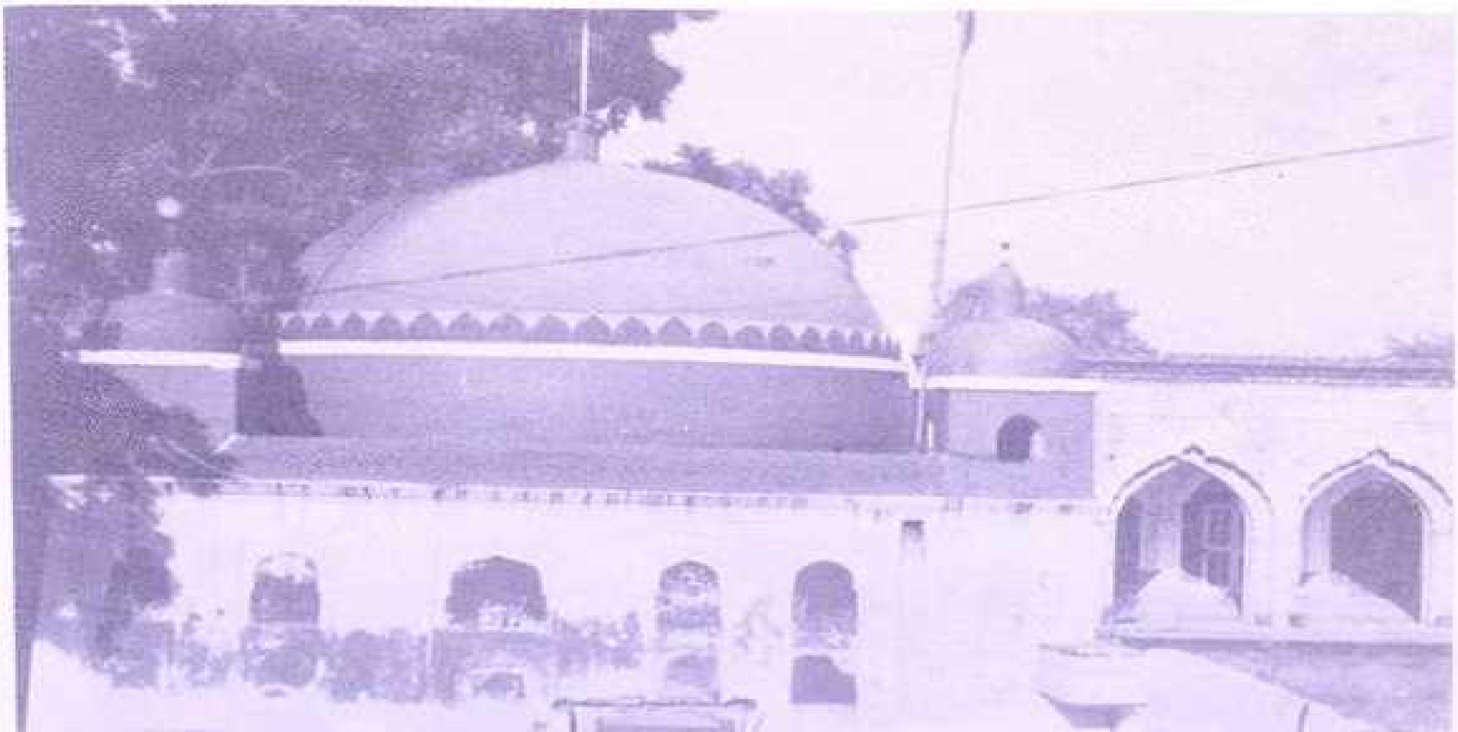

مقبرہ حضرت حاجی رتن ہندی بھٹنڈہ۔

چلہ گاہ حاجی رتن ہندی بھٹنڈہ۔

قلعہ بھٹنڈہ کا وہ قید خانہ، جہاں رضیہ سلطان قید رہی ہے۔

مسجد و درگاہ خالد بن ولید کا صدر دروازہ روپڑ۔

مسجد خالد بن ولید روپڑ۔

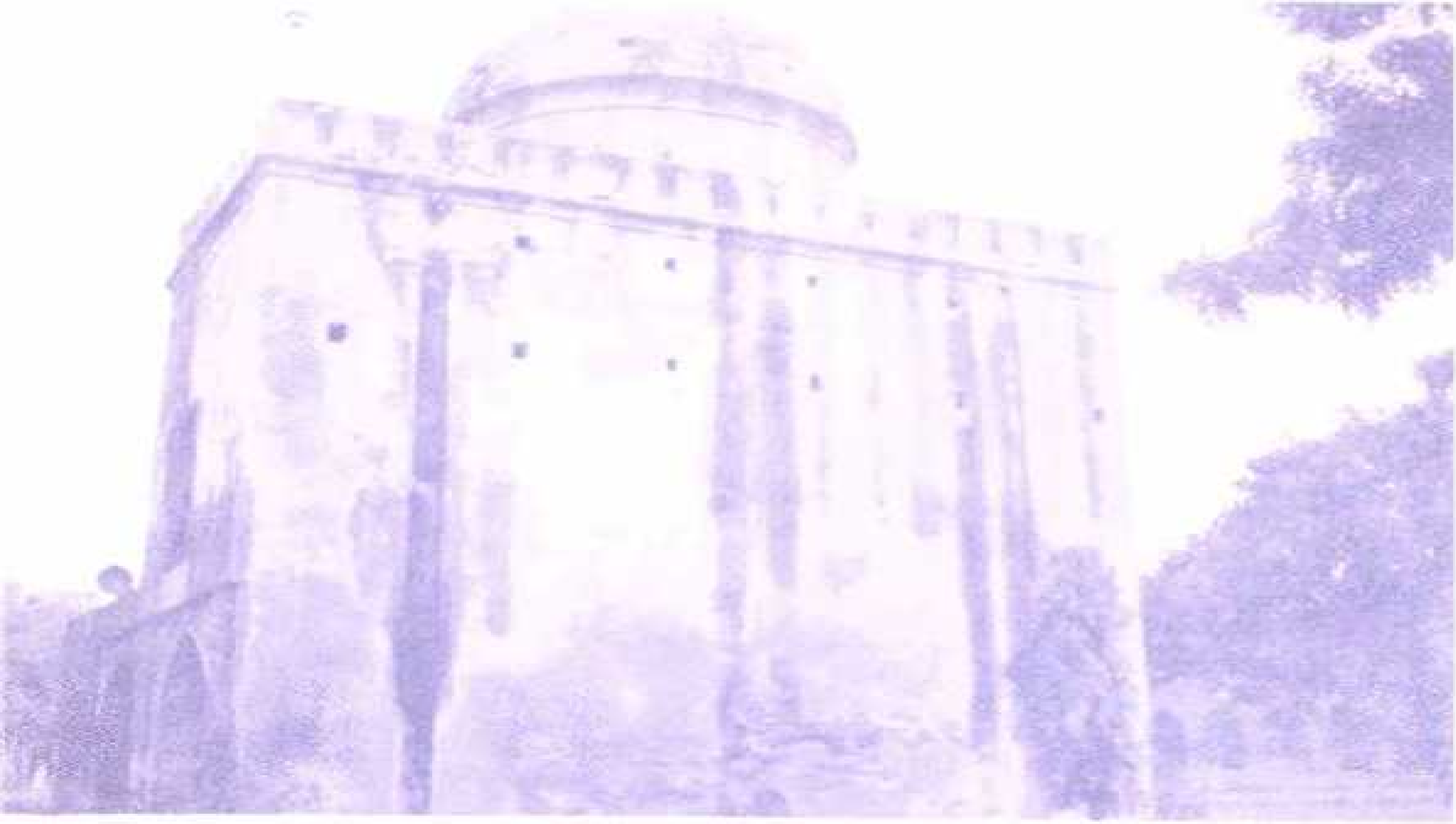

مسجد سرائے شیر شاہ سوری کا عقبی حصہ (نزد راجپورہ)۔

سرائے شیر شاہ سوری کا صدر دروازہ، جس کے ملحق مسجد ہے (نزد راجپورہ)۔

مسجد کلانور گرداس پور۔

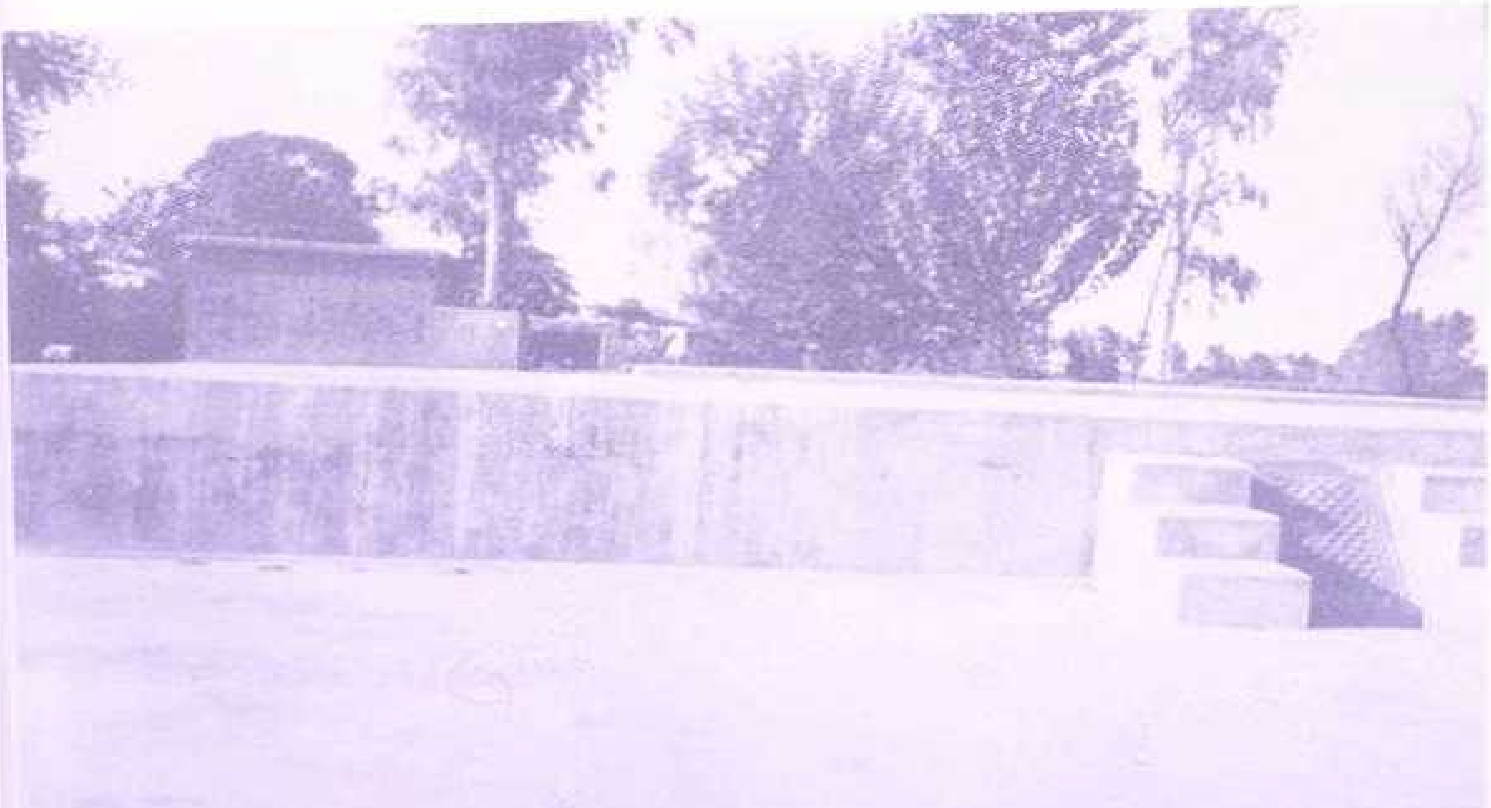

کلانور، جہاں اکبر بادشاہ کی تاجپوشی ہوئی تھی، جو "اکبر کا تخت" کے نام سے مشہور ہے۔

مسجد امام ناصر الدین جالندھر۔

درگاہ خواجہ امام ناصر الدین کا منقش صدر دروازہ، جالندھر۔

اسلامیہ ہائی اسکول ہوشیار پور کی عمارت، جسکی بنیاد نواب وقارالملک نے رکھی تھی۔

اسلامیہ ہائی اسکول ہوشیار پور کا ویران ہوسٹل۔

مسجد دو منزلہ لدھیانہ، جہاں عبید اللہ سندھیؒ نے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔

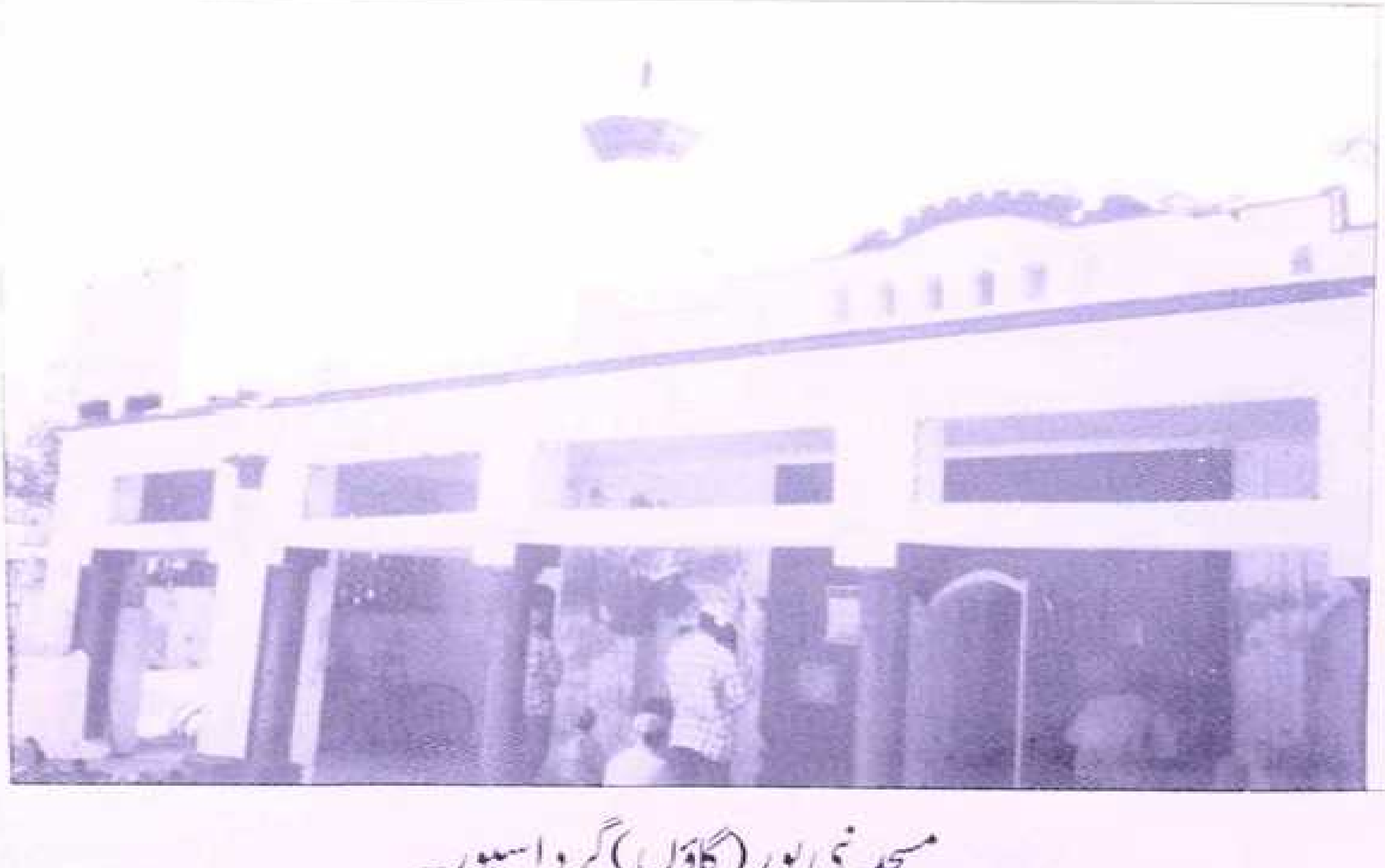

مسجد نبی پور (گاؤں) گرداسپور۔

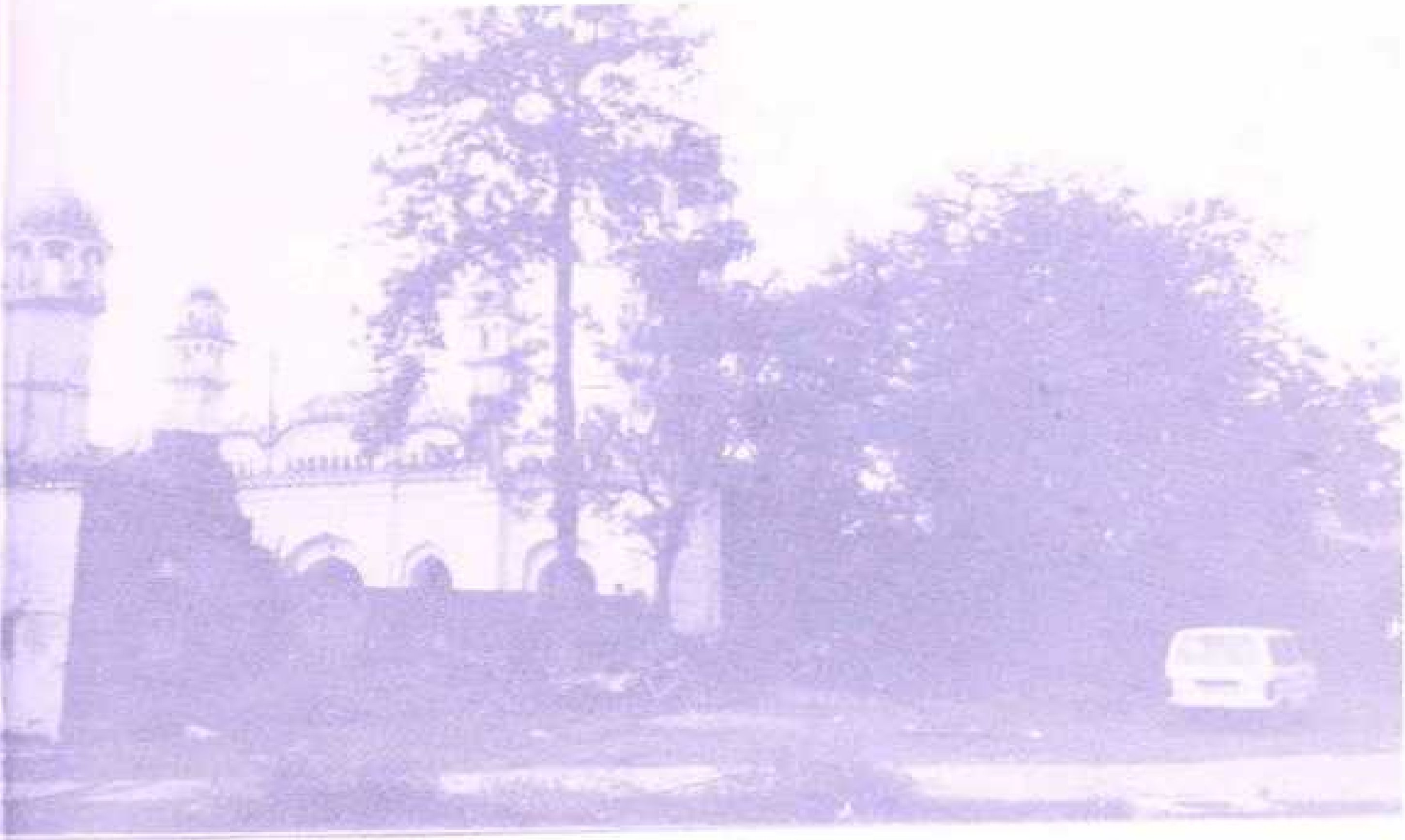

جامع مسجد ہوشیار پور۔

عید گاہ ہوشیار پور۔

جامع مسجد کپورتھلہ کا صدر دروازہ اور ماذنہ۔

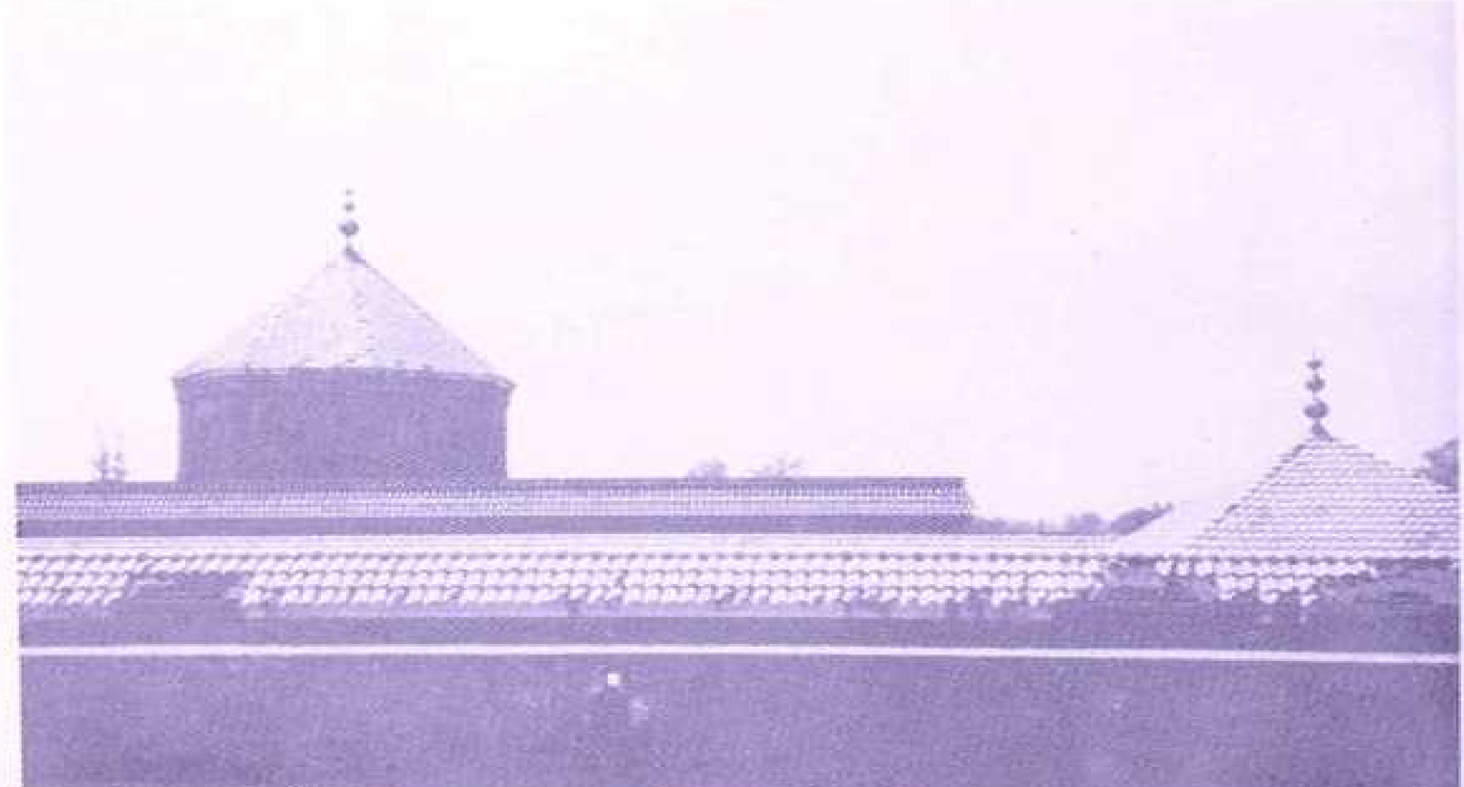

مراکش کے طرز وانداز پر بنی ہوئی جامع مسجد کپورتھلہ۔

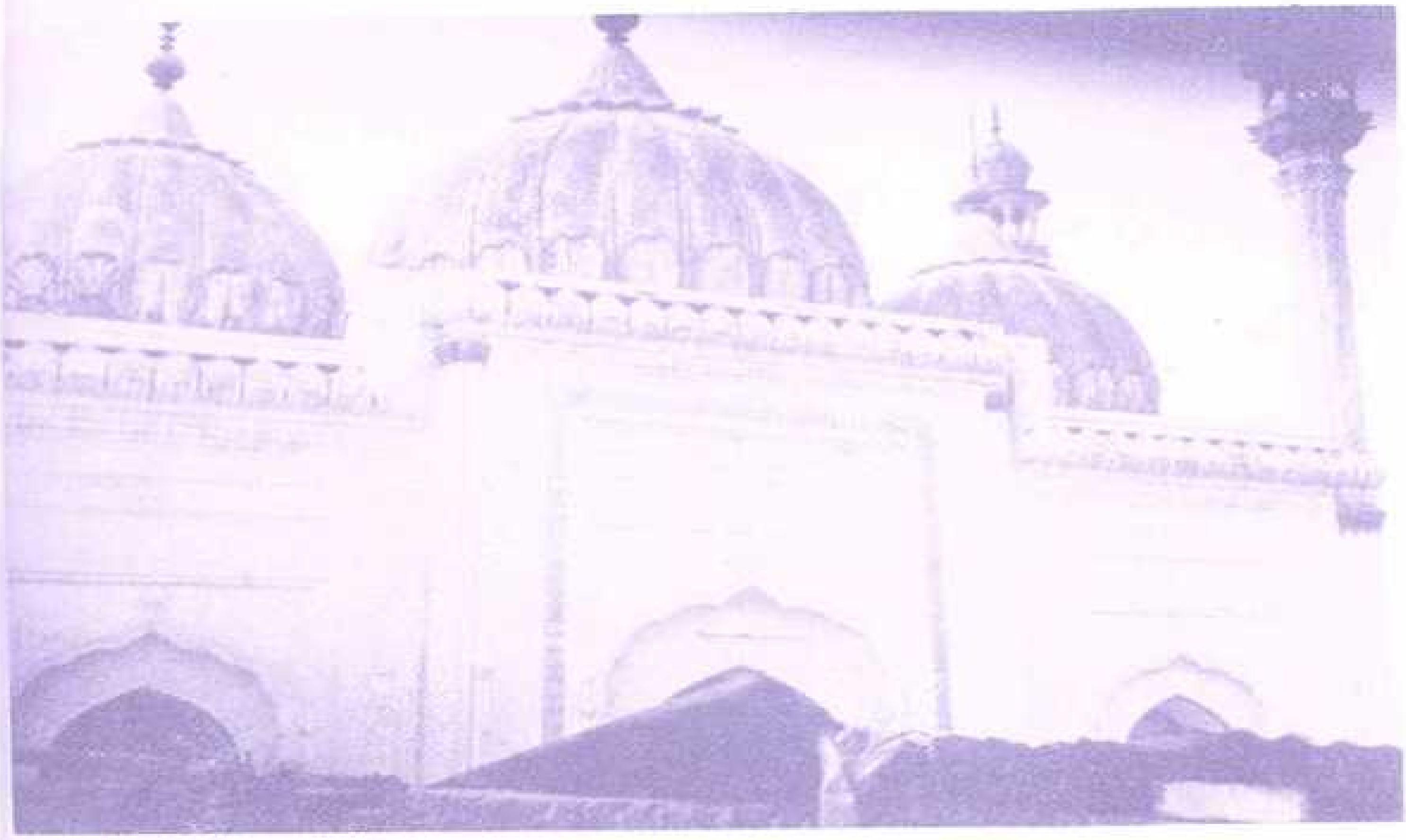

مسجد محمد جان امر تسر۔

جامع مسجد خیر الدین امر تسر۔

جامع مسجد مکتسر۔

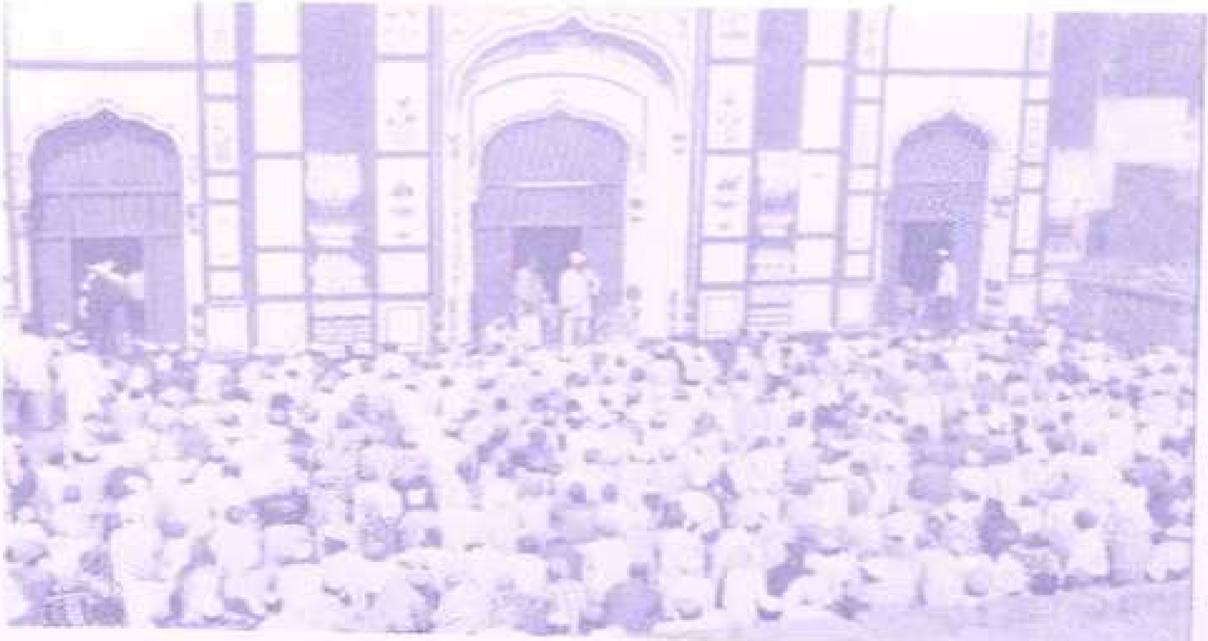

مسجد مکتسر میں بندگانِ خدا کا مجمع!

مسجد جلیانوالہ باغ امرتسر۔

مسجد بابا فرید اور چلہ گاہ بابا فرید، فرید کوٹ

عالیشان صدر دروازہ درگاہ حافظ محمد موسیٰ مانکپور کا اندرونی حصہ۔

مسجد اندرون درگاہ حافظ محمد موسیٰ مانکپور۔

مقبوضہ مسجد مانکپور، جس کے صحن میں ٹریکٹر اور بیل نظر آ رہے ہیں۔

درگاہ حضرت حافظ محمد موسیٰ مانکپور کا مقبوضہ تالاب۔

مسجد دار الاسلام جمالپور کا کنواں اور وضو خانہ

دار الاسلام (جمال پور) پٹھانکوٹ کی وقف عمارتیں۔

جامع مسجد چنڈی گڑھ۔

جامع مسجد چنڈی گڑھ کا عالیشان گنبد۔

مسجد بو علی شاہ قلندر پانی پت۔

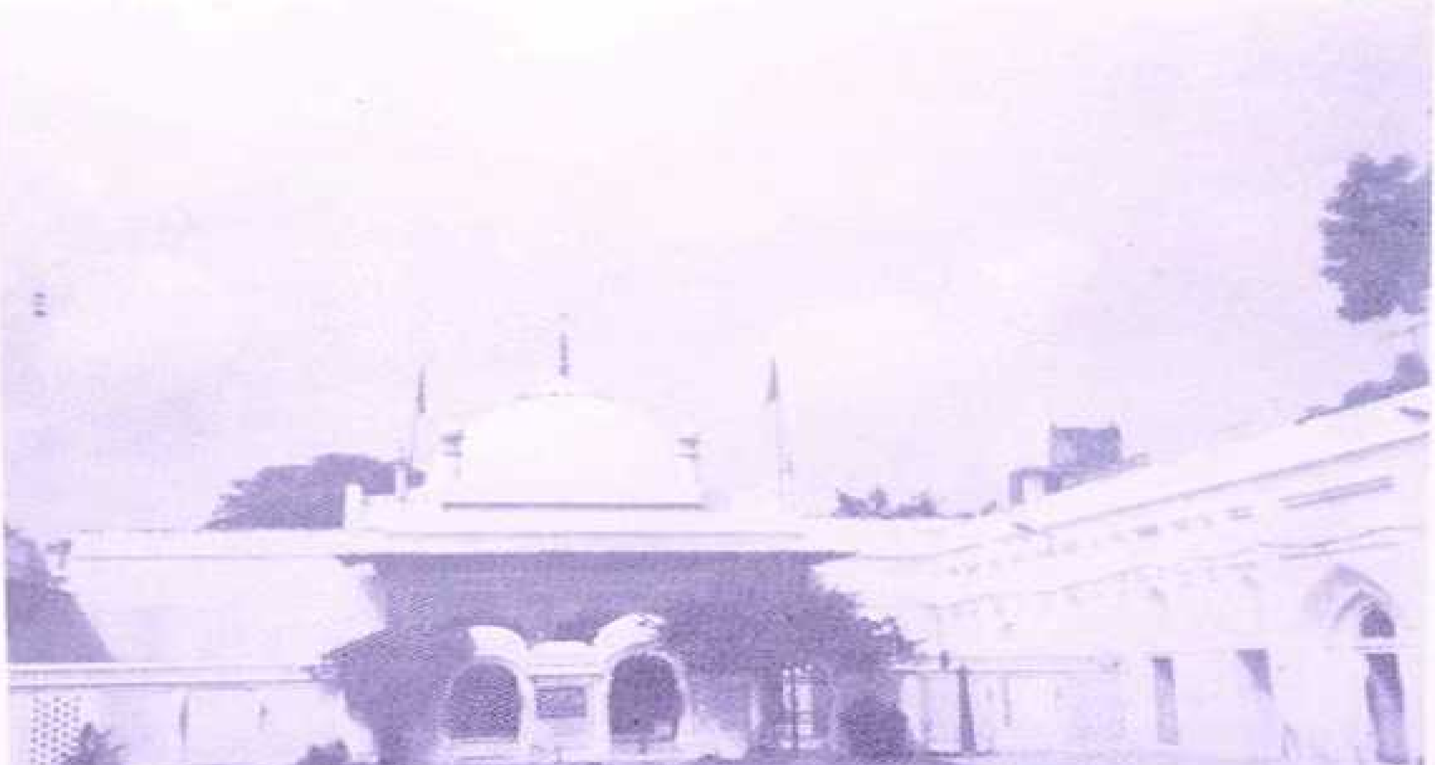

مقبرہ بو علی شاہ قلندر پانی پت۔

مقبرہ نواب مقرب خان (احاطہ درگاہ بو علی شاہ قلندر) پانی پت۔

مزار مولانا الطاف حسین حالی، در احاطہ بو علی شاہ قلندر) پانی پت۔

مسجد حضرت مخدوم صاحب پانی پت ۔

مقبرہ حضرت مخدوم صاحب پانی پتؒ۔

مسجد حصار فیروزہ کے صحن میں مقبرہ اور منارۂ زریں، حصار۔

مسجد حصار فیروزہ کے صحن کے کنارے حوض کبیر، حصار۔

ویران و غیر آباد مسجد بھونڈسی گوڑگاؤں۔

ویران و غیر آباد مسجد بھونڈسی کا عقبی حصہ

مسجد بھونڈسی کا وہ حصہ، جو منہدم ہو چکا ہے، گوڑگاؤں۔

غیر آباد مسجد سنہہ، گوڑگاؤں۔

محکمہ آثار قدیمہ کے زیر انتظام مسجد، مدرسہ ابراہیم سور نارنول۔

محکمہ آثار قدیمہ کے زیر انتظام مقبرہ ابراہیم سور نارنول۔

مقبرہ ابراہیم سور (نارنول)۔

نارنول، جس کو ماضی میں مسجدوں اور مدرسوں کا شہر کہا جاتا تھا،

صدر دروازہ مسجد کابلی باغ پانی پت۔

مسجد کابلی باغ کی محراب میں قرآنی آیات اور عمدہ نقش و نگار۔

مسجد نجم الحق سہنہ میں قائم سرکاری اسکول کے بچے نظر آرہے ہیں۔

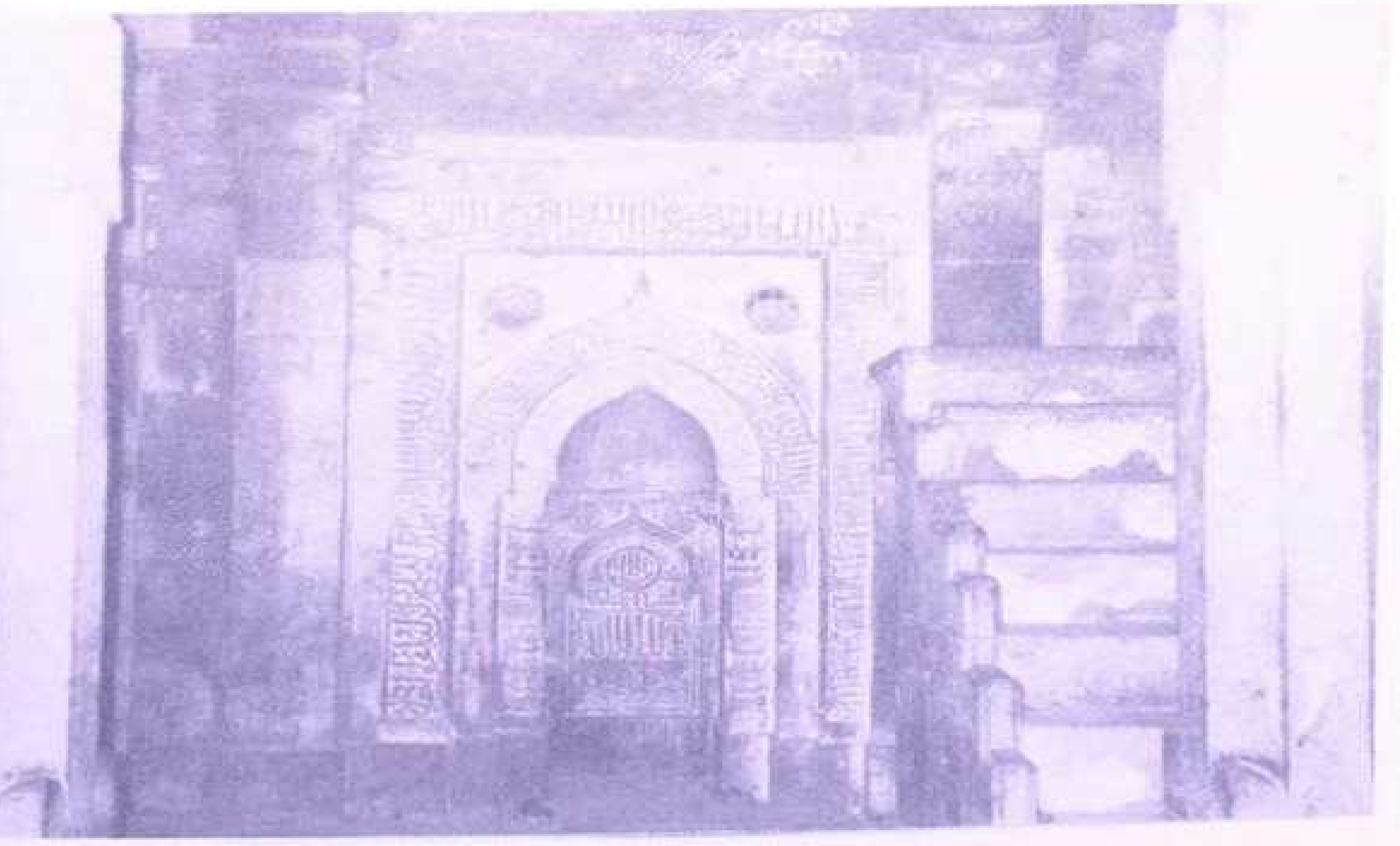

مسجد نجم الحق سہنہ، جسکی محراب میں قرآنی آیت منقوش ہیں۔

جامع مسجد فرید آباد۔

فرید آباد میں فرید بخاری کا تالاب، جس پر اب حکومت نے پارک بنادیا ہے۔

مسجد مالیان سہنہ (گوڑگاؤں)۔

مسجد پارک والی سہنہ گوڑگاؤں۔

شاہ جہانی جامع مسجد کا عقبی حصہ سرسہ۔

جامع مسجد کے صحن میں رکھا ہوا کتبہ، جس میں شاہجہاں کا نام کندہ ہے۔

جامع مسجد تراوڑی۔

مسجد اندرون قلعہ اعظم آباد (تراوڑی)۔

محکمہ آثار قدیمہ کے زیر انتظام مسجد اور مقبرہ شیخ چلی کا صدر دروازہ۔

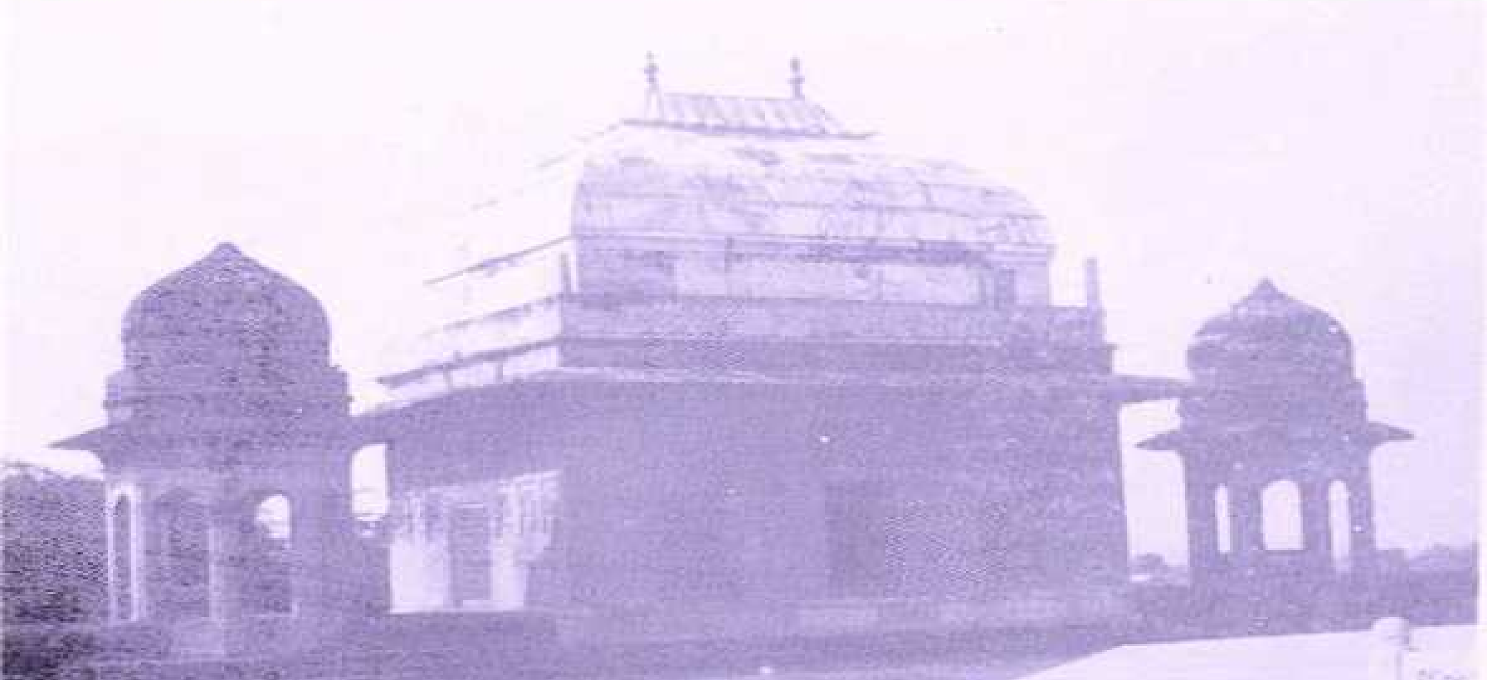

مقبرہ شیخ چلی کا گنبد۔

مسجد کوٹلہ میوات ۔

مسجد عید گاہ مالب۔

مسجد ماموں بھانجے سونی پت کا عقبی حصہ۔

جامع مسجد کرنال۔

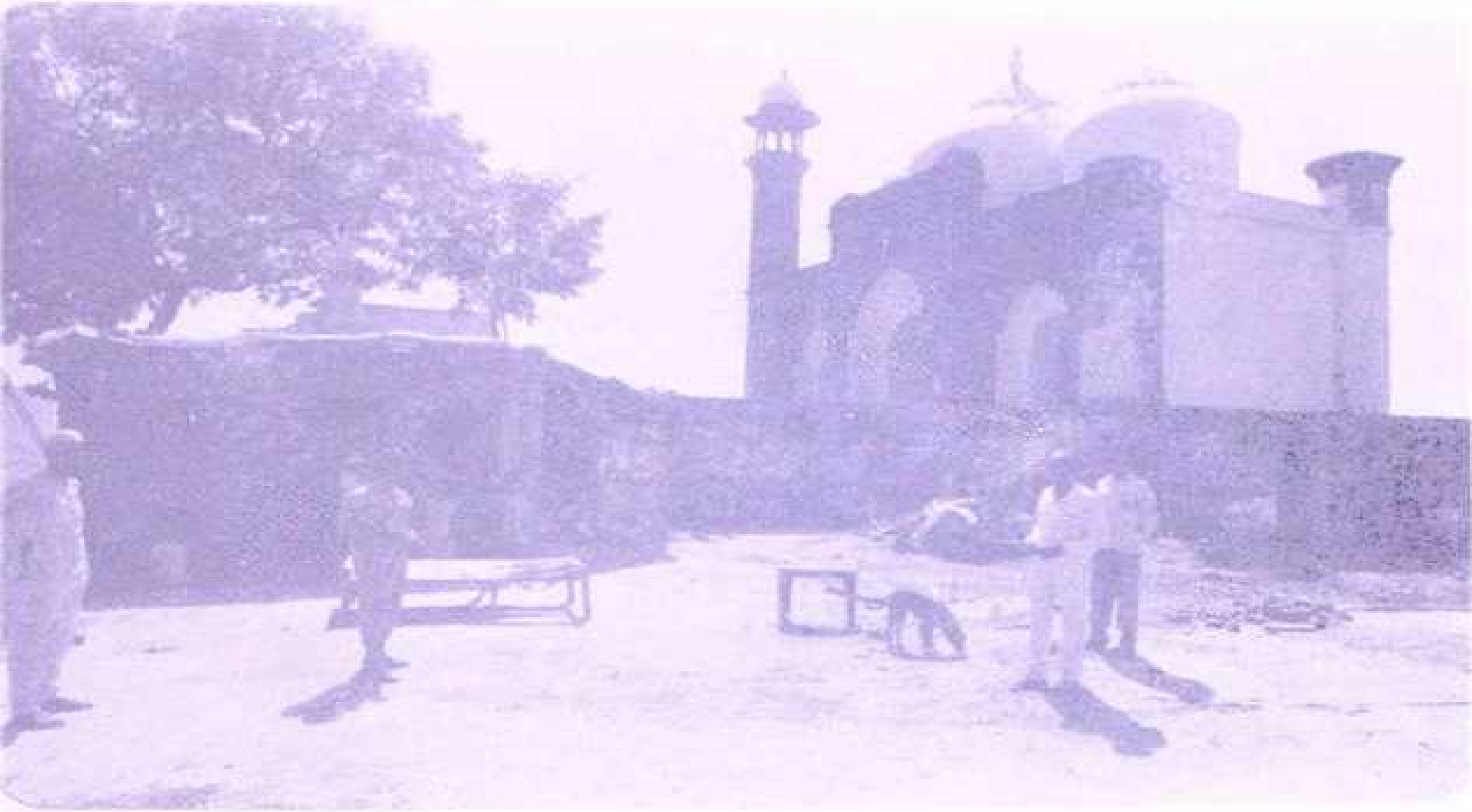

مسجد علی وردی خاں، گوڑ گاؤں۔

شہید کالی مسجد جھجر، جس کے اندر بھینس بندھی ہوئی نظر آ رہی ہیں۔

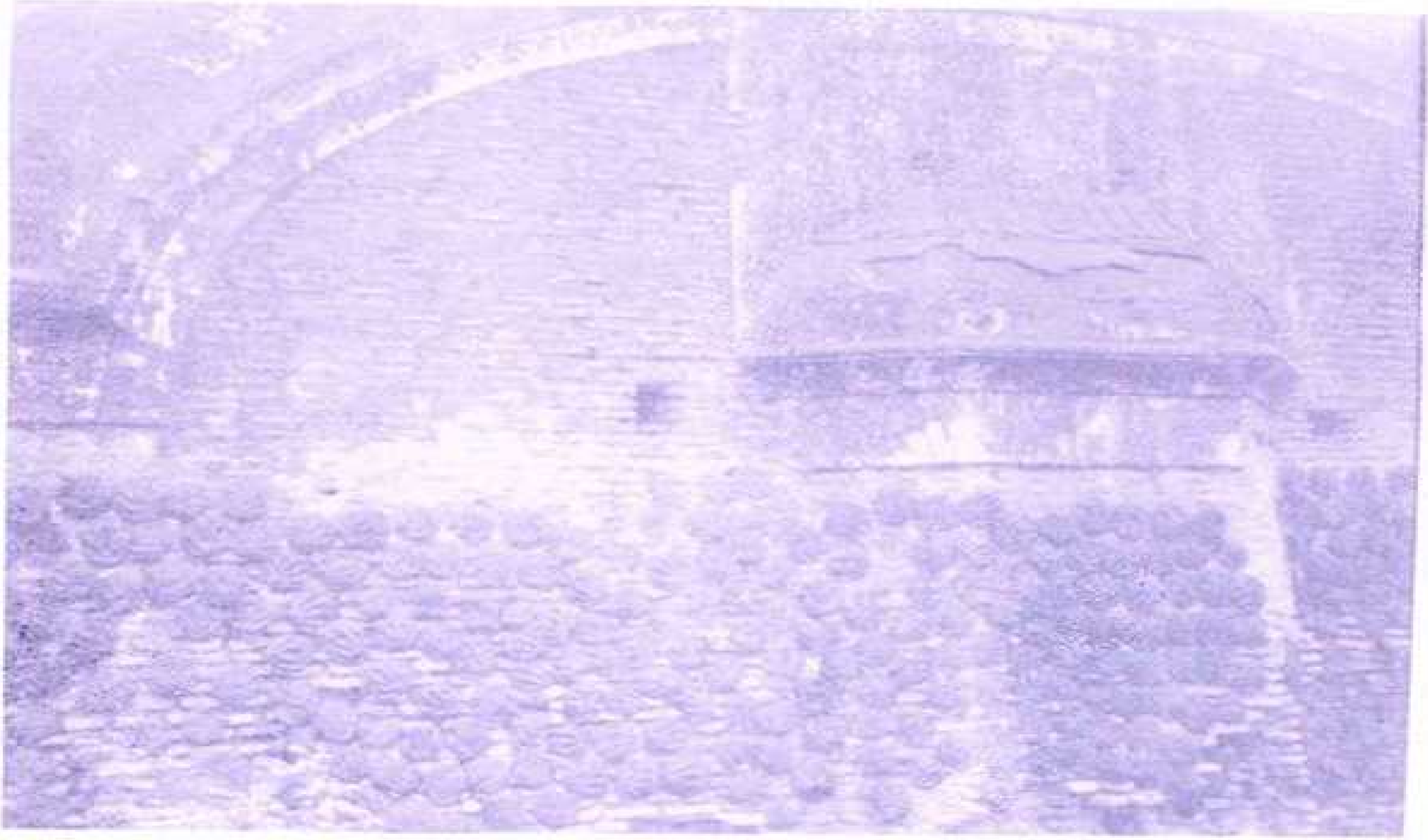

عید گاہ تراوڑی کا دردناک منظر۔

قلعہ اعظم آباد کے صدر دروازہ کے سامنے عالمگیری تالاب۔

جامع مسجد لوہارو۔

مسجد اندرون قلعہ نواب لوہارو۔

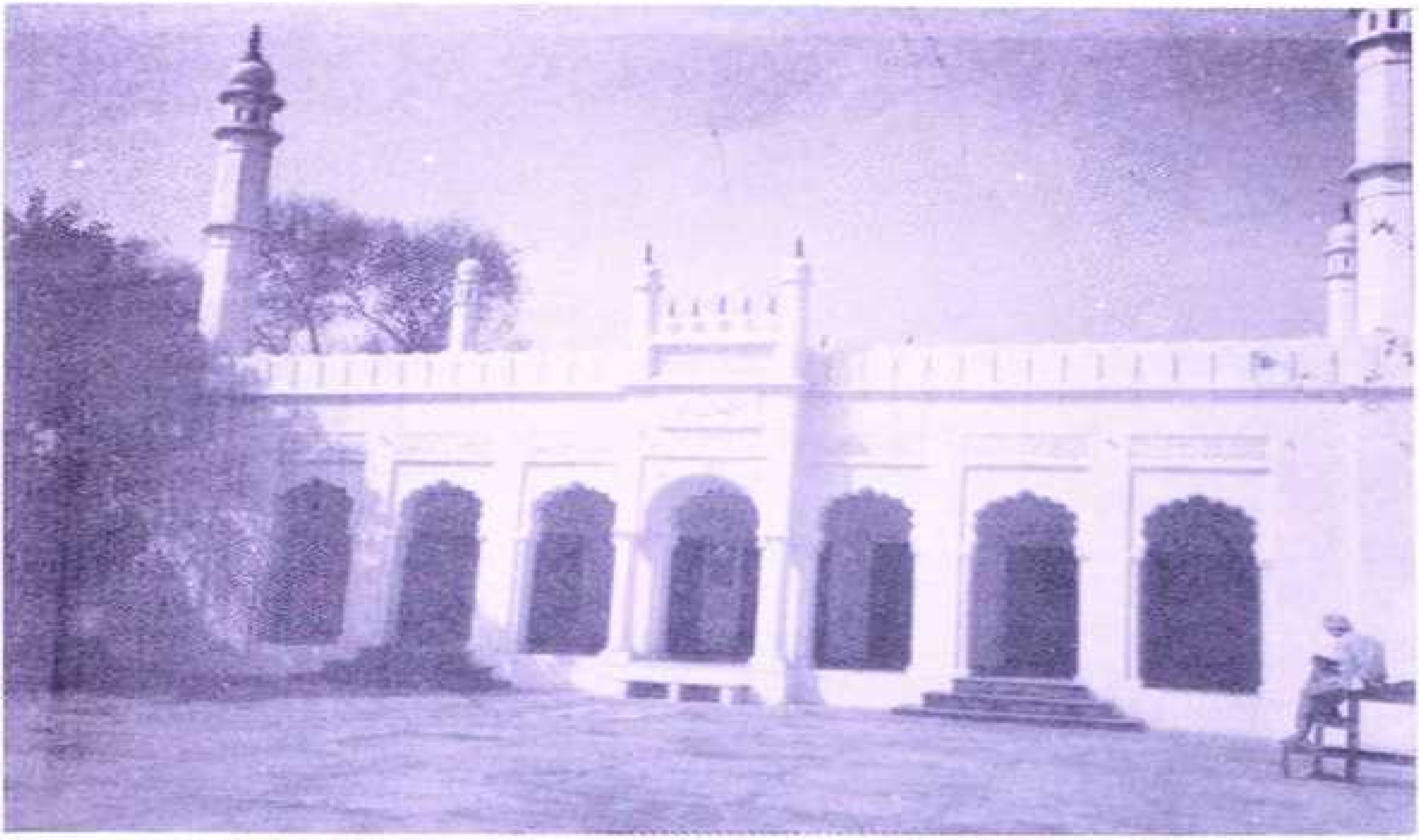

جامع مسجد پٹودی۔

مسجد اور مقبرہ ریواڑی۔

قلعہ کانگڑہ میں واقع منہدم مسجد۔

جہانگیری مسجد قلعہ کانگڑہ کادردناک منظر۔

مسجد قلعہ نور پور ضلع کانگڑہ

مسجد قلعہ نور پور کانگڑہ ، جس میں مندر ہے۔

مسجد مکلوڈ گنج دھرمشالہ، جس میں ویلفئر کا دفتر ہے۔

مسجد مکلوڈ گنج کی دیوار پر تبّتی ویلفیئر آفس کا بورڈ۔

مسجد مکلوڈ گنج میں سیکورٹی اور پاسپورٹ آفس۔

مسجد مکلوڈ گنج دھر مشالہ سے ملحق قدیم قبرستان۔

مسجد یول کیمپ ضلع کانگڑہ

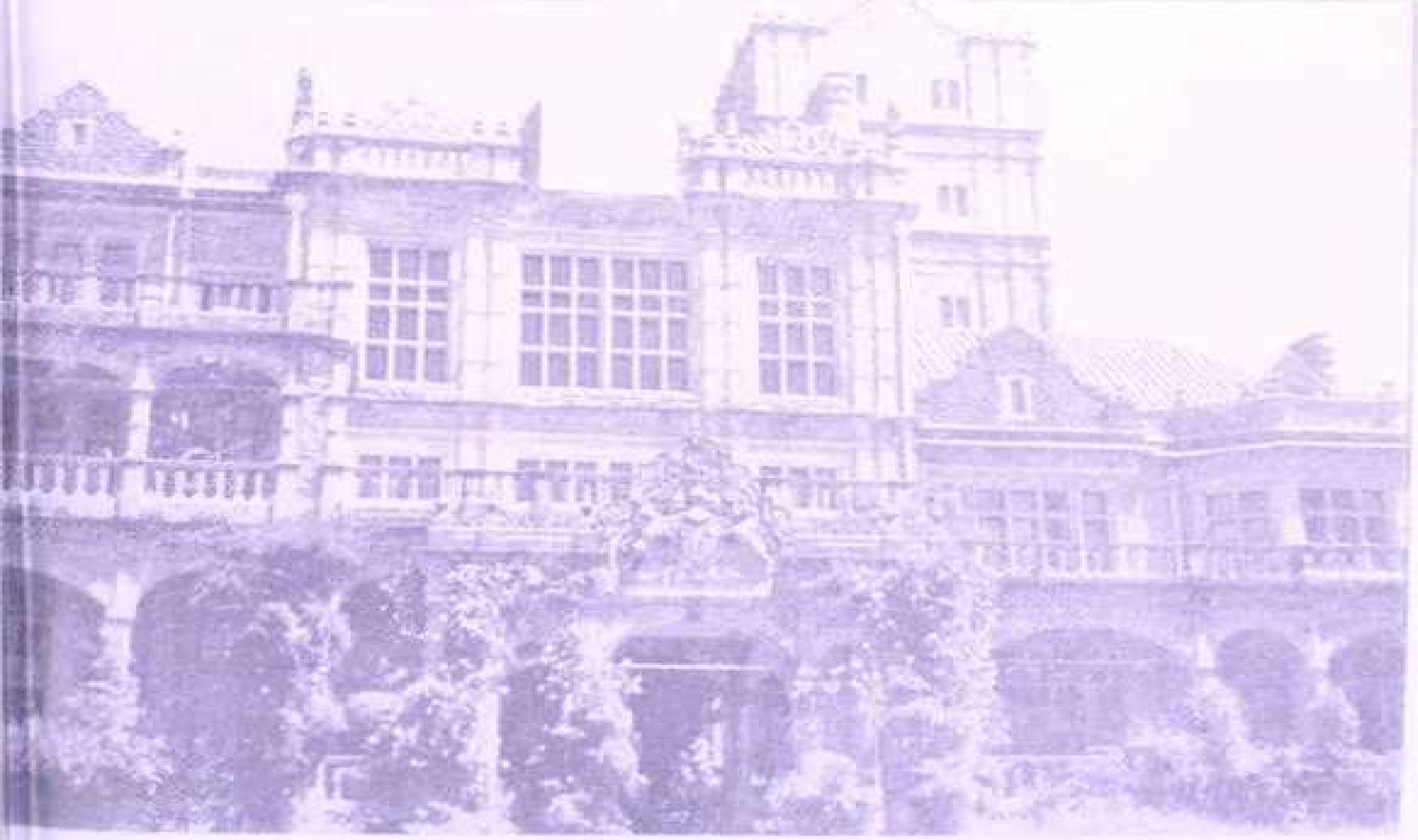

وائسرائے ہاؤس شملہ جہاں تقسیم ہند کا فیصلہ ہوا جو مساجد کی تباہی کا سبب ہوا۔

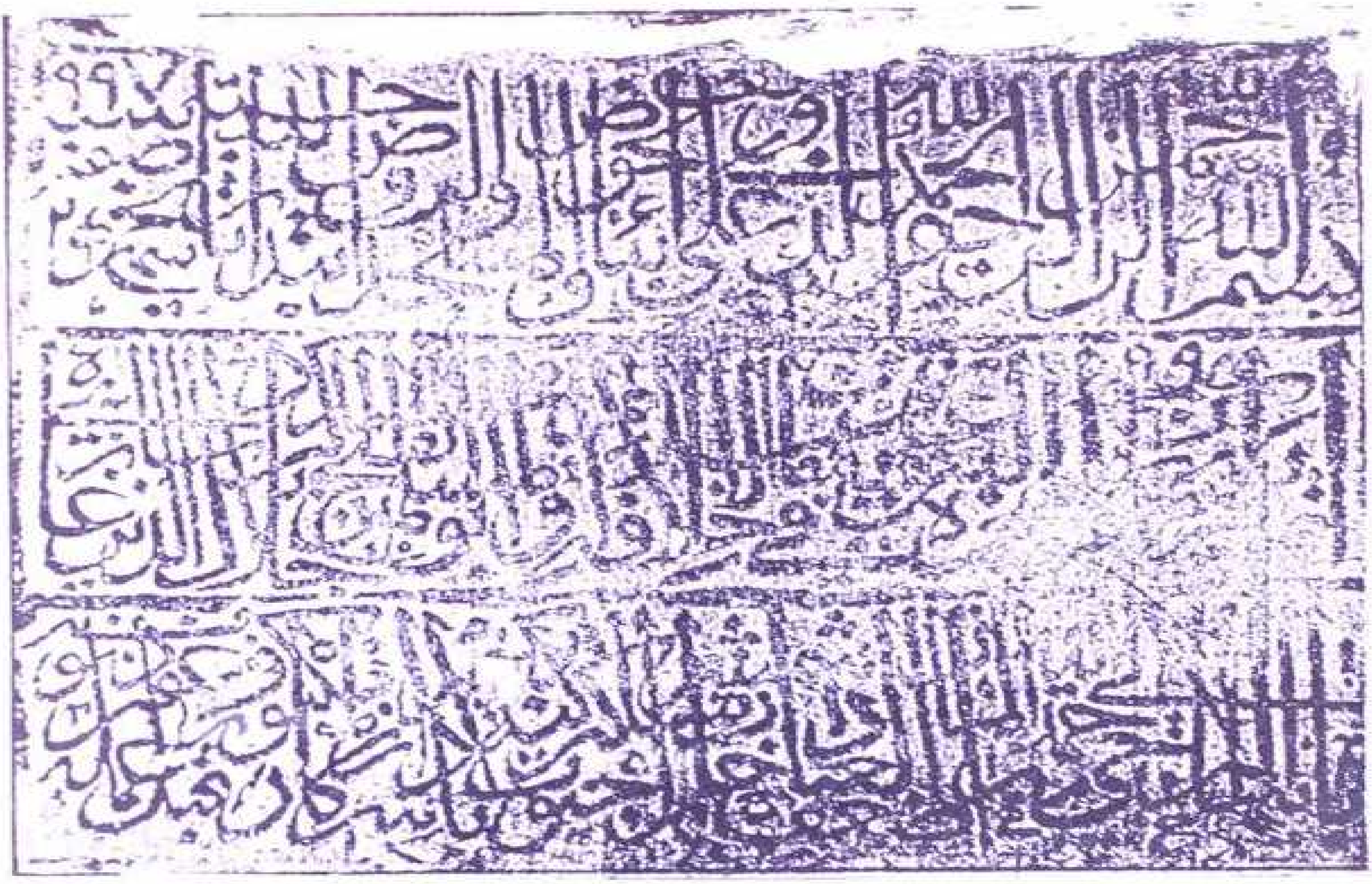

تاریخی کتبہ، مقبرہ شمشیر خاں بٹالہ۔

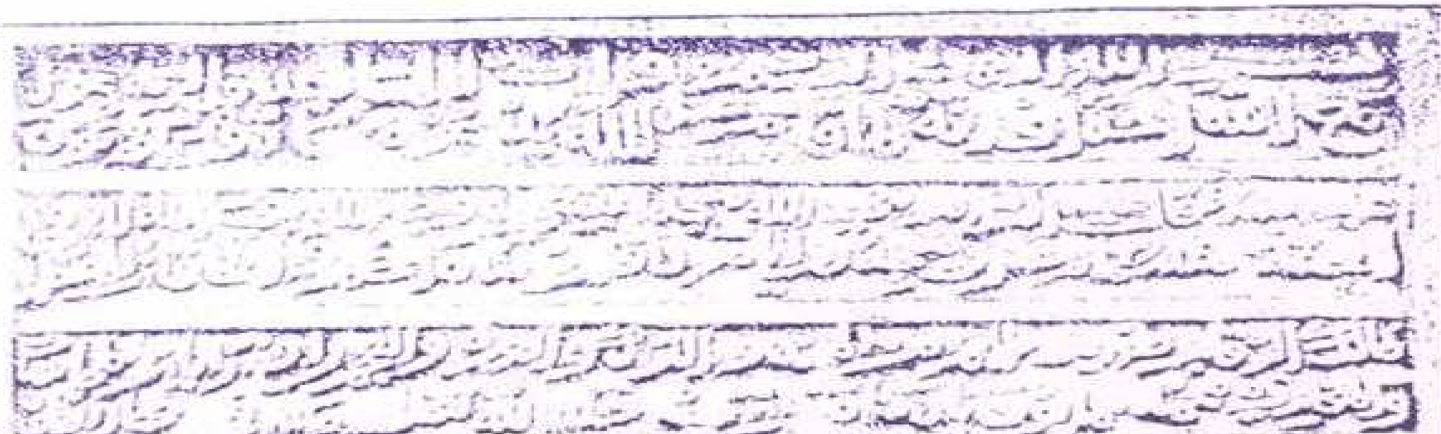

تاریخی کتبہ، عید گاہ فتح آباد (ہریانہ)

تاریخی کتبہ، مسجد پیرزادہ میہم (ہریانہ)

تاریخی کتبہ، مسجد شاہ ولایت کیتھل (ہریانہ)

Copy of Judgement

In the court of Sh. S. C. Marwaha,pcs,

Sub Judge Ist Class, Kapurthala.

Civil suit No. 48 of 12.9.1992.

Decided on. 18.1.1994

Punjab Wakf Board , 50 Sardar Patel Marg, Ambala Cantt. through Estate officer, Kapurthala.

Plaintiff,

Versus.

1. Punjab state through secretary to the Govt. of Punjab Department of Revenue, Chandigarh.
2. Collector (Deputy Commissioner) Kapurthala
3. Sampuran Singh son of Didar Singh, near ESI Hospital Kapurthala.
4. Kultar Singh son of Sant Singh near Markfed, kapurthala.
5. Raj Kumar son of Hans Raj near Imprvement Trust, office, Kapurthala.

..Defendants.

Suit for possession of land measuring 57kanals 2 marlas bearing khasra No s. 5074(3-12) 5075

(2-13), 5076 (3-4), 5077 (4-13), 5628 / 5087 (1-0), 509 1min (0-17), 509 2min (1-10), 509 min (2-0), 5094 (3-8), 5095 (2-7), 5096 (3-10, 5097 (2-10), 5098 (1-11), 5102 (0-2), 5104 (4-2) 5105 (4-2) 5106 (4-13) 5107 (3-2), 5108 (3-13), 5109 (2-11), 5110 (1-12), 5111 (0-10), situated-at Kapurthala, Tehsil and District, Kapurthala.

-0-0

JUDGEMENT.

plaintiff,s case is that plaintiff is a body corporate under the Wakf Act of 1954 (here-in- after called the Act) and as such can sue under its own name and that plaintiff Board was formed in the year 1960 in the state of Punjab in excersie of the powers con ferred by sub section (3)of section 64 of the act and the other powers vested in the Central Govt,the plaintiff board was superseded from time to time and vide.Notification dated 30. 3.1990. period of supersession of the plaintiff Board has bean cxtended for the period 1.5.1990. to 30.4.1991 and for this period, Manzoor Ahmad I. P. S.

had been appointed as Administrator , Punjab Wakf Boared (Here-in ater called the board) said Manzoor Ahmad has authorised the Estate officer of the Punjab Wakf Board, Kapurthala to file the present suit. Vide notification dated 27. 2.1961. the Punjab Government in exercise of the powers conferred by section (2) of section 55 of the Administration of Evacuee property 1950 directed that powers under sub section (1) of section 11 in respect of Muslim Evacuee properties in trust for a public purpose of the religious or charitable nature in the Punjab state exercisedable by the Government of Punjab by virtue of Government of India, Ministry of Rehabilitation, notification No. 2(52) /57- pnpo dated 18. 3. 1960. shall be exercise able by the Board of Wakfs established under section 9 of the Muslim Wakf Act, 1954. The suit land is a Maufi land in the name of Maszid Haji Sahib Maufidar, a Muslim public wakf and by operation of law , the Maufidar has before owner of this land under the provisions of the Act. The survey of the suit property was made under the supervision of the com-

missioner appointed under the above said act and the suit property was found to be a muslim public wakf property. After the formation of Pakistan, all muslim public wakf properties in the state of Punjab undert the provisions of the act have vested in the plaintiff Board, who is vested with the powers of possession,management supervision and all other rights of ownership of the said property . The suit land being attached to the Masjid has thus vested in the plaintiff Board on its formation in the year 1960 and therefore, the plaintiff Board has been vested with the right to take its possession. The Dharam Arth branch of the office of Deputy Commissioner. Kapurthala has been in possession and has been managing the suit property after the formation of the Pakistan but after the formation of the plaintif Board, the defendant No s.1 and 2 have have got no right to retain possession and manage the suit property. The Dharam Arth branch of the office of the Deputy ommissioner, Kapurthala has given on lease the suit land to defendant Nos .3 to 5. Since this act of the office of the Deputy

Commissioner, Kapurthala is unauthorised an illegal, the plaintiff Board is not bound by the same. Notice under section 80 cpc was served upon defendant Nos . 1 and 2 to hand over the possession. on refusal of the defendants to deliver possession of the suit property to the plaintiff present suit has been filed.

2. Defendant Nos .1 and 2 in their written statement have alleged the suit to be not maintainable. The locus standi of the plaintiff board has been challenged. valid notice under section 80 CPC is alleged not to have been given to them. It has been pleaded that the Punjab Government is the owner of the suit property. plaintiff Board is denied to be the owner of the suit property . It has been pleaded that the Dharam Arth Barnch of the office of Deputy Commissioner Kapurthala is managing the suit property and that the said branch has given the suit land on lease to different persons, The defendants have further denied all other assertion and allegations of the plaintiff other defendants were proceeded against exparte.

3. Replication was not filed. From the pleadings of

the parties, the following issues were framed:-

1. Whether the suit is barred for want of notice under section 80 CPCPOPD.
2. Whether the plaintiff has no locus standi to file the present suit?.
3. Whether the plaintiff is a corporate body under the wakf Act1954 and ManzoorAhmad is competent to file the present suit?
4. Whether the suit property vests in the wakf Board and is owned by it? If so, its effect?
5. Whether the act of Dharam Arth branch of the Deputy Commissioner is illegal, null and void and not binding upon the plaintiff?
6. Relief.

4. I have heard the learned counsel for the parties and have gone through the record of the case. My findings on the above issues are as under:-

Issue No. 1.

5. In order to prove this issue, plaintiff Board has examined PWI Abdul Latif khan , Estate officer.He has deposed that notice under section 80 CPC was served

upon the defendants through its counsel Harcharan Singh, Advocate. He has proved the copy of the said notice is Ex. P2. postal receipts are Ex. P3 and P4 and its acknowledgement Ex. P5. Dwl Harmesh Kumar supervisor of Dharam Arth Branch of Deputy Commissioner. office, Kapurthala in his cross-examination has admitted that notice, copy of which is Ex. P2. has been received in his office. In view of the said admission of DWL Harmesh Kumar and the documents proved by the plaintiff Board, I hold that the plaintiff Board had served not ice under section 80 cpc upon the defendant Nos. 1 and 2. No notice was required to be served upon the other defendants. Therefore. this issue is decided in favour of the plaintiff.

<u>Issue No s. 2 to 5.</u>

6. I will decide these issues togegher, as these are inter-connected. In order to prove its case, plaintiff board has examined PWL Abdul Latif khan, Estste officer and Pw2, Mohd unus Ansari and Pw3 Mohd Ajmer Ali, PW L Abdul Latif khan has deposed that as an Estate officer, it is his duty to look after the Board property in

the District and that the suit property is an agricultural land attached with the Mosque and that the Mosque is Maufidar and that the same vests in the plaintiff Board and that the Administrator of the Board Manzoor Ahmad has authorised him to file and prosecute the present suit vide authorisation Ex. P1. He has proved the copies of different notifications Ex. P7 to Ex. P 14, copies of jamabandies Ex. P 14 to P 19, copies of khasra Girdharies Ex. P 20 to P 23 copies of Jamabandies Ex. P 24 to P 31, copy of Farisad Muaffi Ex. P 32. copies of Bandobast Ex. P 33 to Ex. P 35 anoher copy of Jama-bandi Ex. P 35, copies of mutations Ex. P 37 to P 40, copies of Jamabandies Ex. P 41 and p 42 and Ex. P 43 is the copy of Survey Register. He has further de-posed that defendant Nos. 3 to 5 are in illegal possission of the suit land Pw2. Mohd,Unus Ansari and PW3 Mohd. Ajmer Ali have supported the plaintiff's version re-garding suit property being attached with the Mosque and theMuslim visitingthe Mosque in question for prayers.

7. As against this, defendant Nos.1 and2 have exa-mined DWI Harmesh Kumar supervisior, Dharam Arth

Board, D. C.office, Kapurthala, He has deposed that the Mosque in question was built by late Maharaja of Kapurthala. He was not a Mulsim and that the land adjoining to the Mosque in question was donated by Maharaja kapurthala, who was a Sikh Ruller and that after the merge: of the states Pepsu State came in to existence and the same was governed by Raj Parmukh and that the Raj parmukh of the Pepsu state vide letter, photo copy of wnich is Ex. D1 had delegated the powers to the concerned Deputy Commissioner for managing the suit property and that after the merger of the pepsu state in Punjab state, the ownership of the suit property came to punjab state and that plaintiff Board has nothing to do with the suit property and that the suit property is being given on lease by Dharam Arth branch of theDeputy commissioner's office, Kapurthala. He has however deposed that now this Masjid has been declared as protected monument vide notification No .1(9) 4 Tc-81/134 dated 20. 1. 1982 issued by the Department of Archaeology and its management and maintainance is being made by the said department and that

the possession of this property alongwith the land was delivered by Archaeology Department on 31. 1. 1985. He had brought the original record regarding taking over possession of the said property by Archeaology Department and has proved the copy of the same as Ex. D2. In his cross-examination, he has admitted that he has not brought the original photo copy of document and that the photo copy of the original Ex.D1 is neither attested nor authenticated as per their record.

8. I have heard the learned counsel for the parties and have gone through the oral as well as documentary evidence on record, the pleadings of the parties and the relevant provisions of law. As per the definition of "wakf" contained in clause- I of section 3 of the Act "wakf" means the permanent dedication by a person processing Islam or any other person of any movable or Immovable property for any purpose recognised by the Muslim law as pious, religious or charitable and includes-

(i) a wakf user(but such wakf shall not cease to be a wakf by reason only of the user having ceased irrespective

of the period of such ceaser (ii) grants (including mash-rut-ul-khidmat maufies. khairati. gazi services, mad-ad-mash for any purpose recognised by Muslim Law as pious, religious or charitable, and (iii) a wakf-alal-au-lad, provided that in the case of a dedicaion by a person not professing Islam, the wakf shall be void if,on the death of such person,any objection to such dedication is raised by one or more of his legal representatively, secticn 4 of the act deals with the preliminary survey of the wakf property and section 5 of the said act deals with publication of the list of wakfproperty, and section 6 relates to the dispute regard-ing wakf property as mentioned in the list published under section 5 of the said Act, and section 6 of the said act envisages that any person interested in any property mentioned in the list publised under section 5 of the said act may institute a suit in a civil court of competent jurisdiction and the decision of the civil court in respect of such matters shall be final. A provi-sio has been attached to the said provision and in the said proviso, it has been laid down that no such suit

shall be entertained by the civil court a fter the expiry of one year from the date of publication of the list of wakf under sub-section 2 of section 5. section 66-c of the act lays down that notwithstanding anything contained in this act, where any movable or immovable property has been given or donatad by any person not-professing Islam for the support of a wakf being.a mosque, Idgah, imambara, dargah khanqah ora Maqbara, a Muslim graveyard, a choultry or a musafirkhana. then such property shall be deemed to be çomprised in that wakf and be dealt with in the same manner, as tne wakf in which it is so comprised. It is not disputed that earlier the suit property was owned by Maharaja of Kapurthala and that the same was donated by the Maharaja of Kapurthala for Mosque and that after his death, none of his legl heir raised any objection. The revenue record produced by the plaintiff Board shows that the suit property is a Mosque with attached land and in the column of ownership, Punjab Government has been recorded to be owner of the suit property. The copy of notification

Ex. P7 shows the suit property be Mosque with agricultural land attached there to. The defendats have not brought any material on record to show that they had filed any suit within one year from the date of notification in question for challenging the said notification. Thus in view of the provisions of section 6 of the act, the suit property having been mentioned in the list published under section 5 of the Act and by virtue of section 66-c of the Act, has to be a taken to have vested in the Punjab Wakf Board.The learned Govt. pleader at the time of arguments has produced the photo copy of not ification No. 1(9) 4-TC 81/134 dated 20.1.1982 whereby jama Masjid situated in khasra No. 5091 to 5097 has been declared to be a protected monument by the department of Archaeology of Punjab Government and with respect there to DWI Romesh kumar has made. The statement in his examination in chief. which part of the statement has not been challenged the plaintiff. The document Ex.D1 cannot be read in evidince, the original of the same not having been brought at the

time of proving the said document and even otherwise, the persue of the said document does not suggest any contrary right in any other authority including the Punjab Government over and above the right vested in Punjab Wakf Board vide notification discussed above show that the plaintiff Board is a corporate body and Manzoor Ahmad is the Administrator of the Punjab Wakf Board and thus is competent to file the present suit. Since Dharma Arth Branch of the Deputy Commissioner office of the Punjab Government is not the owner of the suit property, the act of Dharma Arth Branch of the Deputy Commissioner's office is patenlly illegal and null and void and not binding upon the plaintiff. Therefore even if the defendant Nos.3 to 5 are taken to be in possession over the suit property having taken possession of the same from the Dharma Arth Branch of the Deputy Commissioner, office kapurthala. They can not resist their dispossession by the plaintiff Board by way of this suit. However in view of the notification dated 20.1.1982 referred above, though the Punjab Wakf Board is the owner of the said property but is not entitled to take

possession thereo of, as the said Jama Masjid is to remain under the control and care of Department of Archaeology of the Punjab Govetnment. In view of the above discussed position Issue Nos.2,3 and 5 are decided in favour of the plaintiff and issue No.4 is partly decided in favour of the plaintiff as discussed above.

<u>Issue No.6(Relief)</u>

9. In view of my findings on the above issues, plaintiff suit is partly decreed for possession of the suit land except khasra Nos. 5091 Min (0-17),
5092 min (1-10), 5093 (2-0),Min. 5094 (3-8), 5095 (2-7), 5096(3-10), and 5097 (2-10), plaintiff's suit with respect to the khasra Numbers 5091 to 5097 is dismissed. Parties are however, left to bear their own costs. Decree sheet be prepared. File be consigned to the record Room.

Announced.	sd/- s.c.Marwaha
18.1.1994	Sub Judge 1st Class
Compared.	Kapurthala
Read._____Heard	

Copy of <u>Decree Sheet.</u>

In the court of Sh.S.C.Marwaha,PCS,

SubJudge 1st Class ,Kapurthala.

Civil suit No.49 of 12-9-1992.

Decided o n . 18-1-1994.

Punjab Wakf Board ,50 Sardar Patel Marg ,

Ambala cantt.through Estate Officer, Kapurthala.

...Plaintiff...

versus.

1.Punjab state through secretary to the Govt.of Punjab

Department of Revenue,Chandigarh.

2.Collector (Deputy Commissioner),kapurthala.

3.Sampuran Singh son of Didar Singh, near ESI Hospital

Kapurthala.

4. Kultar Singh son of Sant Singh,near markfed

Kapurthala.

5.Raj Kumar son of Hans Raj near Improvement Trust

office, Kapurthala.

...Defendants...

Suit for possession land measuring 57Kanals

2 marlas bearing khasra No.5074(3-12), 5075

(2-13), 5076(3-4), 5077(4-13), 5628/5087(1-0), 5091 min (0-17), 5092 min(1-10), 5093min(2-0), 5094(3-8), 5095(2-7), 5096(3-10), 5097(2-10), 5098(1-11), 5102(0-2), 5104(4-2), 5105(4-2), 5106 (4-13), 5107(3-2), 5108(3-13), 5109 (2-11), 5110 (1-12), 5111(0-10), situated at Kapurthala, Tehsil and District, kapurthala.

-o-o-

Value for the purpose of court fee and jurisdictions Rs.150/-

This suit coming on this day for final disposal before me(S.C.Marwaha. PCS, Sub Judge 1st class. Kapurthala) in the presence of Sh. Harcharan Singh Advocate counsel for the plaintiff and Govt. pleader counsel for the defendants. It is hereby ordered that the suit of the plaintiff is partly decreed for possession of the suit land except khasrh No.s 5091 Min (0-17), 5092 min(1-10), 5093(2-0), min 5094(3-8) ,5095(2-7), 5096 (3-10), and 5097(2-10), Plaintiff's suit with respect to the khasra Numbers 5091 to 5097 is dismissed, parties are however left to bear their own costs.

COSTS OF THE SUIT.

Plaintiff.	Amount.	Defendant	Amount
1.stamp for plaint.	15-00	stamp for power	Govt. pleader.
2. stamp for power.	1-25	Govt pleader	-
3. Counsel fee	15-00	-	-
4.process fee	5-00		
5. Misc.	22-50		
Total =	58-75		

Given under my hand the seal of this Court on 18th day of January, 1994.

(seal)

sd/-S.C.Marwaha,
Sub Judge 1st Class,
Kapurthala.

compared.

Read.________ Heard

مسجدیں

مہبطِ انوار تسلیم و رضا ہیں مسجدیں — سجدہ گاہِ اُمت خیر الوریٰ ہیں مسجدیں

خواجۂ بطحا نے بخشا بنت کعبہ کا لقب — اس رعایت سے پیمبرؐ کی دُعا ہیں مسجدیں

شاہ سے لیکر گدا تک سب یہاں سجدہ گزار — چہرۂ قرآن و سنت کی ضیا ہیں مسجدیں

ہم گنہگاروں کو ملتا ہے سکون دل یہاں — ہم مریضوں کیلئے دار الشفا ہیں مسجدیں

حجرۂ نبویؐ کی تصویریں بسیط ارض پر — کعبۃ اللہ کا جمال دِل کشا ہیں مسجدیں

والیان ملک کے خوف وخطر سے دست کش — بے نیاز گردش ارض و سما ہیں مسجدیں

قرن اوّل کی اذانیں ان کے سنگ وخشت میں — بارک اللہ معدنِ صدق وصفا ہیں مسجدیں

مشرق ومغرب میں ابراہیمؑ کے گھر کی مثیل — جنت الفردوس کی چہرہ نما ہیں مسجدیں

ہر زمانے کے خداؤں سے دلاتی ہیں نجات
ہر کڑی اُفتاد میں مشکل کشا ہیں مسجدیں

آغا شورش کاشمیری مرحوم

تضمین

رب اکبر کی اطاعت کا سفر ہیں مسجدیں
در حقیقت جادۂ فکر و نظر ہیں مسجدیں

اہل ایماں کے عقیدے کی سپر ہیں مسجدیں
پاسبان سنت خیر البشرؐ ہیں مسجدیں

عارفانِ راہ حق سے پوچھئے اس راز کو
معرفت کا ایک نقش معتبر ہیں مسجدیں

ان سے ملتا ہے مسلمانوں کو ایمانی شعور
صبر و استقلال و ہمت کا نگر ہیں مسجدیں

یہ جہانِ شوق میں کرتی ہیں برپا انقلاب
کیا بتاؤں میں کہ کتنی معتبر ہیں مسجدیں

آدمی کو یہ دکھاتی ہیں صراطِ مستقیم
کاروانِ زندگی کی راہبر ہیں مسجدیں

اپنے مالک کی عبادت کرتے ہیں بندے یہاں
دین کا مرکز ہیں اور خالق کا گھر ہیں مسجدیں

مسکنِ عزم و یقیں ہیں مخزنِ علم و عمل
سرورِ کونین کی سیرت کا در ہیں مسجدیں

ان کے دم سے ہے شریعت کا چمن مہکا ہوا
سچ تو یہ ہے اک طریقت کا شجر ہیں مسجدیں

مسئلہ یہ صرف لمحوں اور زمانوں کا نہیں
دین کے سائے میں صدیوں کا سفر ہیں مسجدیں

ان سے حافظؔ حکمت و دانش کا ملتا ہے پیام
سرِ عرفانِ خودی سے باخبر ہیں مسجدیں

قاری محمد اسحاق حافظؔ سہارنپوری

مصنف کی چند اہم کتابیں

- الواح الصنادید (حصہ اول)
- الواح الصنادید (حصہ دوم)
- نقوش خاطر (قلمی خاکہ)
- دلی کی تاریخی مساجد (حصہ اول)
- دلی کی تاریخی مساجد (حصہ دوم)
- پنجاب و ہریانہ کی تاریخی مساجد